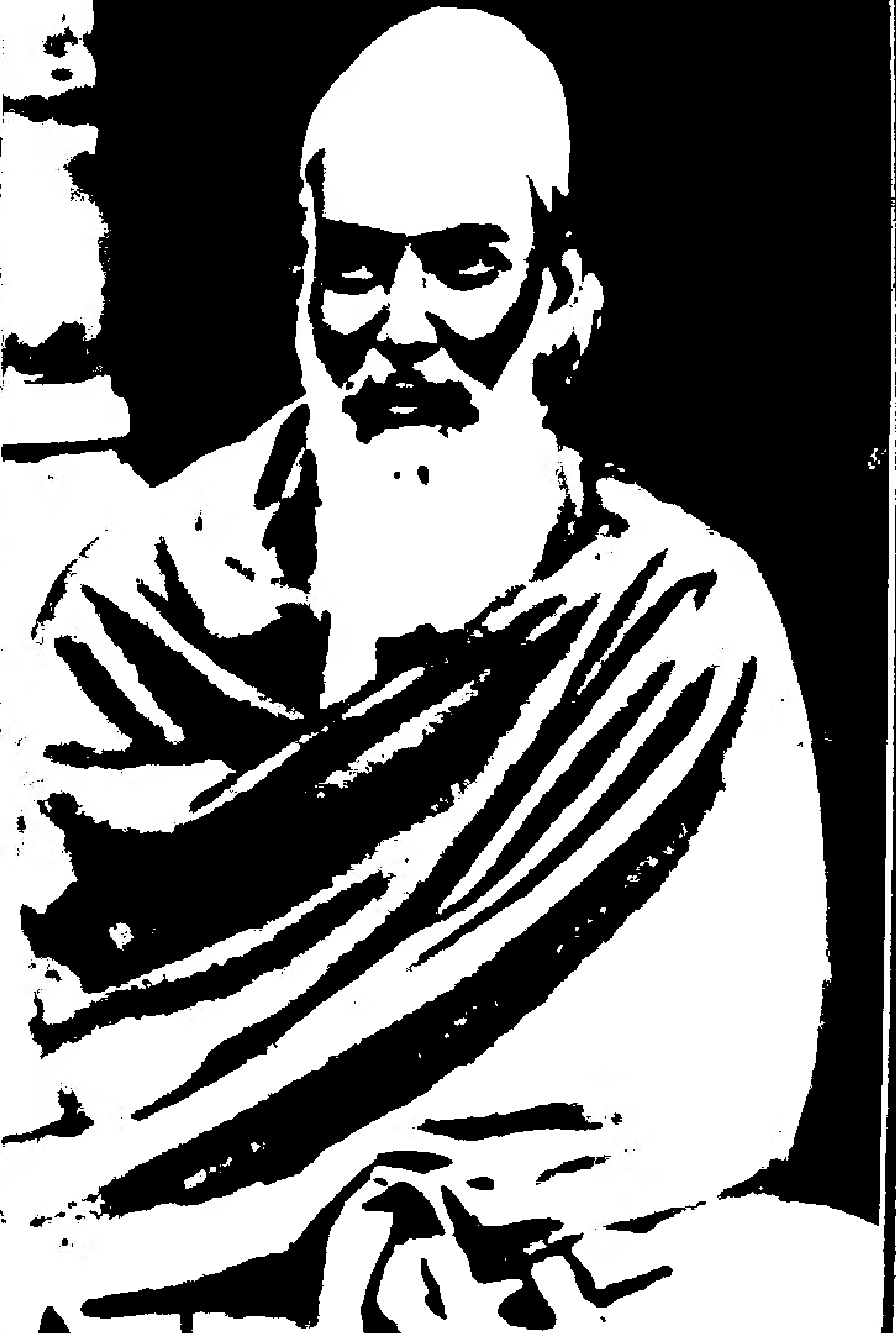
ذکرِ حبیب

یعنی حالات و کرامات و ملفوظات حضرت قبلہ غریب نواز
پیر سید غلام حیدر علی شاہ بادشاہ صاحب جلالپوری قدس سرہ العزیز



مؤلفہ
ملک محمد دین ایڈیٹر صوفی

باہتمام
بزمِ حیدریہ
جامعہ حیدریہ فیض العلوم
جلالپور شریف (جہلم)



حضور اعلیٰ حضرت غریب نواز
پیر سید غلام حیدر علی شاہ بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ جلالپوری

ذکرِ حبیبؐ

یعنی حالاتؒ کراماتؒ ملفوظات حضرت قبلہ غریب نواز

پیر سید غلام حیدر علی شاہ بادشاہ صاحب جلالپوری قدس سرہ العزیز

مؤلفہ

ملک محمد دین ایڈیٹر صوفی

ادارہ حزب اللہ

جلال پور شریف ○ جہلم

یکے از مطبوعات آستانہ عالیہ جلالپور شریف

نام کتاب — ذکر حبیب

مؤلفہ — ملک محمد دین (ایڈیٹر صوفی)

ناشر — ادارہ حزب اللہ جلالپور شریف ضلع جہلم

بار اول — ١٣٤٢ھ

بار دوم — ١٤٠٤ھ

بار سوم — ١٤٢٣ھ

بار چہارم — رمضان المبارک ١٤٢٧ھ

پنجم — رجب المرجب ١٤٢٣ھ بمطابق جون 2011

بسعی واہتمام

بزم حیدریہ

جامعہ حیدریہ فضل العلوم آستانہ عالیہ جلالپور شریف ضلع جہلم

فون 0544-786001,786398

پیش لفظ

ذکرِ حبیب اعلیٰحضرت قبلۂ عالم پیر سید غلام حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری قدس اللہ سرہٗ کے حالات، ملفوظات اور کرامات پر مشتمل ہے۔ پہلی بار ۱۳۴۲ھ میں ملک محمد دین صاحب مرحوم نے اسے شائع کیا تھا۔ اب ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۴ء) ہے اس طویل عرصے میں کتاب ناپید ہو چکی تھی۔ بالخصوص پیر بھائیوں کا اشتیاق اور اصرار بڑھ چکا تھا۔ بحمد اللہ اسے دوبارہ دیدہ زیب کتابت اور حُسنِ طباعت کے ساتھ شائع کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ کافی غور و خوض کے بعد یہی مناسب سمجھا گیا کہ اس میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کیا جائے۔ تمام صاحبان یہ دیکھ کر خوشی محسوس کریں گے کہ اگرچہ طباعت کے جدید طریقوں کے مطابق ظاہری زیب و زینت کی طرف خاصی توجہ دی گئی ہے مگر کتاب مبارک کی تمام معنوی خوبیاں بلاکم و کاست بدستور موجود ہیں اور اصل مقصود و مدعا یہی تھا۔

دربار عالیہ کے ۱۳۴۲ھ کے بعد کے حالات کتاب امیر حزب اللہ میں درج ہیں جو حضرت امیر حزب اللہ پیر سید محمد فضل شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حالات زندگی کے متعلق مفصل کتاب ہے۔ اس لحاظ سے اسے ذکرِ حبیب

کی دوسری جلد کہا جا سکتا ہے۔

میں نے پہلی مرتبہ ذکرِ حبیب کا مطالعہ اُس وقت کیا تھا جب میں مشکل اس کے معانی اور مطالب کو سمجھ سکتا تھا۔ اس کے بعد سینکڑوں قائدین، مشائخ اور نامور اشخاص کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا لیکن جو اثر اور کیفیت ذکرِ حبیب کے پڑھنے سے حاصل ہوئی تھی وہ پیدا نہ ہو سکی۔ متعدد علمائے کرام نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ذکرِ حبیب روزانہ باقاعدگی کے ساتھ پڑھا کرتے ہیں جس سے انہیں سکونِ قلب میسر آتا ہے۔ جو برادرانِ طریقت اس کتاب کے مطالعہ سے محروم رہے ہیں وہ اب اس سے مستفید ہو سکیں گے اور مجھے اُمید ہے کہ خود طمانیتِ قلبی کی نعمت حاصل کر کے اپنی نئی نسل کو بھی ترغیب دیں گے کہ اس بے بہا دولت سے فائدہ اُٹھائیں۔

[illegible] ۱۴۰۳
علی پور شریف [illegible]
(سجادہ نشین و امیرِ حزب اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محدثین کرام نے حضور نبی اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور اعمال کی جمع وتدوین میں سعی بلیغ سے کام لیا اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی حفاظت وصیانت کیلئے فن اسماء الرجال اور سلسلہ ہائے رواۃ معرض وجود میں آئے۔ اولیاء کرام نے محبوب رب العالمین علیہ التحیۃ والثناء کے طریق تزکیہ نفس کے تحفظ وابلاغ میں مساعی جمیلہ فرمائیں اور مختلف سلسلہ ہائے تصوف قائم ہوئے۔ ''ذکر حبیب'' سلسلہ چشتیہ نظامیہ حیدریہ کے طریق تزکیہ نفس کے حقائق ومعارف کا نادر مجموعہ ہے۔ تصوف ومعرفت کا ایک مہکتا اور لہلہاتا ہوا گلزار ہے۔ علم وعرفان کا کونسا نکتہ ہے جو اس میں بیان نہیں ہوا، تصوف وحکمت کا کون سا عقدہ ہے جو اس میں وا نہیں ہوا۔ اس کتاب کے بارے میں مختصراً یہی کہنا کافی ہے کہ یہ شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلیفہ حضرت خواجہ غریب نواز پیر سید غلام حیدر علی شاہ بادشاہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وکرامات وملفوظات پر مشتمل ہے۔

ملک صوفی محمد دین (ایڈیٹر ماہنامہ صوفی) نے اس کتاب کو کمال محبت وعقیدت اور حسن ذوق سے تالیف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کے ہر ہر لفظ سے موصوف کی عقیدت ومحبت منعکس ہو رہی ہے اور قاری اس کے مطالعہ کے وقت اپنے آپ کو حضور غریب نواز پیر سید غلام حیدر علی شاہ بادشاہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک مجلس میں بیٹھا ہوا محسوس کرتا ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کتاب کو بالاستیعاب عالی جناب، تقدس مآب، نازش خاندان سادات حضرت ابوالبرکات پیر سید محمد فضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر حزب اللہ نے بنفس نفیس ملاحظہ فرمایا ہے۔ جس سے گویا کتاب کی تکمیل وصداقت اور اعتبار واستناد پر مہر ثبت ہوگئی ہے۔ حضرت ممدوح نہایت بزرگ ومحترم، عالم وفاضل، ماہر قرآن وحدیث فقہ اور واقف رموز شریعت وطریقت ہیں۔ جس کی ایک جھلک آپ کو اس کتاب کے مقدمہ میں نظر آئے گی۔

اس کتاب کی پہلی بار طباعت 1342ھ میں ہوئی جبکہ دوسری بار 4 1ھ میں اس

کتاب کو شائع کیا گیا۔اس کے بعد یہ کتاب کافی عرصہ نایاب رہی۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے گوہر درخشاں سلطان المشائخ حضرت خواجہ غریب نواز پیر سید غلام حیدر علی شاہ بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسلمانان عالم کو عموماً اور لاکھوں پیر بھائیوں کو خصوصاً جو عقیدت وارادت ہے اس کا تقاضا تھا کہ ''ذکر حبیب'' پھر طبع کرائی جائے تاکہ تشنگان علم ومعرفت اس بحر بیکراں سے اپنی پیاس بجھا سکیں اور اپنے مضطرب قلوب کو سکون کی دولت سے مالا مال کر سکیں۔ چنانچہ اس صورت حال کے پیش نظر چمنستان حیدریہ کے مہکتے ہوئے پھولوں (یعنی مخدوم ملت قبلہ پیر سید برکات احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس سے لگائے ہوئے پودے جامعہ حیدریہ فضل العلوم زیر انتظام آستانہ عالیہ جلالپور شریف جس کی آبیاری پیر طریقت ،تقدس مآب عالی جناب حضرت قبلہ پیر سید محمد انیس حیدر شاہ صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ جلالپور شریف اور عالی جناب واقف اسرار حقیقت ،ماہر رموز معرفت ،آیۃ من آیات اللہ حضرت قبلہ پیر سید محمد تنویر حیدر شاہ صاحب مدنی زیب سجادہ آستانہ عالیہ جلالپور شریف دامت برکاتہما العالیہ فرما رہے ہیں) کی تنظیم ''بزم حیدریہ'' کے جملہ اراکین کی دلی آرزو رنگ لائی۔ان کے حصہ میں یہ ابدی سعادت آئی اور دونوں برادران کریمان دامت برکاتہما العالیہ نے نظر التفات فرماتے ہوئے اجازت فرمائی اور بزم حیدریہ نے ''ذکر حبیب'' کی علمی وادبی ،دینی اور تبلیغی افادیت واہمیت کے پیش نظر اس کی تیسری بار طباعت واشاعت کی سعادت حاصل کی۔

اب جبکہ ایک بار پھر ''ذکر حبیب'' کا سٹاک ختم ہو چکا تھا تو حضور غریب نواز پیر سید محمد تنویر حیدر شاہ صاحب مدنی مدظلہ العالی نے خصوصی توجہ فرمائی اور اس کو پانچویں بار شائع کرنے کا حکم فرمایا۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آقائے دوجہاں علیہ التحیۃ والثناء کی نظر رحمت ،حضرت خواجہ غریب نواز جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کرم سے یہ عظیم کام جس خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچا ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔

بارگاہ ذوالجلال میں التجا ہے کہ وہ اس مقدس مجموعہ کو قارئین کیلئے ہدایت وبرکت کا سرچشمہ بنائے اوراس کی طباعت واشاعت میں شامل افراد کی نجات اخروی کا سبب بنائے۔

آمین ثم آمین

ذرۂ بے مقدار

سیکرٹری نشرواشاعت بزم حیدریہ

جامعہ حیدریہ فضل العلوم جلالپور شریف

ہر کہ بر خاک مزار پیر حیدر شاہ رفت
مرقد او را امین جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد
گفتمش سال وفات او بگو مغفور گفت

۱۳۲۶ھ اقبال

ترجمہ۔۔جو شخص پیر حیدر شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اس نے اس مزار کو جلوہَ ہائے طور کا مظہر پایا۔ ہاتف نے آسمان سے اتر کر مزار کو چوما۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی تاریخ وفات کیا ہے اس نے کہا مغفور!۱۳۲۶ھ


دربار عالیہ حضور اعلیٰ حضرت غریب نواز
پیر سید غلام حیدر علی شاہ بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ
آستانہ عالیہ جلالپور شریف (جہلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فہرست مضامین

حصہ دوم کرامات

از صفحہ نمبر ۲۴۳ تا صفحہ نمبر ۴۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدّمۃ الکتاب

از واقفِ اسرارِ شریعت ماہرِ رموزِ طریقت ابو البرکات حضرت سیّدنا و مولٰنا و مرشدنا سیّد محمّد فضل شاہ صاحب سجّادہ نشین جلالپور شریف مدظلہم العالی

اصحاب نظر و اربابِ بصیرت جانتے ہیں کہ عالم کائنات کی ہر شے اپنی ظاہری صورت اور تمثال کے علاوہ اپنے وجود میں چند حقائق مستورہ و رموزِ مکنونہ بھی رکھتی ہے یا بالفاظِ دیگر اس کے ظاہری مظاہر کے علاوہ اس کا ایک باطن بھی ہے اور اس کے شہود کے سوا اس کا خفا بھی خود اُسی کے ضمن میں مرکوز و مستتر ہے۔ ہم جس دنیا میں رہتے ہیں۔ اور اس کے دلفریب مناظر جو ہمارے پیشِ نظر ہیں یا کتم عدم سے عالمِ وجود میں آنے کے بعد ہماری آنکھوں نے جن اشکال و صور کو مشاہدہ کیا ہے اور موج انگیز دریاؤں، ہیبت خیز جنگلوں سر بفلک پہاڑوں، عمیق اور وسیع سمندروں، دیدہ زیب مرغزاروں، دل فریب باغات و انہار، خوش ذائقہ فواکہ و اثمار، مختلف النوع والکیفیت اشربہ و اطعمہ، متعدد اقسام کے ملبوسات، علی قدر مراتب رہائشی مکانات و فرنیچر، سائنس کی ہوش ربا کرشمہ سازیاں اور نئی روشنی کے محیّر العقول ایجادات و اختراعات، غرض عالم و ما فیہا جن مرئی و متشکل جزئیات کا مجموعہ ہے۔ خالقِ کون و مکاں کی صنعت گری و آفرینش اسی پر

محدود نہیں۔ اور اس عالم سے باہر اور بھی عالم ہیں اور اس جہان سے علیحدہ اور جہان بھی صفحۂ ہستی پر موجود ہیں۔ اور ان کا وجود اتنا ہی یقینی، لازمی اور شک و شبہ سے بالاتر ہے جتنا کہ خود ہمارا وجود عدم علم سے علم عدم کا نتیجہ اخذ کرنا ایک عامی کے لیے شاید اس کی کم نظری اور کوتاہ بینی کے عذرات کی وجہ سے قابلِ معافی ہو سکے۔ مگر ایک نقطہ رس اور تدبّر و تفکّر کرنے والے دماغ سے کبھی ایسے غلط نتائج کے استنباط کا امکان نہیں ہو سکتا۔ آپ خواہ کتنے قیافہ دان کیوں نہ ہوں۔ مگر ایک شخص کو اس کی ظاہری حالت میں دیکھ کر اس کے متعلق ایک صحیح رائے کبھی قائم نہیں کر سکتے۔ تا وقتیکہ اس کے خصائل و عادات اس کے علم و جہالت اُس کے محاسن و معائب عند التجربہ آپ کے سامنے نہ آجائیں کیونکہ ممکن ہے کہ ایک مفلوک الحال اور درماندہ شخص آپ کی ظاہر بیں نگاہوں میں غیر مہذب اور ناشائستہ معلوم ہو۔ لیکن جب آپ کو اُس سے کلام کا موقع ملے اس کی ہم نشینی حاصل ہو تو اس کے وسعتِ معلومات اس کی قادر الکلامی اور اس کی تبحرِ علمی کی آپ کو داد دینی پڑے اور یہ بھی واقعات میں سے ہے کہ ایک خوش پوش خوش وضع بارعب اور عالم نما فی الحقیقت جاہلِ مطلق، بد تہذیب اور پرلے درجہ کا احمق ہو۔

ایک مقفل مکان کو باہر سے دیکھ کر آپ اُس کی ظاہری طرزِ تعمیر اور بناوٹ کا موازنہ کر سکتے ہیں۔ مگر اس کی اندرونی حالت سے نیز اس میں موجودہ سامان کا آپ کو اس وقت تک پتہ نہیں لگ سکتا جب تک کہ آپ اس میں داخل نہ ہوں۔ کئی دفعہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ ایک عالیشان اور فنِّ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ مکان اندر سے بالکل کریہ المنظر اور ناقابلِ دید ہے۔ اور ایک پست اور معمولی حیثیت کے مکان کی داخلی حالت فن نقاشی اور مصوری کا ایک بہترین منظر پیش کرتی ہے۔

غرض ہمارا علم ناقص محدود اور رویت کا محتاج ہے اور انسان ضعیف البنیان کے یہ ہمہ دانی کا دعویٰ اس کی حماقت اور ناقص عقلی کی دلیل۔

خالق الکائنات کو قادرِ مطلق مان کر اُس کی پیدا کردہ مخلوقات کو لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰے جان کر اور اس کے ذرائع آفرینش وخلقت کو صرف ایک کُنْ کے لفظ سے معبر سمجھ کر ہمیں اِس عالم ظاہری کے علاوہ ایک یا ایک سے زیادہ اور عالم تسلیم کرنے عالم برزخ یا عالمِ ارواح کا اعتراف اور حیات مابعد الموت اور دخول جنان وجہنم کے اعتقادات مندرجہ بالا نظریہ کے تسلیم کرنے کے بعد ایک معمولی بات رہ جاتے ہیں اور خواہ موجودہ زمانہ کے نیچریوں اور پہلے وقت کے معتزلوں کی سمجھ میں یہ باتیں آئیں یا نہ آئیں۔ ہمیں تو اس کے متعلق علم الیقین ہے اور ان شاء اللہ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا کے مطابق انہیں بھی ایک وقت عین الیقین ہو جائے گا۔ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا اَقُولُ وَكِيلٌ۔

اگر ہم نے خدائے قدوس کے فرمان اور مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے یہ تسلیم کر لیا کہ عالمِ ظاہری کے سوا ایک اور عالم بھی ہے جس کی رویت ہمیں ایک دفعہ کے مرنے اور پھر زندہ ہونے پر نصیب ہوگی اور جس کی نوعیت اور ہیئت اس عالم سے بالکل علیحدہ متناقض اور مختلف ہوگی۔ دوسرا یہ کہ ہمارے دائرۂ علم میں محدود کائنات کے علاوہ معلوم نہیں اور کتنی کائناتیں خالق الارض والسمٰوٰت نے پیدا کی ہیں اور پیدا کر رہا ہے اور کل یوم ھو فی شان کے عملی مظاہر خدا جانے کن کن انواع و اقسام میں ظہور پذیر ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔

پھر جسمِ انسانی جو کہ اپنے اندر ایک عالم کبریٰ رکھتا ہے اور دنیا بھر کی تمام کیفیات

تاثرات اور محسوسات کا مظہر اتم ہے جسے اپنی صحیح کیفیت و نوعیت معلوم کر لینے سے خدائی اسرار و معارف، حقائق و دقائق سے صحیح طور پر روشناسی ہو جاتی ہے۔ جسے علم الاشیاء کی تلاش کے لیے باہر سرگرداں ہونے کی بجائے وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ کی بشارت سے اس امر پر آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اگر سمجھ لے اور اس عالم کبریٰ کے مالہ وما علیہ کی اُسے واقفیت ہو جائے تو پھر جہان بھر کی سب حقیقتیں اور عالم و مافیہا کے تمام بھید اس پر کھل جائیں گے۔

جس طرح کہ ایک طالب علم اپنا علمی نصاب ختم کر لیتا ہے تو گو اس نے جس علم کی تحصیل کی ہے اس کی تمام کتابیں نہیں پڑھیں بلکہ سو میں سے ایک بھی مطالعہ نہیں کر سکا۔ مگر حاصل شدہ استعداد و قابلیت نے اب اُسے دوسری کتابوں کے سبقاً پڑھنے سے مستغنی کر دیا ہے اور اب اُسے اتنا ملکہ حاصل ہے کہ ہر وہ کتاب جس کا تعلق اُس علم سے ہو وہ باسانی پڑھ لے۔ اُس کے مطالب سے آگاہ ہو سکے۔ اور استنباط نتائج و استخراج مسائل کر سکے بعینہٖ اسی طرح مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ کی مثال ہے کہ جو شخص اپنی ہستی کا پتہ لگائے اپنی حقیقت اس پر آشکارا ہو جائے۔ تو پھر خدائے لایزال اور اس کی تمام مخلوق کا راز اس پر مخفی نہیں رہ سکتا اور جن دور رس نظروں نے اُس کی اپنی نقاب پوش صورت کا معائنہ کر لیا ہے اور اب اس قابل بھی ہیں کہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ کر سکیں۔ ملاء اعلیٰ اور مادی دنیا میں جو حجابات حائل ہیں ان کی پردہ دری کر دیں۔ اور جمال خداوندی سے اصلی معنوں میں بہرہ مند ہوں۔ مگر جس طرح کہ آپ کو علوم ظاہری کے حصول میں محنت و مشقت سے کام لینا پڑتا ہے۔ عرق ریزی اور دماغ سوزی کرنی پڑتی ہے۔ معلّمین کی زجر و

توبیخ اور بعض اوقات گوشمالی اور زدوکوب برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اپنے اوقات مستعار کا ایک بڑا حصّہ علم کے شاہدِ مقصُود سے ہمکنار ہونے کی خاطر صرف کرنا پڑتا ہے اور استادوں کی خدمت اور دارالاقامہ کے اخراجات کے لیے کافی رقوم دینی پڑتی ہیں۔ ٹھیک اُسی طریق پر علوم باطنی کے حاصل کرنے میں آپ کی علو ہمتی مستقل مزاجی، تحمل و برداشت معلمین کی اطاعت و تعمیل احکام پیش آمدہ ابتلاؤں پر صبر و شکر اور مال کی بجگہ جان کی قربانی کی ضرورت ہے۔ بقولِ شاعر: ؎

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ

جائے کہ لطمہ ہائے یداللہ مے زنند

لاریب کہ یہ تعلیم ظاہری تعلیم سے بدرجہا زیادہ مشکل، ادق اور بے حد محنت پر مبنی ہے اس سنگلاخ سرزمین میں قدم قدم پر ٹھوکریں ہیں۔ پاؤں پاؤں میں کانٹے ہیں اور منزلِ جاناں کے راہ رو کو منازل ہفت خواں سے بڑھ کر ہیبت ناک اور مرعوب کُن مناظر سے سابقہ پڑتا ہے۔ لیکن اس مصیبت کے بعد حاصل ہونے والی راحت اس تکلیف کے بعد حاصل ہونے والے آرام اور اس تذبذب اور انتشار کے بعد حاصل ہونے والے اطمینان کا اندازہ بھی وہی لگا سکتا ہے جس نے یہ مراحل طے کیے ہوں۔ ان منازل محنت سے اس کا گذر ہوا ہو۔ اور اس مزدوری کی اُجرت سے اس کا دامن مالا مال۔ پھر اُس سے کوئی پوچھے کہ تمھاری محنت کا ثمرہ۔ تمھارے کیے کا پھل اور تمھارے عمل کا ثواب تمیں کیا ملا ہے۔ ؎

بقدر الکدّ تکتسب المعالی

یغوص البحر من طلب اللئالی

دنیا کو اگر عالمِ اسباب مان لیا جائے اور فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ کو معیار قرار دیا جائے تو بھی ایک عارف کامل اُسی وقت مدارجِ تصوف و عرفان طے کر کے شاہدِ حقیقی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جب کہ وہ نفس کشی، عبادت، عادات و ریاضات۔ ضبط علی النفس و رضا بالقضا پر پورا عامل ہو سکے۔ اُلٹا چلے سواد لیا کی ایک تصویر بن کر نفس امارہ کی ہر ایک خواہش اور جذبات حیوانی و بہیمی کے ہر ایک تقاضا کو نفرت و حقارت سے رد کر دے۔ بجائے شہوات کے محکوم ہونے کے ان پر حاکم ہو کر ان پر اپنا ملکوتی تصرف و روحانی جاہ و جلال قائم کرے اور کلمۂ طیبہ کا صحیح مفہوم اس کے دل و دماغ پر مستولی ہو کر اُسے غیر اللہ کی تمام بندشوں سے چھڑا دے۔ اس کی حیات و ممات اس کی حرکات و سکنات اور اس کی خصومت و محبت سب خدا کے لیے ہو جائیں۔ اور ایک ذات کے سوا وہ سب سے انقطاع کر لے، روگردانی کر لے اور مقصودِ حقیقی کی طلب میں جو رشتہ مزاحم ہو جو تعلق سدِ راہ ہو اور جو خواہش مانع ہو ان سب کو ٹھکرا دے، پامال کر دے اور دنیا کو دکھا دے کہ ؎

آنکس کہ ترا بخواست جاں را چہ کند — فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی و ہر دو جہانش بخشی! — دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

پس ایسا شخص گو دنیا میں انسانی قالب میں رہتا ہے مگر اس کی حقیقت کسی اہلِ دل سے پوچھیے۔ اُس کے تعلقات اور روابط دُنیا والوں سے قائم ہیں مگر کوئی ذرا اس کا امتحان تو کرے کہ ایک اصلی اور حقیقی رشتہ و توسل کے مقابلہ میں یہ ظاہری وابستگیاں کتنی دیر قائم رہ سکتی ہیں۔ اور وہ گو ظاہر بین نگاہوں میں ضروریات کا محتاج ہے،

کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے۔ توالد و تناسل کے مخالف نہیں۔ مگر کیوں کھاتا ہے کیوں پیتا ہے، کیوں سوتا ہے، نکاح کیوں کرتا ہے۔ اس کا جواب صرف ایک فقرہ میں سُن لیجیے کہ "صرف اُس کے لیے" وہ کس کے پاؤں سے چلتا ہے، کس کی زبان سے بولتا ہے، کس کے کانوں سے سنتا ہے، کس کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اُس کی تشریح حدیثِ قدسی میں "انا" کے لفظ میں موجود ہے۔ غرض ایک ہی انسان جو متضاد و متخالف جذبات و حسیات کا مجموعہ ہے اور عالم کائنات کا ایک پیکر اور تمثال ہونے کی وجہ سے اپنے ظاہری عادات و شمائل اخلاق و اوصاف کے علاوہ اپنے وجود میں ایک باطنی کمال اور بالقوہ ملکوتی خصائل رکھتا ہے اور جہاں ظاہری طور پر اس کی خلقت محض دوسرے حیوانات کی طرح صرف خورد و نوش، کسبِ معاش و اقتصاد، حصولِ آرام و آسائش میں محدود نظر آتی ہے۔ وہاں اس کی آفرینش کی علت غائی اور اس کے پیدا کیے جانے کی اصل غرض کچھ اور ہی بتائی گئی ہے اور ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون سے پتہ چلتا ہے کہ مدت ہائے دراز تک انسان جن غلط فہمیوں میں مبتلا رہا اور اپنی حقیقت کے چہرہ سے لاعلمی اور جہالت گمراہی اور ضلالت کی وجہ سے وہ نقاب نہ اُٹھا سکا۔ دراصل وہ تو ان تمام معمولی باتوں سے زیادہ بلند مرتبہ بہت ہی رفیع المنزلت اور کہیں بڑھ کر عظیم الشان تھا۔ اُسے نہ صرف دنیا میں حاکم بنا کر بھیجا گیا اور تمام مخلوق کو اس کے زیرِ تصرف و تابع فرمان، بلکہ اُسے حکمتِ الٰہی کا محرمِ اسرار، کنزِ مخفی کا راز دان اور خالق و مخلوق کی نسبتِ اعتباری کا پردہ در و پردہ دار ہے

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو کھیتی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو

یہاں ہم مسائل و نکات تصوف بیان کر کے مضمون زیر بحث کو طوالت دینا نہیں چاہتے اور جن آنکھوں نے جمالِ یار کا مشاہدہ کیا ہے، جن کانوں نے نغمہ ہائے عشق سُنے ہیں اور جن دلوں میں لیلیٰ پردہ نشین نے اپنا محمل بنالیا ہے وہ کچھ ان باتوں کی قدر جان سکتے ہیں۔ ورنہ اس راہ سے ناواقف لوگ نہ ہمارا روئے سخن ان کی طرف اور نہ ہمیں الفاظ کے ذریعے انہیں سمجھانے کی ضرورت ؏

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

وہ اگر ان حقائق ثابتہ پر تمسخر اڑائیں تو انہیں معذور سمجھا جائے۔ اور اگر عدم علم سے علم عدم والی غلطی میں مبتلا ہوں تو اُن کی سمجھ کا قصور ہے ؏

والناس اعداءٌ بما ھم جاھلون

دراصل وہ کیفیات و تاثیرات جن کا تعلق درس و تدریس فہم و افہام کی جگہ رویت و مشاہدہ سے ہے اور جن اسرار و غوامض کے انکشاف و انشراح سے سالک کو ایک فرحت قلبی و انبساطِ روحی حاصل ہو۔ اس کے بیان کے لیے الفاظ بالکل ناکافی ہیں اور کوئی قادر الکلام اور انشا پرداز ان کی تشریح و توضیح زبان اور قلم سے نہیں کر سکتا۔ ؏

علم در سینہ بود درسی نہ بود

وللہ در ما قال ؎

ایں راز کہ در سینہ نہاں است نہ وعظ است
بر دار تواں گفت بہ ممبر نتواں گفت

ہمارا مقصد یہ تھا کہ علوم ظاہری کے ماسوا علوم باطنی سے بھی ایک طالب حقیقت

فیضیاب ہو سکتا ہے اور علومِ مروجہ و متداولہ سے مقصود اصلی قرآن و حدیث کے مطالب و معانی سے واقفیت اور شریعت اسلامی سے پوری مہارت ہے تو وہاں علوم باطنی سے تحقیقی غرض ایمان کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو کر اور احسان کا وہ درجہ طے کر کے جہاں ایک نماز گذار خدا کو اپنے روبرو دیکھنے لگتا ہے اور ابتدا میں کم از کم خدا کو حاضر و ناظر سمجھتا ہے غیر اللہ سے سرکشی و تمرّد اور ذات احدیت سے تقرب و وصال ہے اور ان انعام کے حاصل کرنے میں سالک کو جو جد و جہد تگ و دو اور محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے اُس کا نام ہے جہادِ اکبر والمجاھد من جاھد بنفسہٖ المھاجر من ھاجر عن ما نھی اللہ ورسولہ عنہ یعنی اصلی مجاہدہ وہ ہے جس نے اپنے سب سے بڑے دشمن نفس کو قابو کر لیا اور صحیح معنوں میں مہاجر اُسے کہتے ہیں۔ جس نے خدا اور رسول کے منہیات سے اعراض و احتراز روا رکھا۔

ان مہاجرین و مجاہدین کی جماعت کو صوفیائے عظام کا لقب عطا ہوا ہے اور اولیاء اللہ کا پرفخر خطاب۔

قرآنِ کریم میں حزب اللہ و حزب الشیطان، اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان کی جو تقسیم کی گئی ہے ذرا بہ نظرِ غائر اُن آیات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اولیاء اللہ اور حزب اللہ سے کون لوگ متصف ہیں۔ خدا کی محبت کا دعویٰ کس مسلم کو نہیں مگر شاعر کا یہ قول اگر درست ہے کہ ع

ان المحب لمن یحب یطیع

تو پھر خاصانِ خدا سے بڑھ کر اور کوئی شخص خدا کا محب نہیں کہلا سکتا۔ جن کی اطاعت کیشی اور حکم برداری کسی تفصیل کی محتاج نہیں اور جن کی زندگی کا اصلی مقصد اور حیات کا

حقیقی راز ہی حصول رضا میں مرکوز و مضمر ہے اور جن کے نزدیک ایک سانس بھی اس کی یاد کے باہر جانا موجب ہزار خسران وطغیان ہے۔

قرون اولیٰ و وسطیٰ میں اس طریق کے اہل اللہ بکثرت موجود تھے جن پر محسن کا پورے طور پر اطلاق ہو سکتا تھا۔ جنہوں نے اپنے تمام اوقات صرف خدا کی یاد کے لیے وقف کر رکھے تھے۔ جو علومِ باطن کے سرمایہ دار تھے۔ اور جنہوں نے تصوّف کو اپنی روحانیت اور جاذبیت سے وہ درجہ دیا کہ بڑے بڑے علمائے کرام ایک بوریا نشین کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرنا اپنا فخر سمجھنے لگے اور سلاطینِ زمان اُن کی آستاں بوسی کو اپنا طغرائے امتیاز۔

اُس وقت کے اہل اللہ دنیاوی شوکت و جاہِ ظاہری سطوت و حکومت اور مادی طاقت کی ذرا بھر پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان کی نظر لمن الملك اليوم لله الواحد القهار پر ہمیشہ جمی رہتی تھی۔ وہ احکم الحاکمین کی عبدیت سے نکل کر کبھی کسی دنیاوی بادشاہ کی غلامی میں آنا پسند نہیں کرتے تھے اور ان کی جبینِ نیاز کیلیے صرف ایک چوکھٹ تھی اور وہ خدائے قدوس کا آستانِ ہدایت نشاں۔

وہ مخلوق کے دلوں کے حاکم تھے۔ ان کی حکومت ظاہری حکومت سے زیادہ دیرپا اُن کے محکوم مقابلتہً زیادہ وفادار اور ان کے متبعین ان کی تعمیلِ ارشادات میں نسبتاً زیادہ سرگرم و منہمک۔

آہ وہ نفوسِ قدسیہ وارواحِ طیبہ اب ہماری ظاہر بیں نظروں سے پوشیدہ ہیں اور محوِ خوابِ استراحت۔ موجودہ زمانہ قحط الرّجال کا زمانہ ہے۔ ایک مجموعہ صفات بزرگ کی رحلت کے بعد کوئی اس جیسا جانشین نظر نہیں آتا اور روز بروز

یہ زبوں حالت ترقی پذیر ہے۔ دنیا میں کفر والحاد کا دورہ ہے۔ شیطنت وابلیسیت کی حکومت ہے، مادہ پرستی نے روحانیت سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے اور نئی روشنی گو فلک پیمائی، بحر شگافی، ہلاکت آفریں اسلحہ کی ساخت، اسباب نازونعم کی تیاری میں پہلے سے سبقت لے گئی ہے لیکن اب دلوں میں اطمینان وانشراح کی جگہ تردد وتحیر ہے۔ تسکین واستقلال کی جگہ بے چینی وارتعاش ہے اور نورِ ایمان وضیائے اسلام کی جگہ ظلمتِ کفر وتاریکی الحاد۔ اسلامی سادگی اور صاف روی، تصنّع اور بناوٹ سے مبدل ہے۔ اور اخوت وہمدردی حسد وانتقام کے جذبات سے مغلوب۔

خدا اور رسول کی محبت جو جزوِ اسلام بلکہ عین ایمان تھی اب اس کا حقیقی وجود بالکل ناپید ہے اور دنیا کے تیس کروڑ مسلمانوں میں سے کتنے افراد ایسے ہیں جن کے دلوں میں محبتِ خدا وعشقِ رسول تمام محبتوں اور خواہشوں سے زیادہ موجود ہے اور مقابلۃً وہ اسے مرجح سمجھتے ہیں جب نورِ ایمان ہی صفحاتِ قلوب سے نابود ومسدود ہورہا ہو تو پھر احسان اور روحانیت کی تلاش بے سود ہے جو کہ ایمان کے اعلیٰ مدارج سے پیدا ہوتے ہیں۔

بایں ہمہ اگر یہ حدیث درست ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ جب تک روئے زمین پر ایک متنفس بھی صدقِ نیت وخلوصِ قلب سے اللہ، اللہ، کہنے والا باقی رہا تب تک قیام قیامت ناممکن ہے۔ تو پھر ہمیں اس آتشکدۂ عرفان میں سے کسی چنگاری کی تلاش اور اُس موجزن بحرِ تصوّف میں سے پانی کے چند گھونٹ ڈھونڈھ نکالنا مشکل نہیں۔ البتہ چشم بینا کی ضرورت ہے، دیدۂ حق شناس درکار ہیں۔ اور وہ آنکھیں مطلوب ہیں جو کھرے کھوٹے کی پہچان اور سونے کی پیتل سے چاندی کی قلعی اور لعل وجواہر کی جھوٹے نگوں سے

امتیاز کر سکیں۔ ورنہ بقول مولانا معنوی رحمۃ اللہ علیہ ؎

اے بسا ابلیس کادم روئے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

ہر مدعی فقر فقیر نہیں اور نہ ہر ایک لاف زن عرفان تصوّف کا راز دان۔ ع

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اب رہا اہل اللہ کا مابہ الامتیاز سو اپنے اپنے نقطۂ خیالات سے ہر شخص اس کے متعلق کوئی نہ کوئی رائے رکھتا ہوگا۔ مگر یہ فقیر تو وَلَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ سے بڑھ کر اور کوئی معیار اربابِ صدق وصفا و اصحابِ مکر وریا کے مابین تفریق وشناخت کے لیے نہیں سمجھتا اور اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر، علیحدہ ہوکر اگر کوئی ہوا میں اُڑتا آئے، آگ میں کود کر صحیح وسالم نکل آئے، دریاؤں اور سمندروں کو خشکی کی طرح طے کر جائے مگر تاوقتیکہ وہ متبع شریعت نہ ہو، اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے لبطور تقلید موجود نہ ہو اور اسلامی شعائر کی ادائیگی اس کے اہم ترین فرائض میں داخل نہ ہوں۔ تب تک اس کے تمام دعوے جھوٹے۔ اس کی تمام کرامتیں شعبدہ بازی اور سحر اور اس کی تمام حرکات ابلہ فریبی اور دنیا طلبی پر مبنی ومشتمل۔

ایک مجذوب اپنی حالتِ جذب وسکر میں اگر نماز کا تارک ہو جائے یا ماہِ صیام کا احترام نہ کرے یا شرعی احکام کی پورے طور پر پابندی نہ کر سکے تو وہ معذور ہے اور بوجہ ہوش وحواس ظاہری کی برگشتگی کے عنداللہ ماخوذ نہیں۔ مگر ایک عقل مند، صاحب ہوش وفراست، ذی فہم وذکاء سے جب کہ وہ اپنے آپ کو اہل اللہ سمجھتا ہو کسی خلاف شرع حرکت کا صدور، کسی فرض وواجب کا عمداً ترک اور کسی سنت ومستحب کو بھی معمولی

اور غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دینا اس امر کی بین دلیل ہے کہ اس کے دعاوی پادر ہوا۔ اس کے ظاہر کردہ مدارج و معارج کذب و افترا اور اس کے وہ مقاماتِ فقر جن کے طے کرنے کا قصہ وہ اپنے ناحقیقت شناس مریدوں کو سنایا کرتا ہے۔ الف لیلہ کے قصّوں سے بڑھ کر محض خیال آفرینی کا مرقع۔ اگر کسی بزرگ کا یہ قول واقعات کا ترجمان ہے کہ ؎

علم باطن ہم چو مسکہ علم ظاہر ہم چو شیر
کے شود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

تو پھر شریعتِ اسلامی کے اتباع قال اللہ و قال الرسول پر حرف بحرف عمل اور اپنے تمام اعمال و افعال، حرکات و سکنات، عبادات و مجاہدات میں رسولِ اکرم بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ کے نقشِ قدم پر چلنا اس قدر ضروری، اس قدر لازمی اور اس قدر اہم ہے کہ اس کے سوا مقاماتِ تصوّف سے آگاہ ہونا بجائے خویش مومن کے لقب سے بھی انسان موسوم نہیں ہو سکتا۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَ وَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفےٰؐ

پھر ایسے وقت میں جب کہ اولیاء اللہ سے اولیاء الشیطان تعداد میں ظاہری عروج و کمال میں پیروؤں کی کثرت میں متبعین کی خوش عقیدگی میں قربِ قیامت کی وجہ سے بڑھ رہے ہوں اور ایک گمراہ کن، آیات و حدیث سے استہزاء کرنے والا، تارک الصوم والصلوٰۃ، بھنگ نوش، جرعہ کش، رندِ خراباتِ علم بردارِ تصوّف و ماہرِ عرفان تسلیم کیا جا رہا ہو۔ مقابلۃً حقیقی درویش اور اصلی صوفی بوجہ ان کی مشکل تعلیم و ہدایت نفس کشی و ریاضت

وارشاد و اتباع شریعت و طریقت گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے ہوں اور سہل پسند طبائع ان کی تعلیم کی طرف اس وجہ سے راغب و ملتفت نہ ہوتے ہوں کہ ان کے ارشادات کی تعمیل ان کے لیے ایک مصیبت ہے۔ ایک وبال ہے اور ان کی آزادی کے لیے ایک ناقابلِ برداشت پابندی خدا اور صرف خدا کی محبت ہے جو کسی طالب مولیٰ کو اس میدان میں نکال لائے ورنہ دنیاوی فوائد اور ظاہری تفوق و کمال کے لیے جو وسائل و ذرائع مفید اور سودمند ہو سکتے ہیں۔ وہ تو فی زمانہ مکر و فریب ریا و سمعہ۔ لاف زنی و لن ترانی کے سوا اور کوئی نہیں۔

یہ درست ہے کہ آخر الامر حق فتحیاب و نصرت مند ہوا کرتا ہے اور باطل ذلیل و سرنگوں مگر یہ اس وقت جب کہ کسی کے دل میں طلبِ حق و خواہش صدق موجود ہو ورنہ جب دلوں میں باطل نے گھر کر لیا ہو۔ اور ظاہر پرستی کا دور دورہ ہو تو پھر اربابِ حق کی جستجو کون کرے اور ان کی تلاش میں کون سرگرداں ہو۔

ایسی حالت میں جب کہ سچائی اور صداقت اس کس مپرسی اور بے قدری کی صورت میں ہے اور دروغ بافی و کذب انگیزی عروج و کمال پر۔ کسی اہل اللہ کا ظہور نعمت غیر مترقبہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور پھر اگر اس کے معنوی کمالات اور رُوحانی تصرفات مخلوق کے ایک حصّہ کثیر کو اپنی جاذبیّت سے اپنی طرف متوجہ کر لیں تو پھر ان لوگوں کی خوش قسمتی و بلند طالعی میں کونسا کلام ہو سکتا ہے۔ جن کا ہاتھ ایسے حق پرست کے ہاتھ میں آ گیا ہو اور جنھوں نے اس زمانہ فسق و فجور و قرن شرک و بدعت میں اسوۂ محمّدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک نمونہ دیکھ لیا ہو اور مقلدِ رسولؐ کی زیارت سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ہوں۔ ع

اے گل بتو خورسندم کہ تو بوئے کسے داری

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کا پیر و مرشد ان کا ہادی و راہنما اور ان کا قبلہ کونین و کعبہ دارین ایک ایسی عدیم المثال اور بے نظیر مقدس و مطہر ہستی ہو جسے مجمع مکارم اخلاق، مخزن علوم الہیہ، معدنِ اسرار ربانیہ، فنافی الرسول، حامی اسرارِ شریعت، ماہر رموزِ طریقت، عارف نکاتِ حقیقت، غواص دریائے معرفت، مونس عرفان و توحید، قامع شرک و الحاد، قطب الاقطاب، غوث الاغواث وغیرہ کے القاب سے اگر یاد کیا جائے تو یہ القاب اُس کے لیے باعث فخر نہ ہوں بلکہ ان خطابات کو فخر ہو کہ وہ ایک ایسی ذات والاصفات سے منسوب کیے جا رہے ہیں۔ ہماری مراد حضرت خواجہ غریب نواز سید غلام حیدر علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ و رضی اللہ عنہ جلال پوری سے ہے جن کا ظہور ایسے وقت میں ہوا جبکہ نورِ عرفان کی بادہ نواز جھلک بظاہر دیکھنے والی مگر در باطن اندھی آنکھوں سے پوشیدہ ہو رہی تھی۔ اور جب کہ دلوں میں خدا پرستی و خدا شناسی کی جگہ طاغوت پرستی و باطل پسندی کی حکومت ہو چلی تھی۔

مگر جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے ظہورِ قیامت اولیاء اللہ کے نقدان پر موقوف ہے اور ابھی قیامِ قیامت میں کچھ تاخیر تھی کہ خدائے قدوس و قیوم نے عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْل کے مطابق گم کردہ راہ مخلوق کی ہدایت و راہنمائی کیلیے پہلی امتوں کے انبیاء کی طرح امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ولی کامل، ایک شیخ اکمل اور ایک مجدد صادق مبعوث کیا۔ اپنی توحید کی امانت اس کے سپرد کی اور اپنی معرفت کے گنج شائگان کا اسے کلید بردار بنا دیا ؎

چھانٹا وہ دل کہ جسکی ازل سے نمود تھی ‏ لیلی پھڑک اٹھی نظرِ انتخاب کی

اس کی آمد کی نسیم بہاری سے نخلستان تصوف سرسبز و شاداب ہوگیا۔ اس کے قدم کے یمن و برکت سے عرفان کی عرصہ سے خاموش رہنے والی آواز پھر اپنی جاذبیت اور مقناطیسی کشش سے بانگِ درا ثابت ہوئی اور اس کی تشریف فرمائی کے روحانی اثرات نے سینکڑوں گم کردگان بادیہ ضلالت کو صراطِ مستقیم و منہاج قویم کی راہنمائی کی ہزاروں مبتلائے فسق و فجور و منہمک طغیان و خسران صرف ایک نظرِ کیمیا اثر سے متقی و متورع قائم اللیل و صائم النہار بن گئے اور لاکھوں سیاہ دل بد باطن شقی ازلی صرف ایک کلمۂ ہدایت سے عامل احکام اسلامی حامل شرع محمدی و نکتہ دان رموز خدا شناسی۔

وہ نور جس نے عرفان کی چوٹیوں کو اپنی لمعات ریزی و ضیا گستری سے منور کر دیا تھا وہ شمع ہدایت جس کی تجلّیات اور چکا چوند کرنے والی روشنی سے ظلمات کفر و تاریکی الحاد ہمیشہ کے لیے کافور ہو گئی تھی۔ وہ شمس نبوّت جس کے مبارک طلوع سے تمام قندیلیں مدہم پڑ گئیں۔ تمام بتیاں ماند پڑ گئیں اور تمام چراغ غیر خوش آئند صورت میں ٹمٹمانے لگے اُس کی ایک کرن اس کی ایک شعاع اس کا ایک چمکار ہندوستان کی سرزمین میں سے پنجاب کے مردم خیز خطۂ ارضی پر پڑا اور ناظرین اس کی چمک سے محو حیرت ہو گئے۔ دیکھنے والے اس کی جگمگاہٹ سے خیرہ چشم اور مبصرین اس کی ضوافشانیوں و تجلّی ریزیوں سے انگشت بدنداں۔

وہ انسانی لباس میں ملائکہ سے بڑھ کر مقدس تھا وہ شکل بشریت میں خدا کے نور کا مظہر اور اُمت محمدی ﷺ میں خود بانیٔ اُمت (روحی فداہ) کا صحیح نمونہ بہترین مثال اور حقیقی عکس۔

جن ارباب علم نے علم حدیث و کتب سیر کا مطالعہ کیا ہے۔ اخلاق و عادات

محاسن و امتیازات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں واقفیت حاصل ہے اور خلقِ مجسم نبیؐ پیکرِ رحمت رسولؐ متخلق باخلاق اللہ والمتصف باوصاف اللہ پیغمبرؐ اور شکلِ انسانی میں شانِ خدا رکھنے والے ساکن طیبہ کے خصائص و کمالات مدارج و معارج تقرب الی اللہ والوصول الیہ کے معاملات سے وہ آگاہ ہیں اور پھر انہوں نے ہمارے فنا فی الرسول مقلد سُنّت، عاملِ قرآن، مرشد طریقت، راہبر حقیقت، سیدنا و مولینا حضرت خواجہ غریب نواز جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ سے

زباں پہ بار خدایا یہ کِس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے میری زباں کیلیے

کی ذاتِ اقدس کو انصاف کی آنکھوں سے دیکھا ہے چشمِ حقیقت بین سے مشاہدہ کیا ہے اور پھر اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تقابل۔ وہ ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہمارے اس ادعا کی تائید اور ہمارے اس بیان کی توثیق کرنے میں مطلق متامل نہ ہوں گے کہ صبر و استقامت، تحمل و برداشت، تضرع و انکساری، عفو و درگذر، حلم و مروّت، جود و عطا، ایثار و سخا، زہد و تقویٰ، ورع و اتقا، عبادت و ریاضت، جہاد بالنفس، و ہجرت عن المنہیات، ہر دلعزیزی و خوش خلقی، مستقل مزاجی و کوہ وقاری خدمتِ خلق و مسکین پروری، ضبط اوقات و پاس انفاس، احتیاج الی اللہ والاستغناء من الخلق، حق روی و صداقت شعاری، مساوات پسندی و معدلت گستری، توقیر بزرگاں و شفقت خورداں، خودداری و غیرت مندی، اسلامی فداکاری، و ایمانی جذبہ قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ پر پورا عمل۔ اور اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کی بہترین مثال غرض ہر ایک حرکت میں سکون میں عمل میں فعل میں

طریق معاشرت میں طرز بود و ماند میں مہد سے لحد تک اور یوم ولادت سے یوم وصال تک وہ اسوۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مو بمو، حرف بحرف عامل رہے اور دنیا کو دکھا دیا کہ تیرہ سو سال کے بعد بھی ایسے قحط الرجال زمانہ میں کسی مردِ کامل کا پیدا ہونا اور پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے قدم بقدم چلنا کوئی ناممکن نہیں، ہاں نایاب ضرور ہے اور یہی وجہ اس کی قدر و قیمت شان و منزلت، عزت و احترام کی ہے۔ ع

لعل دشوار بدست آید وزاں ہست عزیز

شعرائے زمان اپنے محبوبوں کی مدح و ستائش، تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتے ہیں اور معلوم نہیں انہیں کس کس شے سے نسبت دیا کرتے ہیں۔ اُن کی آنکھوں کو کیا کہتے ہیں اور ان کے دانتوں کو کیا، ان کی خرامِ ناز کس سے مشابہ سمجھتے ہیں اور ان کی عشوہ گری کو کن دلکش الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

علمائے امت اپنے اپنے استادوں اور معلّمین کی فضیلت بیان کرتے ہیں جن جن خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی تبحر علمی، اجتہاد فکری اور بلند نظری پر جو جو ثبوت و دلائل پیش کرتے ہیں اور ان کے جامع العلوم، مجمع الفنون و حاوی فروع و اصول ہونے پر انہیں جس قدر یقین و اعتماد ہے اور متبعینِ تصوّف و پیروان طریقت اپنے اپنے مشائخین کی جو جو فضیلتیں بیان کرتے ہیں۔ ان کی شب بیداری و سحر خیزی ان کے اذکار و افکار اور ان کی قبولیت دُعا و اجابت سوال کے جو قصّے سنایا کرتے ہیں۔ ہمیں اُن سب کی باتوں سے انکار نہیں اور کل حزب بما لدیھم فرحون کے مطابق ہم سمجھتے ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک اپنے اپنے مسلک کو اچھا سمجھ کر اُس پر عامل ہے اور ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم ان کی پسند کردہ روش پر پھبتیاں اڑائیں، آوازے کسیں

اور گستاخانہ کلمات سے ان کی دل آزاری کا باعث نہیں وللنّاس فی ما یعشقون مذاھب۔ہاں اُن کی طرح ہمیں بھی اس بات کا حق حاصل ہے کہ ہم بھی اپنے نقطۂ نگاہ سے اپنے نصب العین سے اور اپنی مطمح نظر سے ایک ایسی امتیازی خصوصیت قائم کریں، ایک ایسا معیار بنائیں اور ایک ایسی کسوٹی تیار کریں جس پر ہم حق کو باطل سے صادق کو کاذب سے اور راست گو کو افترا پرداز سے الگ کر سکیں، پہچان سکیں اور امتیاز کر سکیں اور وہ کیا ہے ہمارا پیش کردہ نظریہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا (احزاب) ہمیں اس بات پر جتنا بھی ناز و غرور ہو بجا ہے، جتنا بھی فخر و مباہات کریں کم ہے اور جتنی بھی مسرت بیکراں و شادمانی بے حساب حاصل ہو ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کی محتاج ہے کہ ہمارا ہادی، ہمارا رہبر، ہمارا دستگیر اور ہمارا مرشد اپنے وجود میں کونسی خوبیاں رکھتا ہے۔ اُس کا مایہ الامتیاز کیا ہے اور ہم اس کی توصیف کن الفاظ سے کر سکتے ہیں۔ بس وہ ایک ہی لفظ ہے جامع و مانع ایک ہی کلمہ ہے تمام کلمات کے عطر کا روح ایک ہی جملہ ہے۔ دریا در کوزہ اور وہ کیا ہے۔ بتعدد الالفاظ و بمفھوم واحدٍ، فنافی الرسول مقلد اُسوۂ نبوی، مظہر شانِ محمدی، نمونہ اخلاق احمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بقول شاعر ؎

محمد است چو خورشید وحید راست چو ماہ
ضیائے و نور دو عالم ازیں دو شاہنشاہ

ہمارے خیال میں جب ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ہمارا آقا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ ہے۔ ہمارا یقین یہ ہے کہ اسوۂ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس سے بڑھ کر

مظہر دنیا میں پیدا نہیں ہو سکتا اور ہمارا ایمان یہ ہے کہ خدائے کریم کی ہم پر یہ خاص عنایت اور کرم فرمائی تھی جس نے ایسے زمانہ میں ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک درمیانی ذریعہ سے زیارت کرادی۔ تو پھر ہم اگر شاعرانہ تخیلات و بلند پروازیوں سے کام لیں اور کنایات و استعارات سے اپنے راہنمائے صادق کی مدح و ثنا کریں تو سوائے اس کے کہ غیر محدود اوصاف و غیر معدود محاسن میں سے کسی ایک خوبی یا وصف کی تعریف میں رطب اللسان ہوں۔ ہم سب کی ستائش کے لیے نہ الفاظ رکھتے ہیں اور نہ قدرتِ بیان ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر

ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

پھر خیر الکلام مَا قَلَّ وَدَلَّ کے مطابق بہتر یہی ہے کہ ہم نے اپنے ہادیٔ برحق کیلیے جو امتیازی نشان قائم کیا ہے اور جس لقب سے ملقب کرنے کا ہمیں خود اسی کی طرف سے بطورِ الہام ایما ہوا ہے۔ اُسی پر اکتفا کریں اور ایک شعر اس پر مستزاد جو کہ شاعر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تصنیف کیا ہے مگر اُس کا اطلاق نائبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتقاداً ہو سکتا ہے کہ ؎

حُسنِ یوسفؑ دمِ عیسٰیؑ یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جزوی فضائل و کمالات کے نمونے دنیا میں ہزاروں موجود ہیں۔ ایک شخص اگر جود و سخا میں ضرب المثل ہے تو دوسرا عبادت و ریاضت میں یکتائے زماں۔ ایک اگر سخاوت میں حاتم ثانی ہے تو دوسرا تہور و قوت بازو میں حریف رستم و اسفندیار۔ ایک کا دماغ اگر علومِ ظاہری کا خزینہ ہے تو دوسرے کا سینہ علوم باطنی کا گنجینہ۔ ایک اگر حسنِ اخلاق میں مشہور ہے تو دوسرا

حسنِ معاملات میں شہرہ آفاق۔ ایک اگر امانت داری میں امین کا خطاب یافتہ ہے تو دوسرا صداقت وراستبازی سے ملقب، مگر ان محاسن کا ایک ذات میں مجتمع ہونا ان سب کمالات کا ایک فردِ واحد میں متحقق ہونا۔ اور ان اعلیٰ ترین اخلاق کا ایک پیکرِ انسانی میں موجود ہونا بہت ہی مشکل قریب محال اور ایک عامی کی نظر میں ناممکن ہے لیکن جب آپ کے سامنے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ ایک پیکرِ انسانی اپنی تمام خصوصیتوں اور کمالات سے جلوہ نما ہو جاتی ہے اور ایک برگزیدہ ہستی دنیا کی تمام بُرائیوں اور نیکیوں کے زیور سے مزین ہو کر آپ کے سامنے آجاتی ہے تو پھر آپ کا انکار ایسا انکار ہوگا۔ جیسا کہ آپ آفتاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے درخشاں وتاباں دیکھ کر اُس کی ہستی سے انکار کر دیں یا خود اپنی ہستی ہی کے منکر ہو جائیں کہ پھر اس کا کوئی حل کار نہیں اور نہ لانسلم کا کوئی جواب۔ لیکن اگر آپ کی آنکھیں حق بین ہیں۔ آپ کے کان حق نیوش ہیں اور آپ کا دل حق آگاہ۔ تو پھر آپ کو ماننا پڑے گا کہ کسی دور زمانہ میں نہیں خیر القرون میں نہیں بلکہ اسی تیرھویں صدی کے آخری اور چودھویں صدی کے ابتدائی حصہ میں ایک مردِ کامل ایک شاہنشاہ فقر اور ایک سلطان المشائخ ایسا گذرا ہے جس کے دیکھنے والے، جس کی زیارت سے مشرف ہونے والے اور جس کی مبارک صحبت سے مستفیض ہونے والے سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں اب بھی زندہ موجود ہیں۔ جو مجموعہ صفاتِ حسنہ۔ جو منبع صفاتِ مستحسنہ تھا اور جس کے حاسدین ومخالفین بھی اُس کی ذات برگزیدہ صفات پر کوئی حرف گیری ونکتہ چینی نہیں کرسکتے۔

والفضیلۃ ما شھدت بہ الاعداء

غالباً اربابِ صدق وصفا و اصحابِ خلوص و اتقیا سے مخفی نہ ہوگا کہ سلسلۂ رشد و ہدایت، طریقۂ ارشاد و تلقین و منزلِ سلوک و تصوّف میں ہمیشہ متبعین اپنے راہبر کا مسترشدین اپنے مرشدِ حقیقی کا اور رہروانِ طریقِ عرفان اپنے راہنما کا ادب و احترام کیا کرتے ہیں عقیدت مندی اور عجز و نیاز ہر وقت ان کے ملحوظِ خاطر رہتا ہے اور تعظیم و توقیرِ شیخ سے بڑھ کر کوئی عبادت ان کے نزدیک لائقِ ثواب و کار فرمائی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ امر واقعی تحیّر خیز، حیرت انگیز و استعجاب آمیز معلوم ہوگا کہ شیخِ طریقت اپنے عقیدت مند کی صاحبِ دعوت و ارشاد اپنے ارادت کیش کی تعظیم کرے اور معلّمِ تصوّف اپنے متعلّمِ عرفان کے استقبال کے لیے ایک ایک میل فاصلہ تک جاوے اور اسی طرح بوقتِ رخصت و تودیع اتنی ہی مسافت تک مشایعت کی جاوے۔

جو لوگ سلسلہ غلامی میں منسلک ہونے کی خاطر حاضر ہوں انہیں ایسا ہو کہ تم ہمارے فلاں خلیفہ کے پاس جاکر شرفِ بیعت حاصل کرو اور جب وہ اپنی پسند اور خواہش کی وجہ سے متذبذب ہوں تو ارشاد ہو کہ ہماری بیعت اور ان کی بیعت میں کوئی فرق نہیں اور، ع

اودر من و من در وے چوں بو بہ گلاب اندر

کے مطابق روحی تقرب اور قلبی یگانگت نے حجاب ہائے من و تو کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اور فنا فی الشیخ کے درجہ نے اب غیریت کو ملیامیٹ کر دیا ہے۔ بقحوائے

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری!

اور جب اس نقادِ حسنِ صوری و معنوی کے پاس کوئی حاسد جاکر عرض کرتا کہ آپ کے

فلاں مرید کا عروج ظاہری اب آپ سے بھی بڑھ کر ہونے لگا ہے اور ان کے مکانات آپ کے مکانات سے بھی زیادہ خوشنما مستحکم اور پختہ ہیں تو ارشاد ہوتا کہ چوں کہ وہ خود پختہ کار ہیں اس لیے ان کے مکانات بھی پختہ ہونے چاہییں، ان کی شہرت، ان کا ارتقا خود ہماری ترقی اور ہمارا افتخار ہے کیوں کہ اولاد کی بہتری اور برتری والدین کی عزت افزائی و مرتبت خیزی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ یہ ارشادات کن کے تھے اور کس کے حق میں۔ ناظرین کرام نے اپنی قوتِ تمیزی اور سیاقِ کلام سے خود معلوم کر لیا ہوگا اور مزید وضاحت کی خاطر ہم بتائے دیتے ہیں کہ یہاں شیخ طریقت سے مراد حضرت خواجہ **شمس العارفین سیالوی** رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور عقیدت کیش کون تھے۔ ذات والاصفات، فخرِ اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گوشۂ چشم بتول (رضی اللہ عنہا) سیدنا و مولانا حضرت **خواجہ غریب نواز** رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جلال پوری۔ اور یہ دو تین واقعات بمصداق مشتے نمونہ از خروارے ان ہزارہا تلطفات و عنایات میں سے معرضِ بیان میں آ گئے ہیں جو حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الغفران پر ہمیشہ مبذول فرمایا کرتے تھے اور جن کی مثال حلقۂ تصوف میں بالکل ناپید ہے اور یہ کیوں تھا اس کا اصلی سبب اور حقیقی راز خود خواجہ شمس العارفین علیہ الرحمۃ ہی بخوبی سمجھ سکتے تھے اور انہی کی مردم شناس اور مبصر نگاہوں نے اس دُرِّ یکتا و گوہرِ بے بہا کی قدر و قیمت معلوم کی تھی اور پھر جو قدر دانی کی گئی۔ جس شفقت و مروت کا ثبوت دیا گیا وہ جناب تقدس مآب حضرت سیالوی علیہ الرحمۃ کی اس محبت کا ثبوت تھا، جو حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی ہمارے خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز سے تھی اور اس فی مابین رابطہ روحانی و اتحاد معنوی کی کیفیت ان حلقہ بگوشانِ درگاہِ سیال شریف سے پوچھیے جو اس سعید وقت میں وہاں موجود ہوا کرتے تھے اور خدا کے مقربین کا باہمی تقرب

ان کے پیشِ نظر رہا کرتا تھا۔ وہ آپ کو بتائیں گے کہ ایک طرف اخلاص و انقیاد آدابِ محبت و تقاضائے اعتقاد نے ایک ارادت مند کو کس قدر والہ و شیدا بنا رکھا تھا اور دوسری طرف عزت بخشی اور احترام فرمائی کے مناظر کس قدر دل کش تھے۔

مطلب یہ کہ ہمارے آقا و مولیٰ کا مابہ الامتیاز اس سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے کہ خود ذاتِ پیر جو متصوفین کے نزدیک ذاتِ خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بالکل وابستہ و متحد، لازم و ملزوم ہوا کرتی ہے۔ آپ پر کس قدر مہربان، کس حد تک قدر دان اور اگر سوء ادبی نہ ہو تو کہاں تک عاشق اور محب تھی۔ پس اسی سے آپ نتیجہ اخذ کر لیں کہ آپ کے مدارجِ عالیہ و مقاماتِ قدسیہ کس قدر رفیع الاقتدار و نادر المثال ہیں۔ ع

قیاس کن ز گلستانِ او بہار ورا

آپ کی بہت بڑی خصوصیت اور امتیازی شان آپ کی استقامت اور غنائے قلب میں پائے جاتے ہیں اور جس کی نظیر موجودہ زمانہ میں بالکل ہی عنقا ہے۔ یعنی حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ اپنی تمام زندگی میں سوائے سیال شریف کے کبھی کہیں بھی تشریف نہیں لے گئے اور اپنے ارشاد اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ کے مطابق دنیا کو دکھلا دیا کہ متوکلانہ حیات اس کا نام ہے اور نانِ صبور کا ایک لقمہ کھانے والے تنور کی پکی ہوئی روٹیوں کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے۔ اَلْغِنَاءُ غِنَی الْقَلْبِ کی یہ کیفیت تھی کہ اگر ہزاروں روپیہ آجائے تو طبیعت میں ایک ذرہ برابر آثارِ مسرت پیدا نہ ہوتے اور اگر عرصہ تک ایک پیسہ بھی میسر نہ ہو تو تکدر و ملال کا نام تک نہ ہوتا۔ ان کے سامنے زرد جواہر کی قدر کنکریوں اور سنگریزوں سے بڑھ کر نہ تھی اور نعمتِ ابدی کے حصول نے جہان

بھر کی نعمتوں سے انہیں مستغنی کر دیا تھا۔ عبادت و ریاضت کا تو یہاں سوال ہی کیا ہے۔
جس قدسی صفات ذات کا اعتقاد یہ ہو کہ ایک سانس خدا کی یاد سے غافل ہونا بھی اکبر الکبائر
میں سے ہے اس کے اوقاتِ عبادت کے لیے کسی تشریح کی کیا ضرورت ہے۔ بس یہی
سمجھ لیجیے کہ چوبیس گھنٹوں میں سے ایک سیکنڈ بھی عبادت سے خالی نہ جاتا۔ اور اگر
اورادِ مقرّرہ سے کسی وقت فراغت ہو بھی جاتی تو ذکرِ قلبی جاری رہتا اور پھر اوراد و وظائف
و نوافل کی پابندی اس حد تک کہ مرض الموت میں بھی آپ کی نہ ایک نماز قضا ہونے پائی
اور نہ ہی روزانہ وظائف متروک ہوئے۔ سخت ترین علالت میں بھی ادائیگی فرائض و نوافل
میں قطعاً فرق نہ پڑا بلکہ ایک دفعہ جب کہ آپ مرضِ فتق سے نہایت تکلیف میں تھے اور
زمین پر سجدہ نہ کر سکتے تھے تو میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک خالی گھڑا اٹھا کر کے
اس پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ صبر و شکر کی یہ حالت کہ آپ کا محبوب ترین فرزند جس سے
آپ کو پدرانہ محبت بدرجہ کمال تھی۔ عین عالمِ شباب میں راہگزینی عالم جاودانی ہوتا ہے
مگر آپ جزع و فزع آہ و بکا کی جگہ سر بسجود ہو کر الحمد للہ والشکر للہ پر اکتفا کرتے ہیں
اور رضا بالقضا کا اعلیٰ ترین منظر اپنے طرزِ عمل سے دکھا دیتے ہیں اخفائے راز و عدم شہرت
پسندی کے اس حد تک دلدادہ کہ کبھی صراحتاً تو بجائے خویش کنایۃً یا استعارۃً بھی اس
قسم کا کوئی ارشاد نہ فرمایا جس سے آپ کے مدارج پر روشنی پڑ سکے یا جس سے ولایت
کا مفہوم نکل سکے بلکہ ہمیشہ کسرِ نفسی کے طور پر اپنے آپ کو ہیچ میرز اور مسکین ظاہر فرمایا۔
اور جب کبھی کسی نے آپ کی تعریف و توصیف میں ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو فوراً
روک دیا اور خاموش کرا دیا بلکہ کئی ایک موقعوں پر اظہارِ ناپسندیدگی تک نوبت پہنچی
مسکین نوازی اور غریب پروری کا حال ان مساکین برادرانِ طریقت سے دریافت کیجیں

جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور زار و نزار ہیئت گدائی میں حاضر ہوتے مگر ان سے حسنِ سلوک کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ ان کے تمام معروضات کو کمال شفقت و عنایت سے گوش گذار فرما کر دُعائے خیر کی جاتی اور اُن کے جملہ سوالات کا نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا جاتا اور اس کے برعکس اعلیٰ حیثیت اور طبقہ والوں سے معمولی سلوک روا رکھا جاتا اور زیادہ گفتگو سے احتراز۔

مروّت اور ہر دل عزیزی کے متعلق اتنا ظاہر کر دینا مکتفی ہوگا کہ کئی لاکھ برادرانِ طریقت میں سے فرداً فرداً اگر آپ دریافت کریں تو ہر ایک اس امر کا نہایت وثوق سے معترف ہوگا کہ آپ کی جتنی نوازش اور مہربانی میرے حال پر تھی شاید ہی کسی اور پر ہو اور اسی کا نام ہے کرم گستری و بندہ پروری ؎

نہ من بر آں گل عارض غزل سرایم و بس

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

عذب البیانی و شیریں لسانی اور کلام کے جامع مانع ہونے میں حضور اقدس کو ایک خاص تفوق نصیب تھا اور اس پر لطف یہ کہ بوجہ کشف القلوب ہر ایک حاضر و سامع کو اس مافی الضمیر کے مطابق جواب عطا ہوتا۔ گو روئے سخن ہمیشہ دوسری طرف رہا کرتا کہ یہ ادا آپ کو زیادہ مرغوب تھی اور ہمیشہ یہ شعر اپنی پسند کے اظہار میں فرمایا کرتے تھے کہ ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں

گفتہ آید در حدیثِ دیگراں!

قصّہ کوتاہ آپ کے محاسن و کمالات کا بیان اور آپ کے خصائص و امتیازات کی تشریح کم از کم اس فقیر سے تو نہیں ہو سکتی بلکہ میرا اعتقاد ہے کہ کوئی اہلِ قلم بھی اُن کا صحیح نقشہ نہیں کھینچ سکتا

اور گو ذکرِ حبیب کے مطلوب و مرغوب طبع ہونے کی وجہ سے جی چاہتا ہے کہ ناظرین کرام کو بھی اُس مئے عرفان و توحید کا ایک ایک جام پلایا جائے جس نے اپنی عذوبت و لطافت سے غلامانِ حیدری کو شاد کام بنا رکھا ہے اور عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنَزَّلُ الرَّحْمَةُ کے حسب فحوائے انہیں بھی شریک رحمت و غفران کیا جائے مگر یہاں تو کیفیت ہی دگرگوں ہے اور اوصاف یار اس حد تک پسندیدہ اور مستحسن ہیں جن میں سے ایک وصف کے بیان کرنے سے بھی زبانِ قلم عاجز اور صفحۂ قرطاس محدود ہے۔

ع۔ لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقَّهٗ

بایں ہمہ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ کے مصداق جہاں تک زبان میں گویائی کی طاقت ہے اور قلم میں تحریر کی۔ ہمارا فرض ہے کہ ارباب صدق و صفا کے سامنے آپ کے حالات، کمالات اور ارشادات پیش کریں تاکہ وہ ہم پر "حلوا تنہا نہ باید خورد" کا صحیح الزام عاید نہ کرنے لگیں۔

جس طرح کہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ اور کتب تاریخ و سیر کے پڑھنے سے ہم ان صحیح کیفیات سے قطعاً واقف نہیں ہو سکتے۔ جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روشناس تھے اور "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" والی ضرب المثل بالکل حقیقت پر مبنی ہے کہ مرئیات ہمیشہ مسموعات سے زیادہ مؤثر اور دل نشیں ہوا کرتے ہیں۔ آپ ایک عظیم الشان شہر کی تعریف خواہ کس قدر مبالغہ آمیز الفاظ میں کیوں نہ سُن لیں مگر جب آپ کو اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوگا تو مسموعہ حالات اور چشم دید مناظر میں بڑا بھاری تفاوت اور فرق دکھائی دے گا۔ اسی طرح ایک خدا رسیدہ بزرگ کی تعریف اگر آپ اس کے کسی معتقد کی زبانی سُن کر خود اس کی زیارت سے مشرف ہوں تو بیان کردہ

حالات اور مشاہدہ میں آنے والے واقعات میں بے حد متعدد افتراق نظر آئے گا۔
بایں ہمہ بقولِ شاعر ؎

حدیثہٗ اوحدیثٌ عنہ یطربنی　　ھذا اذا غاب اوذاک اذحضر

کلاھما حسنٌ عندی اُسِرُّ بہ　　ولٰکن احلیٰ ھماما وافق النظر

اگر اس کی باتیں اس کی زبان سے نہ سُن سکیں تو پھر اس کی زبان سے تو ضرور سننی چاہییں جس نے کہ اپنے کانوں سے سُنی ہوں۔ گو اس میں کلام نہیں کہ زیادہ میٹھی رسیلی اور لذیذ تو وہی ہوں گی جو خود سُنی جائیں اور پھر کہنے والا آنکھوں کے سامنے ہو مگر جب کہ وہ ظاہری نگاہوں سے پوشیدہ ہو اور موت کے حجاب نے ہمارے اور اس کے درمیان ایک ناقابلِ گذر خلیج حائل کر دی ہو۔ تو پھر سوائے اس کے چارہ کار ہی کیا ہے کہ اس کے ہمنشینوں سے اس کے حالات سُنے جائیں۔ اس کے صحبت یافتگان سے ان کے ارشادات گوش رسید کیے جائیں اور جو لوگ اس کی اعجاز نما دعاؤں اور معجزہ زا کرامات کا مورد رہے ہوں۔ اُن سے اس کی اصلی نوعیّت اور حقیقت معلوم کی جائے۔ خیر القرون کا مابہ الامتیاز صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعین کا تفاوت مدارج بھی اسی اصول پر موقوف ہے کہ جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی آنکھوں سے معائنہ کرنے والے ہر حقیقت سے فائق ہیں، پھر اُن کے دیکھنے والے اور پھر تابعین کی زیارت کرنے والے۔

ترتیب سوانح و حالات والی رسم قدیم سے چلی آتی ہے اور یہ ایک نہایت عمدہ قابل عمل و لائق تقلید کارروائی ہے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں بہت کچھ مستفیض و مستفید ہو سکتی ہیں اور چشم بینا کے لیے حالات رفتگان میں حقائق و دقائق کے دفتر ہیں بصائر و عبر کے وعظ ہیں اور معارف و حکم کے درس ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں دفتر پارینہ را

بزرگانِ سلف رحمۃ اللہ علیہم کی سوانحعمریاں بکثرت موجود ہیں۔ اگر کسی سوانح نگار نے خوش عقیدگی کی وجہ سے ان میں کسی قسم کی مبالغہ آمیزی نہ کی ہو تو سالکان مسالک طریقت و رہروانِ منازلِ حقیقت کے لیے ان کا مطالعہ ہمیشہ اصلاح خیالات و درستی عقاید و حصول محبت پیر و مرشد میں ممد ہوا کرتا ہے اور ایک متلاشی طریق عرفان و جویائے راہِ تصوف و متصوفین کرام کے حالاتِ زندگی و واقعات حیات سے اپنے لیے ایک شاہ راہِ عمل تجویز کر کے اس پر گام فرسائی کر سکتا ہے۔ اُن کے ارشادات ایک طالب مولا کے لیے آویزہ گوش بنانے کے قابل ہوا کرتے ہیں اور اُن سے ظاہر ہونے والے خوارق عادات ان کی صداقت اور حقانیت پر شاہد عادل۔

خود قرآن کریم میں بھی جا بجا اخبار و قصص امم سابقہ سے استشہاد کیا گیا ہے اور لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ سے پتہ چلتا ہے کہ بیانِ قصص سے غرض صرف یہی تھی کہ اصحاب حقیقت و اعیان ان سے عبرت حاصل کریں اور بصیرت آمیز نظروں سے ان کا مطالعہ کر کے اپنے لیے ایک طریق کار نکال لیں چنانچہ نکتہ شناسانِ حقائق ام الکتاب جانتے ہیں کہ اسوۂ یوسفی علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کن کن سبق آموز حالات کا مجموعہ ہے اور جہاں ایک طرف مشیتِ الٰہی اور جہاد بالنفس کے مناظر دکھائی دیتے ہیں اور نعرۂ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ زنجیر و سلاسل اور قید خانہ کو عیش و عشرت و تلذذ نفسانی پر ترجیح دیجاتی ہے۔ وہاں وعظ یوسفی علیہ السلام کس قدر دل نشیں و عبرت انگیز ہے اور يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ

تمام تر موجود ہیں اور جہاں مسلمان تاریخ کی ترتیب و تدوین میں موسس کا لقب رکھتے ہیں وہاں مشاہیر اُمت کے مابہ الامتیازات کی یادداشت میں بھی انہوں نے بڑا حصّہ لیا ہے اور آج ایک علم و عمل کا متلاشی اپنے مایۂ ناز متقدمین کے تمام خصائص و کمالات کو اپنی اصلی حالت میں اسماء الرجال اور تاریخ کی کتابوں سے معائنہ کر سکتا ہے۔

اولیائے اُمت جو کہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہم پایہ گذرے ہیں ان کے متبعین نے بھی ان کی سوانحعمریاں مُدوّن و مرتب کی ہیں اور سینکڑوں اولیاء اللہ کے حالات آج کتب کی توسیع و اشاعت کی وجہ سے شائقین کو دستیاب ہو سکتے ہیں۔

بناعلیہ اگر ہم بھی اپنے مقتدائے اعظم و راہنمائے اکرم کے حالات و واقعاتِ حیات کتابی صورت میں یکجا کرنے کی کوشش کریں تو نہ صرف ہم اس معاملہ میں حق بجانب ہوں گے بلکہ زمانہ حال و مستقبل کے طالبانِ راہِ حقیقت و جویانِ طریقِ معرفت کے لیے ایک بہترین نمونہ و مثال قائم ہو سکیں گی جس کو پیشِ نظر رکھ کر اپنا نصب العین بنا کر وہ منازلِ عرفان کو بہ آسانی طے کر سکیں گے۔

اس فقیر نے بے حد کوشش کی اور کئی دفعہ اس بات پر آمادگی کا اظہار کیا کہ اس سعادتِ ابدی سے میں خود بہرہ مند ہو سکوں اور صرف اولاد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ادنیٰ ترین خادمِ حیدری (رحمۃ اللہ علیہ) کی حیثیت سے (کیوں کہ اس فقیر کو بھی حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہے) آپ کی سوانح حیات تحریر کروں مگر ہر ایک موقع پر کوئی نہ کوئی مانع حائل اور سدراہ ہوتا رہا اور کثرتِ مشاغل و مصارف و عدیم الفرصتی نے پیچھا نہ چھوڑا اور ساتھ ہی چند عوارض و اسقام ملحقہ نے طبیعت کو ہمیشہ پریشان بنائے رکھا اور دل جمعی اور

متف قون خیر ام اللہ الواحد القھار سے توحید اور خدا پرستی پر زبردست استناد کیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام اور سیدنا خضر صلوٰۃ اللہ علیہ کے مابین جو زبردست مکالمہ ہوا ہے اور بالآخر هٰذَا فِرَاقُ بَيۡنِي وَبَيۡنِكَ تک جو نوبت پہنچی اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ایک مسترشد اور ارادت مند کو اپنے راہنما اور شیخ طریقت کا کس حد تک مطیع و منقاد ہونا چاہیے اور جب تک کہ ۔

پیر را بگزین و سر تسلیم شو
ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو

اطاعت مرشد میں چون وچرا کا شائبہ بھی موجود ہو تو ھذا فراق بینی و بینکم کا احتمال ہو سکتا ہے۔

غرض جس صورت میں کہ خود خدائے لایزال اخبار و قصص کے بیان سے تشریح مسائل و توضیح احکام فرماتے ہیں تو بندگان ذات واجب الوجود کا تقلیداً و اتباعاً اپنے بزرگان ملت و راہ نمایانِ قوم کے حالات قلمبند کرنے اور مستقبل میں راہ نوردانِ طرقِ مستقیم کے لیے نقش قدم چھوڑ جانے ہر حیثیت سے لائق کار فرمائی ہے۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی دراصل آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح حیات ہیں جن میں ملفوظات بھی ہیں، واقعات بھی ہیں اور معجزات بھی، اور کتب حدیث و سیر سے بڑھ کر اور کوئی سوانح ہر ایک اعتبار سے مکمل و مشرح نہیں ہو سکتی۔

ازاں بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات زندگی ضخیم اور مبسوط کتابوں میں

اطمینان نصیب نہ ہوسکے۔

بالآخر مخلص ترین برادر طریقت حبی فی اللہ ملک محمدّ الدّین صاحب مدیر "صوفی" نے جب یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ خود کتاب کی تالیف و تصنیف پر آمادہ کار ہیں تو اس فقیر نے انہیں بطیب خاطر و برضا و رغبت اجازت دے دی کیوں کہ یہ سعادت ابدی ازل سے ان کے مقدر میں لکھی تھی۔ البتہ انہیں یہ ایما کیا گیا کہ اشاعت سے پہلے کتاب کی تصحیح ضروری ہے اور یہ کام اس فقیر کے ذمہ ہوگا۔

چنانچہ ذکرِ حبیب کی تالیف و اشاعت کا فخر اگر ملک صاحب کو حاصل ہے تو اس کی صحت و درستی و مناسب ترمیم و تنسیخ کا شرف اس فقیر کو بھی نصیب ہوگیا ہے اور فقیر کے نقطۂ نظر سے جہاں ملک صاحب کو اس کارِ خیر کا ثواب جب تک کہ قارئین اس کے مطالعہ سے مستفیض ہوتے رہے ملتا رہے گا وہاں یہ فقیر بھی اپنی زندگی کے بہترین اعمالِ صالح میں سے کتاب زیر بحث کی اصلاح اور تحریر مقدمۃ الکتاب شمار کرے گا کیوں کہ گو یہ فقیر خود اپنے آپ کو بالکل عاجز اور ناتواں سمجھتا ہے، مگر اسے جو روحانی واسطہ و معنوی توسل حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے ہے یہ اسی کا یمن اور برکت ہے کہ ایسی سعادت دارین نصیب ہوگئی ؎

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ

ذرۂ آفتاب تابانیم

کتاب زیرِ تنقید پر اگر پورا تبصرہ کیا جائے تو اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس میں بعض فروگذاشتیں پائی جاتی ہیں۔ ملفوظات بہت ہی کم لکھے گئے ہیں۔ کرامات کا حصّہ بیحد مختصر ہے اور حالات بھی اُس شرح و بسط کے ساتھ تحریر نہیں کیے جاسکے جس کی

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظمت و شان والے سلطان المشائخ کے واقعاتِ حیات بیان کرنے میں ضرورت تھی۔ البتہ اس اختصار و اجمال کے الزام سے ملک صاحب بری الذمہ ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے اپنے معلومات کی وسعت سے کافی فائدہ اٹھایا ہے اور تلاش و تفحص میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ یہ الگ بات ہے کہ جن دو چار اشخاص کے تحریر کردہ ملفوظات سے انہوں نے مواد بہم پہنچایا ہے وہ آپ کے تمام ارشادات کے مقابلہ میں ایک اور سو کی نسبت بھی نہیں رکھتے کیوں کہ ملفوظات کے لکھنے والے کبھی سال میں ایک دو دفعہ حاضر ہوا کرتے تھے اور جو اذکار ان کی موجودگی میں بیان فرمائے جاتے ان کی یادداشت قلمبند کر لیا کرتے تھے حالانکہ ارشادات و ہدایات کا سلسلہ تو روزمرّہ جاری رہا کرتا تھا۔ اسی طرح کرامات کا حال ہے کہ جن متعدد برادرانِ طریقت نے ملک صاحب کو اپنے اپنے تجربہ شدہ اور خود آزمودہ کرامات تحریر کرا دیے وہ انہوں نے درج کر دیے لیکن آپ کئی لاکھ کی تعداد میں موجودہ غلامانِ حیدری رحمۃ اللہ علیہ سے اگر علیحدہ علیحدہ کرامات کا حال پوچھیں تو شاید ہی کوئی فرد ایسا ہے جو دو چار کرامتیں جن کا تعلق ان کے اپنے مفادات سے ہو نہ سنا دے۔ پھر ایسی صورت میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باب الکرامۃ کس قدر محدود اور غیر مکمل ہے۔

حالات کے متعلق بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان میں اجمال زیادہ ہے اور آپ کی مبارک زندگی کے ہر ایک شعبہ پر بہت کچھ تحریر کیا جا سکتا تھا۔ بایں ہمہ کتاب اپنے ضمن میں چند ایک خصوصیتیں بھی رکھتی ہے۔ نامور شعراء کا ندرت آمیز کلام کتاب کی شان میں خاص اضافہ کا باعث ہوا ہے اور جلال پور شریف کا منظر عمومی دفعۃً اقدس

کا دیدہ زیب نقشہ اور جناب تقدس مآب علیہ الرحمۃ والغفران کے دستخطی رقعہ شریف کے ایک ورق کا فوٹو کتاب کی زیب و زینت کا موجب ہے اور سب سے بڑھ کر ذکرِ حبیب کا جو مابہ الامتیاز ہے وہ ملک صاحب کی تحقیق و تدقیق روایت و درایت اور انتخاب مضامین والا معاملہ ہے کہ انہوں نے فراہم کردہ مسودات کی دیکھ بھال اور قطع و برید کرنے میں اپنے اوقاتِ عزیزہ کا حصۂ کثیر صرف کیا ہے اور کسی قسم کی کوئی مبالغہ آمیز بات یا خوش عقیدگی کے باعث خارج از قیاس بیان باقی رہنے نہیں دیا اور اب کتاب میں جو کچھ ہے وہ مختصر سہی، مجمل سہی مگر واقعات اور صداقت کے لحاظ سے ہر طرح قابلِ اعتماد و وثوق و لائق مدح و ستائش ہے۔

ایک کتاب کے محاسن و معائب پر ہر ایک مطالعہ کرنے والا اپنے اپنے نکتۂ خیال سے نظر ڈال کر کوئی اچھی یا بُری رائے قائم کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک واقعہ ایک شخص کی نظروں میں تعریف کا پہلو لیے ہوئے ہو مگر دوسرے کی نگاہ میں ناقابلِ اعتبار بلکہ نفرت انگیز و بالعکس ہکذا۔

اس لیے قارئین کرام کی اپنی اپنی پسند پر اس تنقیدی بحث کو چھوڑ دیا جاتا ہے ہاں یہ ظاہر کر دینا مناسب حال ہو گا کہ مطالعہ کتاب میں الفاظ کی بندش و برجستگی محاورات کی ندرت و شستگی، خیالات کی رفعت و بلندی کی جگہ اگر مضمون کے اصلی مفہوم و غرض و غایت کو پیشِ نظر رکھ کر اس سے استفادہ کیا جائے تو زیادہ مفید مطلب اور قرین صواب ہوا کرتا ہے اور خواہ مخواہ لفظی مباحث میں پڑ کر سوائے اس کے کہ حرف گیری اور نکتہ چینی سے مصنف پر تمسخر اڑایا جائے اور تضیع اوقات کی جائے اور کونسا فائدہ مترتب ہو سکتا ہے۔

پس جس صورت میں کتاب آپ کے مشتاق ہاتھوں میں ہے اور آپ اس کے مطالعہ سے ایک شہنشاہِ فقر اور ایک سلطان المشائخ کے حالاتِ زندگی و واقعاتِ حیات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو پہلے اپنی آنکھوں پر عقیدت و اخلاص کی عینک لگانی چاہیے اور اپنے دل کو تمام آلائشوں اور ضعیف الاعتقادیوں سے پاک و صاف کر کے اور اس تصور کو جامہ پہنا کر کہ آپ حضرت **خواجہ غریب نواز** رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں باریاب ہیں اور آپ کی فیض صحبت سے مشرف پھر اگر آپ مطالعہ ملفوظات سے بہرہ اندوز و شادکام نہ ہوں بالکل مطابق واقع اور مبنی بر حقیقت، کرامات کے مطالعہ سے متاثر نہ ہوں اور غوث الوقت کے کوائف حیات آپ کو اپنی جاذبیت سے اپنی طرف راغب و ملتفت نہ کریں تو ہمارا ذمہ۔ کسی شخص اور کسی معاملہ پر اعتراض کرنے سے پیشتر اگر معترضین اس بات کا موازنہ کر لیا کریں کہ ان کا اعتراض ان کی کسی ذاتی کاوش، ذاتی عناد یا ذاتی رنجش پر مبنی نہیں اور کیا وہ انصاف پسند نگاہوں سے ایک چیز کے حسن و قبح پر نظر ڈال رہے ہیں یا تعصب اور حسد کی پٹی ان کی آنکھوں کے سامنے حائل ہے جس نے اُن کی بصارت کو زائل کر دیا ہے تو پھر احقاقِ حق و ابطالِ باطل وہ بخوبی کر سکتے ہیں اور کھوٹے کھرے کی بآسانی تمیز۔

اب کلام کا خاتمہ اس دعا پر کیا جاتا ہے کہ خدائے قدوس اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بزرگان چشت علیہم الرضوان کے طفیل تمام دوستدارانِ فقراء عظام و معتقدین مشائخ کرام کو بالعموم اور مخلص ترین برادرانِ طریقت اور کتاب ہذا کو اخلاص و انقیاد سے مطالعہ کرنے والوں کو بالخصوص اپنے اور اپنے پاک بندوں کی محبت سے مالا مال کریں۔ اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشیں اور دین و دُنیا دونوں میں

سُرخرو و کامران بنائیں اور محبِ صادق ملک محمد الدین صاحب مؤلف کتاب ہذا کو اس محنت کا اجرِ جمیل عطا فرمادیں اور فلاحِ کونینی و فوزِ دارینی سے مشرف و مفتخر بنادیں آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؛

بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

اٰمِیْنَ ؛ اٰمِیْنَ ؛ اٰمِیْنَ ؛

فقیر ابو البرکات محمد فضل شاہ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ
سجادہ نشین جلال پور شریف

گلمرگ کشمیر
۱۵۔ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

ذکرِ حبیب

حصہ اوّل

حالات

حضرت قبلہ عالم و عالمیان خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

جلال پوری

ملک محمد الدین صاحب مرحوم مغفور ایڈیٹر صوفی (پنڈی بہاؤ الدین)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکۡ وَسَلِّمۡ

دیباچہ

حَمۡدًا مُتَکَاثِرًا وَّسَلَامًا مُتَوَاتِرًا

قرآن وحدیث کے بعد اربابِ دل سب سے زیادہ جس چیز سے محظوظ ومتکیف ہوتے ہیں وہ خدا کے نیک بندوں کا تذکرہ ہے کیوں کہ اولیاء اللہ کے سوانح زندگی حالات وکیفیات سے لبریز اور ان کے قلیل اللفظ وکثیر المعنی مقولوں کا ایک ایک لفظ گوناگوں تاثیرات میں ڈوبا ہوتا ہے۔ ادراک کی قوتیں ان حالات سے آگاہ ہو کر مست وبےخود ہوجاتی ہیں۔ ارواح پر عالم وجد طاری ہوتا ہے اور قلوب تاثرات وکیفیات کے سمندر میں ڈوبے ہوئے رقص کرتے ہیں۔ آنکھیں اور یہ ظاہری آنکھیں دیکھتی ہیں کہ آسمان بریں سے انوار کی بارش ہورہی ہے۔ کان اور یہ ظاہری کان محسوس کرتے ہیں کہ غیب کے پردوں سے قدوسی نغمے بلند ہورہے ہیں۔ اسی حالت کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پاک الفاظ میں بیان فرماتے ہیں "عند ذکر الصٰلحین تنزل الرحمۃ"۔ نیک بندوں کے تذکرہ کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

جس طرح دلکش فضاؤں کی لطیف ہوائیں دماغ کو تروتازہ کرتی ہیں، جس طرح

مرغزاروں اور گلزاروں کی عنبریں نکہتیں قوتِ شامہ کو سرمست و وارفتہ بناتی ہیں، جس طرح اربابِ عمل کی داستان سُن کر دست و بازو میں جنبش ہونے لگتی ہے اور جس طرح بہادروں کے کارنامے پڑھ کر رگوں میں خون کھولنے لگتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کے حالات سننے اور پڑھنے سے انسان کی روحانی دنیا میں انقلاب و تلاطم برپا ہو جاتا ہے ہم جب ان کے زہد و ورع اور طہارت و تقویٰ کا حال معلوم کرتے ہیں تو اس کی صداقت ہماری رُوح پر اثر ڈالتی ہے۔ دنیا کی لذتیں ہم کو بے ثبات اور راحتیں رو بفنا نظر آتی ہیں، ایمان کا نور مشتعل ہوتا ہے اور دل میں ترکِ دنیا کے پاک ولولے بے اختیار پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہم خاصانِ خدا کی قناعت پسندی، توکل اور تسلیم و رضا کا عملی افسانہ پڑھتے ہیں تو ہمیں اپنی حرص و آز، ہوس پرستی اور جزع فزع پر ندامت و شرم محسوس ہوتی ہے اور ہماری رُوح کو مشکلاتِ حیات سے عہدہ برآ ہونے اور عمرِ فانی کو فراغ و طمانیت کے ساتھ لبسر کرنے کا زرّیں سبق ملتا ہے جب ہم ان بندگانِ مقبول کی طاعت و عبادت کا ماجرا سنتے ہیں تو ہمارے دل میں عرفان کی قندیلیں روشن ہو جاتی ہیں اور ہم کو صوم و صلوٰۃ کی طرف خاص میلان محسوس ہوتا ہے۔ جب ہم ان عاشقانِ الٰہی کے عشق و محبت سے آگاہ ہوتے ہیں تو بے اختیار دل میں اس محبوب ہستی کی پرستاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کی ادنیٰ جلوہ نمائی نے ذُرّیاتِ آدم سے "بلیٰ" کا عاجزانہ خراج وصول کیا اور جس کے ایک غلط انداز پر تو نے طور کو کوہِ نور بنا دیا۔ درحقیقت انہی قطراتِ دریا خیز اور دانہائے خرمن افشاں کی مبارک ہستیاں ہیں جو ہمیں دین و مذہب میں استقامت ایمان و یقین میں رسُوخ و تقویت اور عزم و ہمت میں بلندی و پختگی عطا کرتی ہیں اور اسی مضمون کو تعالیٰ شانہٗ نے سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ مخاطب کرتے ہوئے

ارشاد فرمایا ہے۔ وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک
(ہم آپ سے انبیاء و مرسلین کے وہ حالات بیان کرتے ہیں جن سے آپ کے دل کو تسکین
و ثابت قدمی حاصل ہو)

اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نمونہ ہوتے ہیں۔ اُس انسانیت کا جو خاص منشاء خداوندی ہے اور جس کے سامنے ملائکہ ملاء اعلیٰ نے سرِ نیاز خم کیا ہے۔ پس ان کے انفاسِ قدسی سے فائدہ اٹھانا اور ان کی صحبت گرامی میں ایک لمحہ حاضر رہنا سالہا سال کی ریاضت سے زیادہ منفعت بخش ثابت ہوتا ہے اور اسی طرح ان کے حالات و سوانح سے آگاہ ہونا ہزاروں فوائد پر مشتمل ہے۔ ان کی حرکات و سکنات خاک بوسوں کو ہر وقت ایک نیا درس دیتی ہیں۔ اُن کے اخلاق و عادات زنگ آلودوں کو صیقل کرتی ہیں۔ اُن کے ملفوظات قرآن و حدیث کا ترجمہ ہوتے ہیں اور اُن کے اشارات و کنایات شاہد معنی کو بے نقاب اور تشنگانِ انس و محبت کو سیراب کرتے ہیں ؎

پیکِ مسیحا نفس بر قدمت سر نہم
کز نفست یافتم بوئے دلاویز دوست

خدائے بالا و برتر اپنے ان مقبول بندوں کو پیار کرتا ہے۔ ان کی التجاؤں اور دعاؤں کو مستجاب فرماتا ہے۔ اُن کی ہر ادا اُس کی نظر میں محبوب و پسندیدہ ہے۔ وہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مدارج طے کر کے حیاتِ جاودانی کی منزل عالی میں جا پہنچے ہیں اور ایسی حالت میں ہیں کہ ان کی ہستی موت و فنا کی دست و برد سے محفوظ ہے، کارکنانِ غیب انہیں خوانِ نعمت سے رزق پہنچاتے ہیں، اُن کی پاک روحیں خوف و غم کی کشاکش سے آزاد

ہیں اور ملاء اعلیٰ کے قدوسی زمزمے ان الفاظ کے ساتھ انہیں ہر وقت سنائی دیتے ہیں
اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (دیکھو اولیاء اللہ
کو نہ کسی طرح کا خوف ہے اور نہ کوئی غم ہے) یہی وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کے متعلق
"رحمتِ عالم" نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان من عباد اللہ اناسا ما ھم الانبیاء
ولا الشھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیمۃ بمکانھم۔
(خدا کے بندوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ نہ تو وہ نبی ہیں نہ شہید ہیں لیکن قیامت میں اُن
کا رتبہ دیکھ کر انبیا اور شہدا اپنے دل میں کہیں گے کہ کاش اُن کی جگہ ہم ہوتے)
سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حکایات المشائخ
جند من جنود اللہ عزوجل یعنی للقلوب (مشائخ کی حکایتیں اللہ عزوجل کے
لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں دلوں کے لیے) جس طرح ایک لشکر اپنی اقلیم کو غنیم
سے پاک اور امن و امان سے لبریز کرتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کا تذکرہ کشورِ دل
سے وساوس و شکوک، حرص و آز اور شرک و نفاق کے دشمنوں کی بیخ کنی کرتا ہے
اور دوسری طرف امن و سکون، یقین و طمانیت، صبر و قناعت، تسلیم و رضا اور ایمان
و عرفان سے اُسے معمور کر دیتا ہے۔ پس مبارک ہیں وہ لمحے جو ان تذکروں میں بسر
ہوں اور مقدس ہیں وہ صحبتیں جو اس مقصد سے گرم کی جائیں۔
الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ مشیّت نے مجھ عاجز و ناتواں کو یہ توفیق دی کہ اپنے پیرو
مرشد، مطاع و مخدوم، ماحی بدعت، حامی سُنّت، عالم معقول و منقول، حاوی فروع و
اصول، رہنمائے شریعت، پیشوائے طریقت، حضرت مولانا پیر حیدر شاہ صاحب
قبلہ قدس سرہ العزیز کے مبارک حالاتِ زندگی شائع کروں اور جیسا کہ حضرت محبوبِ الٰہی

سلطان الاولیا، حضرت خواجہ نظام الدینؒ کا مقولہ ہے کہ مرید کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اپنے پیر کے حالات و ملفوظات کی اشاعت کرے۔ میں اپنی ناچیز جدوجہد پر نازاں ہوں اور جناب باری کی شکر گزاری میں سربسجود ہوتا ہوں کہ اس کارِ خیر اور مقصدِ اعظم کے لیے میرے کمزور دست و بازو کو انتخاب کیا گیا۔

نورے کہ ز پیشانیٔ آں ماہ بتافت　　ظلمت زدگانِ معصیت را دریافت

یک ذرہ ازاں نصیب ایں بندہ رسید　　من توشۂ آخرت ازاں خواہم ساخت

میں جب سے طبع و اشاعت اور نشر و تالیف کے کام میں مشغول ہوں یہ امر ہمیشہ مرکوزِ خاطر رہا کہ قبلۂ عالم کے پاک سوانحِ حیات اور ملفوظات کتابی صورت میں شائع کیے جائیں تاکہ ان اسباقِ حکمت و موعظت اور دروسِ شریعت و طریقت سے نہ صرف وابستگانِ بارگاہ اور مریدین و معتقدین ہی مستفیض ہوں بلکہ اس فیضانِ عام سے دیگر دور افتادگانِ محفل اور درماندگانِ منزل کو بھی فائدہ پہنچے۔ چنانچہ اسی مقصد کے ماتحت میں نے وقتاً فوقتاً حضرت محبوبِ سبحانی کے حالات و کرامات اور مقدس ملفوظات اپنے رسالہ ''صوفی'' میں شائع کیے لیکن تشنگانِ عرفان اور حسرت زدگانِ حقیقت کے لیے اس قدر جدوجہد کافی نہ تھی۔ اور اس لیے یہ ضرورت روز بروز زیادہ واضح ہوتی گئی کہ حضرت کے سوانح پاک کامل شرح و بسط اور پوری تفصیل کے ساتھ ایک مجلد میں شائع کیے جائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ارادہ کو عمل سے بدلا۔ میں نے طلب مقصود میں جو قدم اٹھایا تھا اسے منزل تک پہنچایا اور میں عنایاتِ ایزدی سے اس قابل ہوا کہ اپنے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل اور مفصل سوانح عمری ''ذکرِ حبیب'' کے مبارک نام سے شائع کر رہا ہوں۔

یہ مبارک کتاب تین عام حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں حضور ممدوح علیہ الرحمۃ کے خاندانی حالات، ایامِ طفولیت، تعلیم و تربیت، شادی، اولاد امجاد، احوال و اشغال وغیرہ کا مفصل تذکرہ ہے، دوسرے حصے میں حضرت کی کرامات، تیسرے حصے میں ملفوظات ہیں۔ پھر ہر حصے میں جدا جدا تبویب و تفصیل کی گئی ہے جس سے حضرت محبوبِ سُبحانی علیہ الرحمۃ کی مبارک زندگی کا ہر پہلو طالبانِ حقیقت کے سامنے آجاتا ہے۔ تمام کتاب میں اس امر کا التزام کیا گیا ہے کہ حضرت کی پاک زندگی کے متعلق کوئی واقعہ اور ملفوظاتِ گرامی یا کرامات میں کوئی لفظ ایسا درج نہ ہو جو امرِ واقعی کے خلاف ہو جو بات قلمبند کی گئی ہے وہ معتبر راویوں کے تواتر اور تسلسل کے ساتھ لکھی گئی ہے چنانچہ حضرت قبلہ سید محمد فضل شاہ صاحب سلمہ ربہ نے حضرت کے جو خاندانی حالات مدوّن و مرتب کیے ہیں اُن سے اور ممدوح کے علاوہ حضرت خلیفہ سید غلام شاہ صاحب، حضرت سید محمد شاہ صاحب لدھیانوی۔ مولوی کرم الٰہی صاحب منگوپنڈی، مولوی نور عالم صاحب، مولوی نبی بخش صاحب واعظ رسول نگری، صوفی کرم الٰہی صاحب مصنف خالد بن ولید، مولوی حکیم الہ دین صاحب ملکوالی اور چند دیگر بزرگوں نے حضرت کے حالات و ملفوظات کے متعلق جو نوٹ مرتب کیے تھے اُن سے تفصیلی معلومات اخذ کر کے اس کتاب کے مختلف حصص کو ترتیب دیا گیا ہے اور گویا ان بزرگوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ آستان بوسیٔ حضرت محبوب سُبحانی میں بسر کرنے کے بعد جو کچھ قلمبند کیا تھا اُسے مجموعی طور پر اس کتاب میں یکجا کیا گیا ہے۔ رُواۃ اور روایات کی تحقیق و تنقید میں بڑی احتیاط مدِنظر رکھی گئی ہے اور میں بڑے زور کے ساتھ ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کتاب کا ایک ایک لفظ سچا اور صحیح ہے

سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کتاب کو بالاستیعاب فخرِ دودماں نازشِ خاندان سیدیؒ مولائی حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب قبلہ سجادہ نشین لازالت الانام فائزۃً بطول بقاہ نے بہ نفسِ نفیس ملاحظہ فرمایا ہے جس سے گویا کتاب کی تکمیل و صداقت اور اعتبار و استناد پر مہر ثبت ہو گئی۔ حضرت ممدوح نہایت بزرگ و محترم، عالم و فاضل، ماہر قرآن و حدیث و فقہ اور واقفِ رموزِ شریعت و طریقت ہیں۔ اللہ ابقاہ و ادناہُ الی مناہ۔

اس تنقیح و تحقیق کے باوجود ممکن ہے کہ بعض مادہ نواز اور عقل پرست طبائع کو اپنی فہم قاصر اور معلوماتِ ناقص کی بنا پر اس کتاب میں کسی جگہ نکتہ چینی کا موقع ملے اور وہ مقامات جن تک رسائی زبردست تصفیۂ باطن اور ممتد ریاضات کے بغیر ناممکن ہے ان کی سمجھ میں نہ آئیں لیکن میں اُن سے یہی عرض کروں گا کہ جب محدود علم و عقلِ انسانی کے مدارج بیشی و کمی مسلّم ہیں تو کسی مسئلہ کی تردید اس بنا پر درست نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک انسان یا ایک انسانی جماعت کی فہم سے بالاتر ہو۔ انبیاء عظام اور اولیاء کرام کے حالات سے قطع نظر کر کے دنیا کے روزمرّہ معمولات بھی عجائب و نوادر سے خالی نہیں اور آئے دن ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر سائنس اور عقلیات کے ماہر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ میں ایسے نکتہ چین اور مادی دنیا سے آگے قدم نہ بڑھانے والے اصحاب سے یہی کہوں گا کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ان کی عقل و فہم سے بالاتر ہونے کے باوجود بھی سراسر سچ اور صحیح ہے ؎

سازِ طربِ عشق کہ داند کہ چہ سازاست
کز زخمۂ او نُہ فلک اندر تگ و تاز است

اس سلسلہ میں غالباً ناموزوں نہ ہوگا کہ میں چند لفظ دامنِ الطاف گرامی سے اپنی وابستگی کے متعلق بھی بیان کروں۔ اس ایزاد سے اپنی نمود مقصود نہیں بلکہ میری زندگی بھی چونکہ اسی بحرِ کرم کی آبیاری اور اسی ابر الطاف کی جان نوازی کا ایک نمونہ ہے اس لیے میں اپنے واقعات کے اظہار کو حضرت محبوب سُبحانی کی کرامات و تصرفات کی ایک نمایاں مثال سمجھتا ہوں۔ میں ۱۹۰۶ء میں حضرت قدس سرّہٗ کی بیعت و ارادت سے مشرف ہوا۔ اللہ اللہ وہ زمانہ بھی میرے لیے کس مصیبت و ابتلا کا زمانہ تھا، ہر چند میں بفضلہ ایک نامور خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے جدِّ امجد سکھوں کے عہد میں کاردار تھے۔ میرے والد ماجد اپنے علاقہ میں بڑے کامیاب اور نامور طبیب تھے لیکن میں نے جب آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو لاوارث و یتیم دیکھا اور جاہ و ثروت کی جگہ اپنے گرد و پیش افلاس و نکبت کو محیط پایا۔ الغرض میں ان مصائب خیز طوفانوں کا مقابلہ کر کے جوان ہوتا ہوں۔ مسکونہ مکانات اور اراضی زرعی پہلے ہی دریائے چناب کی طغیانیوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مجھے ایک سرکاری نوکری ملتی ہے لیکن گردشِ روزگار سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں کہ میں ۱۹۰۶ء میں اس ملازمت سے کنارہ گیر ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد میں بیکار ہوتا ہوں اور ہجومِ مصائب ناداری و بیکاری میں گوناگوں مشکلات پیش آتی ہیں۔ کشمیر جاتا ہوں مگر "قولِ عرفی" کے برخلاف اُسی سوختہ جانی اور بے بال و پری کے عالم میں واپس آتا ہوں۔ آخر کار تقدیر کا پرکار اپنے مرکز پر دم لیتا ہے۔ بخت برگشتہ راہ پر آجاتا ہے اور بفحوائے اذا شاء اللہ امرًا ھیاء لہ اسبابہ (جب خدا کوئی بات چاہتا ہے تو اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے) میں مخدوم محترم صاحب زادہ حضرت محمد الدین صاحب

غفران مآب سجادہ نشین سیال شریف کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور ایک نظم لکھ کر خدمت عالی میں پیش کرتا ہوں۔ حاضری کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ میرے والد مرحوم حضرت خواجۂ سیال شریف قدس سرّہٗ کے مرید تھے۔ بہرحال صاحب زادہ صاحب مجھے آستانۂ جلال پور شریف کی خاک بوسی کا حکم دیتے ہیں۔ میں پابرہنہ پاپیادہ چل کھڑا ہوتا ہوں۔ راہ میں سلسلہ شریف چشت کو نظم کرتا ہوں اور جب قدمبوسی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو یہ شجرۂ منظوم کہ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء حضور اقدس میں پیش کرتا ہوں۔ سبحان اللہ کیا دربار ہے ؎

در حجرۂ فقر بادشاہ ہے　　در عالم دل جہاں پناہ ہے
شاہنشہ بے سریر و بے تاج　　شاہانش بخاک پائے محتاج

حضور نے کمال شفقت و ذرہ نوازی سے یہ سلسلہ شریف تین بار پڑھوا کر سُنا اور اس کے بعد خاص طور پر میرے لیے دعائے خیر فرمائی۔ یہ ساعت تھی میرے عروج کے آغاز کی۔ حضرت کی دعاؤں کی بدولت خدا نے مجھے چند سال کے عرصہ میں وہ سب کچھ دے دیا جس کی دل کو تمنّا ہو سکتی ہے۔ الحمدللہ کہ اس وقت ہر طرح کی فارغ البالی اور خوش حالی مجھے میسر ہے حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکا ہوں۔ میں پچیس مربع اراضی کا مالک ہوں۔ میرا لڑکا محمد اسلم خاں انگلستان کی مشہور کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم پا رہا ہے جس کے مصارف پانچسو روپے ماہوار ہیں۔ خدا قبلۂ عالم کی روحانی برکات اور نیکیٔ جاوید کے صدقہ میں اُسے انڈین سول سروس کے امتحان مقابلہ میں کامیاب کرے اور وہ ہندوستان میں بخیر و عافیت پہنچ کر اور انڈین سول سروس میں منتخب ہو کر اسلام اور لنگر جلال پور شریف کی مقدس خدمات انجام دے۔ آمین ثم آمین !

اس کتاب کی تالیف و اشاعت میں جن محترم بزرگوں اور دوستوں سے مجھے مدد ملی ہے ان کا میں تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ منشی عاشق حسین صاحب سیماب اکبر آبادی نے جن کو حضرت قبلۂ عالم سے خاص عقیدت ہے خصوصیت کے ساتھ میرا ہاتھ بٹایا اپنے قیمتی وقت کا بہت سا حصّہ نظموں کی تصنیف میں صرف کیا اور عام حالاتِ ولادت و وصال اور حلیہ شریف کے متعلق متعدد موزوں نظمیں تیار کیں۔ علاوہ بریں میرے لکھے ہوئے مسودات کو صاف کیا اور میری تحریر پر نظرِ ثانی کی۔ اس کے بعد مولوی سید ظہور احمد صاحب شاہجہانپوری ایڈیٹر رسالہ "دین و دنیا" دہلی نے حصّۂ کرامات وغیرہ کی تدوین میں مجھے امداد دی۔ میں ان حضرات کے ساتھ ملک کے نامور شعراء کا بھی رہینِ منّت ہوں۔ جنہوں نے اپنے کلامِ بلاغت نظام سے مجھ کو ممتاز فرمایا۔ چنانچہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اور خان بہادر سید اکبر حسین صاحب الٰہ آبادی سے لے کر عام نغز گویانِ اُردو تک کے نتائج افکار کتاب کے اوراق میں درج ہیں۔

میں اس دیباچہ کو ختم کرتے ہوئے جناب باری عزّ اسمہ میں سربسجود اور دست بدعا ہوتا ہوں کہ خداوندا اس کتاب سے برادرانِ دین و ملّت کو فائدہ پہنچا اور اپنے مقدس انبیاء علیہم السلام و اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صدقہ میں اس عاجز اور اس کے متعلقین و متوسلین کا خاتمہ بالخیر کر۔

اگر دعوتم رد کنی ور قبول !
من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ

خاکسار محمد الدین غفرلہٗ　　پنڈی بہاؤالدین

مدیر جریدہ "صوفی"　　بروز پنجشنبہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
جَلَّ جَلَالُہٗ

مولد و مسکن

مٹے گی دل سے نہ یادِ جلال پور شریف
کہ ہے "بہشت" سوادِ جلالپور شریف

کسی شہر یا قصبہ کی شادابی و سیرابی ہمیشہ اس کے فضائے گرد و نواح اور بہاریں میدانوں سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اس خصوص میں پنجاب سارے ہندوستان سے زیادہ ممتاز ہے۔ سرزمینِ پنجاب کی سرسبزی کی وجہ اس سے بہتر معلوم نہیں ہوتی کہ وہاں عموماً ہر زمانہ میں اولیاء و اقطاب کا نزول ہوتا رہا ہے اور یہ انہیں کا فیضِ تصرف ہے کہ مرز و بوم پنجاب سے زیادہ شاداب کوئی قطعہ اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکا ہے۔

جلال پور شریف بھی انہیں سیراب و شاداب حصص ملک میں سے ہے جن کا تعلق صوبۂ پنجاب سے ہے۔ اس کا نام بھی اپنی معنوی عظمت اور لفظی شوکت کے لحاظ سے نہایت باجلال اور پُرعظمت معلوم ہوتا ہے۔ اور ہے بھی یوں کہ دریائے جہلم کے کنارہ پر اس سے زیادہ متبرک و مقدس مقام کوئی دوسرا غیر ممکنات سے ہے۔

جب ہم تاریخِ عالم کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم

السلام کے مولد ہمیشہ فضا اندوز ممالک میں ہوئے ہیں۔ چنانچہ ختم رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولد بننے کا جس سرزمین کو شرف حاصل ہوا اس کی خصوصیات بھی یہی تھیں کہ ایک طرف سمندر کا جوشیلا پانی موجیں مار رہا تھا، دوسری طرف کھجور کے ہرے بھرے بلند قامت درخت ریگستان کے گوشوں میں کھڑے ہوئے اپنی عظمت و جبروت کا پتہ دے رہے تھے۔ تیسری طرف چھوٹے بڑے پہاڑ اپنے دامن میں آبادی کو جگہ دیے ہوئے تھے اور گو وہاں کوئی سبزہ زار ایسا نہ تھا جس کو دیکھ کر نگاہیں کیفِ فضا اٹھا سکیں تاہم گرد و پیش کی مرطوب و خنک ہوائیں اور آثار بہار سرزمینِ مکہ کو رشکِ جنت بنانے میں کامیاب ضرور تھے۔

بعینہٖ اسی طرح جلال پور شریف کا حال ہے کہ ایک طرف تو دریائے جہلم موجیں مار رہا ہے اور اپنے پہنائے عظیم میں موجوں کے مدوجزر سے ایک حرکتِ فطری کا اظہار کر رہا ہے دوسری طرف سبزہ زار کیف افزائے نظر بنا ہوا ہے۔ تیسری طرف وادیوں کا مستحکم سلسلہ عربی پہاڑوں اور حجازی وادیوں کی یاد دلا رہا ہے۔ ببول کے درخت کھجور کے درختوں کا جواب ہیں۔ جب ان میں فصل پر بھینی بھینی خوشبو والے زرد زرد پھول کھلتے ہیں تو مشام روح کو تازگی نصیب ہو جاتی ہے ؎

دل کھلا جاتا ہے اللہ رے بیابانِ وطن
خوب قدرت نے کھلایا ہے چمن کانٹوں میں

وادیوں کے آس پاس سبزہ زار کے کنارے، دریا سے دور، وسیع صحرائے بسیط میں یہ ببول کے درخت بھی نہالانِ فردوس سے کم معلوم نہیں ہوتے۔ دشتِ غربت کے بھولے بھٹکے مسافر جب تمازتِ آفتاب سے گھبرا کر ان کے سایہ میں دم لیتے ہیں تو آغوش

مادر سے زیادہ لطف آتا ہے روٹھ کر اور زندگی سے خفا ہو کر وطن سے نکل جانے والے غریب الوطن نیچی نیچی قبائیں اور عبائیں پہنے جب اُن کے نیچے سے گذرنے لگتے ہیں اور اُن کے گل انداز کانٹے اُن کا دامن تھام کر یارانِ وطن کی طرح ان سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں تو اس وقت ببول کے درخت نہیں معلوم ہوتے بلکہ ؎

دشتِ غربت میں یہ دامن مرا کس نے تھاما
کیا چھپے بیٹھے ہیں یارانِ وطن کانٹوں میں

دریائے جہلم سے پار ہونے کے بعد کوہستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے اور یہیں پہاڑوں کے دامن میں جلال پور شریف واقع ہے۔

پہاڑ وہی معمولی پہاڑ ہیں جیسے کہ ارضِ ہند پر ہر جگہ پھیلے ہوئے دامن زمین کو دبائے ہوئے ہیں، مگر ان پہاڑوں میں جو نشانِ رحمت ہویدا ہے وہ دوسرے پہاڑوں میں کہاں! عقیدت مندوں کے لیے ہر کوہ کوہِ طور اور ہر وادی وادیٔ ایمن سے کم نہیں ہے اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر نوازی منظور ہوئی تو معراجِ مقصود کے لیے کوہِ ہمالہ کی کوئی اونچائی اور سربفلک چوٹی نہیں چھانٹی بلکہ وادیٔ ایمن کا ایک چھوٹا سا پہاڑ پسند آگیا۔ ایسا چھوٹا کہ اس سے چھوٹا دنیا کا کوئی پہاڑ ہی نہیں۔ بس اسی کو تجلی نگاہ بنا دیا اور اسی پر کلیم کو اپنا جلوہ دکھا دیا ؎

اقل جبال الارض طور وانہ
لاعظم عند اللہ قدرا و منزلا

وہ ایک واقعہ تھا جو بطورِ خاص زبان زدِ عوام ہو گیا ورنہ حقیقت نگر نگاہوں کے لیے اب بھی ہر کوہ کوہِ طور اور ہر وادی وادیٔ ایمن بنا ہوا ہے اور سب پر وہی نور جلوہ گر

ہے جیسے طور کی جلوہ گاہ سے مخصوص کرتے رہتے ہیں ؎

تو اگر جلوہ نما ہو تو ترے شیدا کو

طور سے کم نہیں یہ بامِ معلّیٰ تیرا

ضرورت ہے تو نگاہِ حق نگر کی اور دلِ عقیدت مند کی ورنہ اب بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح کروڑوں اس جلوۂ کوہ پاش کے مشتاق ہیں۔ بھلا کوئی طور پر جاکر وہی جمال دیکھ تو آئے۔ چالیس دن نہیں چالیس ہزار دن کے روزے رکھے۔ پابرہنہ نہیں بلکہ کفن بردوش ہو جائے، برسوں اشتیاقِ جمال میں رہئے، سالہا سال حسرتِ رویت میں جان کھوئے مگر طور والے کا اُس شان سے نظر آنا ناممکن ؎

مَیں نے کہا جو کل اَرِنِیْ کوہِ طُور پہ

آواز آئی موسیٰ عمراں نہیں ہیں آپ

ہاں جو عقیدت مند اور ارادت کیش ہیں وہ ہر جگہ اُس کا جلوہ بے نیازی کی شان میں دیکھ لیتے ہیں اور وہ دکھا بھی دیتا ہے۔

یہی کیفیّت وادیٔ جلال پور شریف کی ہے کہ ادھر ارادت مند نگاہیں اٹھیں اور ادھر جلوۂ حقیقت نظر آگیا۔ یہ سامان ان پہاڑوں سے کس طرح وابستہ ہیں؟ اس کا حال آگے چل کر خود معلوم ہو جائے گا۔

جلال پور دیکھنے میں تو ایک معمولی قصبہ ہے مگر اپنی نوعیّت میں آباد سے آباد تر شہر سے زیادہ برکت اندوز معلوم ہوتا ہے۔ شرفا کی آبادی ہے، غربار کی بستی ہے۔ امن و امان کی برکتوں سے چپہ چپہ شرف اندوز ہے۔ دین وایمان کی روشنی سے کونہ کونہ نورافروز ہے۔ ترائی کی ٹھنڈی اور فضا بار ہوائیں ایک تموّجِ حیات پیدا کرتی ہیں۔ اور ہوا ہو جاتی

ہیں۔ ابر آتا ہے تو پہاڑوں کے دامن میں موتی برسا کر چلا جاتا ہے۔ ہر فصل زرخیز اور ہر موسم مسرت انگیز رہتا ہے۔ جدھر دیکھیے مسلمان ہی مسلمان آباد ہیں۔ مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدائیں جلال و جبروت کا صور پھونکتی ہوئی نکلتی ہیں اور وادیوں میں گونج پیدا کر کے وہیں فنا ہو جاتی ہیں دریائے جہلم کی موجوں کا تموج بھی ان سے تسبیح خوانی سیکھ گیا ہے اور اپنے جزر و مد میں سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ کا راگ اتار چڑھاؤ کے ساتھ الاپا کرتا ہے غرضیکہ ؎

بیاباں میں دریا میں اور گلستاں میں
تیرا ذکر ہوتا ہے سارے جہاں میں

یہ جلال پور اور ایسا جلال پور اس ولیِ کامل اور مرشدِ فاضل کا مسکن و مولد تھا جس کی سیرۃ ہم آج لکھ رہے ہیں اور جو آج بھی اپنے تمام و کمال تصرفاتِ ظاہری و باطنی کے ساتھ اسی سرزمین میں "آفتاب غروب" کی طرح ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت ۳ر صفر المظفر ۱۲۵۴ھ مطابق ۲۶ر اپریل ۱۸۳۸ء کو ہوئی۔ ماہِ صفر مظفر کہلاتا ہے۔ اس لیے ایسی ولادت کو منصور کہا جائے تو غلط نہیں۔ یوں تو سال کے تمام مہینے مبارک اور اپنے اہم واقعات کے لحاظ سے مشہور ہیں مگر صفر المظفر کو ایک خاص واقعہ کے اعتبار سے ہماری سیرۃ سے تعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں جنگِ خیبر ہوئی تو وہ یہی مہینہ تھا اور جب وہ جنگ فتح ہوئی تو یہی مہینہ تھا اور فاتحِ خیبر سیدنا حضرتِ حیدر مشکل کشا شیرِ خدا تھے۔ پس آفتابِ سپہرِ عرفان حضرت پیر سید حیدر علی شاہ

رضی اللہ عنہ کا اس ماہ مبارک میں تشریف لانا گویا اُس واقعۂ مظفر و میمون کی یاد کو تازہ کرنا تھا۔ قدرت اپنی تاریخ کی ورق گردانی خود ہی کرتی رہتی ہے۔ کوئی قدرتی واقعات کو دُھرائے یا نہ دُہرائے۔

اوّلِ ماہِ صفر حضرت حیدرؓ آئے غُل ہوا دہر میں پھر فاتح خیبر آئے
تھے جو ارمان دلوں میں وہ سبھی بر آئے شور تھا حامیٔ اسلام پیمبر آئے
کون مشتاق نہ تھا چاند سی صورت کے لیے
سب فرشتے چلے آتے تھے زیارت کے لیے

جس روز آپ تشریف لائے وہ روز جمعۃ المبارک تھا۔ مہینہ تو مبارک تھا ہی دن بھی ایسا مبارک اور برکت اندوز ملا کہ جو اشرف الایّام مانا گیا ہے جسے تمام ہفتہ کے دنوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح کہ ایک صاحب رشد و ارشاد کو کسی معمولی انسان پر حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جمالِ باکمال نے قرب و جوار کے پہاڑوں کو تجلی گاہ نور بنا دیا۔ دریائے جہلم کو موجۂ کوثر بنا کر دکھا دیا۔ جلال پور پر سایۂ رحمت چھایا ہوا تھا اور بحرِ رحمت الٰہی جوش پر آیا ہوا تھا۔ قدسی آسمان سے نوری قندیلیں اور حوریں کافوری شمعیں لیے ہوئے فوج فوج اتر رہی تھیں۔ انبیاء و اولیاء و اقطاب کی ارواحِ مُطہرہ استقبال کے لیے تیار تھیں ہاتفِ غیب سرزمین پنجاب کی شادابیوں اور سبزہ تجلیوں کے رنگ میں چھپا ہوا آوازِ بلند ندا کر رہا تھا ۔

خادموں پر جس کے رحمت بے حساب آنے کو ہے آج دنیا میں وہی عالی جناب آنے کو ہے
کھولنا آسان ہو جائے گا بابِ علم کا پھر جہاں میں حیدرِؓ گردوں رکاب آنے کو ہے
نور سے جس کے منور ہوں گی سب تاریکیاں مطلعِ توحید پر وہ آفتاب آنے کو ہے

کہہ دو مشتاقوں سے وہ پنجاب آکر دیکھ لیں　　پردہ دار چشم موسیٰ بے نقاب آنے کو ہے
یوسفِ مصر ہونے کو ہے اب جلوہ گر　　پھر زلیخائے تصوّف پر شباب آنے کو ہے
گلشنِ عالم میں آنے کو ہے ایسا عندلیب
جس کے منہ دھوتے کو جنت سے گلاب آنے کو ہے

سُبحان اللہ! سبحان اللہ! خوشا نصیب اس سرزمین پاک کے جہاں ایسا صاحبِ فقر پیدا ہو اور زہے بخت اُس مینو سواد کے جہاں ایسا نورِ ولایت ہویدا ہو۔ ہواؤں نے گلزاروں میں گھٹاؤں نے کہساروں میں، فضاؤں نے بہاروں میں، موجوں نے بحرِ ناپیدا کناروں میں کوئی ایسا پھول، ایسا لعلِ خوش آب، ایسا عندلیبِ معانی، اور ایسا گوہرِ شاہوار نہیں دیکھا صورت سے رعبِ حقیقت، چہرہ سے آثارِ ولایت، ہویدا ہیں۔ انسان تو انسان فرشتے بھی حیرت واستعجاب سے زیارت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسا انسان کبھی نہ دیکھا نہ سُنا ہے۔ یہ تو نمونۂ قدرتِ الٰہی اور مخزن اسرار نامتناہی ہیں اُن کے قدموں کی خاک اکسیر ہے۔ اُن کے پاؤں کی نعلین آفتاب منیر ہے۔ اللہ اللہ وہ نور سراپا سرور جس نے ظاہر ہوتے ہی جہلم کی وادیوں اور کناروں کو منور کر دیا۔ جس کے فیض قدوم نے اپنے فیوض سے سرزمین پنجاب کا کونہ کونہ بھر دیا۔ آسمان کیفِ زیارت سے وجد میں آنے لگا۔ زمین برخود نازاں رقص میں آئی اور رضوانِ بہشت حوروں کی ٹولیوں کے ساتھ آپ کی تولید سعید کا مژدہ اس طرح سنانے لگا۔

کیا جوش پر ہے رحمتِ پروردگار آج　　حوروں نے بھی کیا ہے انوکھا سنگھار آج
ہر سمت قدسیوں کی لگی ہے قطار آج　　آواز آرہی ہے یہی بار بار آج!
پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

بے ڈھب چڑھا ہے چشمِ طلب کو خمار آج
اِک اشتیاق میں ہے دلِ بے قرار آج

پہلو میں حسرتوں کا نہیں ہے شمار آج
اٹھلاتی پھر رہی ہے نسیمِ بہار آج

پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

چھایا ہوا ہے ابرِ بر سرِ کوہسار آج
پتھر بھی بن گئے ہیں ثریا نگار آج

موجیں مسرتوں سے ہوئیں ہمکنار آج
موتی اُبل پڑے ہیں برائے نثار آج

پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

صلِّ علیٰ کا شور زمین و زماں میں ہے
ذروں کی اک چمک طبق آسماں میں ہے

تازہ شگوفہ کوئی کھلا گلستاں میں ہے
یہ دھوم آج دیر سے سارے جہاں میں ہے

پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

موجوں کا شور ہے کہ ہمارا اُبھار دیکھ
کہتے ہیں پھول کھل کے ہماری بہار دیکھ

کہتا ہے چرخ میرا سرِ افتخار دیکھ
کہتی ہے آسمان سے زمیں میرے یار دیکھ

پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

شمعِ طرب فروز ہر اک انجمن میں ہے
ہر پھول پُر بہار سوادِ چمن میں ہے

شوخی متین سی نگہ پرفتن میں ہے
اِک سادگی کی شان ہر اک بانکپن میں ہے

پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

بر آئی مدتوں میں مُرادِ جلال پور
چمکا ہے مہر بن کے سوادِ جلال پور

ہے پاک لغزشوں سے نہادِ جلال پور
ہر ایک دل ہے شاد بیادِ جلال پور

پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

آثار کہہ رہے تھے کہ ذوقِ نظر بھی ہے
ظلمت کدوں کو آج نویدِ سحر بھی ہے

ظاہر ہوا کہیں کوئی عالی گہر بھی ہے ہاتف نے دی ندا کہ تمہیں کچھ خبر بھی ہے

پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

دل آج کیفِ دید سے سرشار کیوں نہ ہو قدرت بھلا خدا کی نمودار کیوں نہ ہو !

آئینہ نظر درو دیوار کیوں نہ ہو ! سرخوش ہمارا طالعِ بیدار کیوں نہ ہو

پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

پنجاب کو جو آج نصیبوں پہ ناز ہے پیدائش آپ کی سببِ امتیاز ہے

کیوں آج ہر فتادہ یہاں سرفراز ہے یہ بات بھید کی ہے نہ کچھ اس میں راز ہے

پیدا ہوئے ہیں حیدرِ عالی وقار آج

آثارِ ولادت

جس طرح ہر نبی اور ہر ولی کی پیدائش سے پہلے اور تولد کے وقت کچھ عجیب و نادر حالات و واقعات صادر ہوئے اسی طرح حضرت سیدنا پیر حیدر علی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت بھی ہزاروں شانیں لیے ہوئے تھی۔ چنانچہ آپ کی پیدائش سے پہلے سخت قحط عالمگیر تھا۔ کھیتیاں خشک پڑی ہوئی تھیں۔ دریاؤں پر سراب کا دھوکا ہوتا تھا۔ درخت عریاں کھڑے تھے۔ درو دیوار پر بے رونقی چھائی ہوئی تھی۔ مگر آپ کے تشریف لاتے ہی قحط سالی بالکل دور ہوگئی بے رونقی بالکل کافور ہوگئی۔ ابر آسمان پر گھر کر آیا۔ بادلوں نے رحمت ورا-ت کا مینہ برسایا کھیتیاں ہری ہوگئیں۔ درختوں کو لباس سبز عطا ہوا۔ دریا موجیں مارنے لگے۔ جنگل اپنی ادائیں دکھانے لگے۔ ہر جڑی بوٹی پری بن گئی۔ گلستانِ دہر میں گویا نئے سر سے

بہار آئی۔ لوگوں میں امن وامان قائم ہوا۔ دنیا راحت کی زندگی بسر کرنے لگی۔ کیا ایک قدوۃ السالکین محبوب رب العلمین کی ولادت باسعادت کی برکت سے آشنا بھی نہ ہوتا۔ کہاں ہیں معتقدانِ درگاہ حیدری؟ کدھر ہیں وابستگانِ گیسوئے حیدری؟ جلد آئیں سرِ نیاز بہر عقیدت جھکائیں اور دربارِ حیدری میں اس طرح زمزمہ سنج سلام ہوں ؎

السّلام اے پیر حیدر شاہ چشتی السّلام　　السّلام اے مصدرِ نورِ الٰہی السّلام

السّلام اے قاسمِ فیضانِ جاری السّلام　　السّلام اے نوبہارِ باغِ شمسی السّلام

السّلام اے وہ کہ حیدر شاہ ہے نام آپ کا

السّلام اے وہ کہ فیضِ وجود ہے عام آپ کا

اے خدا کے دوست اے اللہ کے پیارے سلام　　اے خمارِ بادۂ وحدت کے متوالے سلام

کر رہے ہیں خادمِ درگاہ آ آ کے سلام　　آستاں بادا سلامت، ہوں قبول اپنے سلام

مجرئی درگاہ پر ہر صاحبِ تکریم ہے

آستاں پر خادموں کا خم سرِ تسلیم ہے

آپ کا پنجاب میں جاری ہو فیضانِ اتم　　فیض بار اس خطۂ اعظم پہ ہو ابرِ کرم

ہم بھی ہیں لب تشنۂ فیضان اے عالی ہمم　　آپ کے بحرِ سخا سے کیوں رہیں محروم ہم

طبقۂ مخصوص سے رازونیاز اچھا نہیں

اے عطا خصلت یہ رنگِ امتیاز اچھا نہیں

اب کرم خانے میں اذنِ عام ہونے دیجیے　　اژدحامِ حسرتِ ناکام ہونے دیجیے

کھول کر دل، قسمتِ انعام ہونے دیجیے　　چشمۂ فیض وعطا کا نام ہونے دیجیے

اے کریم النفس دنیا پہ کرم فرمائیے
آپ بادل ہیں تو موتی ہر طرف برسائیے

ایک سورج ہے مگر کرنیں ہیں اس کی بیشمار
نکہتِ گل ایک ہے اور سونگھنے والے ہزار
آسماں ہے ایک عالم پر ہے لیکن سایہ دار
جلوۂ حسن ایک ہے اور اس میں ہیں لاکھوں نکھار

یہ حجاب اور یہ تغافل کیشیاں بیکار ہیں
آپ وہ عیسیٰ ہیں جس کے سینکڑوں بیمار ہیں

ملتِ بیضا کی آنکھوں میں زمانہ تار ہے
ہے تنزل حملہ آور، یورشِ ادبار ہے
بخت برگشتہ ہے، مایوسی گلے کا ہار ہے
اک نگاہِ گوہر آما آپ کی درکار ہے

لطف فرما بر دلِ ویرانۂ احباب ہم
ایکہ سرسبز از بہارِ لطفِ تو پنجاب ہم

دستگیرِ یکساں ہے ذاتِ والا آپ کی
موج والے آپ ہیں، ہر موجِ دریا آپ کی
گوہر افشاں کیوں نہ ہو خاکِ کفِ پا آپ کی
اک نگاہِ مہر ہے خورشید آرا آپ کی

فقر کی چلمن میں بجلی بن کے تاباں آپ ہیں
آفتابِ چرخِ عرفاں آپ ہیں ہاں آپ ہیں

اپنی کرنوں کو زمانہ بھر میں پھیلا دیجیے
ہند کی تاریکیٔ قسمت کو چمکا دیجیے
میں بتا دوں آپ کو کیا لیجیے کیا دیجیے
لیجیے دل کی دعا دادِ تمنا دیجیے

آپ کے دربار میں موجِ سخا اتنی تو ہو!
جھولیاں بھر بھر کے لے جائیں عطا اتنی تو ہو

کیا تعجب ہے، دکھائیں آپ اگر شانِ کرم
ساری دنیا آگئی ہے بن کے مہمانِ کرم

آپ کی سرکار میں کیا کم ہے سامانِ کرم ہے رواں مثل سمندر بحرِ فیضانِ کرم!

عام ہو اہلِ جہاں پر میزبانی آپ کی
ذرّوں کو سُورج بنا دے مہربانی آپ کی

محفلِ عرفان میں اِک جامِ طرب صوفی رہے اس سے دِل پُر کیف ہوں مستی طلب صوفی رہے
سب سے بڑھ کر حامیٔ علم و ادب صوفی رہے صاحبِ صوفی کی عظمت کا سبب صوفی رہے

از نگاہِ لطف تو سیماب را تسکین باد
ایں دُعا از صوفی و ز جملہ جہاں آمین باد

نسب نامہ شریف

حسب و نسب پر فخر کرنا ملتِ بیضا میں ناروا ہے اور ویسے بھی آباؤ اجداد کے نام یا کام پر فخر کرنا موجبِ مباہات نہیں ہو سکتا۔ جناب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ بیٹی تم اس بات پر فخر نہ کرنا کہ تمہارا باپ رسولِ خدا اور تمہارا شوہر علی مرتضٰیؓ ہے قیامت میں کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا وہاں صرف اعمال کی پرسش ہوگی۔

عرفی علیہ الرحمتہ نے اس مضمون کو اپنے شعر میں ادا کیا ہے ؎

اما نہ بود وصفِ اضافی حضر ذات
ایں فتوائے ہمّت بود ارباب ہمم را

حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کبھی اپنے حسب و نسب پر فخر نہ فرمایا، نہ کسی سے ذکر کیا۔ مگر ایک تذکرہ نگار کے لیے بسا ضروری ہے کہ جس کا تذکرہ لکھے

اس کا شجرۂ نسب بھی ضرور تحریر کرے۔ بنائے علیٰ ہذا حضرت پیر صاحب کا شجرۂ نسب درج کیا جاتا ہے جو اس طرح ہے:

سیّد غلام حیدر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ابن سیّد جمعہ شاہؒ ابن سیّد کاظم شاہؒ، ابن سیّد سخی شاہؒ، ابن سید قائم دین شاہؒ، ابن سیّد لکھی شاہؒ، ابن سیّد گلاب شاہؒ، ابن سید ۔ِل شاہؒ، ابن سیّد علم دین شاہؒ، ابن سیّد کمال دین شاہؒ، ابن سیّد مخدوم جہانیاںؒ ابن سیّد احمد کبیرؒ، ابن سیّد جلال الدین بخاریؒ، ابن سیّد احمد دینؒ، ابن سیّد محمد دینؒ، ابن سیّد فضل دینؒ، ابن سیّد نور الدینؒ، ابن سیّد جلالؒ، ابن سیّد علیؒ، ابن سیّد جعفرؒ، ابن سیّد محمدؒ، ابن سیّد احمدؒ، ابن سیّد جعفر ثانیؒ، ابن سیّد حضرت امام حسن عسکریؒ، ابن حضرت امام تقیؒ، ابن حضرت امام محمد تقیؒ، ابن حضرت امام علی موسیٰ رضاؒ، ابن حضرت امام موسیٰ کاظمؒ، ابن حضرت امام جعفر صادقؒ، ابن حضرت امام محمد باقرؒ، ابن حضرت امام زین العابدینؒ، ابن سید الشہداء حضرت امام حسینؑ، ابن حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ۔

حُلیہ شریف

آپ نہایت خوبصورت جوان تھے۔ رنگ گندم گوں زیادہ سفیدی مائل، دراز قامت قوی الجسم، متناسب الاعضاء، بازو اور پاؤں گوشت سے پُر، چہرہ مثال بدر نورانی آنکھیں مثل بادام نہایت خوبصورت۔ ابرو مثل ہلالِ عید، دندان مبارک پاک وصاف گردن بلند، سر میانہ، سر کے بال لمبے، کبھی بر دوش اور کبھی تا بہ گوش۔ آواز میں قدرے جہر، محاسن مبارک کے بال نہ زیادہ گھنے نہ بالکل کم۔ کلاہ چار ترکی پہنتے تھے۔ موسم گرما

میں گلے میں ململ کا کرتہ سفید اور تہ بند لٹھے کا۔ موسم سرما میں بانات کا کوٹ کھلی آستینوں کا اوپر کابلی دُھسہ پشمینہ کا اور روئی دار گرم ٹوپی۔ پاؤں میں سادہ جوتا جہلمی طرز کا پہنتے تھے اور کپڑوں کے اوپر ململ کا دوپٹہ زیبِ جسم رہتا تھا۔

حُلیہ شریف منظوم

عیاں تھی چہرۂ پُر نور سے تنویر حیدرؒ کی
خُدا نے اُن کو دی تھی قوّتِ تقریر حیدرؒ کی

زبانِ خوش بیاں میں ان کی تھی تاثیر حیدرؒ کی
خدا سے مانگ کر لائے تھے وہ تقدیر حیدرؒ کی

بدن میں زورِ حیدرؒ، وضع میں توقیر حیدرؒ کی
سراپا پیر حیدر شاہؒ تھے، تصویر حیدرؒ کی

جہاں میں یوسفِ مصرِ ولا مشہور تھے حیدرؒ
حقیقت کے جمال و حُسن سے بھرپور تھے حیدرؒ

سراپا اُن کا کیا لکھیے سراپا نور تھے حیدرؒ
کہ تھا پنجاب ایمن اور شمعِ طور تھے حیدرؒ

بدن میں زور حیدرؒ، وضع میں توقیر حیدرؒ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؒ کی

کرن سُورج کی مِل جائے تو اک خامہ بناؤں میں
سیاہی کے لیے کوثر سے پانی جا کے لاؤں میں

ورق گلہائے جنّت کے پتّے کاغذ منگاؤں میں
پھر ان پر لکھ کے یہ مطلع زمانے کو سناؤں میں

بدن میں زورِ حیدرؒ، وضع میں توقیر حیدرؒ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؒ کی

وہ اِک نورِ حقیقت تھا جو چمکا آ کے دنیا میں
کہ پنہاں ہو گیا پھر چاندنی چھٹکا کے دنیا میں

دکھائے سب کو جلوے جلوہ گاہ لا کے دنیا میں
جو پوشیدہ تھے جوہر رکھ دیے سب لا کے دُنیا میں

بدن میں زورِ حیدرؓ ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

جواب اُس کا نہ تھا کوئی مرقع لاجواب ایسا — کیا تھا حُسن نے اپنے لیے خود انتخاب ایسا
چھُپائے سے نہ چھُپتا جلوۂ زیرِ نقاب ایسا — جوانی جھومتی پھرتی تھی جس پر تھا شباب ایسا

بدن میں زورِ حیدرؓ ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

گرائی طلعتِ حیدرؒ نے بجلی خوش جمالوں پر — کوئی گھائل تھا چتون کا کوئی مرتا تھا بالوں پر
دو طرفہ چوٹ تھی اِک حُسن کی یوں خستہ حالوں پر — اِدھر اربابِ دُنیا پر اُدھر اللہ والوں پر

بدن میں زورِ حیدرؓ ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

ہزاروں بن کے گو پروانۂ شمعِ جمال آئے — مگر ممکن نہ تھا حرص و ہوا کا کچھ خیال آئے
بڑھے اُمیدِ پابوسی تو ہو کر پائمال آئے — یہاں وہ ظرفِ ناقص ہی نہ تھا جس میں اُبال آئے

بدن میں زورِ حیدرؓ ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

چھُوا تک بھی نہ ہاتھوں سے کسی نامحرم عورت کو — بچایا گرد حرص و آز سے دامانِ عصمت کو
حسینانِ جہاں لیکے آئے دل میں حسرت کو — مگر نیچا ہی رکھا آپ نے چشمِ مروّت کو

بدن میں زورِ حیدرؓ ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

روایت ہے کہ اِک دن چھُو لیا عورت نے ہاتھ آکر — ہوا اس کا ملال اتنا کہ حضرت ہو گئے مضطر

کہا حجام سے لا اُسترہ یا تیز سا نشتر — یہ میرا ہاتھ کر دے قطع جرم اس نے کیا بد تر

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی

سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی

خدا کی شان آنکلے کوئی مجذوب کوتے سے — کہا ہوگا ضرر دستِ مبارک قطع ہونے سے

یہ ہے ترکِ شریعت فائدہ کیا ہاتھ کھونے سے — چھوا ہے اس کو عورت نے تو ہوگا پاک دھونے سے

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی

سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی

جگر ایسا بھی دیکھا ہے کسی پُرزور جیوٹ کا — اُٹھا لیتے تھے بس دو انگلیوں سے وہ بھرا مٹکا

بدن مضبوط جس پر تھا نشاں بالکل نہ سلوٹ کا — کہا کرتی تھیں حوریں یہ زمانہ ہے لگاوٹ کا

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی

سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی!

بدن کا رنگ گندم گوں سپیدی کی طرف مائل — کہ جیسے نور کا تڑکا، نظر افروز اہلِ دل

تمام اعضا سڈول اور خوشنما، تصویر کے قابل — جو پیکر شمعِ محفل تھا تو رنگ آئینۂ محفل

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی

سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی

قدِ زیبا، نہالِ گلشنِ جنت کا سایہ تھا — درازی میں بہت کچھ اُس سے چھوٹا نخل طوبےٰ تھا

بیا جس صف میں وہ قامت نمائے حسن ہوتا تھا — نظر آتا تھا بالا سب سے، یہ دُنیا نے دیکھا تھا

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی

سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی

تجلّے گاہ انوارِ الٰہی چہرۂ زیبا   کبھی تھا چاند کا دھوکا کبھی دھوکا تھا سورج کا
مثالِ نورِ آئینہ ادھر چمکا اُدھر چمکا   وہ چہرہ تھا سرِ قع نُور کا صد مشرق جلوہ

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدر شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

غضب تھیں چشمِ بد دور آپ کی جیسی حسیں آنکھیں   نہ دیکھیں دیدۂ گردوں نے ویسی سُرمگیں آنکھیں
غزالانِ ارم کا طالعِ بیدار تھیں آنکھیں   وہ اُن میں دلرُبا سُرمہ، وہ قاتل سُرمگیں آنکھیں

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدر شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

لگاتے تھے ہمیشہ بعدِ ظہر آنکھوں میں وہ سُرمہ   کہ یہ سُنّت رسولؐ اللہ کی تھی نعمتِ عظمیٰ
جسے دیکھا نظر بھر کر بنایا اُس کو دیوانہ   وہ آنکھیں تھیں مگر دیدار گاہِ حضرتِ موسیٰؑ

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدر شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

بیاضِ صبح سے روشن تھی کچھ حضرتؒ کی پیشانی   کہ آئینے کو اس کی دید سے ہوتی تھی حیرانی
ہلالِ عید تھے ابرو، یہ ہے تشبیہِ نادانی   ہلالِ عید کا ثانی ہے، وہ دونوں تھے لاثانی

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدر شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

مصفا دانت، موتی کی لڑی، یا موجِ کوثر تھے   ستارے چھوٹے چھوٹے اِک حسیں غنچے کے اندر تھے
غلط ہے وہ ستارے تھے نہ موتی تھے نہ گوہر تھے   مگر کچھ نور کے ٹکڑے دہانہ بوسِ حیدرؓ تھے
بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی   سراپا پیر حیدر شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

صراحی دار گردن تھی بلند اپنے نصیبے کی کہ تھا اک ساغرِ بلوریا اک جامِ فردوسی
وہ گردن جس پہ موزوں ہو گیا فرقِ مبارک بھی سرِ سرکش ہوا اس سے نہ اونچا سرفراز ایسی

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

وہ کان ایسے بھری تھی جن میں صوتِ سرمدی حق نے وہ کان ایسے جو فریادیں زمانے بھر کی سنتے تھے
وہ کان ایسے کہ جن سے حق نیوشی کو ملے رتبے وہ کان ایسے کہ گھبراتے نہ تھے آوازِ سائل سے

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدر شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

وہ لمبے لمبے سر کے بال جن کو سنبلیں کہیے رہیں تا گوش تو آوارۂ خلوت گزیں کہیے
جو آئیں دوش تک تو صوفیٔ کرسی نشیں کہیے سیاہی شبِ قدر و شبِ خلدِ بریں کہیے

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

گھنے حد سے زیادہ تھے نہ کم تھے بال ڈاڑھی کے کہ اُس چہرہ پہ کتنے محترم تھے بال ڈاڑھی کے
وضو میں تر جو ہوتے دمبدم تھے بال ڈاڑھی کے تو کوثر تھا وہ چہرہ موجِ یم تھے بال ڈاڑھی کے

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدر شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

شکم، جو بعد اکل و شرب بھی ہموار رہتا تھا نہ پانی کا تمنائی، نہ وہ کھانے کا بھوکا تھا
تحمل اس کی عادت تھی قناعت اس کا شیوہ تھا غذائے ظاہری کیسی پُر از نورِ تو اُلا تھا
بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

قدم ایسے کہ اِک عالم کو تھا ارمانِ پابوسی — جہاں رکھتے تھے اُڑتی تھیں وہاں آنکھیں زمانے کی
صراطِ مستقیم اُن کے لیے اک راہ سیدھی تھی — انہیں کے دم قدم سے تھی منور بزمِ عرفاں بھی

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی

کلاہِ چار ترکی فرقِ اقدس پر رہی اکثر — روئی کی گرم ٹوپی رہتی تھی سرما میں زیبِ سر
وہ ٹوپی فخر تھا طُرہ کو جس کے چتر گردوں پر — وہ ٹوپی مرتبے میں تاجِ کیخسرو سے تھی بہتر

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی

پہنتے موسمِ گرما میں وہ ململ کا اِک کُرتا — اور اس کے ساتھ ہی تہ بند اک ہوتا تھا لٹھے کا
پہنتے کوٹ بانانی جب آتا موسمِ سرما — اور اوپر اس کے ہوتا کابلی پشمینے کا دُھسہ

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیر حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی

دوپٹہ ڈالا کرتے تھے دوشِ اقدس پر امیرانہ — پہنتے تھے ہمیشہ جہلمی سادہ سا اک جوتا
یہ ان کی وضع تھی سادہ یہ ان کا حال تھا سادہ — تکلف سے غرض کیا تھی کہ مشربِ فقر تھا ان کا

بدن میں زورِ حیدرؓ وضع میں توقیر حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی

سراپا میر اتشبیہاتِ ذہنی سے معرا ہے — جو نقشہ تھا حقیقت میں وہ نقشہ میں نے کھینچا ہے
غلو ہے استعارہ ہے نہ بندشِ شاعرانہ ہے — انہیں دیکھا ہے جس نے دل پہ رکھ کر ہاتھ کہتا ہے
بدن میں زورِ حیدرؓ وضع میں توقیر حیدرؓ کی — سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویر حیدرؓ کی

جوان کی وضع تھی بیشک وہی ہے وضعِ درویشی ادواؤں میں دل آویزی نگاہوں میں وفاکیشی
وہی خلقت سے ہمدردی وہی ملت سے دلریشی نہ آنے دی مساواتِ تصوف میں کمی بیشی

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

بچشمِ حال ان کو جس نے دیکھا اس نے دیکھا ہے مگر تصویر ان کی اس سراپا سے ہویدا ہے
مجھے بھی خواب میں اُن کی زیارت کی تمنا ہے یہی مطلع پڑھا کرتا ہوں جو حسنِ سراپا ہے

بدن میں زورِ حیدرؓ، وضع میں توقیرِ حیدرؓ کی
سراپا پیر حیدرؒ شاہ تھے تصویرِ حیدرؓ کی

خاندانی حالات

آپ کے جدِ امجد حضرت سید یحییٰ شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں یکتائے روزگار واقف اسرار گذرے ہیں۔ ان کی بہت سی کرامتیں اور خرق عادات مشہور ہیں۔

آپ کے والد ماجد حضرت سید جمعہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت باخدا درویش کامل اور صابر و قانع متوکل و منکسر المزاج بزرگ تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سجادہ بیگم موضع کھیوہ ضلع گجرات (پنجاب) کی رہنے والی تھیں اور سید غلام شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں جنہوں نے ساری زندگی اتقار اور پرہیز گاری کے ساتھ بسر کی۔ اتقا کی یہ حالت تھی کہ جب حضرت پیر صاحبؒ کے چہرہ سے زہد و ولا کے آثار ہویدا دیکھے تو کبھی بے وضو آپ کو دودھ نہ پلایا اور جب دودھ چھڑا دیا تو زندگی بھر بے وضو نہ کبھی آٹا گوندھا نہ روٹی پکائی بلکہ بے وضو کبھی کسی

برتن کو بھی ہاتھ نہ لگایا۔

اکثر خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ ماجدہ کا تذکرہ اپنی زبان مبارک سے فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ والدہ صاحبہ نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور نہ کبھی کسی مسکین کا سوال رد کیا۔ حالاں کہ ان کی زندگی ہمیشہ توکل و قناعت کے ساتھ افلاس میں بسر ہوئی تاہم ما حضر سے کبھی کسی سائل کو محروم نہ رکھا۔ تہجد کی نماز آپ نے ہمیشہ پابندی کے ساتھ ادا کی۔ ماہِ صیام میں پورے روزے رکھے اور کبھی ایک روزہ بھی قضا نہ کیا۔

آپ فرماتے تھے کہ ہم ایک مرتبہ سیال شریف حاضر ہوئے۔ مہرو ماچھی ہمارے ساتھ تھا جب ہم نے خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ سے رخصت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ابھی ٹھیرو، صاحبزادوں کی شادی کے دن قریب ہیں۔ اس میں شرکت کر کے چلے جانا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ارشادِ شیخ کی تعمیل کی اور ٹھیر گیا مگر میں نے سوچا کہ شادی میں کچھ بطور نذر ضرور دینا چاہیے۔ یہ سوچ کر مہرو کو جلال پور شریف اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ جو کچھ وہ دیں لے آنا۔ مہرو نے جلال پور آ کر آپ کی والدہ ماجدہ سے تمام ماجرا بیان کیا۔ آپ نے دو نقرئی پازیبیں جن کی قیمت چالیس پچاس روپیہ کے قریب تھی۔ مہرو کے سپرد کیں۔ چوں کہ وہ نئی نہ تھیں۔ اس لیے زرگر سے انہیں اُجلوا دیا۔ اتفاق سے مہرو اس وقت پہنچا جب کہ نیوتہ جمع ہو رہا تھا۔ میں نے وہ پازیب کی جوڑی حضور میں پیش کی۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا ہے میں نے عرض کیا کہ پاؤں میں پہننے کا زیور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں اس کا مطلق خیال نہ رہا۔ یہ خوب ہوا۔ پاؤں کا کوئی زیور نہیں بنا تھا۔ آپ کی والدہ نے یہ کام بہت ہی بہتر کیا۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی صاحبِ کرامت اور روشن ضمیر تھیں۔

آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہماری والدہ ماجدہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کی مانند تھیں۔ میری کم سنی کے زمانہ میں مجھ سے فرمایا کرتیں بیٹا تم نماز پڑھو گے تو تمہیں شیرینی ملے گی۔ میں نماز پڑھ کر آپ کو اطلاع دیتا اور آپ فوراً مجھے شیرینی عنایت فرماتیں۔

قادر ملاح کی والدہ بھی آپ کی مرضعہ رہی ہیں۔ آپ اُن کا ادب و احترام بھی اپنی والدہ ماجدہ کی طرح کرتے تھے۔ جب وہ فوت ہوئیں تو ان کے جنازہ پر آپ خود تشریف لے گئے اور ان کی سوئم و چہلم کی رسمیں بھی اپنے ہاتھ سے ادا کیں۔

ایّامِ طفولیّت

بھلا جس کے ایسے ماں باپ ہوں۔ اس کے بزرگ اور صاحب عظمت ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ آپ کی دو بہنیں بھی تھیں اور آپ ان دونوں سے عمر میں چھوٹے تھے مگر آپ کے بھائی کوئی نہ تھا۔ بقولِ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

تو آں درِ مکنون یک دانہ
کہ پیرا یہ سلطنت خانہ

حضورِ پُر نور کی ولادت باسعادت والدین کے لیے باعثِ خیر و برکت ہوئی۔ افلاس کا رنگ یکبارگی بدل گیا۔ تنگ دستی گئی، فارغ البالی شاملِ حال ہوئی اور ایک گائے دودھ پلانے کے لیے خریدی گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ ولایت و کرامت کسبی ہوا کرتی ہے۔ جو لوگ خدا کی عبادت و ریاضت میں اپنی عمر بسر کرتے ہیں وہ زاہد و مرتاض ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم اس کے قائل نہیں۔ اگر یہ

عزت و عظمت کیسی ہوتی تو مسلمانوں میں اب نہیں تو اب سے کچھ صدی پہلے فی صدی پچاس ولی ہو جاتے۔ بے شک ریاضت و زہد سے اکتسابِ ولایت آسان ہو جاتا ہے۔ مگر یہ آسانی سب کو میسر نہیں آسکتی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ مادر زاد ولی تھے۔ اگر ولایت اکتسابی ہوتی بھی ہے تو بھی آپ کی ولایت اکتسابی نہ تھی بلکہ فطری اور وہبی تھی۔

آپ کی والدہ ماجدہ روایت فرماتی ہیں کہ ابتدائے حمل ہی سے میں نے بالقائے ربانی کبھی بے وضو پانی بھی نہ پیا۔ نہ کوئی چیز حلق سے اتاری۔ بلکہ کھانے پینے سے پہلے ہمیشہ درود شریف پڑھ لیا کرتی تھی۔ درود شریف کی تلقین و تادیب بھی اسی اخترِ برجِ سعادت کی کرامت تھی پھر بعد ولادت تا ایامِ رضاعت کبھی میں نے اپنے فرزند کو بے وضو دودھ نہ پلایا۔

عام بچوں کی طرح آپ کبھی کھیل کود میں مصروف نہ ہوئے اور نہ طبیعت اس طرف راغب ہوئی۔ مزاج طفولیت سے تنہائی پسند تھا۔ کبھی کسی ہم سن لڑکے کے ساتھ آپکی لڑائی بھی نہیں ہوئی۔ فطرت صلح کُل تھی۔ ملاطفت و مدارا آپ کا شعار تھا جس پر آپ تا مدت العمر ثابت قدم رہے۔

حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین ثالث فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضور کی زبان فیض ترجمان سے سنا ہے کہ جب ہم ۵۔۶ سال کے تھے تو ایک دفعہ رمضان کے روزے جیٹھ اساڑھ کے مہینے میں آئے۔ تمازت و حرارتِ آفتاب کی وجہ سے روزہ دار مچھلی کی طرح تڑپتے تھے۔ زبانیں سوکھ سوکھ جاتی تھیں۔ حلق خشک ہوئے جاتے تھے ایک دن میں نے سوچا کہ روزہ رکھ کر اس کی لذت سے بھی آشنا ہونا چاہیے۔ دیکھیں تو سہی اس میں کیا تکلیف اور راحت ملتی ہے۔ والدین سے ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ بیٹا ابھی تم پر رمضان کے

روزے فرض نہیں ہیں۔ پھر موسم بھی کیسا گرم ہے۔ حرارت آفتاب نے آسمان لوہے کا اور زمین تانبے کی بنا رکھی ہے۔ موسم کی سخت گیری کو آج کل بڑے بڑے جی دار بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ تم تو ابھی بچے ہو۔ مناسب یہی ہے کہ اس خیال سے باز آؤ۔ مگر یہاں تو دل سے لگی ہوئی تھی۔ کام تھا خدا کا۔ والدین کے انکار کا کچھ خیال نہ کیا اور روزہ رکھ ہی تو لیا۔ والدین کو ناز برداری بدرجۂ اتم منظور تھی۔ مجبور ہو کر خاموش ہو گئے ؏

"ضد کی ہے اور بات مگر، خو بری نہیں"

جب دن کا ابتدائی حصہ ختم ہوا۔ اور دوپہر آئی تو آفتاب نصف النہار آ کر اپنی گرمیاں دکھانے لگا۔ آسمان سے انگارے برسنے لگے۔ زمین تپنے لگی۔ جسم کی رطوبتیں خشک ہونے لگیں۔ ہمیں بھی پیاس معلوم ہوئی۔ خشکی سے زبان اینٹھ گئی۔ طبیعت بیحد گھبرانے لگی۔ کھانے پینے کی راحت یاد آنے لگی۔ ہوش و حواس جواب دینے لگے۔ ہاتھ پاؤں انگڑائیاں لینے لگے۔ جب کرب و اضطراب بڑھ چلا تو ہم مجبوراً ایک تالاب میں جا پڑے۔ دن کا باقی حصہ وہاں گذارا۔ جب آفتاب اپنی حرارتوں کے ساتھ رخصت ہو گیا تو ہم بھی گرتے پڑتے گھر پہنچے روزہ افطار کیا۔ اس کے بعد اپنی موجودہ حالت پر نظر ڈالی تو کرب و اضطراب کا خیال بھی نہ تھا بلکہ صوم کی ایک خاص لذت تھی جس سے دل و دماغ شیریں کام بنے ہوئے تھے دل نے کہا ؎

ہو یا نہ گوارا ہو دلِ نالہ سرا کو
یہ ہو نہیں سکتا کہ اٹھاؤں نہ جفا کو

رات ختم ہوئی اور دن نکلا تو ہم پھر روزہ دار تھے۔ خدا نے کچھ ایسا صبر و استقلال دے دیا کہ ہمت بڑھتی چلی گئی اور پھر تو ہم نے سارے رمضان کے روزے رکھ ڈالے۔ خدا نے طاقت

دی۔ طاعت کی عادت دی۔ کیفیتِ عبادت دی۔ جب اس نے اتنا کچھ دیا تو کیا روزہ رکھنا بندے کے لیے کوئی بڑی بات تھی۔

آپ نے فرمایا کہ ہم پانچ ہی برس کی عمر میں نماز بھی پڑھنے لگے تھے۔ سبحان اللہ!

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

خدا نے رشد و ہدایت کے لیے آپ کو پیدا کیا تھا تو آغازِ شعور ہی سے آپ میں تمام محاسن و مکارم بھی بدرجۂ اتم ودیعت کر دیے تھے ؎

میرے خواجہ کی عجب شان ہے اللہ اللہ — جان ہر شان پہ قربان ہے اللہ اللہ
کم سنی ہی میں رکھے سب رمضان کے روزے — یہ فرشتہ ہے کہ انسان ہے اللہ اللہ
یہ ریاضت یہ عبادت یہ ولا اور یہ عمر — دیکھ کر عقل بھی حیران ہے اللہ اللہ
اولیا کرتے ہیں جو کچھ وہ ہو کیونکر ہم سے — ہمیں مشکل انہیں آسان ہے اللہ اللہ

یہ بھی ہے فضلِ خدا یہ بھی ہے رحمت اس کی
ورنہ انسان کی کیا جان ہے اللہ اللہ!

تعلیم

جب آپ نے خدا کے فضل و کرم سے ہوش سنبھالا تو آپ کے والدین کو تعلیم کی فکر ہوئی

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

اور آپ کو میاں خان محمد اعظم پوری کے زیرِ تعلیم کر دیا۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہو گیا اور آپ قرآن شریف کا درس لینے لگے جب میاں خان محمد صاحب اپنے مکان کو تشریف لے گئے تو آپ نے کلام اللہ شریف کی تکمیل اپنے حقیقی چچا سید امام شاہ صاحب مرحوم سے

فرمائی۔

جب کلام اللہ کی تکمیل سے آپ فارغ ہو گئے میاں عبداللہ صاحب چکڑوی بمشاہرہ پانچ روپیہ ماہوار آپ کی تعلیم ضروری کے لیے مامور ہوئے۔ ان سے آپ نے اردو و فارسی کی درسی کتابیں پڑھیں۔

دنیاوی حکّام و اُمراء کی تعظیم و تکریم سے آپ کو ہمیشہ احتراز رہا لیکن استاد کی عظمت آپ نے ہمیشہ سچے دل سے کی۔ جب کبھی میاں عبداللہ صاحب آپ کے پاس تشریف لاتے تھے تو آپ ان کی حد سے زیادہ خاطر تواضع فرماتے تھے اور جب اُن کا انتقال ہو گیا تو آپ ان کی اولاد کے ساتھ بھی اسی عزت و تواضع سے پیش آتے رہے۔

جب کبھی ضرورت ہوتی تو آپ میاں صاحب کی مالی امداد بھی کشادہ دلی کے ساتھ فرماتے دروازہ تک ان کی مشائعت کرتے اور وہ تشریف لاتے تو استقبال کے لیے تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔

جب آپ ابتدائی درسی کتابوں کی تکمیل بخوبی کر چکے تو مزید تعلیم کا ذوق و شوق آپ کو موضع ہنں وال لے گیا۔ جو جلال پور شریف سے مغرب کی جانب پانچ کوس کی مسافت پر واقع ہے وہاں جناب قاضی محمد کامل صاحب سے کتب فقہ کی تعلیم لی۔ ایک روز اتفاقاً جناب مفتی غلام محی الدین صاحب جو اپنے علمی تبحّر کے اعتبار سے گرد و نواح میں کیا دور دور تک اپنا جواب رکھتے تھے اور اہم سے اہم مسائل فقہ کو پانی کی طرح حل کر کے دکھا دیتے تھے وہاں تشریف لائے حضرت خواجہ صاحب درس کنز الدقائق میں مصروف تھے۔ قاضی صاحب سے پوچھا اس طالب علم کا کیا نام ہے۔ قاضی صاحب نے نام اور مسکن بتایا۔ جب وہ نسب سے اطلاع دی نگاہِ محبت سے مفتی صاحب نے خواجہ صاحب کو دیکھا اور فرمایا کہ جب تک ہم یہاں ہیں ان کا سبق

ہمارے ذمہ رہا۔ چنانچہ جب تک مفتی صاحب وہاں رہے خواجہ صاحب ان کے افادات علوم سے مستفیض و مستفید ہوتے رہے۔ مفتی صاحب ایک باخبر صاحبِ باطن تھے اپنی توجہات سے خواجہ صاحب کو مالا مال کر دیا اور آپ کی ذہنی قوتوں اور جذبِ علوم باطنی کی کیفیتوں کی داد دیتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کو زمانۂ طالب علمی ہی میں خدا رسیدگی کا علم ہو گیا تھا اور آپ سمجھ گئے تھے کہ ولایت کرامت کی حکومت آپ کے ہاتھ میں آنے والی ہے۔

مولوی فقیر محمد درویش سے روایت ہے کہ ایک دن مولوی محمد عالم صاحب کھوڑی اور میاں عبداللہ صاحب آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ جب حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تعلیم تھا۔ تو آپ اپنے نام کے ساتھ "بادشاہ" بھی لکھا کرتے تھے یعنی "حیدر شاہ بادشاہ" ہم نے اس کا سبب بھی اکثر دریافت کیا مگر آپ نے بجز متبسم ہونے کے کچھ نہ بتایا۔ اس مشق "شاہی" کا نتیجہ اب ظاہر و باہر ہے۔ اس واقعہ کی تصدیق خواجہ صاحب کے چچازاد بھائی سید احمد شاہ صاحب بھی فرماتے ہیں۔

دورانِ تعلیم میں استادوں کی زجر و توبیخ سے آپ ہمیشہ محفوظ رہے جس نے جو کچھ پڑھایا لکھایا محبت اور شفقت کے ساتھ اس کے دو ہی سبب تھے پہلا سبب تو آپ کا ذوق و شوق اور تعلیم سے شغف تھا۔ دوسرا سبب وہ آثارِ ولایت تھے جو ہمیشہ عالمِ طفولیت سے آپ کی پیشانی سے ہویدا ہوتے رہے۔

بلحاظِ ظاہری تعلیم حضور پُر نور کی تعلیمی حیثیت کو کوئی ممتاز درجہ نہیں دیا جا سکتا مگر جو لوگ آپ کے ملفوظات سے ذوقِ سماعت و نظر حاصل کر چکے ہیں اُن سے دریافت کیجیے اور وہ بتائیں گے کہ آپ علوم ظاہری و باطنی کا ایک دریائے ناپیدا کنار تھے مجلس میں آپ کے ہم نشین آپ کی وسعتِ معلومات کو بے نظیر اور لاجواب محسوس کرتے تھے۔ مشکل سے مشکل

اور ادق سے ادق مسائل بھی آپ اس طرح حل فرماتے تھے کہ جیسے کسی نے پہاڑ کو پانی کر دیا بات یہ ہے کہ خاصانِ خدا اور بزرگانِ کرام کو خدا کے خزانے سے علم لدُنی کی دولت نصیب ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ مسائل کی دشوار ترین اور ناہموار شاہراہوں سے بھی ایسے گذر جاتے ہیں کہ گویا وہ ان کی دیکھی بھالی تھیں۔ جناب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دیکھیے کہ گو اُمّی محض تھے مگر علمائے عرب کا ناطقہ بند کر دیا ؎

لکھے نہ پڑھے جناب والا
شاگردِ رشیدِ حق تعالےٰ

وہی علم لدنی جو اسرار الٰہی کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اولیاء کرام اور انبیائے عظام کو بھی عطا ہوتا ہے اور اسی علم سے حضرت خواجہ صاحب بھی حصّہ یاب تھے۔

براہین و دلائل کے ساتھ حضور گفتگو فرماتے تھے۔ ہزاروں حدیثیں، روایتیں، قرآن شریف کی آیتیں فارسی، اردو، ہندی کے اشعار ہر موقع اور ہر محل پر آپ اس طرح برجستہ فرماتے تھے کہ سامعین حیرت میں رہ جاتے تھے۔ یہ بھی اُسی علم لدُنی کا اثر تھا ؎

ہزاروں سے سُنے وہ لفظ لیکن لفظ تھے خالی
تمہاری بات کی شوخی تمہاری ہی زباں تک ہے

اگر والدین کی اطاعت و محبت اجازت دیتی تو ممکن تھا اور بالکل ممکن تھا کہ آپ علوم ظاہری کی تکمیل جامعیت کے ساتھ فرماتے لیکن پھر بھی جتنا علم آپ کو حاصل تھا وہ ایک دنیا کو سیراب فیض بنانے کے لیے کافی تھا۔

ایامِ طفولیت کا ذکر ہے کہ ایک ہندو سادھو جو بڑا عابد و مرتاض تھا جلالپور شریف میں آیا۔ ایک روز جب کہ بہت سے ہندو عقیدت مند اُس کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ بھی اُدھر

جا نکلے جب اُس سادھو کی مردم شناس نظر آپ کے چہرہ پر پڑی تو وہ تعظیماً اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ سے مسند پر بیٹھنے کی خواہش ظاہر کی۔ قبلۂ عالم نے بہ نظرِ استغنا اُس کی التماس پر توجہ نہ کی اور اسی طرح ہنستے ہوئے آگے نکل گئے۔ اہلِ ہنود کو آپ کے استغنا سے بہت غیرت آئی اور دل مکدر ہو گیا۔ اُس بڈھے سادھو نے ان کے مافی الضمیر کو تاڑ لیا اور کہنے لگا لوگو تم کیوں کھسیانی ہنسی ہنستے ہو۔ تمہیں اس بچّہ کی قدر نہیں ہے۔ یہ بچّہ ایک دن آسمانِ ولایت پر آفتاب بن کر چمکے گا اور تمہارے ملک کو منور کر دے گا۔ تمہارا موضع اس بچہ کی بدولت شہرتِ دوام کا تاج پہنے گا اور لوگ دور دراز سے آ آ کر اس کے آستانے کی قدم بوسی کو فخر سمجھیں گے اس واقعہ کی تصدیق مولوی فقیر محمد صاحب نے فرمائی ہے۔

بشارتِ مجذوب

بچپن کے زمانہ کا ذکر ہے کہ آپ چند کم سن بچوں کے ساتھ کہیں تشریف لیے جاتے تھے۔ راستہ میں ایک مجذوب مل گیا جس نے نہایت عزت کے ساتھ آپ کو دیکھا اور اپنی چادر بچھا کر آپ کو اس پر بٹھایا۔ حضرت کے ساتھی لڑکوں کو آپ پر رشک آیا۔ اس مجذوبِ کامل سے پوچھنے لگے کہ آخر ان کی اس قدر توقیر کیوں کی مگر اس نے کچھ بھی نہ بتایا۔ لڑکے پیچھے پڑ گئے اور مجذوب صاحب کو گھیر گھار کر اپنے گھر لے گئے اور پھر مجبور کیا کہ وہ اس کا سبب اُن کو ضرور بتا دیں۔

مجذوب صاحب اصرار سے تنگ آ گئے تو فرمانے لگے کہ بھائی یہ لڑکا کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے آثارِ رشد و ہدایت اس کی پیشانی سے ٹپک رہے ہیں۔ انوارِ الٰہی اس کی جبین سے پیدا ہیں مگر اس بات کو ہر آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا

تاب ہر اک آنکھ کب لاتی ہے اس کے نور کی!
دیدۂ موسیٰؑ ہو تو دیکھے تجلّیٰ طور کی

فرمایا کہ لڑکا اپنے زمانے کا کامل ہوگا۔ اہلِ دنیا اُس کے فیوض ظاہری و باطنی سے فیضیاب ہوں گے اور خدا کے مقبول بارگاہ بندوں میں اسے درجۂ امتیاز حاصل رہے گا۔

اِس پیشین گوئی کے بعد مجذوب صاحب چلے گئے لیکن جب آپ کا فیضان جلال پور میں چمک رہا تھا اور آپ مسندِ ولایت پر متمکن تھے تو وہ مجذوب صاحب پھر تشریف لائے۔ ان کی پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہو چکی تھی۔ اس لیے لوگوں نے اُسے دیکھا تو صاحبِ باطن بزرگ سمجھ کر ان کی بے حد عزّت و عظمت کرنے لگے۔ مجذوب صاحب نے ان سے پیچھا چھڑا کر راہِ فرار اختیار کی۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے چند حاضرینِ دربار نے مجذوب صاحب کی کیفیت بیان کی اور ان کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک قطب ہیں جو مجذوبوں کے بھیس میں پھر پھر اکر اپنے متعلقہ امور کو انجام دیتے رہتے ہیں ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

بقول شخصے "ولی را ولی مے شناسد" آپ نے اپنے علمِ باطنی کے ذریعہ سے اُس کو پہچان لیا۔ ورنہ دوسرے لوگ اس کے مرتبہ سے کماحقہٗ ہرگز واقف نہ ہو سکتے تھے ؎

بھیس میں انسان کے کیا جانئے پوشیدہ ہے کون
آدمی کے واسطے چشمِ بصیرت چاہیے

نصیحتِ پدری

انہیں آثار و قرائن کے ساتھ زمانہ گذرتا چلا گیا اور آپ بفضلِ ایزدی سِن بلوغ کو پہنچ گئے۔ آپ کے شباب کا یہ عالم کہ جو دیکھتا تھا فدا ہو جاتا تھا۔ ادھر تو ظاہری صورت حُسن آفریں ادھر جمالِ باطنی چہرۂ پاک سے جلوہ گر۔ نورِ ولایت سے آنکھیں لبریز، شعاعِ امامت سے آفتاب جبیں منوّر، سرمۂ بصیرت سے چتون اور بھی متوالی ہو گئی۔ حُسنِ حقیقت سے صورت دل کھینچنے والی ہو گئی جو دیکھتا تھا۔ سبحان اللہ کہہ کر رہ جاتا تھا اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ شعر ادا ہو جاتا تھا ؎

وہ کیا حسن کی تصویر ہے ماشاء اللہ
کیوں نہ دیکھے اِسی صورت کا تماشہ اللہ

جب آپ کے عالمِ شباب کا یہ عالم آپکے والد ماجد نے دیکھا تو مناسب جانا کہ بحیثیتِ پدری نصیحت کر دیں اور انتظامِ عصمت کر دیں۔ چنانچہ فرمایا۔ ؏

"حیدرا رکھیں ناڑا پھریں لاڑا"

یعنی اے حیدر اگر تم دولہا (یعنی برگزیدہ) بننے کے خواہش مند ہو تو اپنے ازار بند کی حفاظت رکھو گویا یہ الفاظ حدیث ما بین فخذیہ کی تفسیر تھی۔

یہ ایک مقام ہے جسے اصطلاح صوفیہ میں "خلوت در انجمن" کہتے ہیں۔ قدرت آپ کی خود محافظ تھی مگر والد ماجد کی نصیحت نے اور بھی تازیانے کا کام کیا۔ اور یہ الفاظ نقش ہو کر دل میں جاگزیں ہو گئے۔ تورع و اتقا کو بدرجۂ غایت ملحوظ رکھنے لگے یہی وجہ تھی کہ آپ نے کسی غیر محرم عورت کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ سے نہ چھوا اور ہمیشہ ہاں

کید کن عظیم" کو پیشِ نظر رکھا عفت و عصمت کو اپنا اصولِ اولین قرار دیا اور ان کی مکاریوں اور ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ بچنے اور محفوظ رہنے میں خدا نے آپ کو کامیاب کیا۔

ایک دفعہ اتفاق سے کسی عورت نے آپ کا دستِ مبارک چھو لیا۔ بس آپ اس حرکت سے بے چین ہو گئے۔ غصّہ سے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ طبیعت میں کرب و اضطراب پیدا ہو گیا جلال و غضب کے شعلے آنکھوں سے نکلنے لگے۔ اُسی حالت میں آپ نے حجام کو آواز دی وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاتھ کا وہ حصّہ جس پر غیر محرم عورت کا ہاتھ لگ گیا ہے کاٹ ڈال۔ حاضرین یہ کیفیت دیکھ کر متحیر تھے اور استعجاب سے دیکھ رہے تھے مگر کسی کو مجالِ دم زدن نہ تھی۔ ادھر تو یہ معاملہ درپیش تھا۔ اُدھر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی آپ درجۂ تورع و اتقا کو حاصل کر چکے تھے۔ یکایک ایک مجذوب کامل وہاں نمودار ہوئے اور کہنے لگے یا حضرت آپ اس قدر غصّہ کیوں فرماتے ہیں۔ اگر کسی غیر محرم عورت نے آپکے ہاتھ کو ہاتھ لگا دیا ہے تو یہ نجاست دھونے سے دور ہو سکتی ہے۔ ہاتھ کٹوانے میں ترک شرع کا خوف ہے اور خداوند تعالیٰ کا صریح حکم صادر ہو چکا ہے کہ ظاہری نجاست کو پانی پاک کر دیتا ہے غرضیکہ بمشکل سمجھا بجھا کر آپ کو راضی کیا اور آپ کو مطمئن کرنے کے بعد وہ مجذوب کامل وہاں سے رخصت ہو گئے۔

نکاح

آپ کی خدا پرست طبیعت دنیوی عیش و عشرت سے ہمیشہ محترز رہی لیکن جب آپ کے والد نے آپ کو عالمِ شباب میں پایا تو آپ کا نکاح آپ کی ماموں کی لڑکی سے کر دیا۔

۱۵ یا ۱۶ برس کی عمر میں آپ کا نکاح ہوا اور جناب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس فرمان پر نظر کر کے کہ اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ انکار نہ فرمایا اور اپنے والدین کی مرضی کو اپنی خوشی پر مقدم سمجھ کر تسلیم خم کر دیا۔

والد ماجد کی رحلت اور وصایا

ابھی آپ کی عمر کے سترہ برس ختم ہوئے تھے کہ قدرت نے صبر آزمائی کی۔ اور آپ کو ایک سانحۂ عظیم اور حادثۂ جانگداز کا مقابلہ کرنا پڑا یعنی آپ کے والد ماجد سید جمعہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وقتِ وفات آپہنچا اور وہ دن قریب آگئے کہ آپ اپنے والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں۔

والد ماجد نے اُس حالت میں جب کہ آخری سانسیں آثارِ رخصت ظاہر کر رہی تھیں آپ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ بیٹا سنو موت سب کے لیے لازمی ہے۔ جو پیدا ہوا ہے وہ ضرور ناپید ہو گا۔ کوئی دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی اصولِ مستمرہ کی بنا پر ہم بھی تم سے رخصت ہوتے ہیں مگر یہ چند وصیتیں تم سے کی جاتی ہیں انہیں یاد رکھنا اگر تم نے ان پر عمل کیا تو ہمیشہ شاد و بامراد رہو گے اور قدرت کے اس منشاء کی اچھی طرح تکمیل ہو سکے گی جس کے لیے خدا نے تمہیں دنیا میں بھیجا ہے۔

۱۔ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دینا۔
۲۔ بڑوں کا ادب ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنا اور چھوٹوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا۔
۳۔ اقربا کے ساتھ صلہ رحمی کا اصولِ زریں یاد رکھنا۔
۴۔ اور خاص وصیت یہ ہے کہ فیضِ باطنی حاصل کرنے کو سید میراں شاہ کرناں

رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ ہدایت پناہ میں روزانہ حاضری دیا کرنا۔ یہ بڑے کام کی بات ہے اگر اس پر عمل پیرا رہوگے تو فیوض ظاہری و باطنی سے ہمیشہ سرفراز اور مالا مال رہوگے۔

یہ نصیحتیں فرما کر آپ کے والد ماجد سید جمعہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

گو آپ کو مرگِ پدری سے کمال صدمۂ روح فرسا پہنچا مگر مسلک سادات کے مطابق آپ نے صبر و شکر سے کام لیا۔ تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کی۔ اپنے شفیق باپ کو سپردِ خاک فرمایا اپنے سرپرست کو اپنے ہاتھ سے مٹی دی اور دل میں سوچا کہ دنیا فانی ہے یہاں ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آتا ہے۔ ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ زندگی کا انجام موت ہے جس سے کوئی بادشاہ امیر فقیر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہزاروں انبیاء پیدا ہوئے مگر سب کو آخر پیوندِ خاک ہونا پڑا جن کے لیے "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" کا خطاب بارگاہِ ایزدی سے نازل ہوا۔ اُن کا بھی دنیا سے بظاہر کوچ ضرور ہوا۔ کلام پاک میں "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ" جامعیت کے ساتھ کلیۂ فنا کو ظاہر کرتا ہے پس دنیائے فانی پر بھروسہ اور اعتبار بالکل نازیبا اور بے جا ہے ؎

حباب آسا سراب زندگی میں وقت فرصت ہے
خدا کی یاد میں جو دم گذر جائے غنیمت ہے

ل سید میراں شاکر شاہؒ کی خانقاہ جلال پور شریف سے بفاصلہ دو میل واقع ہے راستہ پہاڑیوں کے درمیان طے کیا جاتا ہے اور خانقاہ بھی پہاڑی پر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اکبر تھے جن کا مزار لاہور میں اکبری اور دہلی دروازہ کے درمیانہ شاہراہ پر ایک پُرفضا مقام پر واقع ہے۔

غرضیکہ اس قسم کے خیالات سے آپ نے اپنے قلبِ محزون کو تسکین دی اور جناب والد مرحوم کی وصایا اور نصائح پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ چنانچہ سیال شریف جانے تک آپ کا معمول تھا کہ شام کو میراں شاکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار پر روزانہ جاتے اور بعد عشا وہاں سے واپس تشریف لاتے کبھی کبھی آپ نے ساری رات وہیں گزار دی۔

میراں شاکر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری کے زمانہ میں بعض باتیں ایسی صادر و وارد ہوئیں جو حیرت و تعجب سے خالی نہیں۔

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ میراں شاہ کی خانقاہ پر ہمیشہ تنہا تشریف لے جاتے تھے ایک روز ایک شخص چھپ چھپا کر آپ کے پیچھے ہو لیا۔ جب آپ پہاڑ پر چڑھنے لگے تو اس نے بھی چڑھنے کا ارادہ کیا مگر قدرتِ الٰہی سے نابینا ہو گیا۔ وہ شخص دوڑ کر لوٹنے لگا تو پھر بینائی بدستور آگئی۔ اب اُس نے پھر پہلے ارادہ کو دل میں راہ دی۔ پھر بینائی جاتی رہی۔ اسی طرح تین مرتبہ اس نے اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا مگر ناکام رہا۔ مجبوراً واپس ہونے لگا۔ ناگاہ اس کے کان میں ایک آواز آئی جو نہایت خوف انگیز تھی اور جس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر اب تو نے اوپر آنے کا ارادہ کیا تو مدت العمر کے لیے نابینا ہو جائے گا۔ الغرض وہ تو خوف زدہ ہو کر ڈرتا کانپتا واپس آگیا اور پھر اس واقعہ کو جس نے سُنا اس نے کبھی اس قسم کی دلیری نہ کی۔

ایک بار آپ میراں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ شریف سے رات کو گھر واپس آئے۔ تکان زیادہ تھی ایک سُوت کی بُنی ہوئی چارپائی آپ کو نظر آئی آپ اس پر لیٹ گئے اور تکان کی وجہ سے لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ ابھی لگی ہوئی تھی کہ چارپائی اُلٹ گئی اور آپ اُس کے نیچے دب گئے ہاتف نے آواز دی کہ اے مردِ خدا! خدا کی طلب کا دعویٰ اور

آرام دہ نرم چارپائی پر خواب استراحت۔ یہ کام تو دنیاداروں کے لیے مناسب و موزوں ہے۔ کیا تُم نہیں۔

سیدالکونین ختم الانبیاء — مُرشدِ کامل جناب مصطفےٰ
جاگتے رہتے تھے اکثر رات بھر — فرش سے لگتی نہ تھی بالکل کمر
رات بھر رہتے نمازوں میں کھڑے — ورم کر جاتے تھے پاؤں آپ کے
آنکھ سے بہتی تھی اشکوں کی جھڑی — وردتھا یا اُمّتی یا اُمّتی

طالبِ مولیٰ کو ہو آرام کیا
ہو بھلا سونے سے اس کو کام کیا

تو برائے نورسفتن آمدی — نے برائے خواب وخفتن آمدی
آمدی از بہر بیداری دل — نے برائے نازبرداری دل

اس صدائے غیب کے سنتے ہی آپ فوراً چونکے اور خوف زدہ ہو کر درگاہِ ایزدی میں سجدۂ عذر ادا کیا۔ پھر کبھی آپ نے سوتی چارپائی پر عمر بھر آرام نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

سید سخی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے رُوحانی تصرفات

خدا اپنے نیک بندوں کو اور انہیں جن کو دنیا میں صبر و شکر کی منزل طے کرانی مقصود ہوتی ہے۔ بفحوائے "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ" آزمائش میں ضرور ڈالتا ہے۔ اس آزمائش سے تکلیف دینی مقصود نہیں ہوتی کیوں کہ ان کا خوانِ کرم تو بہت وسیع ہے۔ جب وہ کفار و مشرکین کو دنیا

میں قسم قسم کے عیش و نشاط سے بہرہ یاب کرتا ہے تو کیا مومنین کے لیے اُس کا دستِ کرم کوتاہ ہو سکتا ہے؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب　　گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم　　تو کہ با دشمناں نظر داری

مگر اجتہاد بالنفس کی تعلیم وہبی ہوتی ہے اور جب تک اس کا فضل شاملِ حال نہ ہو، کوئی انسان اپنے نفس کو مغلوب نہیں کر سکتا اور نہ صبر و شکر کی منزل طے کر سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں سامانِ خور و نوش نہ رہا۔ تین چار روز فاقہ سے گزرے مگر آپ نہایت صبر کے ساتھ "تَوَکَّلْتُ عَلَی اللہِ" کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے "فَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؕ" کے مژدۂ جاں بخش و روح افروز کے خیال میں محو رہے اور اس مژدہ میں آپ کے دل کو تقویت و توکل کے تمام اسباب بہم پہنچ گئے۔ اِدھر تو یہ امتحان ہو رہا تھا اُدھر آپ کے جدِ امجد کی روح آپ کے حالات کا مشاہدہ کرنے لگی کہ چیا بج۔ اسی دوران میں ناگاہ ایک نووارد شخص آیا اور حضور پُرنور کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ باہر تشریف لائے دیکھا کہ ایک شخص اشتیاقِ ملاقات میں بیتاب کھڑا ہے۔ پوچھا کیوں بھائی بے وقت کیسے آئے۔ کیا مجھ سے کچھ کام ہے۔ وہ بولا کہ میں ڈیرہ اسمٰعیل خاں کا رہنے والا ہوں آپ کے پردادا سید سخی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ اے شخص تو عیش و عشرت میں مصروف ہے اور ہمارا نورِ دیدہ فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہے۔ کیا شرطِ انصاف یہی ہے کہ تو اس کی خبر گیری نہ کرے۔ یہ بشارت و اشارت پاتے ہی میں بیدار ہو گیا۔ دو سو روپیہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ امید ہے کہ حضور

ضرور قبول فرمائیں گے۔ آپ نے اس کی نذر قبول فرمائی اور فرمایا کہ تم آج یہیں ٹھیر جاؤ مگر وہ نہ ٹھیرا۔ اس میں بھی کوئی خاص راز تھا ورنہ حضور کے ارشاد کی تعمیل سے ہرگز انکار نہ ہوتا آپ نے اس رقم میں سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات کے لیے صرف نہ کیا بلکہ سب روپیہ خدا کی راہ میں فقرا اور غربا کو تقسیم کر دیا۔

سر دیتے ہیں سائل کو جو بندے ہیں خدا کے
بھر دیتے ہیں فاقوں میں بھی کاسے فقرا کے

اسی طرح ایک مرتبہ موسم سرما میں سردی بہت زیادہ پڑنے لگی۔ آپ کے گھر میں تاپنے یا گھر کو گرم کرنے کے ساتھ لکڑی کوئلہ بالکل نہ تھا سخت مصیبت کا سامنا تھا سورج غروب ہو گیا۔ تاریکی کے ساتھ سردی بڑھنے لگی۔ آپ اپنے ذکر و اشغال میں مصروف ہو گئے کہ یکایک باہر سے آواز آئی دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ چار پانچ شخص آئے ہیں اور کچھ لکڑیاں وغیرہ سامانِ سوختنی لائے ہیں۔ قصہ مختصر آپ نے ان کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ تم کیوں آئے ہو اور لکڑیاں کس واسطے لائے ہو وہ کہنے لگے کہ ہمیں سید سخی شاہ علیہ الرحمۃ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ہمارے مکان پر لکڑیاں پہنچا دو۔ وہاں آگ جلانے میں دقت پیش آ رہی ہے۔ لہٰذا ہم حکم پاتے ہی فوراً لکڑیاں لے کر حاضر دربار ہو گئے۔

سیالوی شمس بازغہ کی کرنیں فضائے جلالپور پر

خواجہ سیالوی کی روحانی کشش

اب وہ وقت بالکل قریب آ گیا کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو باطنی فیوض و برکات سے سرفرازی کا موقعہ ملے۔ آپ کی ریاضتیں، مجاہدے، اتقاء، توکل، صبر و شکر

سب بدرجۂ اتم تکمیل کو پہنچ چکے تھے۔ تزکیۂ نفس کا مرتبہ حاصل ہو چکا تھا۔ اب ضرورت تھی تو ایک معلمِ کامل کی جو آپ کو رشد و ہدایت کا باضابطہ اور مستند معلن منادی بنادے چنانچہ حسبِ معمول آپ ایک شب کو حضرت سید میراں شاکر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ فیض پناہ میں حاضر تھے۔ یکایک آپ کو ارشاد ہوا کہ سید غلام شاہ صاحبؒ ہرنپوری سے جاکر ملو آپ وہاں سے رخصت ہوئے اور اس حکم کا حال اپنی والدۂ ماجدہ سے کہا وہ فرمانے لگیں کہ بیشک سید غلام شاہ صاحب بزرگ کامل ہیں تم حسبِ ہدایت ان کے پاس ضرور جاؤ اور ان سے بیعت بھی حاصل کر لو۔ دربارِ شاکری علیہ الرحمۃ کی اشارت اور والدہ کی ہدایت نے آپ کے ذوقِ سلیم کو اکسا دیا۔ والدہ صاحبہ نے ایک خادم کو ساتھ کر دیا اور آپ ہرن پور[1] روانہ ہو گئے۔

ہرنپور پہنچ کر سید غلام شاہ صاحبؒ سے ملاقات کی اور تمام قصہ سنایا۔ ترغیب بیعت کا اظہار کیا۔ سید غلام شاہ صاحبؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ شاہ صاحبؒ مجھے تو کچھ عذر نہ تھا لیکن آپ کی بیعت ایک طے شدہ امر ہے اور یہ دولت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی علیہ الرحمۃ کا حصہ ہے۔ میری اتنی مجال کہاں کہ میں آپ کو بیعت کر سکوں۔ آپ ایک روز یہاں قیام فرمائیں میں جناب کو اپنے ہمراہ لے چلوں گا اور بیعت کرادوں گا۔ آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ خادم جو ہمرکاب تھا اسے والدہ صاحبہ کی خدمت میں واپس کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ یہاں یہ قصہ درپیش ہے مجھے سیال شریف جانا ہے وہ اطمینان رکھیں۔ میں کم از کم دس بارہ روز میں واپس آجاؤں گا۔ خادم رخصت ہوا اور آپ تیسرے روز سید غلام شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی معیت میں سیال شریف کی طرف

[1] ہرن پور جلال پور شریف سے دس کوس کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع ہے۔

روانہ ہو گئے ؎

کھینچ کر لے ہی چلی جذبۂ کامل کی کشش
سچ ہے جاتی نہیں بیکار کبھی دل کی کشش

ہاں اسے لیلیٰ ِ راہی کا پتہ کیا معلوم
قیس کو کھینچ کے لے آئی ہے محمل کی کشش

جذبِ کامل ہو تو وہ آگ لگا دیتا ہے
شمع کی لو سے ہے پروانۂ محفل کی کشش

خضر آوارۂ وحشت کو کہیں مل ہی گئے
راہبر ہو ہی گئی رہبر منزل کی کشش

حصولِ بیعت اور شیخ کی محبّت

منزل بمنزل چلنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سیال شریف جا پہنچے خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھا اور تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے حقیقت شناس سمجھتے ہیں کہ یہ تعظیم ذاتی نہ تھی بلکہ صفاتی تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی جبیں مبارک اور پیکرِ اطہر میں جو نورِ ازلی جلوہ کناں تھا اُسے خواجہ سیالوی کی نظرِ حقیقت نگر تاڑ گئی۔ یہ تعظیم اسی کی تھی۔ پھر سید غلام شاہ صاحب سے ملاقات کی۔ مزاج پوچھا بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد سید غلام شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ سیدزادہ جلال پور کا رہنے والا آپ کی بیعت کا دلدادہ ہے۔ اسے بیعت سے مشرف فرمائیے۔ وہاں تو پہلے ہی سب کچھ معلوم تھا۔ اک نگاہِ محبت حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ پر ڈالی۔ دل نے کچھ کہا آنکھوں نے کچھ دیکھا اور بیعت کر لیا ؎

وجد آتا ہے تری باتوں پر
بک چکے ہم تو ترے ہاتھوں پر

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بروز پنجشنبہ گھر سے روانہ ہوئے اور ۶ رجب المرجب ۱۲۷۱ھ کو بروز دوشنبہ شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔

(میاں محمد اشرف صاحب سب انسپکٹر پولیس جو اس وقت تھانہ احمد آباد میں متعین تھے فرماتے ہیں کہ ۲۴ مارچ ۱۸۵۵ء کو جب کہ میں احمد آباد سے پنڈ دادن خاں آرہا تھا اور سید غلام شاہ صاحب مجھے راستہ میں ملے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ سیال شریف بارادۂ بیعت جا رہے ہیں۔ اس حساب سے تاریخ بیعت ۱۲۷۱ھ ہجری مطابق ۲۶ مارچ ۱۸۵۵ء ہے۔)

بیعت کا اثر جو کچھ ہوا وہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا دل جانتا ہوگا مگر بآثارِ ظاہر آپ کو طالبانِ مولیٰ کی طرح ہر وقت ایک بے چینی رہنے لگی۔ مطلوبِ حقیقی کا عشق تو پہلے ہی سے تھا۔ اب ؎

اس حاشیے نے اور لگا دی متن میں آگ

چہرہ پر زردی اپنا رنگ جمانے لگی، آنسو آنکھوں میں طوفان اٹھانے لگے، دل میں درد اور لب پہ آہِ سرد نمایاں ہوئی۔ عشق کے تمام آثار رُخِ زیبا سے جلوہ گر ہونے لگے۔ سوز و گداز و جد و کیف چہرہ سے ٹپکنے لگا ؎

چہرہ اُداس، نبض غلط، دل دُکھا ہوا
یہ حال ہے تو کوششِ اخفائے حال کیا

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب خواجہ صاحب مجھے بیعت فرمانے لگے تو لوگوں کا ہجوم میرے گرد بہت زیادہ ہو گیا۔ اس پر خواجہؒ صاحب نے فرمایا کہ لوگو اپنے پیارے مرید کی صورت مجھے بھی تو دیکھنے دو۔ اس قدر ہجوم تو نہ کرو ؎

نہ بیٹھو گھیر کر یوں شمع کو اے انجمن والو
کہ مشتاقِ زیارت دُور سے پروانہ آتا ہے

آپ کا لباس بہت میلا تھا۔ خواجہ شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ ہمارے اور ان کے کپڑے دھولاؤ۔ جب کپڑے دھو کر لائے گئے تو آپ نے اپنی چادر خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کو مرحمت فرمائی اور ان کی چادر خود لے لی اور فرمایا کہ میری چادر آپ کے شایانِ شان ہے اور آپ کی چادر چونکہ کشادہ ہے اس لیے میرے لیے بہتر ہے۔

خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس میں یہ حکمت تھی کہ میرا دل حضور کی طرف جذب ہو جائے اور آپ کا قلب میری طرف مستقل رہے۔ پیر و مرشد اور مرید کے لباس کا تغیر و تبدل کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ نکتہ شناس اس بھید کو خوب جانتے ہیں اس کے بعد جو کچھ ہوا اور جو کچھ دیکھا دیکھا ؎

ملتے ہی اُن کے اُٹھ گئے پردے حجاب کے — انوارِ بزمِ قدس ہے آنکھوں کے سامنے
جو کچھ ہے عینِ ذات ہے اب ہم کہاں رہے — وہ اور ہی لباس تھا جس میں کچھ اور تھے
اب دیکھیے کچھ اور ہیں اس پیرہن میں ہم

بیعت کے بعد خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ دو تین روز سید غلام شاہ صاحب ہرنوری کے ساتھ سیال شریف مقیم رہے۔ پھر گھر واپس آئے۔ آپ کی رخصت کے بعد خواجہ شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ نے خدام سے فرمایا کہ یہ سید زادہ جوادبھ (مشرق) سے آیا ہے خرقۂ خلافت دینے کے قابل ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ آغاز میں درجۂ انجام اور ابتدا میں رتبۂ انتہا حاصل کر چکے تھے (اس روایت کے راوی میاں

غلام حیدر ساکن گھنیاں ہیں۔)

واپس آنے کو تو آپ چلے آئے مگر ؎

اک عیش کا بندہ کہتا تھا گھر بار نہیں تو کچھ بھی نہیں
آشفتہ گیسو بول اُٹھا گر یار نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ ابر یہ گلشن یہ عشرت یہ تازگیاں یہ نیرنگی
دلدار نہیں تو ناحق ہیں دیدار نہیں تو کچھ بھی نہیں

محفل میں سب احباب بھی ہیں آرام کے سب اسباب بھی ہیں
دل چپکے چپکے کہتا ہے دلدار نہیں تو کچھ بھی نہیں

عزت دولت راحت شوکت یارانِ وطن اربابِ چمن
سب ہیچ ہیں میری نظروں میں سرکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

شیخ علیہ الرحمۃ کی محبت دل میں گھر کر چکی تھی۔ گھر میں جی کیا لگتا۔ ایک ہی دن ٹھہرنا مشکل ہو گیا اور آپ دوسرے ہی دن پھر چلے آئے۔ پھر تو یہ دستور ہو گیا کہ ایک مہینے میں دو تین بار آپ سیال شریف جاتے اور واپس آتے۔

مولوی فقیر محمد صاحب نے تذکرہ فرمایا کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم اپنے چچا سید امام شاہ صاحب کے ہمراہ سیال شریف گئے دو دن قیام کرنے کے بعد واپسی کی اجازت چاہی تو حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے چچا صاحب جانا چاہتے ہیں تو ان کو اجازت ہے مگر آپ ابھی قیام فرمائیں۔ میں آپ کے واسطے آپ کے چچا سے زیادہ بہتر ہوں اور آپ کے لیے میری معیت چچا صاحب کے ساتھ رہنے سے اچھی ہے ؎

نہ تو مجھ کو چھوڑ سے نہ میں تجھ کو چھوڑوں
جہاں تو وہاں میں جہاں میں وہاں تو!

مرید تو فنافی الشیخ کی منزل طے کرنا چاہتا ہی ہے لیکن اگر مرشد بھی مرید کا دلدادہ ہو جائے تو اُسے خوبیٔ قسمت سمجھیے۔ یہاں یہی حال تھا۔ محبت دونو جانب سے تھی اور عشق حقیقی دونو

کے دل میں موجزن تھا حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ عیدا دھوبی کے ساتھ سیال شریف جایا کرتے تھے اور یہ طریق مدت تک جاری رہا۔

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب ہم شیخ کی قدم بوسی سے چھٹی دفعہ مشرف ہوئے تو ہمیں خرقۂ خلافت اور اجازتِ بیعت کا شرف حاصل ہوگیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مروی ہے کہ خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ نے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو خلوت میں طلب فرمایا اور بہت عرصہ تک مرید و شیخ میں خلوت رہی۔ عالم خلوت میں آپ مخلوقِ خدا کی ہدایت پر مامور کیے گئے۔ دولت خلافت سے ممتاز فرمائے گئے جس وقت آپ خلوت سے جلوت میں تشریف لائے تو محویت و استغراق کی ایک خاص کیفیت آپ پر طاری تھی

خلوت سرا میں یار نے بے خود بنا دیا   مجھ کو اک انجمن کا تماشا دکھا دیا
میں تو اسی کی مست نگاہی پہ ہوں نثار   آنکھیں ملا کے جس نے خدا سے ملا دیا
ساقی نے چشم مست سے کی مہر کی نظر
صہبائے معرفت کا پیالا پلا دیا

یہ اثر ایک مدت دراز تک قائم رہا۔ تمام تمام دن آپ مسجد میں بے خود و مدہوش پڑے رہتے۔ گویا آپ کے جسم میں جان ہی نہ تھی یا جس طرح کسی پر حالتِ غشی طاری رہتی ہے۔

ہوش بجا رہے نہیں چپ ہیں کلیم کیا کریں
کس سے کہیں کہ کیا ہوا جلوۂ یار دیکھ کر

اس کے بعد آپ اس حالت سے ترقی کر گئے اور درجۂ سلوک سے ممتاز ہوئے خدائے قدوس

نے آپ کو وہ درجات علیا عطا فرمائے کہ مجال بیان نہیں۔ آپ کے معاصرین میں آپ کی مثال نادر و نایاب تھی۔ منزلِ سلوک میں قوتِ مجاہدہ کی مدد سے آپ نے وہ تیز گامی دکھائی کہ نصب العین آپ کے قدم چومنے لگا۔ شیخ کی ذات میں آپ اس طرح جذب ہوئے کہ دو قالب اور ایک جان ہو گئے۔ لحمک لحمی ودمک دمی کی شان نظر آنے لگی ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہی وجہ تھی کہ توجہ شیخ تمام تر آپ کی طرف مبذول رہتی تھی۔ استغنا عن النفس اور محویت فی الذات کی یہ حالت تھی کہ آپ اپنی نسبتِ سیادت کو بھی بھول گئے تھے۔

مولوی محمد عبدالرحیم صاحب ساکن کرڑی بیان فرماتے تھے کہ آخر زمانہ میں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبزادہ فضل شاہ صاحب کو جو آپ کے نبیرہ ہیں یہ شعر لکھ دیا تھا ؎

بہائے خود ہمی دانم بہ نیمے جو نمی ارزد
اگر مولے کرم سازد بہ سایم بے بہا گردد

خلافت کے بعد

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کا ادب بدرجۂ غایت فرماتے تھے۔ آپ کبھی اُن کے سامنے کوئی بات نہ کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے ایک بات یاد آنے سے بہت سی شرم آتی ہے کہ تمام عمر میں میں نے ایک دفعہ بھی کیوں خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ کے سامنے زبان کھولی۔ وہ بات یہ تھی کہ سید غلام شاہ صاحب ہرن پوری کی شفقت و عنایت نے مجھے اپنا گرویدہ بنا کر یہ سوال مرشد کی حضور میں کرا دیا کہ حضور میری بیعت شاہ صاحب کے

حوالے کر دی جائے اس پر حضور نے فرمایا کہ عزیزِ من غلام شاہ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تمہیں مرید کر سکیں۔ ع

دیتے ہیں قدح ظرفِ بادہ خوار دیکھ کر

ایک دفعہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد کو ایک اشتیاق نامہ لکھا مگر ادب کے لحاظ سے اور خوفِ مرشد سے اُسے حضور تک نہ پہنچا سکے وہ اشتیاق نامہ حضرت خواجہ صاحب کے دولت کدہ ہی میں رہ گیا جو بعدِ وصال دستیاب ہوا۔ و ھو ھذا،

"غریب پرورِ من سلامت! کمترینِ مریدان اعتقاد سرشت فدوی غلام حیدر علی نور جبیں سائی و ناصیہ فرسائی کہ شیوۂ فدویان است بجا آوردہ و الف قامتِ خود را نون ساختہ ذرہ دار بہ ہزار عجز و انکسار معروض میدارند

ے
میں ہاں خادم تو ہے مخدوم میرا تُوساں کو حال سب معلوم میرا
کرو خادم اُتّے انعام سائیں جو ہر جا فیض تیرا عام سائیں
کیتا دل دردِ تیرے پارہ پارہ جو دار و درد میرے کا نظارہ
نظارہ ہے کرو جند جندیاں میں وگرنہ جام زہروں پندیاں میں
نظر کر دیکھ چہرے زار میرے جو میں بیمار کیتے درد تیرے
دوا کر مہرباں بیماریاں دا وفا کر دلبرا دلداریاں دا
میں تیرے ویکھنے کی باوری ہوں دِکھا مُکھ کھول کے مُکھ باوری نوں

مرشدِ حقیقی من پیش عیاں چہ بیاں۔ ع

یک نظر فرما کہ مستغنی شوم زابنائے جنس

دیگر از فدایاں خانماں فیض رساں مسمی عیدا و احمد شاہ و امام شاہ و شرف الدین

وفضل الدین ومیاں بخت ومیاں دائم ومیاں دین محمد ومیاں حافظ ومیاں
فتح الدین نیاز بندگی پذیرا باد وبخدمت فیض درجت میاں فضل الدین صاحب
جیو ومیاں محمد الدین صاحب ومیاں شجاع الدین صاحب جیو وشیخ
صاحب سلام ونیاز قبول باد"۔

شیخ عبد الجلیل[1] صاحب فرماتے ہیں کہ جب خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو خلوت میں طلب فرمایا اور دروازہ بند کر دیا تو میرے دل میں خیال گذرا کہ آج ضرور کوئی خاص معاملہ ہے۔ اگرچہ شیخ کی اجازت نہ تھی مگر شوقِ دید نے مجبور کر دیا۔ ہر چند سمجھایا طبیعت قابو میں نہ آئی اور دماغ اُسی طرف جم گیا کہ ضرور کسی جھروکہ وغیرہ سے دیکھنا چاہیے کیا ہوتا ہے۔ جب خواجہ غریب نواز اندر تشریف لے گئے تو میں نے ایک سوراخ سے نظر بازی شروع کر دی۔ دیکھا کہ پیر و مرید دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ بظاہر کسی قسم کی گفتگو جانبین میں نہیں ہوئی۔ شیخ نے مرید پر نظر ڈالی اور اب مرید کا رنگ بدلنے لگا پہلے زرد ہوا پھر سفید ہو گیا۔ پھر کچھ ایسا تغیر ہوا کہ ایک ایک منٹ کے بعد حالت دگرگوں ہونے لگی۔ آخر کار کچھ دیر کے بعد اصلی حالت ہو گئی اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کمالات صوری و معنوی سے آراستہ نظر آنے لگے ؎

---

[1] آپ نہایت عالی مرتبت بزرگ تھے اور خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں نبردہ ترین خدام کا رتبہ رکھتے تھے آخر میں خلافت آپ کو ملی۔ ان کا تذکرہ خود خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بھی بہتر الفاظ میں فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ شیخ صاحب مرشد کے عاشقانِ صادق میں سے تھے۔ ابوالبرکات صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب نے خود اپنے کانوں سے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ صاحب کی تعریف کرتے سنا ہے ۱۲۔

اہلِ نظر کی سرمہ بنے گی ہماری خاک
اب تو تری نگاہوں نے اکسیر کر دیا

اس کے بعد خواجہ شمس الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاہ صاحب اب بھی راضی ہوئے یا نہیں خواجہ صاحبؒ آداب بجالائے۔ دروازہ کھولا یا گیا۔ اس کے بعد دیر تک بیعت و تلقین کے آدابِ ظاہری تلقین فرمائے۔ دستار کی جگہ چار ترکی ٹوپیاں عطا فرمائیں اور خواجہ صاحب اس طرح دولتِ ظاہری و باطنی سے مالا مال ہو کر اپنے گھر تشریف لائے مکان پر آکر پہلے اپنے گھر والوں کو بیعت کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت مسرور ہوئیں اور سجدۂ شکر بجالائیں ؎

دلِ بیتاب تو گھر بن گیا اللہ والوں کا   اسی دن کیلیے پہلو میں تجھ کو ہم نے پالا تھا
ہزاروں رنگ ہوئے دیکھنے والوں کی صورت نے   نگاہ ناز ساقی میں کرشمہ یہ نرالا تھا

کوئی تدبیر سے پہنچا نہ ایوانِ ولایت تک
جسے اللہ نے چاہا، وہی اللہ والا تھا

نقل ہے کہ بعد حصولِ خلافت خواجہ غریب نواز ایک دفعہ سیال شریف تشریف لے گئے وہاں تبدیلی تعمیرات کا کام شروع ہو رہا تھا۔ خواجہ غریب نواز نے پہلے مرشد کی قدم بوسی حاصل کی اور پھر معماروں کے پاس آکر تعمیر کے کام میں مزدوروں کی طرح کام کرنے لگے سر پر اینٹ اور گارا رکھ کر راجوں کو دینے لگے۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ شمس الدین رحمتہ اللہ علیہ کا بھی اس طرف سے گذر ہوا دیکھا کہ خواجہ غریب نواز معماروں کے ساتھ کام کر رہے ہیں مسکرا کر فرمایا کہ "شاہ صاحب مکھن تو آپ پہلے ہی لے چکے ہیں اب چھاچھ پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا بھئی کسی دوسرے غریب کا بھی خیال رکھنا لازم ہے" مطلب یہ تھا کہ جو

شخص اصل و جوہر کا مالک ہو اسے کم درجہ کی اشیاء سے کیا سروکار۔ سبحان اللہ کس قدر پاک کنایہ اور راز و نیاز کی تعلیم تھی۔

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ خلافت حاصل ہونے کے بعد جب ہم سیال شریف حاضر ہوتے تھے تو خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ ہمارے استقبال کو تھوڑی دُور ضرور تشریف لاتے تھے۔ اگرچہ شیخ کے اس فعل سے مجھے بہت ہی ندامت حاصل ہوتی تھی مگر میں کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ آخر جب مجھ سے یہ تکلیف نہ دیکھی گئی تو میں نے ایک مرتبہ شیخ عبد الجلیل صاحب کی وساطت سے عرض کیا کہ حضور جو میری اس قدر تعظیم و تکریم کرتے ہیں یہ مجھے بہت نادم و محجوب کرتی ہے اور میرے قلب پر ایک قسم کی کیفیتِ اضطراری طاری کر دیتی ہے سوا اس کے مجھ کو سوءِ ادبی کا بھی خیال ہے۔ یہ سُن کر حضور نے فرمایا کہ شاہ صاحب آپ آئندہ اس معاملہ میں کچھ نہ بولیں ہم اپنی خوشی کے خود مختار ہیں۔ آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ آپ اس معاملہ میں خاموش رہیں۔

روایت ہے کہ جب خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلفِ دوم خواجہ محمد الدین رحمۃ اللہ علیہ کی شادی ہوئی اور برات چلنے کے لیے تیار ہو گئی تو لوگوں نے کہا کہ حضور تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری جگہ شاہ صاحب تشریف لے جائیں گے۔ اس پر چند اشخاص مصر ہوئے اور کہنے لگے کہ حضور بھی تشریف لے چلیں۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ نادانو! کیا تم ہمیں اور شاہ صاحب کو الگ الگ تصور کرتے ہو۔ یہ خیال تمہارا بالکل غلط ہے غرضیکہ آپ نہ گئے اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی بجائے روانہ کیا ۔

برابر محبت میں اب رنگ دو ہے
جو تو ہے سو میں ہوں جو میں ہوں سو تُو ہے

نقل ہے کہ ایک دفعہ جلال پور کے آس پاس کے رہنے والی اقوام سے بہت سے لوگ سیال شریف بعزم بیعت گئے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے پوچھا کہ تم جو یہاں بیعت کے لیے آئے ہو تو کیا جلال پور شریف کے شاہ صاحب بیعت نہیں کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ شاہ صاحب بیعت تو کرتے ہیں مگر ہماری خواہش ہے کہ آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارا خیال بالکل لغو ہے ہماری اور شاہ صاحب کی بیعت کو ایک سا تصور کرو۔ لازم ہے کہ جلال پور جاؤ اور وہاں شاہ صاحب سے شرفِ بیعت حاصل کرو ؎

جب اٹھی قیدِ تعین بھید سارا کھل گیا ۔۔۔ طالب و مطلوب کی وحدت کا پردا کھل گیا
شمع و پروانہ کو میں سمجھا ہوا تھا غیرِ جنس ۔۔۔ جل بجھے دونو تو عقدہ عاشقی کا کھل گیا

عطائے خلافت

عطائے خلافت کے متعلق صحیح روایت یہ ہے کہ جب خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کو چار پانچ سال کا عرصہ گذر گیا تو ایک دفعہ حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاہ صاحب اب کے جو یہاں آؤ تو اپنی والدہ ماجدہ سے ایک ماہ کے قیام کی اجازت لے کر آنا۔ چنانچہ آپ واپس تشریف لائے۔ حسبِ ہدایتِ شیخ والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ علومِ باطنی کے علاوہ ظاہری تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ آپ نے محض تحصیلِ علم کے لیے ترکستان اور کابل وغیرہ کا سفر بھی فرمایا تھا۔ آپ نے مناسب سمجھا کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو علمِ تصوف کی چند کتابیں مطالعہ کرا دی جائیں چنانچہ مرقع شریف اور کشکول وغیرہ کا

درس شروع ہوا۔ شیخ کی نگاہ محبت آپ پر بدرجۂ غایت تھی۔ اس لیے تمام نکات تفہات وضاحت و صراحت کے ساتھ سمجھائے جاتے تھے۔ اِس تعلیمِ ظاہری سے حقیقتاً تعلیم باطنی کی تکمیل مقصود تھی۔

مولوی فقیر محمد صاحب سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ غریب النّواز رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ تصوف کی چند کتابیں بھی اپنے مرشد سے پڑھی تھیں۔

اِنکسار و مساوات

(خاک شو پیش ازاں کہ خاک شوی)

میاں محمد اشرف صاحب عیدا دھوبی کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم چند آدمی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سیال شریف جاتے ہوئے ایک گاؤں میں پہنچے اور وہاں ایک کنویں پر پانی پینے کے لیے ٹھہرے ہمارے ساتھ ایک شخص بگا نامی مسّلی القوم بھی تھا۔ وہ اس قدر کریہہ المنظر سیاہ فام اور چیچک رو تھا کہ کوئی شخص اسے دیکھنا بھی پسند نہ کرتا تھا اور نہ کوئی پاس بیٹھنا گوارا کرتا تھا ؎

شامِ غم کی طرح سیہ فام — تاریک مثالِ نقشۂ شام
کالا بھی جو اس کو دیکھ پائے — اپنی بانبی میں منہ چھپائے
چیچک کے تھے داغ یوں نمودار — کوہِ اسود میں جس طرح غار

تھا تیرہ نصیب وہ کسی کا
کالے کا تھا رنگ اس سے پھیکا

بگا مصلی نے پانی پیا اور بچا ہوا جھوٹا پانی پھینکنا چاہا مگر خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

نے اُس کا ہاتھ روک لیا اور پانی لے کر پی لیا۔ اتفاق سے وہاں ایک نووارد سید موجود تھے انہوں نے یہ واقعہ دیکھا تو انہیں کراہت پیدا ہوئی اور حاضرین میں سے کسی سے پوچھا کہ یہ سیاہ فام کون شخص ہے اور وہ باکمال خوش جمال بزرگ کون ہیں۔ بتانے والے نے تمام واقعہ بتا دیا جسے سُن کر سید صاحب کو بڑا غصہ آیا۔ تاب تحمل نہ رہی۔ فوراً لاٹھی لے کر بگا مصلی کو مارنے کے لیے اُٹھے اور اپنے دل میں اس کی سزا تجویز کی کہ جب وہ خواجہ صاحب کی سیادت اور اپنی حالت سے واقف تھا تو اس نے کیوں خواجہ صاحب کو اپنا جھوٹا پانی پینے دیا اور اصرار کیوں نہ کیا سید صاحب اس ارادہ سے اُٹھے ہی تھے کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو بذریعہ کشف ان کا خیال معلوم ہو گیا اور فرمانے لگے کہ سید صاحب جُھوٹا پانی میں نے پیا ہے نہ کہ آپ نے، کراہت مجھے لازم تھی نہ کہ آپ کو، نقصان ہوا تو میرا نہ کہ آپ کا، ننگ و ناموس کا خیال ہوتا تو مجھے نہ کہ آپ کو۔ آپ خفا نہ ہوں اور اپنے ارادہ سے باز آئیں۔ یہ سُن کر سید صاحب خاموش ہو گئے۔ سبحان اللہ کسر نفسی اور مساوات کی حد ہو گئی۔ شانِ بزرگی ہو تو ایسی ہو ؎

کانٹے کو گلِ گلاب سمجھا ہوں میں | تلچھٹ کو شرابِ ناب سمجھا ہوں میں
ہوں معترف اپنی ہستیٔ فانی کا | ذرّے کو بھی آفتاب سمجھا ہوں میں

خُود نمائی اور شہرت پسندی سے اعراض

آپ میں خود پسندی و خودداری کا مادہ بالکل نہ تھا۔ نہ آپ کو اپنے صحیح النسل سید ہونے پر کبھی فخر ہوا۔ اس بات کا ثبوت ذیل کے دو واقعوں سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

ایک مخدوم زادہ جو موضع اوچہ کا رہنے والا اور سید جلال الدین بخاری رح کی اولاد سے

تھا۔ نہایت شان و شوکت اور طمطراق کے ساتھ اپنے مکان سے نکلا۔ جس طرف گیا اور جہاں پہنچا لوگ اس سے مرعوب ہو گئے۔ اس نے اپنا یہ دستور رکھا کہ ہر مقام پر جا کر وہاں کے سیّدوں سے شجرۂ نسب طلب کرتا اور ان سے کافی نذرانہ مل جاتا تو انہیں تمغۂ سیادت دے دیتا ورنہ کہتا کہ یہ لوگ سادات سے نہیں ہیں۔ دیہات کے رہنے والے سیّد اس سے بہت ڈرنے لگے اور خاطر و مدارات کا خیال کرنے لگے۔ لوگ محض اس خیال سے کہ مخدوم زادہ کہیں ہمیں زمرۂ سادات سے خارج نہ کر دے اچھی طرح اس کی آؤ بھگت کرتے اور نذرانہ دے کر اس کی خوشی کے خواہاں ہوتے تھے۔

یہ مخدوم زادہ امامیہ مذہب رکھتا تھا یعنی شیعہ تھا۔ اتفاقاً جلال پور شریف میں اسی طمطراق اور شان و شوکت کے ساتھ اس کا گذر ہوا۔ اُس کے خدام حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قیام کے لیے ایک مکان کی خواہش کی۔ حضورؒ نے دیوان خانہ خالی کرا دیا اور قیام کی اجازت دے دی۔ مخدوم زادہ معہ اپنے حواریوں کے وہاں آ کر ٹھیرا۔ جب کھانا کھانے کا وقت آیا تو حضور نے دو دیگیں گوشت کی اور حسب ضرورت تنوری نانیں بھجوا دیں۔ مخدوم زادہ نے کہا کہ میں تو اس قسم کے کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ میرے لیے تو مخصوص طریقہ سے انتظام طعام ہونا چاہیے۔ مجھے عام لوگوں کے کھانے میں شریک کرنا بڑی غلطی ہے۔ حضور نے مخدوم زادہ کا یہ اعتراض سُن کر فرمایا کہ یہ کھانا چوں کہ عرس شریف کا ہے۔ اس لیے آپ کو بھی اسی میں حصّہ گیر کرنا مناسب سمجھا ورنہ علیحدہ کھانا تیار کرانا کوئی ایسا امر دشوار نہ تھا مگر مخدوم زادے کے سر میں تو ہوا کچھ اور ہی سمائی ہوئی تھی۔ اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور خدام کی معرفت کہلا بھیجا کہ آپ اپنا شجرۂ نسب میرے حوالے کریں تا کہ

آپ کا سید النسب ہونا پرکھا جائے۔

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ وقت فرصت کا نہیں ہے ہمیں فاتحہ وغیرہ کا انصرام کرنا ہے۔ مجادلہ اور مباحثہ تو بیکار وقت کے مشاغل ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنا شجرۂ نسب آپ کو دکھانے اور پرکھانے کی ضرورت اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہمیں اپنی شرافت اور نجابت پر ناز کرنا مقصود ہو اور جب یہ بات نہیں تو پھر فضول وقت ضائع کرنا بے کار ہے نہ ہمیں آپ سے کچھ مطلب ہے نہ آپ کو ہم سے کوئی غرض ہے پھر نسب نامہ کا جائزہ لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

مخدوم زادے نے جو یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا کہ لاریب یہ شخص سادات سے نہیں ہے بلکہ سیال والوں کی قوم سے ہے یعنی خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سید نہ تھے بلکہ کھوکھر زمیندار تھے۔ اس نے اپنے خیال سے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کیا لیکن خواجہ صاحب نے سن کر فرمایا کہ الحمد للہ اس نے وہ بات کہی جس کا فخر کرنا مجھے دونو جہان کی شہرت و عظمت سے افزوں تر ہے۔ اگر میں اپنے سلسلہ سے الگ ہو کر شیخ کے سلسلہ میں منسلک ہو جاؤں۔ خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں میرا شمار ہو جائے اور وہ خاندانِ سلیمانی یعنی پیر افغان کی اولاد میں ہو جائیں تو میرے لیے بڑی سعادت اور باعث فخر ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے تو یہی فخر کافی ہے کہ ہم اُمتِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں اور تیرے لیے صرف سیادت مایۂ ناز ہے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔ ہمارا اس میں کچھ حرج نہیں۔ اگر تیری خوشی اسی میں ہے تو یوں ہی سہی۔

اس واقعہ کے بعد اس مخدوم زادہ کی ہوا بگڑ گئی۔ وہ ساری مصنوعی عظمت اور شان و شوکت جاتی رہی اور پھر کسی نے اس کی بات بھی نہ پوچھی۔

جب حضرت خواجہ کا یہ جواب اور یہ واقعات تونسہ شریف کے سجادہ نشین حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنے تو آپ وجد کر کے بار بار فرمانے لگے کہ ہم پیر سیالوی کے خاندان سے ہیں اور وہ ہمارے پیر افغان کے خاندان سے ہیں۔ حضرت سجادہ نشین تونسہ شریف نے خواجہ بزرگ کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ بے شک اہل اللہ اور فدایانِ شیخ کی بھی شان ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر یہاں ایک واقعہ یاد آگیا جس کا درج کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا وہ یہ ہے کہ جناب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک روز جناب امام حسین علیہ السلام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ کھیل میں کوئی بات خلافِ طبیعت ہوئی۔ آپس میں جھگڑا ہو گیا تو جناب امام حسین علیہ السلام نے ابنِ عمرؓ سے فرمایا کہ ارے جا تُو تو ہمارے نانا کے غلام کا لڑکا ہے۔ اس صاحبزادے کو یہ بات طعن معلوم ہوئی۔ روتا ہوا اپنے گھر آیا اور جنابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ ابا جان آج حسینؓ نے آپ کو رسولِ خدا کا غلام کہہ دیا۔ مجھے بڑا رنج ہے۔ حضرت عمرؓ پر یکبارگی حالتِ وجد طاری ہو گئی اپنے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور فوراً وہاں تشریف لائے جہاں جناب امام حسین علیہ السلام مصروف لہو ولعب تھے۔ آتے ہی اُن کا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور دونوں کو پکڑ کر روضۂ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جا پہنچے۔ آنکھیں آبدیدہ تھیں۔ دل لرز رہا تھا چہرہ سُرخ تھا۔ دونوں بچوں کے ہاتھ ہاتھ میں تھے۔ پہنچتے ہی آپ نے جناب امام حسین علیہ السلام سے فرمایا جو بات تم نے میرے لڑکے کے سامنے کہی تھی وہ ہی اس وقت یہاں کہہ دو تاکہ میری غلامی کی شہادت حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کانوں سے سُن لیں۔ خوشا نصیب میرے کہ میں حضرت کے غلاموں میں شمار کیا جاؤں۔ میری ایسی قسمت کہاں ہے۔ سبحان اللہ اپنے آقا کے

فدائی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بیکار بات میں بھی کام کی بات نکال لیتے ہیں۔

بعینہٖ یہی واقعہ حضرت خواجہ بزرگ کا ہے کہ اپنے شیخ سے نسبتِ نسبی ہونے پر ناز کرنے لگے اور سادات کی نسبت کو موجبِ فخر نہ سمجھا ؎

صدف کے اندر ہے درِّ مکنوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں
حباب میں آ چھپا ہے جیحوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں!

میری نظر یار کی نظر ہے یہ میری ہستی ہے اس کی ہستی
میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں کہ یار مجھ میں میں یار میں ہوں

جناب مولوی محمد عبدالحق صاحب ہزاروی راوی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ حضور مجھے اپنا شجرۂ نسب مرحمت فرمائیں تاکہ میں کتاب میں شائع کر دوں آپ نے فرمایا کہ عزیزِ من سنو! سادات میں سے ایک شخص تھا اس نے کسی اپنے برابر والے کے یہاں عقد کا پیغام دیا۔ انہوں نے درخواست کی آپ پہلے اپنا شجرۂ نسب دکھائیں اس کے بعد میں جواب دوں گا۔ یہ سُن کر درخواست کرنے والے نے کہا کہ بھائی میں سمجھتا تھا کہ تم معنی طلب ہو۔ مگر معنی طلبی کا تو تم میں اثر تک نہیں ہے ؎

قیامت کسے باشد اندر بہشت
کہ معنی طلب کرد دعوائے بہشت

پھر آپ نے فرمایا کہ مخفی واقعات اور بھیدوں کا جاننے والا صرف خدائے علیم ہے وعندہٗ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ معلوم نہیں کہ نسب میں کیا کیا تغیر و تبدل ہو جاتا ہے ایسی بات پر نازاں ہونا عقلمندی کے خلاف ہے۔ نسب کا فیصلہ تو اسی وقت ہو گا جب خدائے قدوس اپنی زبانِ قدرت سے فرمائے گا "ھذا یوم الفصل جمعنٰکم

والاولین فان کان لکم کید فکیدون" یعنی یہ فیصلہ کا دن ہے جس میں تم اگلے پچھلے سب جمع کیے گئے ہو اور تم نے جس قدر مکرو فریب کیے تھے اب سب ظاہر ہیں۔ پورا بھید تو اسی وقت کھلے گا کہ باپ کون تھا اور ماں کون تھی تو شریف ہے کہ رذیل ہے۔ میں نے یہ جواب باصواب سن کر عرض کیا کہ حضور معتقد کو تو شجرۂ نسب بتا دینا درستی اعتقاد کے لیے بہت مناسب و موزوں ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ سچ ہے مگر معتقد کیلیے تو صرف ہمیں سید سمجھ لینا ہی کافی ہے نہ یہ کہ وہ تحقیق نسب سے تصحیح عقیدت کرے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ غوث بہاؤالحق رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ شریف پر بہت سے سائل آیا کرتے تھے۔ جو ان میں سے یہ ظاہر کرتا کہ میں سیّد ہوں آپ اُس کے ساتھ مخصوص لطف عنایات سے پیش آتے ایک روز ایک مرد اور ایک عورت جو دونوں قوم کے مسلی تھے آپ کے روبرو حاضر ہوئے اور اس لالچ سے کہ ہمیں زیادہ مل جائے۔ اپنے آپ کو سلسلۂ سادات سے ظاہر کیا اتفاق سے وہاں ان کا جاننے والا بھی موجود تھا اُس نے غوث بہاؤ الحق رحمۃ اللہ علیہ سے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ مجھے اس تحقیق کی ضرورت نہیں جو کچھ ان لوگوں نے کہا اُسی پر عمل کرنا لازم ہے۔

راسخ الاعتقادی

(دیک درگیر و محکم گیر)

حور و ملک سے کام کیا، جن و پری سے کیا غرض
جو ہوئے تیرے آشنا اُن کو کسی سے کیا غرض

ایک دفعہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ عرس کے موقع پر سیال شریف تشریف لے گئے وہاں

جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نو وارد اپنے آپ کو غوث و قطب ظاہر کرتا پھر رہا ہے اور لوگ جوق جوق انبوہ در انبوہ اس کے گرد جمع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی اُس کے ہاتھ چومتا ہے کوئی قدم آنکھوں سے لگاتا ہے۔ غرضیکہ ہر شخص اس کی تعظیم و تکریم میں مصروف و مشغول ہے اُس نام نہاد غوث نے کچھ ایسا دام تزویر پھیلا رکھا تھا کہ شجر ہدایت کے طائر ذی ہوش بھی بے پر و بال ہو کر پھنستے چلے جاتے تھے۔ بعض صوفیائے باصفا اور خلفاء بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ خواجہ صاحب یہ رنگ دیکھ کر نہایت متعجب ہوئے اور سوچنے لگے کہ خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید آج ایک نو وارد شخص پر کس طرح مبتلا ہو گئے یہ جس شمع کے پروانے، جس گل کے بلبل اور جس لیلیٰ کے دیوانے ہیں انہیں تو اُسی سے سروکار ہونا چاہیے۔ دل نے کہا دنیا کا یہی حال ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ گھر سے مرشد کی زیارت کو چلے اور راستہ میں دوسرا پیر بنا لیا المختصر آپ یہ تماشا مشاہدہ فرماتے ہوئے خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں بھی اسی غوث کی نظر فریبیوں کا چرچا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ جادوگر ہے کوئی کہتا تھا مسمریزم جانتا ہے غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں کہ خواجہ سیالوی نے خواجہ جلال پوری سے دریافت کیا کیوں شاہ صاحب آپنے اس غوث کی زیارت کی۔ خواجہ نے مؤدب ہو کر عرض کیا ؎

مطلب ہے تم سے غیر کے بیہودہ پن سے کیا
پروانہ کو ہے شمع سے کام انجمن سے کیا

حضور جب ہم نے آپ کو اپنا ہادی اور رہبر سمجھ لیا تو پھر ہمیں کسی سے کیا مطلب۔ کوئی غوث ہے یا قطب ہے تو ہوا کرے۔ ہمارے لیے تو آپ ہی غوث اور قطب ہیں۔ کوئی

پانی پر چلے یا ہوا پر اُڑے مگر ہم تو آپ ہی کے کمالات کے قائل ہیں۔ ہمیں حضور کے سوا کسی سے کچھ سروکار نہیں ہے ؎

تمہارے چاہنے والے کسی پر مر نہیں سکتے — کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے ایسا ہو نہیں سکتا
تمہیں مدِ نظر ہو حور و غلماں سے نہیں مطلب — تمہارا ہو کے پھر کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا
یہ دل مسکن تمہارا ہے تمہیں اس دل کے مالک ہو — اب اس دل پر زمانے بھر کا قبضہ ہو نہیں سکتا
دوئی کو بوالہوس چھوڑیں تو مل جائے خدا اُن کو — وہ ایسا کر نہیں سکتے تو ایسا ہو نہیں سکتا
خلش نے یار تیرے عشق کی گنجائش کریں — نیا دل میں ہمارے درد پیدا ہو نہیں سکتا
کوئی سمجھے نہ سمجھے ہاں نظر والے سمجھتے ہیں — کہ ہر فانوس شمع طور موسیٰ ہو نہیں سکتا

ہمیں غیروں سے کیا مطلب کہ ہم بندے تمہارے ہیں
تمہیں اپنا بنا کر دل پرایا ہو نہیں سکتا

خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ یہ کلام محبت نظام سُن کر مسکرائے اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ آپ اس امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔ یہ شخص نہ غوث ہے نہ قطب ہے بلکہ خدا نے ہمارے مریدوں کا امتحان لینے کے لیے اسے بھیجا ہے۔ دوسرے روز وہ نووارد خود بخود غائب ہو گیا اور لوگ جو ضعیف الاعتقاد تھے اپنے کیے پر سخت نادم ہونے لگے بالآخر خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر خواہ ہوئے۔ کریموں کے در سے کوئی ناکام نہیں پھرتا۔ آپ نے سب کے قصور معاف کر دیے۔

یہ واقعہ محمود و ایاز کے ایک قصہ سے بہت متماثل ہے یعنی ارکانِ دولت نے سلطان محمود پر اعتراض کیا کہ ایاز میں بظاہر کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی نظیر اور جواب کہیں اور نہ مل سکے پھر کیا وجہ ہے کہ سلطان کسی دوسرے کی طرف اس قدر متوجہ نہیں ہوتے سلطان محمود

نے جواب دیا ؎

آنے دے کوئی وقت بتا دیں گے شہیدی
بن آئی کسی پر کوئی مرجاتا ہے کیسے

کچھ عرصہ کے بعد سلطان محمود کی سرکردگی میں ایک دن کسی طرف فوج جا رہی تھی۔ ایاز بھی ہمراہ تھا۔ راستے میں ایک جواہرات کا صندوق گرا اور ٹوٹ گیا تمام جواہرات بکھر گئے سلطان نے فوجوں کو عام اجازت دے دی کہ لوٹ لیں۔ سارا لشکر ٹوٹ پڑا۔ ایاز کے سوا محمود کے پاس کوئی بھی نہ رہا۔ محمود نے ایاز سے دریافت کیا کہ تم اس لوٹ میں کیوں شریک نہ ہوئے۔ ایاز نے جواب دیا کہ حضور میری غیرت اس بات کی متقاضی نہ ہوئی کہ میں آپ کو تنہا چھوڑ دوں اور مال زر کے لالچ میں آ جاؤں۔ سو دوست ہیں سو دشمن ہیں۔ سفر کی حالت ہے۔ خدا جانے کیا معاملہ درپیش ہو۔ سلطان اس جواب سے نہایت شاد و مسرور ہوا اور تمام لشکریوں کو بلا کر کہا کہ دیکھو اور سمجھ لو کہ میں ایاز کو تم سے زیادہ کیوں چاہتا ہوں ؎

اس میں جو بات ہے، دل اسکے مزے جانے ہے
ورنہ ہے کونسی خوبی کہ جو انساں میں نہیں
جو مرے عشق کے الجھاؤ کو سلجھا ڈالے
ایسا انداز کسی زلف پریشاں میں نہیں

دِل مانوس محبت میں ہے محفوظِ خلش
ہم نے وہ پھول چنا ہے جو گلستاں میں نہیں

اسی طرح حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لیا اور محبت و عشق میں راسخ الاعتقاد اور مستحکم الخیال پا کر آپ کے کمال کا اعتراف کیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ پ اللہ تعالیٰ

کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۔

اس عشق میں کسی کا اجارہ نہیں ہے داغ
پروردگار جس کو یہ نعمت عطا کرے

شجاعت و سخاوت

مردانِ خدا میں شجاعت و بسالت اور قوت و طاقت ظاہری بدرجۂ اتم ہوتی ہے گو تزکیۂ نفس اور مجاہداتِ متواتر کی وجہ سے ان کا جسم نہایت نحیف ہو جاتا ہے تاہم ان میں جو قوت ہوتی ہے وہ دوسروں سے اکثر بدرجہا بڑھ جاتی ہے ۔ اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قوتیں بروایاتِ مختلف عام طور پر مشہور ہیں ۔ خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی قوتِ جسمانی کا حال کس پر ظاہر نہیں ۔ ایک ہاتھ سے درِ خیبر اکھاڑ کر پھینک دیا ۔ اور جنگ و جہاد میں کشتوں کے پشتے لگا دیے ۔ آخر حضرت خواجہ جلال پوریؒ میں بھی وہ ہی خونِ سیادت تھا پھر آپ میں شجاعت و قوت کیوں نہ ہوتی ۔

دو اُنگلیوں کی قوت :

مولوی کرم الٰہی صاحب ساکن پنڈی مگھو الملقب بہ خادم یہ روایت کرتے ہیں کہ اُن سے میاں عیدا[1] نے روایت کی حضرت خواجہ صاحبؒ بڑے بہادر تھے چنانچہ ایامِ جوانی میں

[1] میاں عیدا قوم کے درزی تھے اور خاص جلالپور شریف کے رہنے والے ۔ انہیں حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی ، روزے نماز کے پابند تھے ، لنگر کا کام ابتداءً اُن کے سپرد تھا ۔ یہ بچپن میں حضرت خواجہ صاحب کے بہت ساتھ رہے ہیں اور سفر بھی آپ کے ہمراہ زیادہ کیے ہیں ۔ میاں عیدا آپ کے کپڑے بھی بکثرت سیا کرتے تھے ۱۲

اکثر دو مٹکے اپنی دو انگلیوں سے اٹھا لیتے تھے اور ان میں سے پانی پی لیتے تھے۔ پنجاب میں جو مٹکے ہوتے ہیں ان میں بہ نسبت ہندوستانی مٹکوں کے پانی دوگنا آتا ہے اور وہ خود بھی زیادہ بھاری ہوتے ہیں مگر آپ انگشتِ شہادت اور نرانگشت کی گرفت میں دونوں مٹکوں کو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اُٹھا لیتے تھے۔ ہر شخص ایسا کم کر سکتا ہے

پنجہ کشی :

یہی حضرت بروایت میاں عبدا مروی ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ صاحب محراب مسجد میں رونق افروز تھے کہ دتّا نامی ایک شخص جو قوم مصلی سے تھا اور قوت میں اپنا ثانی دُور دُور نہ رکھتا تھا حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آئیے حضرت آج تو مجھ سے پنجہ ہو جائے چند لوگ اور بھی جمع ہو گئے۔ حضرت نے ہر چند انکار و اصرار فرمایا مگر وہ مصلّی اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ آخر حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کو غصہ آ گیا اور آپ نے اس کی کلائی پکڑ کر اس زور سے دھکّا دیا کہ وہ دور جا پڑا اور اس کے زانو اور ٹخنے زخمی ہو گئے مصلی نہایت پشیمان ہوا اور چلا گیا ؎

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد!
ساعدِ سیمینِ خود را رنجہ کرد

گوشوارے خیرات کر دیے :

ایامِ طفولیت ہی سے آپ میں سخاوت کا مادہ زیادہ تھا۔ بچپن میں والدین نے آپ کے دونوں کانوں میں غالباً حسبِ رواجِ مُلک دو سونے کے گوشوارے ڈال دیے تھے جب حضرت خواجہ صاحبؒ حضرت مفتی غلام محی الدین صاحب میانویؒ کے پاس بغرض درس پہنچے تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحب زادے اگر طلبِ علم کی تمنا ہے

تو یہ گوشوارے اپنے کانوں سے دور کر دو۔ آپ یہ سُن کر اپنے گھر آئے اور وہ دونوں گوشوارے فقیروں کو خیرات کر دیے۔ بعض لوگوں نے آپ کو منع بھی کیا لیکن آپ نے ایک نہ سُنی۔

زُہد و تقویٰ

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ

زہد و تقوٰے عین کارِ اولیا است
اولیا را زہد و تقوٰے ہم رواست

زہد اور تقویٰ کے لیے قرآن شریف میں سخت تاکید آئی ہے اور متقین کے بڑے بڑے مدارج دکھائے گئے ہیں۔ جب تک کسی مسلمان میں زہد و تقویٰ نہ ہو اس میں راستی اور اس کے نفس میں صداقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ زہد طاعتِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اور تقویٰ خوفِ الٰہی کا نام ہے۔ پس جن لوگوں میں زہد و تقویٰ ہو انہیں کامل الایمان سمجھنا چاہیے جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں انہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے لَا تَھِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ یعنی نہ تو تم کسی سے ڈرو اور نہ کسی بات کا فکر کرو کیوں کہ ہم نے تمہیں غلبہ و نصرت سے ہمکنار کر دیا ہے بشرطیکہ تم مسلمان یا مومن ہو، اس بے خوفی و بے فکری کے لیے ایمانداری یا مومن ہونے کی شرط لگا دی گئی ہے۔ یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اتقا یا تقویٰ ہی ایک رُکنِ ایمان ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ جو لوگ کامل الایمان ہونا چاہیں ان میں تقویٰ بھی ہو اور زہد بھی۔ چنانچہ جس قدر اولیاء اللہ اس وقت تک گذرے ہیں اُن سب

میں زہد و تقویٰ بدرجۂ اتم موجود تھا اور حضرت خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان صفات کے حامل تھے۔

آدابِ زُہد:

مولوی کرم الٰہی صاحب بروایت میاں عیدا ناقل ہیں کہ حضرت خواجہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ بیعت ہونے سے قبل بھی زہد و تقویٰ میں وسیع العمل تھے۔ آپ اکثر راتیں عبادت کرتے کرتے گذار دیتے تھے۔ ساری ساری رات جاگتے اور آپ کے وضو کے لیے دو گھڑے پانی کے ایک دُور کے کنوئیں سے لائے جاتے تھے۔ دوسرے لوگ مسجد کے پانی سے وضو کرتے تھے کیوں کہ مسجد کے قریب کنوئیں کا پانی کسی قدر آلائش والا تھا۔

تعلیمِ بیداری:

مولوی فقیر محمد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے بڑے صاحب زادے صاحب یعنی حضرت سید بدیع الزمان شاہ صاحب غفران مآب سے سنا ہے کہ دادی صاحبہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں ہر رات کو حضرت خواجہ صاحب کو عبادت کے لیے سونے نہ دیتی تھی اور اگر سو جاتے تھے تو فوراً جگا دیتی تھی معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب کی والدہ ماجدہ کو آپ کے رشد کا حال پہلے ہی سے معلوم ہو چکا تھا۔

نجس چیزوں سے پرہیز:

میاں نور محمد صاحب سے مولوی کرم الٰہی صاحب موصوف روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سفر سیال شریف میں حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے ساتھ تھا اور ایک شخص مسمی نور محمد سکنہ ساکن ہر نپور بھی حضرت خواجہ سیالوی سے بیعت کرنے کے لیے ہمارے ساتھ جا رہا تھا اس کے پاس سفر خرچ کے لیے آٹا بندھا ہوا تھا۔ جب ہمارا قافلہ چک رام داس

پر پہنچا تو وہاں اتفاقاً ایک کُتا آیا اور کپڑے میں مُنہ ڈال کر کچھ آٹا کھا گیا کچھ پھیلا گیا۔ اُس نے کسی کو یہ بات نہ بتائی اور صبح اُٹھ کر وہ شخص حضرت خواجہؒ سے کہنے لگا کہ آج تو ہمارے آٹے سے روٹیاں پکوائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تم آٹے کو محفوظ رکھو۔ خدا جانے واپسی میں تمہارا ہمارا ساتھ ہو یا نہ ہو تو تمہارے کام آئے گا مگر نور محمد کہنے لگا کہ حضرت میں تو بوجھ اُٹھاتے اُٹھاتے تھک گیا ہوں آپ اسے کام میں لے ہی آئیں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی اصل بات یہ ہے کہ ناپاک چیز سے ہمیں فطرۃً نفرت ہے۔ جب کوئی ایسی ناپاک چیز ہمارے حلق میں جاتی ہے تو ہمیں فوراً قے ہو جاتی ہے اور جب تک معدہ اسے خارج نہیں کر دیتا ہمیں چین نہیں پڑتا۔

نواڑ کی چارپائی:

صاحبِ موصوف بزبانی مولوی فقیر محمد صاحب راوی ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیعت ہونے سے قبل میں ایک رات کو نواڑ کی چارپائی پر سو رہا تھا کہ خواب میں حضرت میراں شاکر شاہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمایا کہ "اے فلاں فقیر کو نواڑ کی چارپائی پر سونا چاہیے" خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اسی روز سے نواڑ کی چارپائی پر سونا ترک کر دیا۔

بیعت سے پہلے حصولِ توجہ:

کچھ یہی نہیں کہ بیعت ہونے کے بعد آپ کا قلب انوارِ زُہد سے منوّر ہوا بلکہ میاں غلام حیدر صاحب سے روایت ہے کہ آپ بیعت ہونے سے قبل بھی میاں بختاور نامی ایک فقیرِ کامل سے جلال پور شریف میں توجہ لیا کرتے تھے۔

ازل ہی سے ولایت جن کی ہوتی ہے مقدر میں ‏ ‏ کیا کرتے ہیں وہ بچپن سے مشق اتقا گھر میں

ایک اور گواہی :

مولوی کرم الٰہی نے میاں غلام حیدر صاحب سے اور میاں غلام حیدر صاحب نے میاں محمد خلیل سکنہ چک مجاہد سے روایت کی ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ بیعت سے قبل پہاڑ کی اکثر غاروں میں راتوں کو تشریف لیجاتے اور وہاں ذکر و فکر مکاشفہ و مراقبہ میں مشغول رہ کر صبح کر دیتے تھے۔

عالمِ طفلی سے ان کو اتقا کا شوق تھا ۔۔۔ آنکھ تھی محوِ تجلّی دل سراپا ذوق تھا
سرو بھی صحنِ گلستاں میں تھا ظاہر مگر ۔۔۔ سب نے دیکھا ہے کہ قمری کے گلے میں طوق تھا

مکاشفات

اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَۃِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی

قوّتِ مکاشفہ اولیاء اللہ میں اکثر و بیشتر پائی جاتی ہے چوں کہ ان کے قلوب ریاضاتِ شاقہ اور عباداتِ مستمرہ نیز تزکیۂ نفس کی وجہ سے آئینہ دار صاف و شفاف ہو جاتے ہیں اس لیے نوادرات و واقعات کا عکس ان پر ہر وقت پڑتا رہتا ہے۔ ذرا گردن جھکائی اور دونوں جہاں کی سیر آئینۂ دل میں کر ڈالی۔ ذرا کسی بات پر غور کیا اور اس کے انجام سے واقف ہو گئے۔

آئینہ ہاتھ میں ہے سکندر لیے ہوئے
ہم اس سے کوئی چیز ہیں بہتر لیے ہوئے

انبیاء علیہم السلام کو جو باتیں بذریعہ وحی معلوم ہو جاتی تھیں۔ اولیاء اللہ کو وہی باتیں بذریعہ کشف ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وحی تقدیرِ الٰہی کا آئینہ ہوتی ہے اور کشف

"واردات وواقعات" کا ایک عکس متجلیٰ۔ یہ فرق نبی اور ولی کے امتیاز حقیقی پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ قوتِ کشف قریب قریب تمام خاصانِ خدا کو حاصل ہوتی ہے لیکن اس کا مؤثر ہونا صرف قوتِ قلب پر منحصر ہے۔ یعنی جتنی قوت دل میں زیادہ ہوگی اتنا ہی مکاشفہ صحیح اور زوردار ہوگا۔ اس اعتبار سے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے واقعاتِ زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کی قوتِ مکاشفہ نہایت تیز تھی، اور آپ ہونے والے واقعات پر بھی نہایت صحیح و وقیع حکم لگادیا کرتے تھے جو آخرکار درست ثابت ہوتا تھا۔

اپنے مریدوں کے حالات حاضرہ آپ بذریعہ مکاشفہ معلوم کرتے رہتے تھے اور علیٰ قدرِ مراتب انہیں مدد پہنچانے کی کوشش فرماتے تھے۔ ذیل کے چند واقعات آپ کی "قوتِ مکاشفہ" کا نمونۂ مختصر ہیں۔

پولٹیکل مکاشفہ:

۱۹۰۸ء[1] میں جبکہ بنگال اور پنجاب کا شیرازۂ سکون منتشر تھا، اور ہر طرف بلوے ہورہے تھے حضور قبلۂ عالم نے بہت افسوس کے ساتھ ان واقعات پر اظہار خیال فرمایا تھا اور مفسدین کے خلاف نتیجہ نکالا تھا حالاں کہ حضور کو اخبارات دیکھنے اور پڑھنے کی فرصت نہ ملتی تھی تاہم یہ کمالِ روشن خیالی تھا کہ قومی ضروریات اور ملکی واقعات پر جو رائے دی جاتی تھی وہی ہوکر رہتی تھی۔ چنانچہ مفسدین بنگال و پنجاب کا وہی حشر ہوا جو آپ نے بذریعہ کشف ظاہر فرمایا تھا۔

آپ نے بارہا ترکی، ایران، مصر، مراکو اور افغانستان وغیرہ کے متعلق اسلامی لیڈروں

---

[1] بروایت جناب مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی ڈنگوی ۱۲

کی طرح تذکرہ فرمایا چنانچہ جب گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے ایک زبردست سفارت امیر حبیب اللہ خاں صاحب کے پاس روانہ کی گئی۔ اس وقت یہ احساس عام تھا کہ اگر گورنمنٹ کے مطالبات منظور کر لیے گئے تو افغانستان کی آزادی کا خاتمہ ہو جائے گا اور نہ منظور ہوئے تو ایک جنگِ عظیم برپا ہو گی جب آپ سے اس کا ذکر آیا تو آپ کو بہت رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ افغانستان کی عزت کو بچائے۔ حاضرین نے اُسی وقت سمجھ لیا تھا کہ سفارت کامیاب نہ ہو گی چنانچہ ویسا ہی ہوا۔

بذریعہ کشف محجوب کر دیا:

وزیرزادہ جگت رام تحصیل دار بھمبر ایک دن حضور میں حاضر ہوئے اور اپنا مقصد دل میں پوشیدہ رکھ کر حضور کی ولایت کا امتحان کرنا چاہا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو حضور قبلہ عالم نے ارشاد فرمایا کسی شہر میں ایک فقیر گوشہ نشین رہتا تھا کسی ملازم شاہی نے بادشاہ سے شکایت کی کہ فلاں فقیر بڑا مغرور ہے۔ عالی جاہ کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ بادشاہ نے اس شکایت پر چنداں توجہ نہ فرمائی۔ کچھ روز بعد اتفاقاً بادشاہ بغرض شکار چلا اور اُسی فقیر کے مکان کے سامنے سے گذر ہوا تو اس ملازم شاہی نے (جس نے شکایت کی تھی اور جو اس وقت بھی ہمرکاب تھا) عرض کیا کہ جس فقیر کے غرور و خود پسندی کی نسبت میں نے التماس کیا تھا۔ یہ سامنے اسی کا مکان ہے۔ بادشاہ گھوڑے سے اترا اور فقیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فقیر نے ایک حاضرِ دربار درویش کو حکم دیا کہ قرینے کے ساتھ کچھ پھل پھول ایک ٹوکری میں چن کر بادشاہ کے واسطے لے آؤ۔ خادم نے تعمیلِ حکم کی۔ ٹوکری میں ایک سیب بھی تھا، بادشاہ نے دل میں خیال کیا کہ اگر فقیر کامل ہے تو مجھے یہ سیب عطا کرے گا۔ یہ خیال بادشاہ کے دل میں آیا ہی تھا کہ فقیر نے ٹوکری سے سیب اُٹھا لیا اور بادشاہ سے کہا کہ میں

ایک دن کسی شہر کو جا رہا تھا راستے میں لوگوں کا ہجوم دیکھا معلوم ہوا کہ ایک گدھے کا تماشا ہو رہا ہے۔ تماشہ یہ تھا کہ گدھے کی آنکھیں بند کر کے ایک روپیہ مجمع عام میں پھینک دیتے تھے اور گدھا سونگھتا سونگھتا جہاں روپیہ پڑا ہوتا وہیں پہنچ جاتا تھا۔ تو اے بادشاہ جس کام میں تو نے میرا امتحان لیا وہ کام تو ایک گدھا بھی کر سکتا ہے۔"

حضور یہ ارشاد فرما کر وزیر جگت رام کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ اشارہ کو سمجھ کر اس قدر محجوب ہوئے کہ دل ہی دل میں اپنے قصور کا اعتراف کیا، درخواست عرض کی، اور حصول دعا کے بعد نظر نیچی کیے رخصت ہو گئے۔

ان سے حالِ دل چھپا کر کیا پشیمانی ہوئی:

ایک[1] دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سید محمد مظفر علی شاہ صاحب مرحوم نے حسب الطلب جناب صاحبزادہ حضرت محمود تونسوی ایک بہت تیز و تند سگِ تازی کہیں سے منگوایا جب اس کی خبر حضرت قبلۂ عالم کو ہوئی تو آپ نے اسے طلب کیا، دیکھا، خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کو دودھ اور چوری کھلائیں اور نہایت حفاظت کے ساتھ تونسہ شریف بھجوا دیں۔ حضرت صاحبزادہ محمد قائم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت زندہ تھے آپ نے مجھ سے اور پیرزادہ امیر بخش ملتانی سے فرمایا کہ آج مطلع ابر آلود ہے، دھوپ بھی نہیں ہے ایک جال اور سرک لے کر شکار کو چلو اور کتے کو بھی ساتھ لے لو مگر دیکھو حضور کو اس کا حال معلوم نہ ہو۔

چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا، صاحبزادے صاحب کے بنگلے میں قفل لگا کر ایک ایک کر کے نکل گئے، جنگل میں پہنچے تو ایک خرگوش ملا۔ کتا فوراً اس کے پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ پہاڑ

---

[1] بروایت مولوی سید حبیب شاہ صاحب واعظ حنفی چشتی تلہ گنگوی ۱۲

قریب تھا، خرگوش دو چھلانگیں مار کر کہیں دامنِ کوہ میں غائب ہو گیا۔ خیر جال لگایا تو کوئی بٹیر بھی نہ پھنسا۔ آخر قریباً ۴ بجے واپس ہوئے۔ صاحب زادہ مرحوم نے مجھے چابی دے کر حکم دیا کہ تم جا کر دروازہ کھولو اور اندر بیٹھو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔ میں حسب الحکم بنگلہ پر پہنچا، دیکھا کہ حضور قبلۂ عالم قدس سرہ العزیز صحن میں آہستہ آہستہ ٹہل رہے ہیں۔ میں نے چپکے چپکے دروازہ کھولا اور خود باہر ایک پیل پائے کی آڑ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا اتنے ہی میں حضور سامنے آ گئے اور ایک متبسم لہجے میں دریافت کرنے لگے "کیا خرگوش بھاگ گیا؟"

یہ پوچھ کر بغیر انتظار جواب آپ مسکراتے ہوئے واپس تشریف لے گئے مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد صاحبزادے صاحب بھی تشریف لائے، اور دریافت فرمانے لگے کہ ہمارے شکار کو جانے کا حال قبلۂ عالم کو معلوم تو نہیں ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میری زبان سے تو کوئی بات اس واقعہ کے متعلق نکلی نہیں لیکن حضور خود ہی تشریف لائے اور مجھے پوچھتے تھے "کہ کیا خرگوش بھاگ گیا؟" پھر سب کو ایک خندۂ مجرمانہ نے خوب پشیمان کیا اور بات رفت گذشت ہوئی۔

دولت خانی غرور کا مکاشفہ:

دولت خاں درویش نے (جسے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو وضو کرانے کی سعادت نصیب تھی)، پنڈی بہاؤالدین میں ایک مجلس کے سامنے بیان کیا کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا پیر رات جاگنا ہمیشہ معمول تھا، اُٹھ کر حضور نماز تہجد ادا فرماتے اور پھر وظائف پڑھ کر مراقبے میں بیٹھ جاتے۔ ایک رات حسب دستور حضور جاگے اور نیاز مند نے وضو کرا دیا۔ خدا جانے حضور علیہ الرحمۃ کو کیا خیال گذرا، میرا نام لے کر فرمانے لگے،

"دولت خان فروتنی بارگاہِ الٰہی میں بہت مقبول ہے، اور غرور انسان کی جڑ کو اکھاڑ دیتا ہے جو کچھ ملتا ہے فروتنی سے ملتا ہے۔ حضور اسی طرح بار بار فرماتے اور اپنے وسیع محل میں ٹہلتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا ؎

بہائے خویش میدانم بہ نیمے جو نمی ارزد
اگر مولیٰ کرم سازد بہایم بے بہا باشد

پھر حضور علیہ الرحمۃ نے مجھے بلایا اور اس شعر کا مطلب سمجھایا کہ انسان کو اپنی ہستی پر نظر رکھنی چاہیے اور اپنی اصلیت کو نہ بھولنا چاہیے تاکہ خدا کی حقیقت اُسے معلوم ہو۔ میں ہاتھ باندھے سر جھکائے اور نیچی نگاہیں کیے کھڑا ہوا تھا۔ حضور ٹہلتے جاتے تھے اور مکرر سہ کرر یہی شعر پڑھتے جاتے تھے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ دولت خاں اللہ تعالیٰ کا فضل ہر حال میں شامل ہوتا ہے ورنہ عبادتیں کیا کر سکتی ہیں۔ اور یہ شعر کئی بار پڑھا ؎

عبادت کے بھروسے پر عبث ہے عمر کا کھونا
بجز فضلِ خُدا ممکن نہیں ہے اولیاء ہونا

میں حیران تھا کہ آج کیوں اس قدر مجھ پر نظرِ توجہ ہے۔ دل میں سوچا تو یاد آگیا کہ واقعی ایک شخص سے میں نے بڑے غرور اور تکبّر کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔ غریب نواز علیہ الرحمۃ کو بذریعہ کشف معلوم ہوگیا ہے اور حضور از راہِ ہمدردی مجھے اپنا درویش وضو کرانے والا سمجھ کر تلقین فروتنی فرمارہے ہیں۔

دولت خاں نے بیان کیا کہ اس دن سے عجب و غرور میرے دماغ سے بالکل نکل گئے۔ حضور کے لنگر کی خدمت پر اپنی تمام عمر کو وقف کر دیا اور حضور کے دربار کے کفش برداروں میں داخل ہوں۔

امانت کے روپیہ واپس:

جناب حکیم نبی بخش صاحب مرحوم واعظ رسول نگری روایت کرتے ہیں کہ میں ۱۸۹۲ء میں گوجرانوالہ ملازم تھا۔ میکی پریس گوجرانوالہ اور گلدستہ تہذیب کی طباعت واشاعت نے مجھے آسودہ حال بنا رکھا تھا۔ اس پریس میں ہم پانچ حصہ دار تھے مگر جب آمدنی خاطر خواہ ہوئی تو دل میں ایک قسم کا لالچ پیدا ہوا اور اپنے ساتھ ایک شخص کو ملا کر پریس خرید لیا سوچا یہ تھا کہ بیرونجات سے کام منگوائیں گے اور مقامی کام بھی انجام پذیر ہوتے رہیں گے پھر آمدنی جو کچھ ہوگی وہ بجائے پانچ کے صرف ۲ پر تقسیم ہوا کرے گی مگر بدنیتی اور لالچ کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ اتفاقاً کتاب گلدستۂ تہذیب نصاب سرکاری سے نکال دی گئی اور اس کی اشاعت بند ہو گئی۔ باہر سے بھی کچھ کام نہ آیا۔ ملازمین پریس نے بموجب قواعد پریس ہم سے مفت تنخواہیں حاصل کیں اور ہمیں دینی پڑیں۔ میں وہاں سے اپنے وطن مالوف چلا آیا اور میرے دوسرے رفیق نے کسی پل کا ٹھیکہ لے لیا۔ عرصۂ دو سال میں چھ سو روپیہ کا نقصان ہوا جس میں سے نصف مجھے دینا پڑا۔ تنخواہ اتنی زیادہ نہ تھی کہ عیالداری اور قرض دونوں کو کفایت کرتی۔ دوست احباب سے التماس اعانت کی تو سوکھا جواب مل گیا۔ ایسی حالت میں جب دنیادار گھبرا جاتے ہیں تو عموماً ان کی توجہ اہل اللہ کی طرف مبذول ہو جاتی ہے ؎

بھولنے والوں کے صدقے میں خدا یاد آیا

چنانچہ میں بھی فقراء اور علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا۔ دعائیں سب نے دیں لیکن افسوس کہ میں بدستور پریشان روزگار اور پراگندہ دل رہا۔

آخر ایک روز رات کے وقت جبکہ میں تکانِ مصیبت اور بارِ غم سے تھک کر چُور چُور پڑا ہوا تھا، طالع خفتہ بیدار ہوا اور کسی نے خواب میں مجھے بشارت دی کہ حضرت سید حیدر شاہ صاحب

جلال پوری (رحمۃ اللہ علیہ و قدس سرہ العزیز) کی خدمت میں جاؤ اور ان سے استمداد چاہو اس کے چند روز بعد چودھری سکندر خاں صاحب ذیلدار جوکالیاں نے بھی یہی مشورہ دیا۔ آخر میں بھی آمادہ ہو گیا۔ صندوقچہ کھولا تو صرف پانچ روپیہ تھے وہی جیب میں ڈال لیے اور دل میں سوچا کہ تین روپیہ سفرِ خرچ میں کام آئیں گے اور دو روپیہ حضور کی نذر کر دوں گا۔ اسٹیشن پر پہنچا تو خیال پیدا ہوا کہ نذر پانچ روپیہ سے کم کیا ہونی چاہیے۔ مولوی فتح الدین صاحب وہاں اسٹیشن ماسٹر تھے۔ آخر رہا گیا تو ان سے تین روپیہ مانگے۔ انھوں نے کاغذ میں لپٹے ہوئے تین روپے دے کر مجھ سے کہا کہ "یہ کسی کے مشکوک سی امانت ہے" میں نے روپے منہ کر لیے اور جیب میں ڈال کر حضور میں حاضر ہوا۔

رات کو دیوان خانے میں مقیم رہا۔ آستانِ عالی کے خادموں کی وردخوانی اور کلمۂ طیبہ کا ذکر بالجہر میرے لیے تو کچھ ایسا اثر آفریں ہوا کہ مجھے تمام عمر کے لیے اسی آستانہ شریف کا حلقہ بگوش بنا دیا۔ دل کو مخاطب کر کے میں نے ڈانٹا یا خدا جانے دل نے مجھے للکارا کہ نادان! تکالیفِ دنیوی کے لیے در در مارا مارا پھرتا ہے۔ کسی سے دُعا کا طالب ہے کسی سے دوا کا۔ عقبیٰ کا بھی کچھ خیال ہے یا نہیں؟

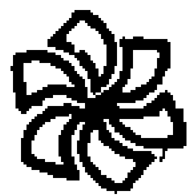
یہ خیال جو داستانِ عالی کا مقدس اور دل فریب سماں دیکھ کر اور آثارِ فقر سے متاثر ہو کر میرے دل میں پیدا ہوا تھا، میرا رہنما بن گیا۔ طبیعت کا رنگ بدلتا ہوا معلوم ہوا۔ ایک عجیب انقلاب سا نظر آنے لگا۔ سوچا کہ او بدبخت جب ایسے مقدس اور مطہر دربار میں آیا ہے تو دنیا کیا مانگتا ہے۔ دین مانگ تاکہ عقبیٰ کے لیے بھی کچھ بہتری ہو خیر خادمانِ آستانِ عالی سے دریافت کیا کہ جس پیر نے تمہارے دلوں میں شوقِ الٰہی کی یہ آگ لگا رکھی ہے کہ تم ساری رات پروانوں کی طرح ایک شمعِ محبت پر نثار ہو رہے ہو اس کا

جمال جہاں آرا کس وقت نظر افروز ہوگا۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ حضور کا دربارِ عام ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ ع

یہاں لَنۡ تَرَانِیۡ کا جھگڑا نہیں ہے

غرض کہ میں ایک درویش صفا کیش کے ساتھ حاضرِ حضور ہوا۔ حضور شمالی محل میں رو بقبلہ بیٹھے ہوئے مصروفِ اوراد و وظائف تھے اس لیے کچھ دیر باہر بیٹھنا پڑا۔ قریباً ۹ بجے حضور فارغ ہوئے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضورِ انور نے مختلف حالات دریافت فرمائے اور فرمایا کہ ہم تمہیں شام کو بیعت کریں گے۔

شام کو لنگر خانے سے کھانا پہنچ گیا۔ دیوان خانے کی مسجد میں حضور کے ساتھ میں نے بھی نماز ادا کی اور ساتھ ہی محلات تک چلا گیا۔ حضور نے مجھے بیعت کیا اور وظائف تلقین فرمائے۔ میں نے پانچ روپیہ نذر کیے تو فرمایا کہ لے جاؤ یہاں ضرورت نہیں ہے میں بہت شکستہ دل ہوا اور نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کرنے لگا کہ حضور یہ نذر قبول فرما کر لنگر میں دے دیں تو بڑی نوازش ہو۔ روپیہ حضور کے سامنے دری پر پڑے ہوئے تھے آپ نے مبلغ دو روپیہ انگشت مبارک سے اپنی طرف کر لیے اور فرمایا یہ تین روپے جہاں سے لیے ہیں وہیں دے دینا۔ میں یہ سُن کر حیران رہ گیا۔ روپے اُٹھا لیے۔ دوسرے دن رخصت لے کر گوجرانوالہ پہنچا تین روپیہ بابو صاحب کو واپس کیے اور تمام حال سنایا۔



استقامت

اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ

اگر استقامت کوئی ضروری چیز نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے پانچ وقت کی نمازوں، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دُعا نہ منگواتا کہ "اے اللہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت دے"۔ استقامت صراطِ مستقیم پر چلنے ہی سے حاصل ہوتی ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ جن لوگوں میں جوہرِ استقامت موجود ہے وہی صراطِ مستقیم کے سالک ہیں۔ استقامت کا درجہ کرامت سے بھی زیادہ ہے اور جب کرامت سے اُس کا مرتبہ زیادہ ہے تو استقامت کی جس قدر توصیف کی جائے کم ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ میں قوتِ استقامت بھی بدرجہ اتم موجود تھی آپ نے مسندِ خلافت پر اس شانِ بزرگانہ اور استقلالِ عارفانہ سے نشست فرمائی کہ آپ سال بھر میں ایک بار حویلی سے نکلتے اور وہ بھی اپنے مرحوم والدین کے مقابر پر فاتحہ خوانی کے لیے جب آپ سیال شریف تشریف لے جاتے تو ہمیشہ انہیں مقامات پر ٹھیرا کرتے تھے، ہر چند لوگ اپنے اپنے مکانوں پر اتارنے کی کوشش کرتے مگر آپ کا اعلیٰ استقلال اور قابلِ داد استغنا کبھی کسی دنیادار کے مکان پر جانا اور ثباتِ درویشی کو بٹہ لگانا پسند نہ کرتا۔

مہدی خاں مرحوم نے جو خواجہؒ تونسوی علیہ الرحمۃ کے مشہور راسخ الاعتقاد مریدوں میں سے تھے۔ بزمانہ تحصیلداری پنڈدادن خاں ہر چند خواجہ غریب نواز کو پنڈدادنخاں

ؔ بروایت جناب مولانا مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی چشتی حیدری سکنہ ڈنگہ ۱۲

لے جانے کی کوشش کی مگر جب تک کہ حضرت خواجہ صاحب تونسوی اور حضرت خواجہ صاحب سیالوی رحمہا اللہ تعالیٰ کی سفارش صادر نہ ہوئی آپ کی استقامت پسند اور قناعت دوست فطرتِ لطیف نے اہلِ دول کے پاس جانے اور نذریں وصول کرنے کی روش کو گوارا نہ کیا ؎

طمع در گدا مردِ معنی نہ بست　　نشاید گرفتن در افتادہ دست
قناعت توانگر کند مرد را　　خبر دہ حریصِ جہاں گرد را
سکونے بدست آور اے بے ثبات　　کہ بر سنگِ گرداں نہ روید نبات
خنک نیک بختے کہ در گوشۂ　　بدست آرد از معرفت توشۂ
بر آنکس کہ شد سرِّ حق آشکار
نگرو ند باطل بر و اختیار

اسی طرح جناب مولوی محمد عبد الرحیم صاحب (جنہیں دربار غریب نوازؒ میں تخمیناً آٹھ سال تک سعادتِ اقامت نصیب رہی) سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ استقامت میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ آپ اکثر فرماتے رہتے تھے کہ نعم الامیر علیٰ باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الامیر یعنی اگر امیر فقیر کے دروازے پر جائے تو بہت اچھی بات ہے اور اگر فقیر امیر کے دروازہ پر جائے تو بہت بُری بات ہے۔

اپنی زندگی میں بجز سیال شریف حضور کہیں اور تشریف نہیں لے گئے اس واقعہ کو کسی نے یوں نظم کیا ؎

در ہمہ عمر خود نہاد او کم　　جُز بسوئے سیال پاک قدم

ہاں صرف ایک مرتبہ ۱۳۰۸ھ میں جس وقت خواجہ الٰہ بخش صاحب سجادہ نشین خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ رونق بخش سجادۂ جدِ امجد تھے۔ تونسہ شریف تشریف لے گئے تھے گو اس سفر کی وجہ بھی خاص تھی اور یہ سفر بھی سجادہ نشین صاحب سیالوی کے حکم سے تھا۔ جس میں یہ راز مضمر تھا کہ جو حصہ حضور کا حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ یعنی دادا پیر کے پاس ودیعت تھا وہ بھی لے آئیں ؎

آں طفل راکش خضر ببرید حلق
سِرّ آں را درنیابد عام خلق

حضرت سجادہ نشین صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو باصرار بار بار یاد فرمایا تھا جب ملاقات ہوئی تو نہایت خوش ہو کر فرمایا۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

جب حضور غریب نواز علیہ الرحمۃ حسب معمول بروز جمعہ یا شب برات اپنے والدین شریفین کی خانقاہ شریف کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو راستے میں کسی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھتے۔ گو ہزاروں مرد و عورت ہندو اور مسلمان راستے میں سلام کے لیے صف بستہ کھڑے ہو جاتے لیکن حضور کی نظر حقیقت اثر اپنے قدموں پر پڑتی حضرت امیر خسرو رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

شیر سر افگندہ خرامد براہ
رسم سگان است بہر سو نگاہ

استقامت کے متعلق ارشاد :

آپ کے ایک خلیفہ مجاز سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ غریب نواز

رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں استقامت کا ذکر ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ یعنی استقامت کرامت سے بدرجہا بہتر ہے لیکن فی زمانہ استقامت کا صرف نام ہی رہ گیا ہے، فرمایا نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ وَبِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ ؎

ہیچ میدانی کہ سگ را چیست شوے با گدا
منع می سازد کہ جز حق بر درِ دیگر میا

فرمایا حدیث شریف میں ہے "مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" یعنی جو آدمی خدا کا ہو جاتا ہے (اور خدا کو رازقِ مطلق سمجھ کر دوسرے بنی نوعِ انسان سے طلبِ رزق نہیں کرتا) تو خدا اس کا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو کسی کی پروا نہیں رہتی۔

پھر فرمایا کہ ایک فقیر کسی جنگل میں رہتا تھا اور ہر وقت اس کی یاد میں مشغول اور بجا آوریٔ احکام میں سرگرم و مصروف تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو غیب سے رزق پہنچاتا تھا ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آزمائش کی اور اُس کا رزقِ غیبی بند کر دیا۔ اُس نے دو تین روز تک انتظار کیا لیکن جب کوئی صورت رزق یابی کی نہ دیکھی اور بھوک نے اس پر زیادہ غلبہ کیا تو شہر کی طرف رُخ کیا۔ راستے میں کسی یہودی کا مکان تھا اس کے دروازہ پر جا کر سوال کیا۔ مالک مکان نے تین روٹیاں اُسے لا کر دے دیں۔ وہ لے کر چل دیا۔ اس گھر کا ایک کُتا بھی اس کے ساتھ ہولیا جب وہ دور تک چلا گیا اور کُتے نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا تو فقیر نے ایک روٹی کُتے کے آگے پھینک دی۔ آگے چل کر پھر دیکھا تو کُتا بدستور چلا آرہا تھا اس نے یہ خیال کر کے کہ آج تو ایک ہی روٹی کافی ہے۔ دوسری روٹی بھی کتے کو ڈال دی کُتے نے وہ روٹی بھی کھا لی اور پھر فقیر کے پیچھے ہولیا۔ جب فقیر اپنی جائے اقامت کے

قریب پہنچا اور مڑ کر دیکھا تو کتا پھر موجود تھا۔ دل میں طیش کھا کر وہ تیسری روٹی بھی کُتّے کے آگے ڈال دی اور کہنے لگا اے بے حیا کُتّے! تجھے شرم نہیں آتی کہ اپنے مالک کے دروازہ سے چل کر مجھ سے تینوں روٹیاں لے لیں۔ اللہ تعالیٰ نے (جو ہر چیز پر قادر ہے) اس کُتّے کو زبانِ گویائی عطا فرمائی اور کتا اس عابد سے کہنے لگا کہ میں بے حیا نہیں ہوں بلکہ تو بے حیا ہے جس نے اپنے معبود کے امتحان سے جو دونوں جہانوں کا رازق اور خالق ہے گھبرا کر، تنگ آکر، اور اُکتا کر ایک یہودی کے دروازے پر دستِ سوال دراز کیا۔ جو تیرا ہم مذہب بھی نہیں ہے مجھے دیکھ کہ میں کمترین مخلوقاتِ عالم ہوں۔ مدت سے اس یہودی کے دروازے پر پڑا ہوا ہوں۔ جب اس کی مرضی ہوتی ہے یہ مجھے کچھ دیتا ہے ورنہ کئی کئی دن کا فاقہ بھی ہو جاتا ہے لیکن میں نے کبھی اپنے مالک کے گھر سے قدم باہر نہیں نکالا خواہ اس نے مجھے کیسی ہی اذیتیں پہنچائیں لیکن میں وفاداری کے راستے سے نہ ہٹا ہے۔ حیف ہے تجھ پر کہ تو اشرف المخلوقات ہو کر اپنے ایسے معبودِ مطلق کے در سے جو اتنی مدت تک تجھے بلا تکلف و تکلیفِ سوال غیب سے رزق پہنچاتا رہا ہے۔ دوسرے در پر جائے۔ عابد پر یہ نصیحت کارگر ہوئی اور پھر اُس کے دل میں دریوزہ گری کا خیال نہ آیا ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

تسلیم ورضا

اِنْ لَمْ تَرْضَ عَلٰی قَضَائِیْ وَلَمْ تَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ وَلَمْ تَشْکُرْ عَلٰی نَعْمَائِیْ۔ فَلْتَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِیْ وَالْتَطْلُبْ

بابِ سوائے

جادۂ فقر ہے تسلیم و رضا کی منزل
قدم اُس راہ میں مردانِ خدا دیتے ہیں

قضائے الٰہی اور رضائے معبود پر راضی ہونے کا نام "رضا" ہے اور اس کی مرضی کے آگے سر جُھکا دینے کا نام "تسلیم" ہے۔ راضی برضا رہنے کی سخت تاکید ہے چنانچہ مندرجہ بالا عبارت جو ایک حدیثِ قدسی کا آخری جزو ہے صاف بتا رہی ہے کہ قضائے الٰہی پر راضی نہ ہونا، اس کی بلاؤں پر صبر نہ کرنا اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا اس کا مقتضی ہے کہ ایسا نہ کرنے والا خدا کے آسمانوں کے نیچے سے نکل جائے اور اپنا خدا کوئی اور ڈھونڈ لے۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

سید السادات امام الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے تسلیم و رضا کی منازل دشوار جس ہمت، صبر اور استقلال کے ساتھ طے کیں۔ اس کا حال سب کو معلوم ہے اور مردانِ خدا اب تک اُن کی تقلید اور احکامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل کرتے چلے آ رہے ہیں۔

چنانچہ قبلۂ عالم حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ بھی تسلیم و رضا کی ایک زندہ تصویر تھے۔ آپ ہمیشہ خدا پر شاکر رہے۔ آپ کے افعال، حرکات و سکنات اور معمولات سے کبھی بے صبری اور بے ہمتی صادر و ظاہر نہ ہوئی۔ خواہ کیسی ہی مصیبت دامنگیر حال ہوئی مگر آپ نے صبر و شکر کے ساتھ اُسے کاٹ دیا۔

صاحب[1] زادہ سید قائم الدین شاہ صاحب مرحوم و مغفور سے آپ کو بے حد محبت تھی جب وہ بیمار ہوئے تو آپ کو سخت تشویش لاحق ہوئی۔ قریب وفات آپ کہیں نزدیک

[1] بروایت عالی جناب حضرت ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحب ۱۲

بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ جب ان کی وفات کی خبر کانوں میں پہنچی تو غیر ارادی طور پر شدتِ غم سے تسبیح ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" پڑھ کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور محل شریف میں تشریف لے گئے۔ وہاں سر بسجدہ ہو کر فرمایا "الٰہی تیرا بڑا شکر ہے، بڑا احسان ہے، میں تیری رضا پر راضی ہوں"۔ اس خیال سے کہ رضائے الٰہی میں فرق نہ آئے۔ آپنے ایک آنسو بھی آنکھ سے نہ گرایا۔ گو آپ کی آنکھیں شدتِ الم سے سرخ ہو رہی تھیں لیکن صبر و ضبط سے کام لے کر اور "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" پر نظر رکھ کر دامنِ صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ؎

آنکھ لبریز رہی اور کوئی آنسو نہ گرا — درد والے اسے تسلیم و رضا کہتے ہیں
دل میں سو درد رہیں لب پہ رہیں شکر ہزار — ہے یہی شانِ وفا، اہلِ وفا کہتے ہیں

اخلاق

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

یہ فرمانِ باری تعالیٰ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختص تھا جس کی تفسیر و تفصیل میں خود جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ارشاد فرمایا کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ یعنی فی الحقیقت میں تکمیلِ اخلاق کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ غایت تخلیق کچھ ہو لیکن جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس طرح ارشاد فرمایا ہے تو "اخلاق کی بزرگی و اہمیت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا"۔

حضرت قبلۂ عالم خواجہ غریب نواز جلال پوری نور اللہ مرقدہٗ و قدس سرہٗ کی زندگی بھی

سراپا اخلاق گذری ہے۔ آپ کے خلق سے ہندو اور مسلمان، مرید اور غیر مرید، بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں سبھی متأثر رہتے تھے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ حضور کبھی کسی پر ناراض نہیں ہوئے نہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی اگر آپ کسی سے بہت زیادہ ناراض ہو جاتے تو صرف اس قدر فرماتے کہ "نیک بخت تم نے یہ کیا کیا۔" یہ کہنے کے بعد بھی اسے آزردہ نہ ہونے دیتے اور جس طرح ہو سکتا خوش کر دیتے۔ حضورِ انور ہمیشہ خندہ پیشانی رکھتے تھے۔ کسی نے آپ کو کبھی چین بجبیں نہ دیکھا۔

چور کے ساتھ حضور کا برتاؤ:

میاں حسن محمد امام مسجد گڑھی گوہر خاں نے بمقام کوٹ نواں ضلع گجرات بیان کیا کہ ایک درویش مسمّی بگھا خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے لنگر کے دانے پسوایا کرتا تھا آدمی کچھ طمّاع تھا۔ جب غلّہ لے کر خراس پر جاتا تو راستے میں ایک ہندو دکاندار کو سیر دو سیر غلّہ روز دے جاتا۔ جاتے وقت موقع نہ ملتا تو خراس سے غلّہ چرا کر لے آتا اور اس کی دُکان پر جمع کر دیتا۔

بعد چندے بگھا کی یہ کارروائی لنگر شریف کے چند درویشوں کو معلوم ہو گئی۔ اتفاقاً ایک درویش نے اسے موقعہ پر پکڑ لیا اور کشاں کشاں حضور کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا اور جو واقعہ گذرا تھا بیان کیا۔ قبلۂ عالم نے سارا ماجرا سُن کر پوچھا کہ میاں بگھا تم نے اس طرح کس قدر رقم جمع کی۔ بگھا کے ہوش کہاں جو جواب دے۔ آپ نے اُسے محبت اور رحم کے

---

[1] بروایت عالیجناب ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب ۱۲

[2] بروایت حکیم مولوی نبی بخش صاحب رسول نگری ۱۲

ساتھ اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ میاں بگھا سچ سچ بتاؤ۔ جھوٹ بول کر دوسرا گناہ نہ کرنا بگھا نے عرض کیا کہ قبلۂ عالم ابھی تو صرف سات روپیہ ہی بنے ہیں۔ پوچھا کہاں ہیں؟ بولا کچھ تو میرے پاس ہیں اور کچھ بنیے کے پاس ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ سب اکٹھے کر کے لے آؤ۔

بگھا بھاگا بھاگا گیا اور سات روپیہ جمع کر کے پھر حضور میں حاضر ہوا تو آپ نے روپیہ گن کر دریافت کیا کہ میاں بگھا کیا واقعی اتنی ہی رقم جمع کی ہے یا کچھ اور بھی ہے۔ اس نے نہایت شرمندگی کے ساتھ عرض کیا کہ قبلۂ عالم صرف یہی۔ حضور اقدس نے لنگر والے کو حکم دیا کہ سات روپیہ اور لے آؤ۔ وہ گیا اور فوراً لے آیا۔ حضور نے سب روپیہ ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ "لو میاں بگھا اب تمہارے پاس چودہ ہو گئے۔ انہیں لے جاؤ اور چلے جاؤ" اس نے ہر چند لینے سے انکار کیا لیکن حضور نے باصرار فرمایا کہ لے جاؤ کسی کام آجائیں گے

پھر ایک درویش کو بلا کر حکم دیا کہ اسے تین چار کوس تک پہنچا آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اس کا تعاقب کر کے اسے اذیت پہنچائے۔ چنانچہ درویش ساتھ گیا اور اسے چک جانی تک پہنچا آیا۔ میاں بگھا ایسے گئے کہ پھر آج تک ان کی رسید بھی نہ ملی۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا　　دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسّر شود ایں مقام　　کہ بادوستانت خلاف است و جنگ

تحمل:

سید حسین شاہ صاحب ساکن کھنارہ ریاست جموں جو ایک بزرگ خدا رسیدہ ہیں راوی ہیں کہ میں نے اپنے لڑکے کی تعلیم کے لیے ایک مولوی صاحب کو ملازم رکھا۔ ان

ســلـہ زبانی مولوی فتح محمد صاحب جلالپوری و مولوی محمد بخش صاحب جلالپوری اپیل نویس راولپنڈی ۱۲

مولوی صاحب کی علمی استعداد معمولی تھی اس لیے ان کو علیحدہ کر دیا اور ان کی جگہ ایک دوسرے عالم کو جو حضرت صاحب جلال پوری کے مرید تھے مقرر کیا پہلے مولوی صاحب اپنے گھر ضلع جہلم میں چلے گئے اور انہوں نے وہاں سے ایک جعلی خط نئے مولوی صاحب کے نام حضرت صاحب جلال پوری کی طرف سے لکھ کر بھیج دیا کہ سید حسین شاہ کے لڑکے کو نہ پڑھائیں جب یہ خط نئے مولوی صاحب کو ملا تو انہوں نے کتاب بند کر دی اور میرے لڑکے کو کہہ دیا کہ میں پڑھانے سے مجبور ہوں۔ لڑکے نے میرے پاس آکر حقیقتِ حال بیان کی میں نے جا کر خط دیکھا اور کہا مولوی صاحب یہ خط جعلی معلوم ہوتا ہے۔ اگر اصلی ہے تو آپ کے پیر فقیر نہیں۔ آپ صبر کریں میں خود اس واقعہ کی تفتیش کرنے جاتا ہوں۔ غرض دوسرے روز قبل از طلوعِ آفتاب میں گھر سے روانہ ہوا اور تیسرے دن جلال پور شریف پہنچا میرے ایک رفیقِ راہ سے آپ نے خیر وعافیت پوچھی اور میری نسبت بھی دریافت حال فرمایا میں نے نہایت سختی اور درشت روئی سے کہا۔ اُن سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کیا آپ کو الہام نہیں ہوتا۔ آپ نے بڑے انکسار سے متبسم ہو کر فرمایا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں۔ میں الہام کو کیا جانوں۔ میں نے وہ خط حضرت کے سامنے پھینک دیا اور کہا کہ اگر آپ کو الہام نہیں ہوتا تو یہ خط کس نے لکھا ہے۔ آپ نے فرمایا شاہ جی میں چلنے پھرنے سے منع کیا گیا ہوں۔ خدا نے آپ کی زیارت کرانی تھی یہ سبیل پیدا کر دی آپ اس کے کاتب کے لیے دعائے خیر فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا قصور معاف کرے اور اس کا ایمان سلامت رکھے۔ ان کلمات نے میرے آتش غضب کو ٹھنڈا کر دیا۔ میں نے آپ جیسا متحمل اور بردبار اپنی عمر میں نہیں دیکھا۔

شاہ حیدرؒ کی عجب شان نرالی دیکھی　　برق ایمن کی طرح شکل جلالی دیکھی

مہر و الفت کے زمانے سے طریقے برتے — غصہ چہرے پہ نہ لب پہ کبھی گالی دیکھی
نور چہرے پہ برستا رہا اللہ اللہ — مشعلِ حق کی طرح آنکھ میں لالی دیکھی
سحر آنکھوں میں تو اعجازِ مسیحا لب میں — ہر ادا آپ کی دل چھیننے والی دیکھی
عمر بھر بادۂ عرفاں کے پیے خم کے خم — جامِ جم ہاتھ میں دیکھا نہ پیالی دیکھی
پیش حورانِ جہاں کرتی ہیں اپنے تحفے — آپ نے گلشنِ فردوس کی ڈالی دیکھی
کال کا اس کو نہ کھٹکا رہا جس نے آ کر — زلف شانوں پہ لٹکتی ہوئی کالی دیکھی
آپ کے سامنے دنیا کی حقیقت یہ تھی — جس طرح سے کوئی تصویرِ خیالی دیکھی
اب نہ کرنا کبھی تعریفِ جمالِ یوسفؑ — شکل اے دیدۂ یعقوبؑ جمالی دیکھی
آرزو ابروئے خم دار نے کر دی پوری — عید کے چاند کی مانند ہلالی دیکھی

حق کے بندوں کو فقیری میں امیری ہے خلیق
شان کچھ آپ کے دربار کی عالی دیکھی

عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی

آپ نے کبھی کسی کے لیے بد دعا نہ فرمائی:

قبلۂ عالم حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر میں کبھی کسی کے لیے بد دعا نہ فرمائی۔ مرزا خان کی مخالفت جب حد سے بڑھ گئی اور اس کے فتنہ و فساد کی انتہا نہ رہی تو بعض خدامِ درگاہ حاضر ہو کر شاکی ہوئے کہ حضور اب تو اس کی عداوت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ اس کا کچھ بندوبست ہونا چاہیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا دعا کرو کہ خداوند کریم اس پر رحم کرے اور اسے کسی اور اچھے شغل میں لگا دے تاکہ اسے ہماری مخالفت کرنے کیلیے

ؔ بروایت منشی نعمت خاں صاحب انسپکٹر پولیس پنجاب ۱۲

فرصت ہی نہ ملے۔

چنانچہ کچھ دن بعد مرزا خان کو نہر پر مربع مل گئے جن کی آبادی میں وہ ایسا مصروف ہوا کہ اسے کسی قسم کی شرارت کا پھر کبھی خیال ہی نہ آیا۔

بُرا نہ مانا:

مرزا قادیانی کے بارے میں کسی نے ایک روز حضور قبلۂ عالم کی خدمت میں عرض کیا کہ غریب نواز مرزا کہتا ہے جس قدر مشائخ اس زمانے میں ہیں سب دکاندار ہیں آپ نے بکشادہ پیشانی سُنا اور بہ انداز تبسم جواب دیا کہ مرزا صاحب سچ کہتے ہیں حقیقت میں جتنے مشائخ ہیں سب دکاندار ہیں لیکن دُکان پر جب تک سودا نہ ہو لوگ خریداری کو کب آتے ہیں ؎

شمع ہے موجود محفل میں بایں سوز و گداز اس لیے یہ وجد کے انداز پروانے میں ہیں

کون آتا ہے وہاں حاصل جہاں کچھ بھی نہ ہو

کچھ تو دیکھا ہے کہ یہ مے نوش میخانے میں ہیں

پابندیٔ اوقات

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ

انضباط و تعین اوقات ہر متمدن شخص کے لیے ایک لازمی چیز ہے۔ جو لوگ پابندیٔ اوقات کے خوگر نہیں ہوتے وہ کبھی اپنے کاموں میں کامیاب بھی نہیں ہوتے اور انہیں ہمیشہ کمیٔ وقت اور عدیم الفرصتی کی شکایت رہتی ہے۔ گو یہ بہت مشکل

ے بروایت منشی نعمت خاں صاحب سب انسپکٹر پولیس گجرات پنجاب ۱۲

کام ہے۔ لیکن ہے نہایت ضروری۔ راقم نے بعض مشائخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ اپنی ضروریاتِ زندگی سے کبھی فارغ نہیں ہوتے اور صبح سے شام تک کسی وقت انہیں ذکرِ الٰہی کے لیے فرصت نہیں ملتی۔

جب اُن کے معتقدین سے پوچھا جاتا ہے کہ شاہ صاحب خدا کی یاد کس وقت کرتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ آپ پوچھنے والے کون ؟ کیا شاہ صاحب خدا کی عبادت کے مقروض ہیں۔ وہ تو خدا رسیدہ ہیں جب چاہتے ہیں خدا کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ اس معمہ کا حل بہت مشکل ہے اور ایسی ہی باتوں نے مشائخ کی طرف سے لوگوں کو بد اعتقاد کر دیا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ میں پابندیٔ اوقات کی عادت ہمیشہ سے رہی اور آپ اپنا قیمتی وقت مریدوں سے پاؤں دبوانے اور ان کی محفل میں غیر ضروری طور پر بیٹھ کر گپیں اڑانے میں کبھی ضائع نہ فرماتے۔

صوفی[1] غلام حسین صاحب نے مولوی محمد عبدالرحیم صاحب سے فرمایا کہ مولوی صاحب میں نے بہت سے مشائخ عظام سے فیضِ صحبت حاصل کیا ہے مگر پابندیٔ اوقات جو حضرت خواجہ جلال پوری (رحمۃ اللہ علیہ) میں دیکھی وہ کسی اور میں نہ پائی۔ آپ اوراد و وظائف ہمیشہ اپنے وقت سے ادا فرمایا کرتے تھے۔ خواہ کوئی ملنے آئے اور کچھ کام کیوں نہ ہو لیکن آپ وظائف خوانی میں پابندیٔ وقت کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اور آپ کا کوئی

---

[1] یہ صاحب ایک امیر کے بیٹے تھے مگر نہایت عابد اور صوفی تھے۔ بارہا جلالپور شریف میں حصولِ فیض و برکات کے لیے حاضر ہوئے۔ انہیں حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی سے شرفِ بیعت حاصل تھا اور خواجہ غلام فرید صاحب سے جو نواب صاحب بہاول پور کے پیر تھے۔ ان کا بڑا ربط و ضبط تھا۔ دیگر مشائخ سے ملنے کا بھی انہیں بے حد شوق رہتا تھا[12]

وقتِ عبادتِ الٰہی سے خالی نہ جاتا تھا۔

توکّل

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے
مایوس کر سکا نہ ہجومِ بلا مجھے

خدا کی ذات اور اس کی تمام صفات پر کامل بھروسہ رکھنے کا نام توکّل ہے اور توکّل کرنا اس قدر مشکل ہے کہ اگر ہر انسان متوکّل بننا چاہے تو قریب قریب غیر ممکن ہے صبر و قناعت اور تسلیم و رضا کی منزلیں فی الحقیقت نہایت سخت ہیں لیکن ان میں کوئی نہ کوئی اثرِ محسوس نمایاں رہتا ہے اور وہ اثر جس قدر کم ہوتا جاتا ہے۔ ان باتوں میں قوت زیادہ ہوتی جاتی ہے مثلاً صبر کیا جا سکتا ہے کسی موت پر، قناعت کی جا سکتی ہے تھوڑی سی چیز پر، انسان راضی ہو سکتا ہے کسی چیز پر خواہ وہ اس کی مرضی کے خلاف ہو یا موافق۔

لیکن توکل کی شان ان سب سے جدا ہے۔ توکل اُس وقت کیا جاتا ہے جب کہ دل امید و بیم میں مبتلا ہو اور رفعِ ابتلا کی موجودگی میں اُن سے بے نیاز ہو کر صرف خدا کی قدرت و رحمت پر بھروسہ کیا جائے۔ اسبابِ صوری سے متوکّل علی اللہ طبقے کو کوئی سروکار نہیں رہتا اور خدا پر بھروسہ کرتے کرتے ایک متوکل اس قدر کامیاب ہو جاتا ہے کہ تمام کام اس کی حسبِ خواہش انجام پذیر ہونے لگتے ہیں

طاعون کے زمانے میں آپ سے وہ توکل و استقلال نمایاں ہوا کہ آج کل دوسرے مشائخ میں شاذ و نادر ہوگا۔ جلال پور میں ایسا طاعون پھیلا کہ روزانہ تعداد اموات چالیس تک پہنچ گئی اور ہوا اس قدر متعفن ہوئی کہ تندرست آدمی بھی بیمار پڑنے لگے۔ بعض خیر خواہان سرکار نے حضور کو باغ میں تشریف لیجانے کی رائے دی مگر آپ نے کسی کی ایک نہ مانی۔ توکلاً علی اللہ مع جمیع متعلقین اپنے مکان ہی پر رونق افروز رہے۔ آخر خداوند کریم و رحیم کی ایسی مہربانی ہوئی کہ لنگر شریف کا ایک آدمی بھی طاعون کا شکار نہ ہوا۔

بعض مخالفین و حاسدین نے آپ کی خبر وفات اڑا دی اور بعض نے جلال پور چھوڑ دینے کی افواہ مشہور کر دی۔ لیکن اصل معاملے کے انکشاف کے بعد معاندین کو بیحد ندامت و پشیمانی ہوئی۔

سخاوت

اَلسَّخِیُّ حَبِیْبُ اللّٰہِ[۱]

سخاوت کے متعلق حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کے اقوال نقل کر دینا کافی نہیں ہیں بلکہ اس شعارِ اسلام کو عقل کی نگاہ سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ سخاوت بہترین نیکی ہے جو ایک خدا کا بندہ کر سکتا ہے۔ سخاوت سے سخاوت کرنے والے کا کچھ حرج اور نقصان نہیں ہوتا لیکن اس کے فعل سے خلقِ خدا کو بے حد فائدہ پہنچتا ہے۔ ہزاروں محتاج فیضِ سخاوت سے مستفیض و مستفید ہو کر خدا کی عبادات و طاعات میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

---

[۱] بروایت حضرت ابوالبرکات مولانا سید محمد فضل شاہ صاحب دام اللہ فیوضہم۔

ہزاروں بیوائیں اور یتیم بے کس کمسن بچے سخیانِ عالم کے جود و کرم سے پرورش پاکر باغِ عمر سے خوشہ چین ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ اور سخاوت میں فرق ہے اور جتنا فرق ان دونوں میں ہے اُتنا ہی زکوٰۃ دینے والے اور سخاوت کرنے والے میں بھی سمجھئے۔ زکوٰۃ فرض ہے اور سخاوت فرض نہیں۔ زکوٰۃ کی مقدار متعین ہے اور اُس کا کچھ اندازہ نہیں۔ زکوٰۃ اصل ایمان ہے اور سخاوت اصل اخلاق۔ سخاوت ایک ایسی شاداب، ٹھنڈی اور طرب افروز چیز ہے جس کے سایہ میں بُرائیوں کا کُرّۂ نار بھی برف ہو سکتا ہے۔ سخاوت نے سینکڑوں کو قیامت تک کے لیے زندہ کر دیا۔ حاتم طائی اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوتیں یادگارِ عالم ہیں۔ اوّل الذکر نے اپنی جسمانی کوششوں کو درماندگانِ راہ اضطراب کے لیے وقف کر دیا تو مؤخر الذکر نے یہ کہہ کر اپنے اجتہادِ روحانی کا ثبوت دے دیا کہ زکوٰۃ اگر خدا کے نام پر ہو سکتی ہے تو ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر سخاوت کریں گے پھر سخاوت بھی ایسی سخاوت کہ مال و اسباب کی کوٹھیاں نذرِ فقرا کر دیں اور خود صرف ایک کمبل اوڑھ کر بیٹھ گئے۔ جبھی تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخاوت کرنے والے خدا کے دوست ہیں۔

حضرت قبلۂ عالم خواجۂ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی سخاوت میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھے یوں تو محل سرائے کے دروازہ سے کوئی سائل خالی جاتا ہی نہ تھا اور لنگر شریف ہمیشہ محتاجوں حاجت مندوں اور درویشوں کے لیے جاری رہتا تھا (جو الحمد للہ اب بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) پھر بھی بسا اوقات آپ کی شانِ سخاوت اپنی امتیازی شان بھی دکھا دیتی تھی۔

حضرت[1] خواجہ غریب نواز کے محلات کے عقب میں ایک بیوہ رنگریز کی عورت رہتی تھی جو کسی بقال کی مقروض تھی۔ ایک دن قرض خواہ نے آکر قرض کا تقاضا کیا اور جب اس کو عورت کی تنگدستی سے معلوم ہوا کہ وصولِ قرضہ کی امید نہیں تو بے چاری کو پیٹنا شروع کیا۔ عورت زور زور سے چلانے لگی۔ حضرت قبلہؒ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسا شور ہے خدام نے مفصل کیفیت عرض کی۔ آپ نے فریقین کو بلایا۔ بقال کا قرضہ اپنی گرہ سے ادا کر دیا اور کچھ روپیہ اس بیوہ کو اخراجاتِ خانگی کے لیے دے کر رخصت کر دیا۔

جمال و جلال

نگاہوں کو رہے دیدار کی حسرت جمال ایسا
زبانیں بند کر دے اہلِ محفل کی جلال ایسا

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ

اولیاء اللہ کے چہرۂ باصفا کا تو کیا کہنا کہ اس سے ہر وقت تجلّی الٰہی مترشح رہتی ہے اور انوار تجلیات گوناگوں ظاہر و نمایاں ہوتے ہیں جسے ایک چشمِ ظاہر نگاہ صوری دیکھتی ہے اور دیکھ نہیں سکتی۔ مگر انہیں اولیاء اللہ کی ایک شان شانِ جلال بھی ہے جو قربِ الٰہی کی وجہ سے ان میں پیدا ہوتی ہے جس وقت یہ لوگ جلال میں ہوتے ہیں اس وقت اُن کو

---

[1] بروایت سید میر حسین شاہ صاحب سکنہ سگل آباد تحصیل چکوال ۱۲

کسی کی پروا نہیں ہوتی ۔ چہرہ آفتاب کی طرح چمکنے دمکنے لگتا ہے اور یہ وہی وقت ہوتا ہے جب کہ اولیاء اللہ کی خدائے مطلق کے ساتھ قربت ہوتی ہے اور جس وقت کوئی فرشتہ اور نبی مرسل بھی ان کے درجات کی کنہ کو نہیں پا سکتا۔

حضور قبلۂ عالم جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ میں جس وقت جذب جلال پیدا ہوتا تو آپ کی حالت بھی دگرگوں ہو جاتی تھی اور ان لوگوں کو بھی صاف صاف بات فرما دیتے تھے، جو نہایت پیارے اور عزیز معتقدین میں سے ہوتے تھے لیکن آپ کی زبان فیض ترجمان سے کوئی لفظ خلافِ ادب نہ نکلتا تھا۔ چناں چہ ذیل کے واقعات سے حالت جلال کا اندازہ ہو سکے گا۔

ایک[1] روز ملک زمان مہدی خاں صاحب مرحوم رئیس دارا پور جو ۲۵ رجب المرجب ۱۳۱۱ھ کو فوت ہوئے ہیں آنریری مجسٹریٹ بھی تھے اور خان بہادر بھی ۔ اعتقادات میں نہایت راسخ، تعظیم و تکریم میں نہایت مستعد، رضائے شیخ کے طالب، درباری کرسی نشین اور رشوت سے نفرت کرنے والے تھے۔ ایک روز حضرت غریب نواز کی حضور میں حاضر تھے اور حضور اپنی نشستگاہ میں رونق افروز تھے۔ مجلس عام تھی۔ اثنائے گفتگو میں ملک صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ قالین بھی کسی نے خدا کے واسطے دیے ہوں گے ۔ وقتِ جلال تھا حضور نے فرمایا" ملک صاحب تم دارا پور سے چل کر جلال پور شریف آ کر نذر دیتے ہو۔ کیا دارا پور میں یا راستے کے دیہات میں کوئی خدا واسطے لینے والا نہیں ملتا جو یہاں آ کر دیتے ہو۔ اگر خدا واسطے دینا ہے تو راستے کے دیہات میں اور دارا پور میں غریبوں کی کمی نہیں ہے ہمیں تو خدائی حکومت ملی ہوئی ہے۔" ملک صاحب کچھ

---

[1] بروایت جناب مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۲

سمجھ کر خاموش ہو گئے اور پھر کچھ نہ بولے ؎

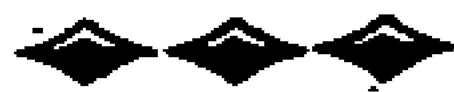
ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مردِ صاحب دلق نیست

رُعبِ فقر کی دوسری مثال :

ایک[1] دفعہ منشی نعمت خاں صاحب انسپکٹر گجرات کی عرضی آئی جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ بروقتِ حاضری میں اپنا مقصد زبانی خدمتِ اقدس میں عرض نہ کر سکا اس لیے حضور کی قدم بوسی کرکے آتے ہی یہ عرض داشت روانہ کرتا ہوں۔ حضور نے عرض سُنی اور بعنایت خاص دعا فرمائی۔ راوی نے التماس کی کہ غریب نواز یہ کیا بات ہے کہ منشی نعمت خاں صاحب تھانہ دار اور راجہ محمد اکرم خاں (حال افسر مال) دونوں حاضری کے وقت اپنا مدعائے دلی عرض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ حضور قبلۂ عالم نے فوراً صاحب مثنوی شریف کا یہ شعر پڑھا ؎

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مردِ صاحب دلق نیست

میں نے بچشمِ خود دیکھا ہے کہ سیشن جج، اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر، تحصیل دار، تھانہ دار وغیرہ حضور میں حاضر ہوئے مگر ہیبتِ حضور اور رعبِ فقر سے اپنا کوئی مقصد و مدعا عرض نہ کر سکے۔



---

[1] از جناب مولوی عبدالرحیم صاحب خانقاہ شریف کڑی ضلع جہلم

متفرق خصوصیاتِ مقدسہ

کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَاْنٍ

روز اک شان نئی روز نیا اِک جلوہ
کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَاْنٍ بنے بیٹھے ہیں!

دِل آزاری سے پرہیز:

مولوی عبدالرحیم صاحب خانقاہ شریف کرٹی ضلع جہلم راوی ہیں کہ حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ہرگز ہرگز کسی کا دل آزردہ نہ فرماتے۔ اگر بفرضِ محال کسی وجہ سے کوئی شخص آپ سے آزردہ ہوجاتا تو اسے ہر طرح راضی فرمالیتے تھے۔ اور زرِ نقد، کپڑا، بتاشے وغیرہ دے کر اس شخص کو خوش کر دیتے تھے اور فرماتے تھے ؎

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کُن
کہ در طریقت ما غیر ازیں گناہے نیست

مشقِ حروف میں درسِ تصوّف:

یہی صاحب راوی ہیں کہ ایک دفعہ موجودہ سجادہ نشین حضرت سید محمد فضل شاہ صاحب دام برکاتہٗ جب میرے پاس پڑھتے تھے اپنی تختی لے کر خدمتِ حضورِ پُرنورؐ میں حاضر ہوئے حضور غریب نواز علیہ الرحمۃ نے اپنے قلمِ مبارک سے تختی پر یہ دو بیت تحریر فرمائے ؎

بہائے خود ہمیدانم بہ نیمے جَونی ارزد
اگر مولیٰ کرم ارزد بہا یم بے بہا گردد

تختی کی دوسری طرف یہ بیت تھا ؎

عبادت کے بھروسے پر عبث ہے عمر کا کھونا
بجز فضل خدا ممکن نہیں ہے اولیا ہونا

بے شک حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کا وجود باجود جامع اخلاق محمدی علیہ الصلوٰۃ و السلام تھا کسی بزرگ نے آپ کی شان میں سچ فرمایا ہے ؎

خلق محمدؐ است کہ با حسن یوسفؑ است
جود خلیلؑ ہست عیاں از جلال پور

آثار سعادت عالم طفلی میں :

جناب مولنا مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی چشتی حیدری راوی ہیں کہ ایک ثقہ بزرگ ساکن ڈنگہ نے جو حضرت شاہ صاحب قطب عالم مرحوم و مغفور کے ہم عمر ہیں مجھ سے بارہا ذکر کیا ہے کہ میں انگریزوں کی ابتدائی عملداری میں ایک ملازم کے ساتھ تحصیل علم کے لیے موضع للہ شریف ضلع جہلم کو جا رہا تھا۔ ہم دونو دوپہر کے وقت جلال پور شریف کی مسجد میں جا ٹھیرے جہاں دو نوجوان ایک ہندو اور ایک مسلمان بیٹھے تھے۔ مسلمان نوجوان جو ایک خوب صورت خوش پوشش جوان رعنا تھا ہمارے مسجد میں بیٹھتے ہی خاموشی کے ساتھ اٹھ کر چلا گیا اور کچھ دیر بعد حلوا اور پراٹھے ہمارے سامنے لاکر رکھ دیے۔ ہم نے پیٹ بھر کھائے مگر اس نوجوان نے ہم سے یہ مطلق دریافت نہ کیا کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو کہاں جاتے ہو۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو بغیر کچھ کہے سُنے برتن اٹھا کر چلا گیا۔

دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کا نام سید حیدر شاہ ہے۔ اسی کمالِ مہمان نوازی نے جو فیضانِ ازل نے مثل خلیل علیہ السلام آپ کی ذات مجمع صفات میں ودیعت کی تھی۔ بالآخر آپ کو لنگر خواجگانِ چشت کا مالک بنایا۔

دوسرے کے مرید کو بیعت نہ فرمایا :

آج کل مشائخ میں یہ وتیرہ عام طور پر پایا جاتا ہے کہ جہاں کوئی شخص ان کے پاس پہنچا اور انہوں نے دام مشیخت پھیلایا۔ فوراً پوچھنے لگے "بھیا کسی کے مرید ہو؟" اگر اس نے کہا کہ نہیں تو فوراً ہاتھ بڑھا دیے کہ "آ تجھے مونڈ لیں" وہ اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے اور زمانے بھر میں ادھم مچاتا پھرتا ہے کہ مجھے سعید و لائق دیکھ کر پیر جی نے خود اپنا مرید کر لیا اور اگر کوئی کہتا ہے کہ ہاں میں فلاں پیر کا مرید ہوں تو کہتے ہیں کہ "آہم سے بھی طالب ہو لے" غرضکہ ہر طرح اسے اپنا معتقد بنا لیتے ہیں اور اپنے زمرۂ مریدین میں اُس کا نام زبردستی لکھ لیتے ہیں۔

اس زبردستی سے بجز اس کے اور کوئی مقصد نہیں ہوتا کہ پیر جی دنیا میں اچھی طرح مشہور ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب مریدوں کی تعداد زیادہ ہو گی تو شہرت اپنے آپ بڑھتی چلی جائے گی۔ لیکن اس قسم کے پھندوں میں صرف وہ لوگ پھنس جاتے ہیں جن میں مادۂ جہالت زیادہ ہوتا ہے اور جن کے قلوب انوار علم و تحقیق سے منور نہیں ہوتے۔

اس کے برخلاف حضرت قبلۂ عالم خواجہ جلال پوری رحمتہ اللہ علیہ دوسروں کے بیعت کردہ لوگوں کو اُن کی خواہش پر بھی مرید نہ فرماتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جب یہ شخص اپنے پہلے پیر کا نہ ہوا اور اس سے اس کو کچھ فیض نہ پہنچا تو اب آگے کیا امید کی جا سکتی ہے۔

چنانچہ مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی چشتی حیدری راوی ہیں کہ میرے سامنے ایک دفعہ ایک شخص باشندۂ ضلع راولپنڈی آپ کی خدمت میں بیعت کے لیے پیش کیا گیا۔ آپ نے حسبِ معمول دریافت فرمایا کہ پہلے کسی سے بیعت ہوئے ہو؟ اُس نے عرض کی کہ

میں پہلے جناب پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں۔ یہ سن کر حضور نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ پیش کرنے والے خوشامدی نے اپنے مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے کہا کہ حضور پیر صاحب نے بھی تو آپ کے فلاں مرید کو بیعت کر لیا تھا مگر اس جوش دلانے والے فقرہ کو سن کر بھی آپ خاموش ہو گئے اور بیعت کرنے سے بدستور انکار فرمایا۔

قوالی میں آپ کا طرزِ عمل :

یہی مولوی صاحب راوی ہیں کہ پابندیٔ شریعت کا آپ کو بہت زیادہ لحاظ رہتا تھا۔ آپ فقہا کی طرح محتاط اور عامل بالشرع رہتے تھے۔ پیرانِ چشت کی تقلید میں آپ قوالی سنتے تھے مگر سادہ بلا مزامیر، تالی تک بجانا ممنوع تھا۔ قوال خواہ کیسا ہی دلکش شعر پڑھتا مگر آپ کی کوہ وقار طبیعت پر سوا اس کے اور کچھ اثر نہ ہوتا کہ چہرۂ مبارک جوشِ عشق سے سرخ ہو جاتا اور اس پر سرورِ روحانی کے آثار نمودار ہو جاتے۔

غریب نوازی کی چند مثالیں :

انہی مولوی صاحب سے مروی ہے کہ ایک سیاح ساکن پشاور جو حضرت سجادہ نشین صاحب بغداد شریف سے بیعت تھا، کئی سال بغداد شریف میں رہ چکا تھا اور مجھے بالکل جانتا نہ تھا۔ ایک ریلوے اسٹیشن پر مجھ سے کہنے لگا کہ میں "جلال پور گیا اور ایک دوّنی پیر حیدر شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں اس خیال کے ساتھ نذر گذرانی کہ دیکھوں کہ آپ اس نذرِ حقیر کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حضرت قطبِ عالم نے میری دوّنی اٹھا کر تو جیب میں ڈال لی اور ایک امیر کی پیش کردہ نذر (یک صد روپیہ) کی طرف خیال بھی نہ کیا۔

حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ علماء کی قدر فرماتے تھے، درویشوں سے محبت رکھتے تھے مساکین اور غُربا سے آپ کو کمال اُنس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک زمانہ آپ کو غریب نواز کہتا تھا ؎

طریقت جز ایں نیست درویش را — کہ افگندہ دارد تنِ خویش را
بزرگاں نہ کردند در خود نگاہ — خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ
بزرگی بہ ناموس و گفتار نیست — بلندی بہ دعوٰے و پندار نیست
تواضع سرِ رفعت افرازدت — تکبر بخاک اندر اندازدت

لنگر شریف کی برکت:

یہی مولوی صاحب راوی ہیں کہ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال سے ایک روز قبل فرمایا تھا کہ "ولی کے مرنے کے بعد اس کی ولایت کا اثر کم نہیں ہوتا" میں نے حاضرین سے کہہ دیا تھا کہ یہ اشارہ لنگر شریف کے بدستور رونق پذیر رہنے کی طرف ہے مگر آپ کی وفات کے بعد چند روز تک موسمی بخار اور کثرت بارش کی وجہ سے زائرین کی آمد و رفت کم ہو گئی اور خیر خواہوں کو لنگر شریف کی طرف سے فکر لاحق ہونے لگی۔
میرے ایک دوست بزرگ خاندانی سیّد زادہ نے خواب میں حضور قبلہ عالم کو محل کلاں سے نکلتے اور روضۂ شریف کی جانب جاتے ہوئے دیکھا۔ بعد قدم بوسی عرض کیا کہ حضور تو تشریف لے گئے مگر لنگر شریف کی حالت نازک ہے۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا خدا برکت دے گا۔ چنانچہ اُسی روز سے رونق بڑھنے لگی۔ زائرین معتقدین اور جدید طالبین کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور لنگر شریف کی حالت بھی بدستور نظر آنے لگی۔ آپ کے بعد آپ کے خلف صوری و معنوی عالیجناب حضرت خواجہ سیّد محمد مظفر علی شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتقلید پدر بزرگوار خدمات متعلقہ کی انجام دہی میں پوری توجہ سے کام لیا اور اب اُن کے بعد نازشِ خاندان، فخرِ عالمیان ابوالبرکات عالیجناب مولانا مولوی سید حاجی محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ جلال پور شریف اپنے کمالِ حُسنِ اخلاق اور صفائی بطون سے اپنے آباد اجداد کے نام کو روشن کرنے میں نہایت کامیاب سعی فرما رہے ہیں ؎

تا بود یارب بہ اوجِ چرخ نقشِ مہر و ماہ　　باد رخشاں نیرِ فیضانِ سید فضل شاہ

آں ابوالبرکات حاجی سید عالی نسب　　یادگارِ شانِ حیدرؓ، مظہرِ نُور الٰہ

؎ حضرت سید برکات احمد مدظلہٗ موجودہ سجادہ نشین کے مختصر حالات آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔　　(سیماب اکبر آبادی)

دین و دنیا ایک ہاتھ میں :

مولوی کرم الٰہی صاحب سکنہ مکھو پنڈی نے حکیم احمد الدین صاحب سے روایت کی کہ میں خدمت حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ہم جستجوئے پیرِ طریقت میں مصروف تھے سید غلام شاہ صاحب سکنہ ہرن پور کے متعلق ایک عام افواہ سننے میں آئی کہ انہوں نے صرف ایک نگاہ سے لوہاروں کی سندان مُودھی سے نکال کر اپنے پاؤں میں ڈال لی جو بہت زیادہ بھاری تھی اور پھر اسے اپنی جگہ پر پہنچا دیا۔ یہ افواہ سُن کر ہم بھی ان کی خدمت میں پہنچے۔ ایک دن ہم ان کے ساتھ جنگل میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک بہت بڑی لکڑی پڑی ہوئی ہے۔ ہم سے وہ کہنے لگے کہ اس کا ایک سرا اُٹھاؤ۔ ہم نے اُٹھالیا پھر فرمایا کہ اب دوسرا سرا اُٹھاؤ۔ ہم نے وہ بھی اُٹھالیا پھر فرمایا کہ اسے بیچ سے پکڑ کر اُٹھاؤ۔ ہم نے پھر تعمیل ارشاد کی۔ فرمایا کہ پہلے سرے سے مراد دین ہے اور دوسرے سے دنیا اب ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو۔ ہم نے

کہا کہ جس طرح اس لکڑی کو درمیان سے اٹھا لیا ہے (اور اس کے دونوں سرے ایک ساتھ اُٹھ گئے ہیں) اسی طرح ہم ان شاء اللہ تعالیٰ دین و دنیا دونوں کے بار کو ساتھ ساتھ اُٹھالیں گے۔[1]

رحم دلی :

سید میر حسین صاحب ساکن کھوتیاں تحصیل چکوال ضلع جہلم سے روایت ہے کہ میں ایک دن حاضرِ خدمت تھا کہ ایک دہقانی خرگوش کا ایک چھوٹا سا بچہ لے کر آیا اور بطورِ نذر حضور کو دینے لگا۔ حضور نے دریافت فرمایا کیا چیز ہے۔ دہقانی نے جواب دیا کہ خرگوش کا بچہ ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس معصوم بے زبان بچے کو اس کی ماں سے جدا کر کے کیوں لے آئے ہو۔ یہ کام تم نے بہت بُرا کیا۔ یہ بے چارہ ابھی شیر خوار ہے۔ اس کی ماں اس کے لیے کس قدر پریشان ہو گی۔ بہت جلد جاؤ اور جہاں تک ممکن ہو۔ اُسے اُسی جگہ چھوڑ آؤ۔ جہاں سے اُسے اُٹھا کر لائے ہو۔ توبہ توبہ! خبردار پھر ایسی بے رحمی اور شقی القلبی ہرگز ہرگز نہ کرنا۔ افسوس جب تم نے اس بچے کو اٹھایا تو تمہیں خدا کا خوف بھی نہ آیا۔

وہ شخص بہت پشیمان ہوا اور تعمیلِ حکم کے لیے فوراً رخصت ہو کر واپس چلا گیا۔

کُشادہ دلی :

مولوی کرم الٰہی صاحب مذکور میاں عیدا سے راوی ہیں کہ ابتدائے عمر میں جو شخص بھی مسجد میں آکر ٹھہرتا۔ اُسے آپ کھانا کھلاتے اور کسی کا سوال رد نہ فرماتے۔ چنانچہ

---

[1] اس ذکر کی میاں غلام مصطفیٰ بھی تصدیق فرماتے ہیں ۱۲

ایک مرتبہ بندوبست کے زمانے میں قسائف سے صاحب سپرنٹنڈنٹ بندوبست نے جلال پور شریف میں قیام کیا اور اکثر اہل مقدمات اور مسافر اس مقام پر آکر قیام کرنے لگے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب کو کھانا کھلاتے۔ ایک ہفتے کے بعد کسی نے سپرنٹنڈنٹ صاحب سے کہا کہ آپ کے یہاں ٹھہرنے سے ایک سید زادہ کو تکلیف ہو رہی ہے کہ وہ اہل مقدمات اور مسافروں کو دو نو وقت خوراک دیتا ہے اور دھیرو وشوہدو اور رام چند کی دکانوں سے قرض لے لے کر اُن لوگوں کی مدارات کرتا ہے

سپرنٹنڈنٹ صاحب یہ سُن کر ہرن پور چلے گئے۔ جب ایک ہفتے کے بعد دُکانداروں کا حساب کیا تو ایک سو چالیس روپیہ نکلے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ والدہ صاحبہ کی خدمت میں جاؤ اور ان لوگوں کا روپیہ لا دو۔ میں ان کے پاس گیا اور عرض کی کہ ایک سو چالیس روپیہ ادا کرنے کے لیے شاہ جی طلب فرماتے ہیں انہوں نے کہا کہ اتنا روپیہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ روپیہ نہ دیں گی تو شاہ جی کسی اور سے لے کر قرض ادا کر دیں گے۔ پھر بھی تو آپ کو دینا پڑے گا۔ فرمایا کہ انہیں کہیں اور جگہ نہ جانے دینا اور فرصت کے وقت آنا۔ میں روپیہ دے دوں گی۔

کچھ دیر کے بعد میں پھر گیا اور روپیہ طلب کیا حضور کی والدہ ماجدہ نے روپیہ مجھے دیا اور فرمایا کہ قرض خواہوں کو دے دو۔

حیدر شاہ بادشاہ:

مولوی صاحب موصوف مولوی فقیر محمد صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن مولوی محمد عالم سکنہ کھوڑی اور میاں عبداللہ بمقام چکری بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی

ان کے پاس حاضر تھا۔ حضرت خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر مبارک ہو رہا تھا۔ میاں عبداللہ نے کہا جب آپ ہمارے پاس پڑھتے تھے تو اپنی تختی پر "حیدر شاہ بادشاہ" لکھا کرتے تھے۔

سید احمد شاہ صاحب بھی راوی ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تمام طالب علموں کی تختیوں پر اپنے دستخط کرتے اور اپنا نام "حیدر شاہ بادشاہ" لکھتے۔

گو وہ زمانۂ طفلی و طالب علمی سن شعور کا زمانہ نہ تھا مگر فطرت آپ کے قلم کی حرکت و لغزش سے وہ باتیں لکھواتی تھی جو ہونے والی تھیں اور آپ کو ان کا علم بھی نہ تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو قدرت نے "دنیا و دین" کی بادشاہت عطا فرمائی ؎

سکّہ زد بر قلبِ خلق اللہ از فضلِ اِلٰہ
در جہانِ فقر "حیدر شاہ" گشتہ بادشاہ

اپنے مرشد کے ساتھ آپ کے صوری و معنوی تعلقات

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا فَاَکْثَرَ ذِکْرَہٗ

یہ امر مُسلّمہ ہے کہ جو شخص جس چیز کو محبوب سمجھتا ہے اور عزیز رکھتا ہے اکثر اُسی کا ذکر کیا کرتا ہے۔ ع

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

لیکن بہت سے مرید ایسے بھی ہوتے ہیں جو کبھی ضرورت کے وقت اپنے مرشد کو یاد کر لیتے ہوں گے ورنہ کبھی بھولے سے اُن کا نام بھی نہیں لیتے۔ یہاں ایسے مریدوں کا ذکر

نہیں بلکہ ان معتقدین اور ہونہار مریدوں کا ذکر ہے جو ابتدائے بیعت ہی سے اپنے مرشد پر قربان ہو جاتے ہیں اور اس کی ذات میں اس قدر حلول کر لیتے ہیں کہ انہیں بہت جلد "فنا فی الشیخ" کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور آگے کی منزلیں بآسانی طے کرنے کی صلاحیت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسی قلبی اور معنوی محبت تھی کہ اس کی مثال دوسرے طالبانِ رشد کے حالات میں نظر نہیں آتی۔ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ خواجہ غریب نواز جلال پور شریف میں رونق افروز ہوتے اور خواجۂ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سیال شریف میں بیٹھے ہوئے ان کی محبت اور ان کے تصوّر کی داد دیتے ؎

قرن میں اویسؓ اپنا دل ڈھونڈتے ہیں
حسینوں کے جذبِ ادا کو تو دیکھو

مرید اور مرشد میں جو باہمی رابطۂ اتحاد تھا اور دونوں کا ایک دوسرے کی محبت میں جو حال تھا اس کی کیفیت کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جنہیں دونوں کی صحبتوں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔ بہرحال مشتے نمونہ از خروارے چند واقعات یہاں نقل کیے جاتے ہیں

مُرشد کا اضطراب:

جناب حافظ سراج الدین صاحب مخدوم نقل نویس مظفر گڑھ روایت کرتے ہیں کہ ماہ صفر ۱۲۶۵ھ کا ذکر ہے کہ میں حضرت قبلۂ عالم خواجہ صاحب تونسوی علیہ الرحمۃ کے عرس پر سیال شریف حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی علیہ الرحمۃ اپنے محل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بہت سے خدام حاضرِ مجلس تھے۔ نمازِ عصر سے کچھ دیر پہلے حضور نے اچانک

فرمایا ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید حیدر شاہ صاحب جلالپوری تشریف لا رہے ہیں اہلِ محفل حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ پندرہ منٹ کے بعد ساہی وال کی سڑک سے حضرت صاحبؒ نظر آنے لگے۔ میں نے عرض کیا حضور پیر صاحب وہ آ رہے ہیں۔ حضرت خواجہ سیالویؒ یہ سن کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے میں نے کہا غریب نواز ابھی تو وہ بہت فاصلے پر ہیں یہ سن کر خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ پھر بیٹھ گئے۔ جب شاہ صاحب جلال پوری قریب سو قدم کے فاصلے پر رہ گئے تو نعلین مبارک پاؤں سے اُتار کر پا برہنہ حاضر ہوئے حضور علیہ الرحمۃ نے اُٹھ کر شاہ صاحب کو سینے سے لگایا اور کسی خلیفہ کے لیے حضور قبلہ غریب نواز نے کبھی ایسا طریقہ نہیں برتا اور نورِ الٰہی کا تمام حصہ جو حضور کو بارگاہِ سلیمانی سے عطا ہوا تھا شاہ صاحب جلال پوریؒ کو عطا فرما دیا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

روضۂ مرشد کی تعظیم:

ایک دفعہ کسی شخص نے عرض کیا کہ حضور روضہ شریف خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی سقف پر گلکاری ہوئی ہے اور پالکی کی چھت پر ورقِ طلا لگائے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بعد وفات حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دفعہ روضہ پر حاضر ہوئے لیکن ہمیں کبھی اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ نظر اُٹھا کر اوپر دیکھیں۔

جب کوئی شخص کہتا کہ مجھے سیال شریف جانا ہے تو آپ اس کو چند قدم چل کر رخصت فرماتے اور اس کی اتنی تعظیم و تکریم فرماتے جتنی کوئی ماتحت اپنے افسرِ اعلیٰ کی تعظیم کرتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مسمّی قطب حجام مرحوم جو لنگر شریف کا حجام تھا اور خواجہ سیالوی سے اس کی بیعت تھی، سیال شریف روانہ ہوا۔ موسم گرما اپنے شباب پر تھا دھوپ کی حدت و تمازت سے وحوش وطیور اور انسان سب پریشان تھے لیکن آپ سخت دھوپ میں پابرہنہ صدر مسجد تک اسے رخصت کرنے گئے اور اپنی تکلیف کا کچھ خیال نہ فرمایا۔

جس[1] روز آپ سیال شریف تشریف لے گئے۔ میں ہمرکاب تھا۔ جب روضہ شریف چار میل رہ گیا اور نگاہیں اس کی دھندلی سی جھلک محسوس کرنے لگیں آپ فوراً گھوڑے سے اُتر پڑے اور پا پیادہ روضہ شریف تک جا پہنچے جتنے دن آپ سیال شریف میں مقیم رہے رفع ضروریات کے لیے ڈیڑھ میل دور تشریف لے جاتے تھے اور باوجود کبر سنی یہ تکلیف معلوم نہ ہوتی تھی۔

فِعْلُ الْمُرْشِدِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ :

ابوالبرکات حضرت مولانا مولوی حاجی سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ جلال پور شریف فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے ایک دفعہ فرمایا کہ بعد حصول خلافت جب ہم سیال شریف حاضر ہوتے تو خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ ہماری پیشوائی کے لیے آگے بڑھ آتے جس سے ہمیں نہایت شرم دامنگیر ہوتی اور محجوب ہونا پڑتا۔ ایک دفعہ شیخ صاحب کے توسط سے ہم نے عرض کی آپ کی تعظیم و پیشوائی سے ہمیں اکثر شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ حضور کیوں اس قدر محجوب فرمایا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ شاہ صاحب اس معاملے میں آپ مصر نہ ہوں۔ اس میں کوئی خاص حکمت ہے

[1] بروایت عالی جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب ۱۲

حضرت سجادہ نشین صاحب سیال شریف کی پشیمانی :

جب خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ نے وفات پائی اور حضرت خواجہ محمد الدین علیہ الرحمۃ سریر آرائے تخت خلافت ہوئے تو ایک مرتبہ جب کہ خواجہ غریب نواز جلال پوری بغرض فاتحہ خوانی سیال شریف تشریف لے گئے صاحب سجادہ نے خواجہ سیالوی کی طرح آپ کی پیشوائی کی لیکن جب وقتِ رخصت آیا تو بعض حاسدوں اور مخالفین کے بہکانے سے آپ نے صرف دروازہ تک پہنچانے پر اکتفا کی۔ مخالفین اس برتاؤ سے بہت خوش ہوئے اور خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ خاموشی کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ابھی حضرت خواجہ غریب نواز تھوڑی ہی دور پہنچے ہوں گے کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت سجادہ نشین صاحبؒ پا برہنہ دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ آپ ٹھہر گئے اور جب وہ آ گئے تو ان کے ساتھ وہاں تک گئے جہاں تک حضرت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ رخصت کرنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے لوگوں نے حضرت سجادہ نشین صاحب سے دریافت کیا کہ پہلے تو حضور نے اتنی لاپرواہی برتی اور پھر ایسا ادب کیا اس کی کیا وجہ تھی۔ حضرت سجادہ نشین صاحب نے فرمایا کہ لوگو! جب خود خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ حضرت شاہ جلال پوری علیہ الرحمۃ کے ساتھ وقت رخصت دور تک تشریف لے جاتے ہیں تو پھر میں کیوں نہ جاؤں :

مرشد کی قائم مقامی :

حضرت خواجہ محمد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شادی کے موقع پر حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سیال شریف میں تشریف فرما تھے اور حسب الارشاد مرشد چند روز تک وہیں قیام فرمایا تھا۔ جب برات روانہ ہوئی تو لوگوں نے حضرت خواجۂ سیالوی علیہ الرحمۃ سے برات کے ساتھ جانے کے لیے التماس کیا۔ آپ نے فرمایا ہمارے قائم مقام حضرت

شاہ صاحب جلال پوری براتوں کے ساتھ جائیں گے۔ بعض لوگوں نے اس پر اصرار کیا تو آپ نے بزور فرمایا کہ نادانو تمہیں معلوم نہیں "اَلنَّائِبُ کَالْمُنِیْبِ"، کیا تم شاہ صاحب کو ہم سے جُدا سمجھتے ہو؟ اُن کا ساتھ جانا گویا ہمارا ساتھ جانا ہے۔ آخر الامر حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ برات کے ساتھ تشریف لے گئے اور حقِ نیابت باحسن الوجوہ ادا فرمایا

وہ اور نہیں ہیں اور نہیں :

ایک دفعہ جلال پور اور مضافات کے بہت سے لوگ سیال شریف بغرضِ حصولِ بیعت حاضر ہوئے۔ خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ کیا شاہ صاحب بیعت نہیں فرماتے؟ لوگوں نے عرض کی انہیں تو انکار نہیں ہے لیکن ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ فرمایا نادانو! کیا شاہ صاحب کی بیعت میں اور ہماری بیعت میں کوئی فرق ہے۔ جاؤ اور شاہ صاحب سے سعادتِ بیعت حاصل کرو۔

اِنَّ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ :

ایک دفعہ مسماۃ بانو جو حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی خادمہ تھی اور جس پر آپ نظرِ الطاف فرمایا کرتے تھے، جلال پور شریف آگئی۔ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے حسبِ توفیق اس کی مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور چلتے وقت دُور تک اُسے پہنچایا اور کچھ روپیہ بھی نذر کیے لیکن بانو حضور کی شان و شوکت اور ترقی دیکھ کر اپنے دل میں جل گئی اور جب سیال شریف پہنچی تو حضرت خواجہ سیالویؒ سے طرح طرح کی جھوٹی شکایتیں کرنے لگی، بہتان و افترا باندھنے لگی اور کہنے لگی کہ شاہ صاحب تو کچھ مغرور ہو گئے ہیں اور بے ادب ہوتے جاتے ہیں۔ الغرض اس نے اپنی لیاقت کے مطابق خوب شکایتیں کیں۔ حضرت خواجہ صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ خاموش سُنتے

رہے۔ جب وہ سب کچھ کہہ چکی تو پھر فرمایا کہ بانو! شاہ صاحب نے تمہیں کچھ روپیہ کم تو نہیں دیے عرض کی نہیں تو۔ فرمایا تو پھر یہ صرف حسد کی آگ ہے جو تمہارے دل میں سلگ رہی ہے شاہ صاحب ان تمام عیوب سے پاک اور بہتانوں سے مُبرا ہیں جو تم اُن پر لگا رہی ہو۔ اگر پھر ایسی بات اُن کے حق میں کہو گی تو یاد رکھو گھر سے نکال دی جاؤ گی۔

حسد کا انجام :

جلال پور شریف کے ایک باشندے کی عادت تھی کہ جب وہ سیال شریف جاتا تو حضرت خواجہ غریب نواز جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شکایت حضرت خواجہ سیالوی سے ضرور کرتا۔ ایک دن آپ نے اس سے کہہ دیا کہ بھائی یا تو تم شاہ صاحب کی شکایت کیا کرو یا آئندہ یہاں نہ آیا کرو مگر بھلا وہ کب ماننا تھا "اَلْعَادَتُ لَا یَرُدُّ اِلَّا بِالْمَوْتِ" اس نے اپنی عادت نہ چھوڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص کُتّے کی موت مرا اور لوگوں نے دیکھا کہ مرنے کے بعد اُس کی صورت خنزیر کی سی ہو گئی ہے اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا مِنَ الْحَسَدِ وَ الْبُغْضِ۔

مرشد کی دُعا نے زہر کا اثر زائل کر دیا :

"جسے ربّ رکھے اُسے کون چکھے"

ایک مرتبہ حضور غریب نواز حضرت شاہ صاحب جلال پوری علیہ الرحمۃ کو کسی مخالف نے زہر دے دیا۔ آپ سخت بیمار ہو گئے۔ قے اور اسہال نے آپ کی طبیعتِ لطیف کو پژمردہ کر دیا۔ امیدِ زیست منقطع ہو گئی۔ لوگ سخت پریشان ہوئے۔ دونوں صاحبزادے یعنی سید بدیع الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سید محمد مظفر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ خورد سال تھے، گھبرا گئے، حضور کو ہوش و حواس نہ تھے۔ جب ذرا ہوش آیا فوراً

ایک شخص کو سیال شریف دعائے صحت کے لیے روانہ کیا۔ آدمی وہاں پہنچا اور تمام ماجرا گذارش کیا۔ حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ بے حد مضطرب ہوئے۔ تمام درویشانِ معلّی کے ساتھ دعائے صحت فرمائی اور فرستادہ کو اپنا تبرک دے کر فرمایا کہ جاؤ اور ان کی حالت سے پھر جلدی خبر دو ادھر فرستادہ واپس آیا اور تبرک کھلایا اُدھر خواجہ سیالوی پیرو مرشد کی دُعا نے اثر کیا۔ خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ تندرست ہو گئے زہر کا اثر جاتا رہا آدمی پھر گیا اور خبرِ صحت دی تو حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے سجدۂ شکر کیا اور فرمایا خداوند کریم کا احسان ہے جس نے شاہ صاحب کو شفا بخشی۔ شاہ صاحب ہم کو دل و جان سے زیادہ محبوب ہیں۔

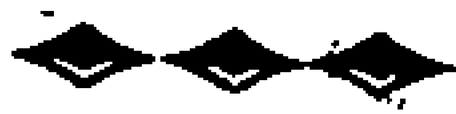
مرید کی بیماری اور مرشد کی بیقراری:

جناب مولوی حکیم نبی بخش صاحب رسول نگری فرماتے ہیں کہ عرس مبارک خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے واپس آتے ہوئے حضرت سجادہ نشین صاحب نے کوٹ گل میں قیام فرمایا نیاز مند مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات بیان کر رہا تھا کہ میاں احمد دین صاحب سکنہ خواجہ آباد ضلع شاہ پور نے بیان کیا کہ حضرت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ کو اگر دنیا میں کوئی شخص محبوب تھا تو وہ حضرت خواجہ سید حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے۔ یہ بیماری ایسی سخت تھی کہ چند ہی روز میں چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ پیر اجام لنگر سے روانہ کیا گیا کہ حضرت خواجہ سیالوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر پیر صاحب جلال پوری کی کیفیت بیان کرے میاں احمد دین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میں اس وقت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس خبر کے آنے سے پہلے حضور نے ایک رات

اور ایک دن کچھ نہ کھایا۔ طبع مبارک سخت بیقرار رہی۔ کبھی حضور دیوان خانے میں جاتے کبھی مسجد میں اور کبھی باہر تشریف لیجاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضور طبیعت کیسی ہے فرمایا کہ دل کو قرار نہیں ہے، خدا خیر کرے۔ رات کو آٹھ بجے پیر اجام پہنچا۔ ابھی قدم بوس ہوا ہی تھا کہ حضور نے پوچھا میرے شاہ صاحب راضی ہیں؟ عرض کیا آج چھ روز سے سخت بیمار ہیں اور خادم کو حضور نے دعائے خیر کے لیے روانہ کیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضور نے مراقبہ فرمایا۔ بڑی دیر کے بعد سر اُٹھایا۔ خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مفصل حالات دریافت فرمائے۔ علاج اور دوا کی کیفیت پوچھی۔ پیر ابیان کرتا جاتا تھا حضور روتے جاتے تھے، اے سید! تو کس تکلیف میں ہے، اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ پھر دعائے خیر کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا "یا ارحم الراحمین! میری ساری عمر دی ایہا کھٹی پوٹلی ہے اسے برباد نہ کرنا" (یعنی میری تمام عمر کی یہی کمائی ہے) کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ اللہ شافیٔ مطلق صحت بخش دے گا اور میری درخواست کو منظور فرمائے گا۔

اولیا راہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گرداند ز راہ!

پھر حضور نے فرمایا کہ جلد جاؤ اور ہمیں ان کے حال سے اطلاع دو۔ پیر اجام روانہ ہوا۔ ابھی اسے گئے ہوئے بارہ گھنٹے ہوئے ہوں گے کہ لنگر شریف کا ایک درویش یہ خوشخبری لے کر پہنچا کہ اب حضرت شاہ صاحب کو آرام ہے۔ حضور نے فرطِ مسرت سے نماز شکر ادا کی اور خوشی کے آثار آپ کے چہرہ سے نمایاں ہونے لگے۔



مکاناتِ مسکونہ کی تبدیلی

اے صبا حالِ کوئے یار بگو
خبرے خوش ازاں دیار بگو

حضرت خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کا سکونتی جدی مکان شہر جلال پور کے شرقی جانب سید احمد شاہ صاحب (جو آپ کے چچازاد بھائی تھے) کے مکان کے پاس تھا۔ عمارت پختہ سنگین تھی۔ (جو تاحال قائم و باقی ہے) لیکن وہاں رہنے میں آپ کو کئی قسم کی تکلیفیں تھیں ایک تو زائرین کے لیے کوئی جگہ آرام و آسائش کی نہ تھی۔ دوسرے وہاں سے مسجد بہت فاصلے پر تھی اور آپ کے اوقات اکثر مسجد ہی میں بسر ہوتے تھے یا تو آپ مسجد میں مصروفِ عبادت رہتے یا حجرۂ مسجد میں معتکف۔ اسی طرح مکانِ مسکونہ کی نگرانی بھی نہ ہو سکتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے زاویہ نشینوں سے دریافت کیا کہ شاہ جی جس مسجد میں بیٹھے رہتے ہیں وہاں سے ان کا مکان قریب ہے یا دور۔ لوگوں نے عرض کی حضور مکان بہت دور ہے۔ خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ شاہ صاحب سے کہہ دینا کہ کوئی جگہ مسجد کے قریب خرید کر وہیں مکان بنوالیں اور یہ کہہ کر آپ نے دُعائے خیر فرمائی کہ خدا شاہ صاحبؒ کو خرید و تعمیر کی استطاعت بخشے۔ باخدا اور خدا رسیدہ اولیاء اللہ کے خیال میں بھی اثر ہوتا ہے۔ وہ کسی کام کا خیال کریں بس پھر ممکن نہیں کہ وہ ہو کر نہ رہے ادھر تو خواجہ سیالویؒ نے آپ کی تکالیف کو محسوس کر کے انہیں نئے مکان کی تعمیر کا حکم دیا اُدھر قدرت نے اسباب و آثار کی فراہمی شروع کر دی۔

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے مرشد کا یہ ارشاد سُن کر ارادہ کوشش ظاہر کیا۔
جہاں حضور نے اپنی نشست گاہ مقرر فرمائی تھی وہاں ایک موچی کا مکان تھا اور اس کے ارد گرد بھی تمام مکانات موچیوں کے ہی تھے۔ پہلے تو حضور نے ایک موچی سے تھوڑی سی زمین خریدی مگر وہ جگہ اس قدر مختصر تھی کہ سکونتی مکان کے لیے بھی کافی نہ تھی۔
اسی اثنا میں منشی گاموں خاں نائب تحصیل دار پنڈدادن خاں آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ مسجد کے پیچھے اور قریب بدبودار جگہ دیکھی تو فوراً وہاں کے نمبرداروں کو بلا کر فہمائش کی کہ اس جگہ کو آج ہی صاف کرا دو ورنہ میں تم سب کا چالان کرا دوں گا حکم کی دیر تھی ان کی موجودگی ہی میں صفائی ہونے لگی اور مسجد کے گرد و پیش سے تمام متعفن کوڑا کرکٹ اُٹھا دیا گیا اور آئندہ موچیوں کی میلی کچیلی قوم بھی کسی قدر احتیاط سے کام لینے لگی۔
جو زمین حضور علیہ الرحمۃ نے موچی سے خریدی تھی اس کی بنیادیں کھُدنے لگیں تو قریب رہنے والے موچی خواہ مخواہ حارج ہونے لگے۔ آپ نے کسی سے کچھ تعرض نہ فرمایا اور کارِ تعمیر کو بند کر دیا جو متواتر تین سال تک بند رہا۔ آخر کار ایک روز تمام موچی جمع ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنی گذشتہ گستاخیوں کی معافی مانگنے لگے اور عرض کرنے لگے کہ حضور شوق سے مکان تعمیر کرائیں ہمیں کچھ تعرض نہیں ہے ؎

وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں مری مان جائیے
اللہ تیری شان کے قربان جائیے

یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے دو تین ملحقہ مکانات اور بھی نذر کر دیے خیر حضور نے کارِ تعمیر شروع کر دیا۔ جب ایک مکان پردہ دار تیار ہو گیا تو خدا نے موچیوں کے دل میں کچھ

ایسی ہیبت ڈال دی کہ وہ اپنے اپنے مکانات فروخت کرکے خود بخود اس مقام مقدس کے قریب سے رخصت ہونے لگے۔ موچیوں کے علاوہ جو لوگ اور یہاں رہتے تھے وہ بھی کنارہ کش ہوئے۔ چنانچہ تین زمیندار یکے بعد دیگرے اپنے اپنے مکان فروخت کرکے دوسری جگہ چلے گئے۔

حضور کا قاعدہ تھا کہ نئے مکان میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے وہاں سوا لاکھ درود شریف اور قرآن شریف درویشوں سے ختم کراتے تھے[1] تاکہ وہ جگہ نجاست ظاہر و باطنی سے پاک اور صاف ہو جائے۔ غرض کہ رفتہ رفتہ تنگیٔ مکان کی شکایت رفع ہو گئی اور حضور نے انہیں نو تعمیر مکانات میں سکونت اختیار فرمائی۔

معراجِ کمالات

اب حضور پُرنور حضرت خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کے کمالاتِ ظاہری و باطنی کی ترقی کا زمانہ آگیا۔ آفتابِ کمالات افق جلال پور شریف سے چمکنے لگا۔ مدارجِ طریقت کی ارتقائی منزلیں ختم ہونے لگیں۔ خلق خدا کا مرجعہ یوماً فیوماً بڑھنے لگا یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کی تفسیر آسانی سے سمجھ میں آنے لگی۔ بحر فیوض میں موجیں اُٹھنے لگیں۔ فیضان کے سمندر میں جزر و مد ہونے لگا یا تو وہ زمانہ تھا کہ حضورِ اقدس مسافروں کے لیے محلہ کے ہر گھر سے کھانا مانگ کر لاتے تھے اور انہیں کھلاتے تھے یا اب

---

[1] مولوی کرم الٰہی صاحب فرماتے ہیں کہ جنگلہ اور محل شمالی و غربی کی مجالس درود شریف اور ختم قرآن مجید میں میں بھی شریک تھا۔

فتوحات میں اس قدر ترقی ہوگئی کہ خود آستانِ مبارک پر لنگر پکنے لگا جو اب تک تیار ہوتا ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہر وقت عقیدت کیش اور حلقہ بگوش جمع رہنے لگے۔ ؎ جہاں پر شمع ہوتی ہے وہیں پر وانہ آتا ہے

؎ ہر کجا چشمہ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

ہر سال مریدوں کی تعداد میں ہزاروں کا اضافہ ہونے لگا۔ یہ ترقی کمالات کی خبریں جب دربار سیال شریف میں پہنچیں تو آپ کے پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کو ایک خاص سرور، ایک وجدانی خوشی اور ایک مختلف النوع کیف حاصل ہوا کیوں کہ انصاف کی بات ہے کہ یہ نہال انہیں کے دستِ فیض بار کا لگایا ہوا تھا اور جب کسی کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا بار آور ہوتا ہے تو اس کی مسرتوں کی انتہا نہیں رہتی۔ یہی حال خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ کا تھا کہ جب حضرت خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کے عروج و شہرت، اور فتوحات و ترقی کا حال سنتے تو اُن کے لیے مزید ترقی مدارج کی دعائے خیر کرتے اور جامے میں پھولے نہ سماتے۔

آپ کے عروج و کمال سے جل کر بعض حاسدوں نے دربار سیال شریف میں جھوٹی اور بناوٹی شکایتیں آپ کے متعلق پیش کیں[1]۔ لیکن خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ نے حاسدوں کو متنبہ کر دیا کہ وہ اس قسم کی شکایتوں سے باز آجائیں۔ اُن پر ان باتوں کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں حاسدین و معاندین کو خود ہی ان کی افترا پردازیوں کا نتیجہ عبرت ناک مل گیا اور اس

[1] اس اجمال کی تفصیل تعلقات "پیر و مرشد" کے بیان میں کسی اور جگہ درج ہیں ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

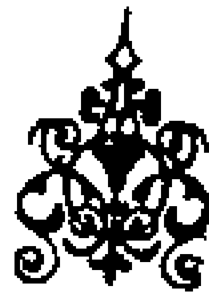
یا کل الکل بث الکل ومنک الکل والیک الکل صلی علی نبیک الاقدم
والمظہر الاتم لاسمائک الاعظم اما بعد پس برفایق کہ مسطور درین اوراق است
بمنزلہ رقعہ ایست کہ از پیران خرقہ پوش سراپا ہوش باین گدا رسیدہ
بہ تار محبت با یکدیگر دوختہ مرقعی برای پوشش ماسوی الحق از بصیرت
لہذا این مجموعہ را مرقعی نام کردہ واقسام صلوۃ را براوراد مقدم داشتہ
وہر فایدہ را معنون برقعہ ساختہ وچون اختصار مطلوب بود اقتصار بذکر بعض خواص
نمودہ آمد مقدمہ عامل را باید کہ این شرایط مذکورہ در ذیل در خود پیدا آرد
بعد ازان عمل نماید کہ بی این بطالت است وامید دار نتایج جہالت
امام احمد بونی کہ راس ورئیس اہل دعوت است این شروط ذکر فرمودہ اکل حلال
صدق مقال وحضور قلب وعجز وخضوع وبکا واخلاص وکسوت حلال

عالیجناب غفران مآب حضرت قبلہ عالم پیر حیدر علی شاہ صاحب کی دستی تحریر کا نمونہ

طرح مخالفتوں کا ایک دن خود بخود خاتمہ ہو گیا۔

حضور اقدس قدس سرہ العزیز کی شہرت یہاں تک ہوئی کہ دیار و امصار سے علماء و فضلا بھی آپ کے دیدار فیض آثار کے لیے حاضرِ دربار ہونے لگے جو لوگ بغرضِ امتحان آتے وہ بھی آپ کے حلقہ بگوش بن جاتے اور جو لوگ عقیدت مندی کے ساتھ حاضر ہوتے وہ بھی بیعت حاصل کر کے خادموں میں شریک ہو جاتے۔ علما کی بیعت بہت دشوار مشہور ہے لیکن آپ منازلِ سلوک کے خضرِ راہ تھے۔ شریعتِ حقہ کے پابند تھے، مسلکِ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اسوۂ حسنہ کا ایک زندہ نمونہ تھے اس لیے جس قدر علمار اور فضلائے بغرضِ قدم بوسی آتے تھے۔ وہ سب آپ کے اخلاق و فضائل کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

جلال پور شریف آپ کے فیضان سے مرجع خاص و عام بنا ہوا تھا اور وہاں جہاں اس سے پہلے مکروہات و مغلظات کے انبار لگے رہتے تھے اور موچیوں کی غلاظت و کثافت سے روحانیت کا کوسوں پتہ نہ تھا، انوارِ لطافت چمک رہے تھے۔ اور فیوض و برکات کا سمندر دریائے جہلم کی روانیوں کو شکست دیتا ہوا ہندوستان کے ہر گوشے میں لہرا رہا تھا۔



اِبتلاء

مصائب و تکالیف کا دورِ صبر آزما

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ
الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ
إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

(پارہ دوم)

ایک ولیٔ کامل کے لیے جہاں خلقِ عظیم، ایثارِ نفس، مجاہدہ، تزکیۂ قلب، سخاوت و شجاعت، ریاضت و عبادت، زہد و تقویٰ، توکل، استقامت اور ایسی ہی بعض دوسری خصوصیات لازمی ہیں وہاں صبر و رضا کا ہونا بھی اس کے لیے نہایت ضروری اور اہم بات ہے اور صبر و رضا ہی ایک ایسی منزل ہے جس میں اگر بڑے بڑے راہ رو بھٹک جاتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

ابتلاء کے وقت صبر کرنا نہایت مشکل امر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے مدارج بڑھے ہوئے ہوں ان کے لیے صبر و تسلیم اور بھی مشکل کام ہو جاتا ہے۔ لیکن خدا کا ارشاد صاف ہے کہ ہم اپنے ایمان والے بندوں کو خوف اور بھوک سے، ان کے مال جان اور اہل و عیال کو نقصان پہنچا کر آزمائیں گے۔ یہ آزمائش نہایت سخت ہے۔ انسان اپنے مال کے نقص کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جان کی بھی بعض اوقات زیادہ پروا نہیں کی جاتی گو جان

دینا بھی کارے دارد لیکن سب سے ٹیڑھا سوال ثمرات کا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس کی پھلواری اس کی نگاہوں کے سامنے لُٹ جائے۔ اعلانِ آزمائش میں بھی اس کی اہمیت بڑھانے کے لیے امتحان کا آخری اور انتہائی درجہ اسی ابتلا کو دیا گیا ہے۔

اولیاء اللہ میں اتقا یعنی خوفِ خدا ضرور ہونا چاہیے، فاقوں میں ان کی زندگی ضرور بسر ہونی چاہیے۔ پھر یہ کہ اُن کے جان و مال اولاد کو نقصان پہنچنا چاہیے جس مردِ خدا میں آثار ریاضت و زہد کے ساتھ ساتھ یہ تمام باتیں موجود ہوں۔ بس سمجھ لیجیے کہ وہ نہ صرف "مسلمان کامل" ہے بلکہ "ولیِ کامل" بھی ہے اور اسی لیے قرآن کریم میں خدائے بزرگ و اقدس ارشاد فرماتا ہے کہ "اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری ہے" جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور ہم بھی اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اب حضرت خواجہ غریب نواز جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی پر بالاستیعاب نگاہ ڈالی جائے اور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی آزمائش و امتحان کی یہ تمام منزلیں صبر و استقامت کے ساتھ طے کی ہیں اور آپ کے حالات سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ آپ بحالہٖ قائم و باقی رہ گئے ہیں اور یہ منزلیں بفضلِ خدا ختم ہو گئی ہیں۔

ہر ہر بات، ہر ہر امتحان کی مثال حضور کی سوانحعمری میں ناظرین کو مل سکے گی بشرطیکہ اس کا مطالعہ بنظرِ انصاف کیا جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اب دیکھیے کہ حضرت خواجہ غریب نواز جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ ہر طرح امن و عافیت اور فارغ البالی کی زندگی بسر فرما رہے تھے۔ صاحب زادہ سید بدیع الزمان صاحب نے دو تین گھوڑیاں اور دو ایک بھینسیں بھی گھر پر باندھ لی تھیں۔ غرضیکہ دینی دنیوی برکات و نعمات کا "دربارِ حیدؒ"

میں اجتماع تھا۔ دینی حیثیت کے ساتھ دنیاوی وجاہت بھی کچھ کم نہ تھی۔

ایک روز خود حضورِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک کتاب میں دیکھا تھا سیدنا شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی قدس سرہ العزیز ونور اللہ مرقدہٗ کی ملکیت میں اس قدر اراضی تھی کہ اس کی آمدنی سے عشر ادا کرنے کے بعد تین لنگر جاری تھے۔ ایک خاص بغداد شریف میں ایک مکہ معظمہ میں اور ایک مدینہ منورہ میں۔ حضور نے فرمایا کہ یہ بات معلوم ہونے کے بعد ہم نے بھی صاحبزادہ صاحب کو اراضی خریدنے کی اجازت دے دی ہے۔

والدہ ماجدہ کا انتقال

الغرض ہر طرح فضلِ خدا شاملِ حال تھا کہ حضور کی والدہ ماجدہ علیہا الرحمۃ نے انتقال فرمایا۔ ماں سے اولاد کو جو محبت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے، پھر ایسی ماں جو خود عارف ہو، اور جس نے طےِ منازل میں اپنے سپوت بچے کو شب و روز مدد دی ہو۔ آپ کو بیحد صدمہ ہوا۔ آخر حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تسلی و تشفی دی اور بعد چندے والدہ مکرمہ کی وفاتِ حسرت آیات کا غم آپ کے دل سے دور ہوا۔

جوان بیٹے کی موت

والدہ ماجدہ کے بعد آپ کے خلفِ اکبر سید بدیع الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کامل ایک سال بیمار رہ کر اکیس برس کی عمر میں آپ کو داغِ مفارقت دیا۔ جوان بیٹے کی موت نے آپ کے ساغرِ صبر کو چھلکانا چاہا مگر آپ نے دامنِ تسلیم و رضا ہاتھ سے

نہ چھوڑا خدا کا شکر کیا اور خاموش ہو گئے۔

صاحب زادۂ مرحوم کی بیماری میں حضور نے دوا اور علاج میں کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی صدہا حکیم ڈاکٹر بلائے گئے اور ہزاروں روپیہ تدبیر و علاج میں صرف کیا گیا۔ لیکن بفحوائے وَاِذَا جَآءَ اَجَلُ اللّٰہِ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی ؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی ہے

جو بات ہونے والی تھی وہ ہو کر رہی۔

پیرو مُرشد کی وفات

ابھی جوان بیٹے کے انتقال کا صدمہ دل سے دور نہ ہوا تھا کہ ہادیٔ طریقت، رہبرِ حقیقت حضرت خواجہ نور اللہ مرقدہٗ نے بھی اپنا سایۂ عاطفت آپ کے سر سے اُٹھا لیا۔ جن لوگوں کو پیر کے ساتھ آپ کی محبت کا حال معلوم ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات نے آپ کو کس قدر مغموم و محزون کیا ہو گا۔ قدرت کا اشارہ تھا کہ اب دوسرے عالم کی سیر ہے۔ اسی کو کہتے ہیں منزلِ امتحان۔ تکمیلِ کمال کے لیے رنج و راحت دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ گو باقی دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں رہتا۔

ہجرت کی تیرھویں صدی نے عالمِ فانی میں قدم رکھا۔ زمانہ پہلے کچھ اور تھا۔ اب کچھ اور ہو گیا۔ نئی صدی کے لیے نئے انداز، نئے دن، نئے صبح و شام آئے۔ عبرت کی آنکھ نئے تماشے دیکھنے لگی۔ وہ شیخ جن کی ہدایت نے خواجۂ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو فقر کا

نیرِ اعظم بنا دیا، وہ پیر جن کی توجہ نے دنیا میں از سرِ نو توحیدی سکہ چلا دیا۔ اب اس عالمِ فانی کی اقامت سے سیر ہو کر عالمِ جاودانی کی طرف عازمِ رحلت ہوئے۔ یہ سانحہ ہوش رُبا، اور یہ حادثۂ روح فرسا ایسا تھا کہ اگر فضلِ خدا شاملِ حال نہ ہوتا اور توفیقِ رفیق ساتھ نہ دیتی تو حضور پُر نور یہ صدمہ کبھی برداشت نہ فرما سکتے تھے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سنی اسی وقت آپ پر بے خودی طاری ہو گئی۔ چھ سات روز تک آپ نے مطلق کھانا نہ کھایا۔ لوگوں سے بات چیت کرنا چھوڑ دیا۔ صورت پر حیرانی اور حالت پر پریشانی نمایاں تھیں۔ معتقدین خوف کی وجہ سے خود دم بخود رہتے۔ کسی میں اتنی مجال نہ تھی کہ کوئی آپ کو سمجھا بجھا سکے یا تسلی و تشفی دے سکے۔ آخر کار سات روز کے بعد حضور کی طبیعت میں خود بخود ہی سکون ہو گیا اور آپ پانچ سو روپیہ اپنے ہمراہ لے کر سیال شریف تشریف لے گئے۔

یہ روپیہ حضرت سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں تعمیرِ مزار کے لیے نذر کیا گیا پھر جلال پور تشریف لا کر دوبارہ پانچ سو روپیہ روانہ فرمائے۔ بعد ازاں تین سو روپیہ اور بھیجے اور جلال پور میں پورے آداب اور تزک و احتشام کے ساتھ چالیسویں کی رسم ادا کی۔ ہزاروں مساکین اور غربا کو کھانا کھلایا۔ حضور کا ارادہ یہ بھی ہوا کہ شیخ کا عرس غیر معمولی اہتمام کے ساتھ کیا جائے مگر چند ایسے امور ایسے مانع آئے (جن میں سے ایک یہ تھا کہ بر موقع عرس شریف حاضری لازمی تھی) کہ عرس ملتوی ہو گیا اور بڑا عرس حضرت خواجہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ کا قرار پایا۔

صاحبزادہ سید محمدؒ قایم الدین شاہ صاحبؒ کی

وفات حسرت آیات

صدمات و مشکلات کا تواتر بھی کس قدر صبر آزما ہوتا ہے یقیناً اہل اللہ قابل صد ہزار آفرین ہیں کہ ایسے ایسے صدمات برداشت کر لیتے ہیں ورنہ یہ وہ صدمے ہیں کہ اگر دن پر پڑیں تو رات ہو جائے۔ پہاڑ پر ان کا بار پڑے تو پانی کر دے یہ وہ صدمات ہیں جن کو دیکھ اور جن سے متاثر ہو کر فرشتے بھی الاماں والحفیظ پکار اٹھتے ہیں اور یہ وہ مصائب ہیں جن کا نام ابتلائے عظیم رکھا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تزکیہ و تصفیۂ قلب کے لیے جہاں اور بہت سی باتیں ضروری ہیں وہاں ایک غم بھی ہے۔ رنج و غم کے باعث خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور رنج کے بعد جب کوئی خوشی ہوتی ہے تو اس کا احساس کماحقہٗ ہوتا ہے۔ نعمتوں پر خدا کا بہتر شکر وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں پہلے غم کا مزہ بھی مل چکا ہو۔

تاہم تواتر اندوہ والم سے اگر پائے استقلال ڈگمگا جائے اور صبر و استقامت میں فرق آجائے تو اسے بشریت پر محمول کیا جائے گا۔ پھر زہے نصیب۔ ان اہل اللہ کے جو باوجود متواتر غمگینی اور اندوہ پذیری کے صبر و استقامت پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں اور ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں ہوتی۔

پیر و مرشد کی وفات کے بعد چند سال تک کوئی سانحہ پیش نہ آیا اور صاحبزادہؒ مرحوم کے انتقال تک جو زمانہ گذرا وہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے سکون و اطمینان کا زمانہ تھا اور ابوالبرکات حاجی الحرمین الشریفین حضرت سید محمد فضل شاہ صاحبؒ موجودہ

سجادہ نشین درگاہ جلال پور شریف) دام اللہ فیوضہم کی پیدائش نے آپ کے دل کو کچھ اور بھی ہلکا کر دیا تھا جو ۱۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

صاحب زادہ محمد قایم الدین شاہ مرحوم جوان عمر تھے، ابھی دو سال ہوئے تھے کہ حضور ان کی شادی بڑے دھوم دھام کے ساتھ کر چکے تھے۔ ۲۱ برس کی عمر تھی مگر کچھ ایسے اوصافِ حمیدہ ان میں جمع ہو گئے تھے کہ حضرت خواجہ صاحب انہیں بہت زیادہ چاہتے تھے۔

خدمت گزاری، عجز و انکساری، ایثار و غربا پروری کا مادہ صاحب زادہ مرحوم میں قدرت نے بیش از بیش ودیعت کیا تھا مگر منشائے الٰہی ہنوز صبر آزمائی کے لیے تیار تھی۔ یکایک صاحبزادے علیل ہوئے۔ علاج شروع ہو گیا۔ علالت معمولی تھی مگر غیر معمولی تدابیر اس کے رفع کرنے کے لیے کام میں لائی گئیں لیکن تقدیر کسی اور ہی فکر میں تھی۔ آخر ۱۲؍ رجب المرجب ۱۳۱۶ھ کو عشا کے وقت آپ کی روح پر فتوح رفیقِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

صاحب زادہ مرحوم شرقی محل میں قضائے الٰہی کے آگے ساکت و خاموش پڑے تھے اور حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ جنوبی محل میں رونق افروز تھے۔ ناگہاں ایک درویش نے آکر حضور کو اس سانحۂ ہوش ربا کی خبر دی۔ حضور نے تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ فرمایا اور سجدہ میں سر جھکا دیا۔

فرطِ غم سے آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں لیکن آنسو ایک بھی نہ ٹپکایا۔ ضبط و تحمل سے کام لیا۔ کوئی حرکت اضطراری و بیقراری آپ سے سرزد نہ ہوئی اور اس صبر و استقلال کو جو آپ کے ورثہ میں پشت در پشت چلا آرہا تھا۔ لوگوں کے سامنے ایسی صورت میں پیش کیا کہ

دیکھنے والے دنگ رہ گئے ؎

صدمۂ جانکاہ سے دل کو نہ گھبرایا کبھی ۔۔۔ سنگِ آفت سے بھی شیشے میں نہ بال آیا کبھی

غیر معمولی حوادث نے نہ تڑپایا کبھی ۔۔۔ دل کو سمجھایا کبھی، خاطر کو بہلایا کبھی

نام زندہ آپ نے خلقِ نبیؐ کا کر دیا

تھا جو آئینِ محبت اُس کو پورا کر دیا

صاحب زادہ صاحب مرحوم کی قبر خود ان کے زیرِ تعمیر بنگلے میں بنائی گئی اور پھر حضرت خواجۂ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے زیرِ اہتمام اس کی تکمیل ہوئی جس میں تین چار ہزار روپیہ صرف ہوئے۔ سنگِ مرمر کا مقبرہ بنوا کر اُس پر مُطلا اور مذہب نقش و نگار سے گُل کاری کی گئی۔ فریضۂ مغرب، نوافل اور ختمِ خواجگان کے بعد حضور کا یہ معمول تھا کہ صاحبزادہ صاحب مرحوم کی قبر پر دیر تک بیٹھ کر مراقبہ فرمایا کرتے تھے۔

صاحبزادۂ مرحوم کی وفات پر اکثر شعراء نے تاریخیں لکھی ہیں۔ دو چار درجِ ذیل ہیں

پسرِ حیدر کہ بود فخرِ انام ۔۔۔ بسفر رفت سوئے دارِ سلام

از سرِ لَآ اِلٰہ رضوان گفت ۔۔۔ قائم الدین بخلد کرد مقام

ایضًا

شہ قائم الدین عالی تبار ۔۔۔ زدارِ فنا شد بدارِ القرار

بتاریخش از شیخ شد یادگار ۔۔۔ بدو رحمتِ پاکِ پروردگار

ایضًا

سیدٌ، شابٌ، جوادٌ، قائم الدین الحسن ۔۔۔ قد مضیٰ فی شہرِ رجب نحو جنّاتِ العدن

قال فی تاریخہٖ تشنیخ مَلِیؔ بالحزن ۔۔۔ رحمۃ اللہ علی روحٍ منوط بالمنن

تقسیمِ اوقات

جناب نے اپنے اوقاتِ عزیز کا اکثر حصّہ عبادت و ریاضت کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا۔ تہجد خوانی کے بعد جناب اوراد و اذکار کے پڑھنے میں مصروف و مالوف رہتے صبح کی نماز کے بعد مسبعات عشر پڑھتے اور کچھ تسبیحوں کے اوراد، اس کے بعد تھوڑی دیر تک مریدانِ باصفا کی رخصت کا وقت ہوتا اور کبھی کبھی کسی اہلِ دل سے گفتگو بھی فرماتے پھر نوافل اشراق پڑھ کر وظائف دیر تک پڑھتے رہتے۔ حتیٰ کہ ضحیٰ کا وقت داخل ہوجاتا نوافلِ ضحیٰ پڑھ کر کھانا تناول فرماتے (ہمیشہ دولت خانہ میں تشریف لیجا کر کھانا جناب کی عبادت میں داخل تھا) ازاں بعد ایک عام مجلس ہوتی جس میں ہر ایک کہ ومہ بلا امتیاز مدارج ومراتب وبلا رکاوٹ دربان شریک اور جناب کے مواعظِ حسنہ اور پاکیزہ خیالات سے مستفیض و مستفید ہوتے۔ گفتگو میں اکثر آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال فرماتے اور کبھی کبھی مولانا روم علیہ الرحمۃ کی مثنوی شریف، شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر شعرائے متصوفین کے اشعار بھی طرۃُ اللباب معرضِ بیان میں آتے۔ کبھی دن تو ظہر کی نماز تک وہ محفل منعقد رہتی جس کی فضیلت میں مولانا روم ارشاد فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ زہد و اتقاءُ

اور اکثر بعد از برخاست مجلس موسمِ گرما میں عموماً اور موسم سرما میں کبھی کبھی قیلولہ کی سنّت ادا فرماتے۔ ظہر کی نماز کسی قدر تاخیر سے پڑھ کر (جو حنفی شریعت کی رو سے پورے وقت

میں ہوتی) قرآن کی تلاوت اچھی ترتیل اور قرأت سے فرماتے۔ اور سوا پارہ منزل پڑھتے جس کی تلاوت میں بہت وقت خرچ ہو جاتا۔ بعد ازاں چند ایک تسبیحیں پڑھتے۔ اسی اثنا میں عصر کا وقت داخل ہو جاتا۔ بعد از فراغ فریضہ عصر شام تک تسبیحیں پڑھتے تھے۔ شام کے بعد دیر تک نوافل پڑھتے۔ اُن سے فارغ ہو کر ختم خواجگان دیگر درویش معرکہ و پیر برادران کی شراکت سے (جن کے لیے خاص شرائط مقرر ہیں) پڑھا جاتا۔ پھر اپنے عزیز ترین مرحوم فرزند صاحب زادہ قائم الدین شاہ نور اللہ مضجعہ کی تربت پر تشریف لے جا کر (جو محلات کے وسط میں واقع ہے) وہاں دیر تک فاتحہ خوانی میں مشغول رہتے پھر لنگر خانہ میں تشریف آوری ہوتی اور طعام پر ختم دلا کر دولت خانہ میں تشریف لے جاتے۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد اپنی مسند پر واپس آتے اور کئی ایک سائلین و اہل غرض کے عرضِ حال سُنتے۔ دُعائے خیر فرماتے اور عشا کی نماز ادا فرمانے کے بعد خواب استراحت کی تیاری ہوتی لیکن نیند کیسی تھی بعینہ ویسی کہ "میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا رہتا ہے۔" (حدیث شریف)

عام طور پر جناب نے اپنے اوقات کو مندرجہ بالا مشاغل پر تقسیم کر رکھا تھا۔ ہاں کبھی کبھی اژدحام و انبوہ خلائق یا بیماری وغیرہ کے موقعہ پر کچھ تقدیم و تاخیر ہو جاتی۔ لیکن شاذ و نادر۔ آپ سوتے بہت کم تھے بلکہ ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ نفی و اثبات آپ کے دل میں ایسا نقش ہو گیا تھا کہ جس وقت آپ سانس لیتے تھے لفظ لَآ اِلٰہَ کا نکلتا اور جب سانس اندر کھینچتے تو اِلَّا اللّٰہُ کا آوازہ آتا تھا۔

آپ انضباطِ اوقات کے سخت پابند تھے۔ جملہ لطائف خاندانِ چشت جو ابتدا میں شروع کیے گئے۔ آخیر دم تک باترتیب ادا ہوتے رہے۔ مریدوں کو بھی مداومت

وظیفہ کی ہدایت فرماتے تھے۔ جب آپ کے وظیفہ یا نماز کا وقت ہو جاتا تو حاضرین خواہ کس قدر جلیل القدر دنیادار ہوتے اٹھا دیے جاتے۔ آپ کو صبح کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ اور دوپہر کے وقت لنگر تقسیم کرنے کے بعد نمازِ ظہر تک فراغت ہوتی اور یہی وقت دربارِ عام کے تھے۔

آپ کا رعب ولایت کمال درجہ کا تھا باوجودیکہ آپ نہایت خلیق، کشادہ پیشانی خندہ اور فرخندہ خو، حلیم المزاج اور سلیم الطبع تھے اور آپ کا کوئی دربان ونقیب نہ تھا۔ دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا مگر کیا مجال کہ کوئی شخص اوقاتِ وظائف میں حاضرِ حضور ہونے کی جرات کر سکے۔ دربارِ عام میں جملہ حاضرین سرنگوں، مؤدب مثلِ تصویر دکھائی دیتے تھے، سوائے اس شخص کے جس سے آپ مخاطب ہوتے سب چپ چاپ رہتے ؎

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست

صوفی غلام حسین صاحب جو نواحی تونسہ شریف کے کسی امیر کے لڑکے تھے اور بڑے عابد و صوفی باصفا تھے۔ اکثر حضور قبلۂ عالم میں حصولِ فیضان کی غرض سے حاضر ہوتے ان کی بیعت خواجہ الٰہ بخش صاحبؒ تونسوی سے تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں بہت مشائخ کی صحبت سے مستفیض ہوا مگر پابندئ اوقات جو حضرت قبلۂ عالم جلال پوریؒ میں ہے وہ کسی شیخ میں نہیں دیکھی۔ آپ اپنے تمام ورد و وظائف ہمیشہ اپنے وقت پر ادا کرتے ہیں۔

معمولات حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ

اولیاء اللہ کے معمولات کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کا کوئی نفس بغیر یادِ خدا نہیں گذرتا۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے انہیں صرف خدا کے ذکر اور اس کی یاد سے کام رہتا ہے۔ اگر اتفاق سے کوئی وقت کسی دوسری مصروفیت میں گذر بھی جاتا ہے تو دوسرے اوقات میں اس کی تلافی کر دی جاتی ہے اور اوراد و اذکار میں کبھی کمی نہیں کی جاتی۔

یہی وجہ ہے کہ تقربِ خدا انہیں حاصل رہتا ہے اور جو وقت خدمتِ خلق میں ایسے لوگ صرف کرتے ہیں وہ وقت بھی عبادت الٰہی میں شمار کیا جاتا ہے جب وہ کسی سے گفتگو کرتے ہیں تو ان کے نفوسِ مقدسہ خاموشی کے ساتھ "نفی و اثبات و پاس انفاس" میں مصروف رہتے ہیں اور جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو ان کے ہر بُنِ مُو سے ذکر و فکر کے آثار ہویدا ہوتے ہیں۔

بے فائدہ گفتگو، فضول بحث و مباحثہ اور بیکار تقریر سے یہ لوگ اپنے اوقات کبھی ضائع نہیں کرتے بلکہ جہاں تک اُن سے ممکن ہو سکتا ہے ان فضولیات سے بچ کر صرف ذکرِ خدا میں لگے رہتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کے لیے حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ:

"ہر نفسے کہ برمی آید ممد حیات است و چوں فرو مے رود مفرح ذات"

دست بکار و دل بہ یار" کے دشوار العمل مقولے پر یہی لوگ عمل پیرا ہو سکتے ہیں اور انہیں لوگوں کو ہر وقت تقرب کا درجہ میسر رہتا ہے۔

چناں چہ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے معمولاتِ مستمرہ سے بھی یہی ترشح ہوتا ہے کہ آپ کا کوئی وقت اور کوئی لمحہ ذکرِ الٰہی سے خالی نہ گذرتا تھا۔ آپ علی الصباح اُٹھتے استنجا اور طہارت سے فارغ ہو کر لکڑی کی چوکی پر وضو فرماتے۔ کھڑاؤں پہن کر مصلٰے تک تشریف لے جاتے اور مصلّے پر بیٹھ جاتے۔ اسمائے الٰہی کا ورد فرما کر دو رکعت نمازِ سنت فجر ادا فرماتے اور مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کرتے۔

آپ کا معمول تھا کہ پانچوں وقت کی نماز کے بعد دس مرتبہ درود شریف، دس مرتبہ سورۂ اخلاص تلاوت فرماتے اور ستر مرتبہ یَا وَهَّابُ اور مسبعاتِ عشر بعد از نمازِ فجر تسبیح پر پڑھتے۔ پھر جو شخص بیعت کے لیے آتا اسے بیعت فرماتے اور جو شخص رخصت چاہتا اُسے دُعائے خیر کے ساتھ رخصت فرماتے۔ کسی سے ارشاد ہوتا کہ مسجد میں جاؤ اور وظیفہ پڑھو۔

جب وقتِ چاشت آتا تو مسواک کے ساتھ تجدیدِ وضو فرماتے۔ پھر شانہ کر کے اسبوح شریف، درودِ مستغاث، دعائے کبیر ایک مرتبہ، سلسلہ شریف چشتیہ اور کبریتِ احمر تین بار اور ایک منزل دلائل الخیرات کی پڑھتے (اس کی ابتداء یوم جمعہ سے ہوتی تھی) اس کے بعد چند وظائف تسبیح پر پڑھ کر پھر لوگوں سے بات چیت کرتے تھے۔

جب آفتاب قریب نصف النہار پر پہنچتا تو پھر تجدید وضو فرما کر سولہ رکعتیں بہ تفصیل ذیل ادا کرتے :۔

اوّل دو رکعت نمازِ شکر اللہ۔ پھر دو رکعت نمازِ استعاذہ، پھر دو رکعت نمازِ استخارہ، پھر دو رکعت نمازِ شکر النّہار، پھر دو رکعت نمازِ حق الوالدین، پھر

چار رکعت نماز صلوٰۃ العاشقین پڑھتے۔ ہر دوگانے کے بعد مشہور دعائیں فرماتے۔ اگر اس وقت لنگر تیار ہوجاتا تو دعائے خیر کے ساتھ اجازت تقسیم فرماتے۔

جب تمام درویش اور مسافر کھانے پینے سے فارغ ہو چکتے تو آپ اپنی دولت سرای میں تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرما کر واپس تشریف لے آتے۔

لوٹ کر علم تصوّف اور مذاقِ طریقت کی کتابیں مثلاً مثنوی شریف وغیرہ مطالعہ کرتے اور حاضرین سے مکالمہ فرماتے۔ عرضیوں کا جواب لکھواتے، خطوط دیکھتے، دعائے خیر فرماتے۔

آلانی چارپائی پر آپ قیلولہ فرماتے تھے اور آپ کا خواب مثلِ غنودگی ہوتا تھا قیلولہ سے اُٹھتے تو نماز ظہر کی تیاری فرماتے اور نماز سے فارغ ہوکر تسبیح پر وظیفہ پڑھتے اور قرآن کریم سواپارہ بآوازِ بلند باترتیل وترتیب وباستحباب وآدابِ تلاوت فرماتے۔ اگر وقت زیادہ ہوتا تو دربارِ عام فرماتے اور ہر شخص کے استفسار کا جواب دیتے۔

یہاں مولوی کرم الٰہی صاحب فرماتے ہیں کہ جس وقت قبلۂ عالم خاموش ہوجاتے اس وقت چڑیوں کی بھی مجال نہ تھی کہ چون وچرا کریں۔ پھر بھلا آدمی کی تو کیا طاقت تھی کہ کچھ مُنہ سے بول سکے۔

جب وقت عصر آتا تو آپ حاضرین سے ادائے نماز کے متعلق ارشاد فرماتے اور خود بدولت وضو کی تجدید فرما کر چار رکعت نماز سنّت ادا فرماتے اور پھر مسجد میں جاکر نماز باجماعت گذارتے۔ پھر اپنے مقام پر آکر چند وظائف ومسبعاتِ عشر وغیرہ پڑھتے۔ جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو پھر حاضرین سے ادائے نماز کے لیے کہتے

اور خود بھی تجدید وضو کے ساتھ باجماعت مسجد میں نماز مغرب ادا کرتے اور دعا مانگ کر اپنے مقام پر آتے اور نوافل اوابین چھ رکعت۔ حفظ الایمان دو رکعت اور سوموار کی شب کو صلوٰت السعادت چار رکعت اور کبھی کبھی صلوٰۃ تسبیح بھی پڑھا کرتے۔ بعد ازاں چند وظائف تسبیح پر پڑھتے۔ مراقبہ فرماتے اور ختمِ خواجگانِ چشت پڑھتے۔ بیعت کرتے اور وظائف کی تلقین فرماتے تھے۔

جب لنگر تیار ہو جاتا تو دعائے خیر اور اجازت تقسیم فرماتے اور جب سب کھا پی کر فارغ ہو جاتے تو آپ حرم خانہ میں تشریف لیجا کر حسبِ مرضی کچھ تناول فرما کر واپس تشریف لے آتے۔ گرمیاں ہوتیں تو صحن خانے میں اور سردیاں ہوتیں تو شمالی محل میں الانی چارپائی پر آرام فرماتے۔ سعادت مند حاضرین پاؤں دابنے کی سعادت حاصل کرتے اور ہر قسم کی گفتگو ہوتی رہتی۔

جب رات کا تیسرا حصّہ گذر جاتا تو نمازِ عشا باجماعت ادا کرتے اور اورادِ موقتہ تسبیح پر پڑھ کر آرام فرماتے اور ابھی رات کا کافی حصّہ باقی ہوتا کہ حضورِ انور بیدار ہو کر وضو فرما کر نمازِ تہجد حسبِ معمولِ خواجگانِ چشت ادا فرماتے اور بعد ازاں صبح کی نماز تک مصلیٰ شریف پر بیٹھ کر تسبیح پر ورد خوانی ہوتی رہتی۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ جمعہ کے روز غسل و حجامت سے فارغ ہوا کرتے تھے۔

تواریخ عرائس جنہیں حضرت قبلہ عالم منعقد فرماتے تھے

عرائس سے بزرگانِ دین کی یاد کا قیام اور ان کے روزِ وصال کی یادگار کا احیاء مقصود ہوتا ہے۔ یوں تو جب فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھا دیجیے ثواب پہنچ جائے گا لیکن

ایامِ متبرکہ میں ایصالِ ثواب ایک عجیب شان رکھتا ہے اور واصلین کی ارواحِ مقدسہ کو ایک خاص لطف محسوس ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ بھی بزرگانِ دین کے عرائس کا انعقاد فرمایا کرتے تھے جن کی تاریخیں حسبِ ذیل ہیں :۔

۵۔ محرم الحرام عرس حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۔
۷۔ صفر المظفر عرس حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۴۔ صفر المظفر عرس حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۔ ربیع الاول عرس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔
۱۷۔ ربیع الثانی عرس حضرت سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
۶۔ رجب المرجب عرس حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۱۔ رجب المرجب عرس صاحبزادہ سید محمد قائم الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔
۶۔ شعبان المعظم عرس صاحبزادہ سید محمد بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ۔
۲۱۔ رمضان المبارک عرس حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ۔
۳۔ ذی الحجہ عرس حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ۔

حضرت خواجہ غریب نواز حسبِ الحکم شارع علیہ السلام کہ لِکُلِّ دَآءٍ دَوَآءٌ ہر مرض کا علاج معالج سے کراتے تھے اور جمعہ اور بدھ کے روز سفر نہیں فرماتے تھے کیوں کہ حضرت خواجہ سیالویؒ بھی ان دنوں میں آپ کو رخصت نہیں فرمایا کرتے تھے۔

☆

وفات حسرت آیات

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط

ھر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
زجام دھر مئے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

رہیں گے پھول نہ پھولوں میں رنگ و بو باقی رہے گا اے میرے معبود ایک تو باقی
بقا کسی کو نہیں ہو کوئی ولی کہ نبی یہ سب تجھی پہ مٹیں گے رہے گا تو باقی

موت، اجل، مرگ، فنا، یہ سب وداعِ حیات کے نام ہیں۔ آدم علیہ السلام سے اس وقت تک کوئی متنفس ایسا نہیں ہوا جسے موت نہ آئی ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق بروایاتِ صحیحہ ثابت ہوا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہوں نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو آیہ مرقومہ بالا کے کلیہ میں فرق آنا لازمی ہے تاہم یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ صورِ محشر کی پہلی آواز ان ابدی حیات کے دعوے داروں کو بھی لذتِ مرگ سے غیر آشنا نہیں رکھ سکتی اور یہ یقین ہمیں کلیہ معلومہ کی تنسیخ سے بے نیاز کر دینے کے لیے کافی ہے۔

تاہم اگر یہ مقدس نفوس لذتِ مرگ سے ناآشنا بھی رہے تو دنیا ان کے وجود سے خالی تو ضرور ہو گئی۔ حضرت خضر علیہ السلام و حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا شاید بقیدِ جسم کسی سے نہیں ملے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بظاہر مصلوب ہیں اور اس کے بعد

دنیا میں کسی نے انہیں بقیدِ جسم و حیات نہیں دیکھا۔ حضرت ادریس علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیے گئے اور جنت میں متمکن کر دیے گئے جس کے بعد کسی نے ان کی زیارت نہ کی

اسی پردۂ ظاہری کا نام انتقال یا وفات ہے۔ عامۃ الناس جن میں کوئی روحانی و ملکوتی خصوصیت نہیں ہوتی مرنے کے بعد بالکل مر جاتے ہیں اور اُن کی موت کو حقیقی موت کہا جا سکتا ہے لیکن انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی موت عام لوگوں کی موت سے بالکل متغائر و متمائز ہوتی ہے جس کے ثبوت میں اولیاء اللہ کے ہزاروں خرقِ عادات جن کا ان کی وفات کے بعد فوراً ہی ظہور ہوا اور وہ جنازے سے اُٹھ اُٹھ بیٹھے، کافی ہیں۔

فنا یا موت ایک ایسی لازمی فطرت ہے جس کا اطلاق تمام نفوسِ حیات پر ہوتا چلا آتا ہے اور کوئی نبی و ولی، حکیم یا ڈاکٹر، بادشاہ یا فلاسفر، اس کلیئے سے مستثنیٰ نہیں رہا ہے۔ خدا کے بندے ایسے ایسے بھی گذرے جن کے پاؤں کی ٹھوکر سے مردے زندہ ہو گئے۔ حکما بھی ایسے ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے مردوں کو معمولی چیر پھاڑ کے بعد زندہ کر دیا لیکن بالآخر انہیں بھی موت کا ذائقہ چکھنا پڑا۔

خدائے خلاق نے جس نبی مرسل کی شان میں "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" فرمایا اسے بھی یہ ذائقہ ضرور چکھایا "تا بہ دیگراں چہ رسد"، پس معلوم ہوا کہ دنیا میں جو نفس آیا ہے وہ جانے کے لیے آیا ہے۔ جو پیدا ہوا وہ ضرور ناپید ہوگا اور بجز ذاتِ پروردگار کوئی حی و قیوم ثابت نہ ہوگا۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

جس طرح موت ایک گنہگار کے لیے موجب سزا ہے اسی طرح ایک قدسی صفت انسان کے لیے سبب قربِ الٰہی۔

اولیاء اللہ تقرب کے اُن درجات کے لیے اپنے دورِ حیات میں بے حد مضطرب الحال رہتے ہیں جو عالم برزخ کے طے کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں گو زندگی کی معجز نما گھڑیوں میں مقربانِ الٰہی ہزاروں اور لاکھوں مرتبہ قرب و وصلِ الٰہی حاصل کر لیتے ہیں۔ تاہم ابدی وصال اور جاودانی وصل گاہ کا لطف جان دینے سے پہلے حاصل نہیں ہوتا۔

اِس کے علاوہ جس طرح زندگی ایک ذی حیات کے لیے باعث فخر و تمرد ہو سکتی ہے۔ اسی طرح موت قوت و قدرتِ الٰہی ثابت کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اگر صرف زندگی ہوتی اور موت نہ ہوتی تو اغلب تھا کہ انسان خدا کے وجود سے انکار کر دیتا اور قدرت پر ایمان نہ لاتا۔

جب حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے سوال کیا کہ الٰہی کیا اچھا ہوتا اگر زندگی ہوتی اور موت نہ ہوتی۔ جواب ملا کہ اے موسیٰ پھر ہمارے بندے ہمارے جمال سے کس طرح مستفیض ہوتے معلوم ہوا کہ موت دیدارِ الٰہی کا سبب بھی ہے۔

بہر نہج موت ایک ضروری، لازمی، اور ہونے والی بات ہے جو ایک دن ضرور ہو کر رہے گی۔ اس لیے موت پر رنج و افسوس کرنا بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا ہے مجھے موت آئے اور آپ کو اپنی زندگی کی ابدیت کا یقین ہو تو آپ جتنا بھی روئیں کم ہے لیکن جب آپ کو بھی مرنا ہے اور میری ہی طرح اس شاہراہ فنا سے گذرنا ہے تو آپ کا رونا چلانا اور تڑپنا، سب بے سود اور بے معنی ہیں۔ میں مردں تو اپنی موت کو یاد کر، تجھے تسکین ہو جائے گی۔

یہاں موقعہ نہیں ہے کہ فلسفۂ فنا پر مبسوط بحث کی جائے۔ اس لیے ارادتاً اس سے درگذر کی جاتی ہے اور اصل مطلب بیان کیا جاتا ہے۔

جب یہ ثابت ہو چکا کہ پردۂ ظاہری تمام اولیاء اللہ کے لیے لازمی ہے تو حضرت قبلۂ عالمیان خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ بھی اس کلیہ سے بچ نہ سکتے تھے۔ آخر جب ہزاروں خدا کے بندے آپ کی بیعت سے مستفیض ہو چکے اور آپ کا دورِ تبلیغ و ارشاد ختم ہو چکا تو قضائے الٰہی نے تکلیفِ حیات سے بچانے کے لیے آپ کو اپنی طرف بلانے کا انتظام کیا۔

خدا کے مقبول بندوں کو اپنے انتقالِ جسمانی کا علم بہت پہلے ہو جاتا ہے لیکن وہ عام طور پر اس کا اعلان اس لیے نہیں فرماتے کہ دستورِ عالم اور آئینِ کائنات میں کوئی طوفان برپا نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت قبلۂ عالم کو بھی اپنی وفات کا حال بہت پہلے معلوم ہو گیا تھا۔

آپؒ نے وفات سے تین سال پہلے حضرت خواجہ سید محمد مظفر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو بعدِ وفات صاحبزادہ سید بدیع الزمان و سید قائم الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما آپ کے اکلوتے فرزند کی حیثیت سے موجود تھے اور جن کی ذات ستودہ صفات ہر طرح منصب خلافت کی اہلیت و استحقاق رکھتی تھی۔ خلافت دے دی تھی اور کچھ زکوتیں بھی نکالی تھیں۔ اگرچہ سمجھنے والے سمجھ گئے تھے کہ عطائے خلافت خالی از حکمت نہیں ہے۔ مگر آپ سے کوئی ایسی بات سننے میں نہیں آئی جس سے معلوم ہوتا کہ ایامِ وفات قریب آ رہے ہیں۔

آخری سفر سیال شریف بالکل غیر ارادی طور پر ہوا اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ سیال شریف کب تشریف لے جائیں گے تاہم ایک باطنی کشش تھی جو لوگوں کو آپ کے

ل بروایت حضرت خواجہ سید محمد فضل شاہ صاحب دام برکاتہم سجادہ نشین جلال پور شریف ۱۲

دامنِ فیض کی طرف کشاں کشاں یہ چلی آتی تھی۔ کوئی مقام اور کوئی اسٹیشن ایسا نہ تھا جہاں ارادت مندوں کی فوجیں مشتاقِ زیارت نہ کھڑی ہوں۔

دس سال کے بعد حضور کا سیال شریف جانا ایک غیر معمولی بات تھی چنانچہ سید سیدن شاہ صاحب مثل خوان منصفی ڈنگہ سے ایک ماہرِ فن نجومی نے کہا تھا کہ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کا اس مرتبہ سیال شریف تشریف لے جانا آپ کے وصال پر دال ہے۔

آخر صفر ۱۳۲۶ھ میں آپ سیال شریف تشریف لے گئے اور ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو آپ نے وفات پائی۔ گویا سفر سیال شریف اور سفرِ آخرت میں صرف تین مہینے کا تفاوت رہا۔

وفات سے پہلے جناب خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید محمد مظفر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو بلا کر انتظامِ لنگر و تعمیر عمارات وغیرہ کے متعلق مناسب ہدایات فرمائیں اور فرمایا کہ اجرائے لنگر و تعمیر مکانات ہمارے خاندان میں نہایت ضروری ہے ان باتوں کو قائم رکھنا اور ان سے غافل نہ ہونا۔

۵ رجمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو اتوار کے دن آپ کو خفیف بخار محسوس ہوا۔ گلقند وغیرہ کھلا دیا گیا۔ یہاں ایک عادت مستمرہ تھی کہ جب کسی کو کوئی مرض لاحق ہوتا تو ختمِ قرآن ضرور کرا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ سید محمد مظفر علی شاہ اعلی اللہ مقامہٗ نے قاضی عالم شاہ صاحب سے فرمایا کہ ختمِ قرآن کریں چنانچہ انہوں نے دو تین آدمیوں کی شمولیت سے یہ کام انجام دیا۔

پیر کے دن رات کو قبلۂ عالم نے ذکرِ جہر اس زور شور اور پوری طاقت کے ساتھ

جاری رکھا کہ تمام گرد و نواح کے رہنے والوں نے آپ کی آواز سُنی۔ صبح ہوئی تو ضعف زیادہ معلوم ہونے لگا۔ موافق سنت حضرت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ آپ نے دو رکعت نماز فرض ادا کی اور تمام وظائف پڑھے۔

دو گھڑی کے بعد آپ نے فرمایا کہ سب آدمیوں کو باہر کر کے دروازہ بند کر دو اور مائی صاحبہ اور صاحبزادیوں کو بلاؤ۔ تعمیلِ حکم کی گئی۔ سب آئے اور آپ نے سب کو خداوند کریم کے سپرد کیا اور خود ذکرِ حق میں مصروف و مشغول ہو گئے۔ آخر بعد زوال اور قبل از نماز ظہر دو بار لفظ "اللہ" بآواز بلند آپ کی زبان سے نکلا جسے تمام حاضرین نے سُنا جب تیسری مرتبہ "اللہ" کہا تو "ہ" پر روحِ پرفتوح جسمِ مبارک سے پرواز کر گئی

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ وَصَلَ الْحَبِيْبُ بِالْحَبِيْبِ وَلَاقٰى بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى۔

بروایت حضرت خواجہ سید محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ و بروایت حافظ فتح الدین صاحب سکنہ لوہسر (خادم خصوصی حضور پرنور) و چوہدری فتح الدین گجراتی، ارادت کیش حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے کہ ۵ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو اتوار کے دن وضوئے ظہر کے بعد حضور نے فرمایا کہ حافظ جی مظفر شاہ کو بلاؤ، بلایا۔ وہ آئے تو فرمایا کہ میری نبض دیکھو۔ انہوں نے نبض دیکھ کر کہا کہ حرارت بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ قدرے لسی (دودھ اور پانی ملا ہوا) پی لیجیے۔ پس فرمانِ حضور کے مطابق کاسۂ شیر اندرون حرم سرائے سے منگوایا گیا اور سر دھونے کے لیے پانی بھی رکھ دیا گیا۔ جب لسی تیار ہو گئی تو عرض کیا گیا کہ پی لیجیے۔ فرمایا بعد ظہر پئیں گے جب بعد نماز عرض کیا گیا تو فرمایا کہ ابھی پیتا ہوں۔

اس اثنا میں حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف اور سید نواب شاہ صاحب حضور کے داماد، دونو آ گئے۔ حضرت سید محمد فضل شاہ دام برکاتہم کی شادی کے متعلق گفتگو چھڑ گئی اس لیے دیر ہو گئی۔ جب وہ دونو چلے گئے تو حضور تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف ہو گئے۔ پھر حسبِ دستور روزانہ دو ہزار درود شریف پڑھے۔ اس کے بعد پھر لسی پینے کے لیے عرض کیا گیا فرمایا کہ گھر میں جا کر پی لوں گا۔ پس آپ اندر تشریف لے گئے اور تازہ دودھ پی کر فوراً واپس تشریف لائے۔ تازہ پانی غسل کے لیے طلب فرمایا۔ جنوبی برآمدے میں تازہ پانی کا گھڑا بھر کر رکھ دیا گیا۔ اتنے میں صاحبزادہ صاحب آئے تو حضور نے اُن سے پوچھا کہ بدن میں گرمی معلوم ہوتی ہے۔ نہالوں یا نہیں۔ انہوں نے کہا نہا لیجیے پھر حضور نے فرمایا "مظفر شاہ یہاں آؤ" یہ کہہ کر حضور مغربی بنگلے کے میدان کی طرف چلے اور صاحبزادہ صاحب سے پوچھا کہ معمار اپنے کام میں مشغول ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ یہ کارِ عمارت نہایت نیک ہے اور اس خاندان کا وظیفہ ہے اور لنگر بھی ہمارے بزرگوں کی رسم ہے۔ یہ دونو وظیفے کسی وقت ترک نہ ہوں کیوں کہ ان سے دنیا میں عزت و حرمت بڑھے گی اور عقبیٰ میں مدارج و مراتب حاصل ہوں گے ان دونوں وظیفوں کی بنیاد دل کی استقامت پر قائم ہے۔ دل اگر مستقیم ہے تو پھر مقصد حاصل ہے۔ لوگ آئیں یا نہ آئیں۔ اپنا دستور نہ چھوڑنا چاہیے۔

پھر شام کی نماز باجماعت مسجد میں ادا فرمائی اور نفل اوابین و حفظ الایمان مصلے پر آ کر پڑھے اور چارپائی پر لیٹ کر تسبیحات تمام فرمائیں۔ پھر مصلے پر بیٹھ کر ختم شریف باجماعت پڑھا۔ اس کے بعد پانی پیا اور خوابِ استراحت فرمایا۔

معتقدین جنہیں آپ کے پاؤں دابنے کی سعادت حاصل تھی کہتے ہیں کہ بخار اُس

وقت بہت زور کا چڑھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک کنیز تین مرتبہ اندر سے حضور کو کھانے کے متعلق عرض کرنے آئی۔ آپ اُٹھے حرم سرائے میں گئے اور اُلٹے پاؤں واپس آئے لوگوں نے پوچھا کہ حضور اتنی جلدی چلے آئے تو فرمایا کہ ہاں پانی پیا اور چلا آیا۔ کچھ اور کام نہ تھا۔ اس کے بعد آپ پھر چارپائی پر لیٹے اور سو گئے۔

مریدان حاضر الوقت کا بیان ہے کہ اس روز اکثر و بیشتر اسمِ ذات "ھو اللہ" کا ورد بالجہر حضور کی زبان پر رہا۔ دو ایک مرتبہ حضور نے پانی پیا۔ پیشاب کیا، استنجا فرمایا بوجہ عذر تیمم کیا۔ نماز خواب ادا فرمائی اور پھر سو گئے۔

حضرت خواجہ سید محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں چھت پر سو رہا تھا۔ آدھی رات کو حضور کے پاس آیا۔ درویش سو رہے تھے اور حضور بیدار تھے پوچھنے لگے مظفر شاہ تم اس وقت کیسے آئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا حال دیکھنے کو چلا آیا۔ فرمایا اچھا ہوں۔ میں نے کہا کہ درویشوں کو جگا دوں، فرمایا کچھ ضرورت نہیں انہیں تکلیف نہ دو اور تم بھی سو رہو۔

خواجہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ جب ایک گھڑی رات باقی تھی تو میں پھر آیا۔ درویش بھی سو رہے تھے اور حضور بھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ اب حالت اچھی ہے۔ اس لیے خود بھی چلا گیا اور سو رہا۔ پھر میں صبح کے وقت آیا تو دیکھا کہ آپ جوتا پہنے چارپائی سے پاؤں لٹکائے تشریف فرما ہیں۔ مجھ سے پوچھنے لگے کہ وضو کروں یا نہیں۔ میں نے کہا تیمم کر کے نماز پڑھ لیجیے۔ مبادا پانی کے استعمال سے بخار ہو جائے۔ پس حضور نے تیمم کیا۔ کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور قبل از نماز اسمائے حسنیٰ پڑھے۔ پھر اس جگہ جو چیزیں رکھی تھیں۔ انہیں محفوظ کرتے اور چارپائی کو بنگلے سے باہر مغربی صحن میں لیجانے

کا حکم دیا۔ تعمیل حکم کی گئی۔ حضور چارپائی پر لیٹ گئے۔ مستعات تمام کیے۔ چشمہ لگا ہوا تھا اور بخار صبح کے وقت کسی قدر ہلکا ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد حضرت صاحب زادہ صاحب آئے۔ حضور نے اُن کے لیے دعاءِ خیر کی اور شربت طلب فرما کر کہا کہ پیاس بہت معلوم ہو رہی ہے۔ شربت بنفشہ اور نیلوفر وہاں موجود تھا پلا دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ ہوا اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ چارپائی جنوبی برآمدے میں بچھا دی جائے۔ عمل کیا گیا۔ حضور نے دو گھڑی وہاں آرام فرمایا۔ پھر فرمایا کہ چارپائی بنگلے میں شمالی دیوار کے قریب بچھا دو۔ تعمیلِ حکم کی گئی۔ اتنے میں صاحب زادہ صاحب موصوف پھر آئے اور حضور کے بدن پر بادام روغن ملنے کی اجازت چاہی تاکہ اس طرح پسینہ آ جائے اور بخار اتر جائے۔ بخار اُس وقت خوب چڑھا ہوا تھا لیکن حضور کی عادت تھی کہ حضرت موصوف کی کسی بات کو ٹالتے نہ تھے اور ان کی مرضی کے مطابق ہر کام کرتے تھے۔ اس لیے منع نہ فرمایا۔ بنگلے کے دروازے بند کر دیے گئے بادام روغن ملا گیا لیکن پسینہ نام کو بھی نہ آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد حکم حضور سے دروازے کھول دیے گئے اور چادر الگ کر دی گئی۔ اس کے بعد جوشِ بخار میں آپ نے کئی بار پانی مانگا۔ تپش اور پیاس بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ پیشاب بھی دو تین مرتبہ ہوا لیکن جب ضرورت ہوئی مشرقی شمالی دروازہ کی طرف حضور گئے اور رفعِ حاجت فرمائی۔ جہاں ایک طباقچے میں ریت بھری ہوئی

ؑ اس بنگلے میں دو دروازے جنوب و شمال کی طرف معہ برآمدہ کے واقع ہیں۔ ایک دروازہ مغرب کی طرف معہ برآمدہ کے ہے اور ایک دروازہ مشرق کی جانب درمیان روضہ حضرت خواجہ قائم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ واقع ہے دو کمرہ ہیں ایک میں مزار مصوبر اور دوسرے میں حضرت کی نشست رہتی تھی اسی میں اب حضور کا مزار ہے

رکھی تھی۔ آخر وقت میں جب ضعف زیادہ ہو گیا تو دو شخصوں کی مدد سے آپ پیشاب کے لیے گئے اور انہیں کی مدد سے چارپائی پر لٹائے گئے۔

اس اثنا میں حضرت صاحبزادہ صاحب تشریف لائے۔ آپ نے ان کے لیے دو تین مرتبہ دعائے خیر فرمائی۔ اس سے پہلے آپ نے اہلِ حرم کو طلب کیا تھا۔ ایک کنیز اندر سے آئی اور اہلِ حرم کے آنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا آنے دو۔ لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب نے بہ سبب تقسیم لنگر و آمد و رفت درویشان عورتوں کا باہر آنا ملتوی کر دیا۔ تقسیم لنگر کے بعد دروازہ بند کر دیا گیا تاکہ کوئی غیر شخص نہ آئے مادر مومنین حضرت مائی صاحبہ معہ اپنے بچوں کے اور معہ حضرت صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب نبیرۂ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے آئیں اور کہنے لگیں کہ حضور نے ہمیں کیوں یاد فرمایا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ کیا اس وقت تم لوگوں کو ہمارے پاس نہ آنا چاہیے تھا یہ کہہ کر حضور نے اُٹھنے کا ارادہ کیا حضرت صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب پیٹھ کو تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ حضور نے تین مرتبہ دعائے خیر کی۔ بعد ازاں مائی صاحبہ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کے لیے بھی دعا کیجیے۔ حضور مسکرائے اور کچھ پڑھ کر چاروں طرف دم کیا۔ پھر مائی صاحبہ وغیرہ تمام اہلِ حرم واپس گھر میں تشریف لے گئے۔

حافظ فتح دین صاحب فرماتے ہیں کہ اب جو ہم قریب آئے تو سینہ مبارک سے اسمِ ذات "ھُو" کی آواز بہت بلند سنائی دیتی تھی اور محویت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ بعض درویشوں کو اس وقت وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ پس تین مرتبہ اسم اللہ حضور کی زبان سے نکلا اور پیر کے دن قبل ظہر ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے دار البقا کی طرف مراجعت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حجابِ کثرت از ہم بر دریدہ ۔ بخلوت گاہِ وحدت آرمیدہ
رہِ وہم و خرد بر خویش بستہ ۔ بحق پیوستہ و از خویش رستہ

انتقالِ پُر ملال

حضرت قبلہ عالم و عالمیان کے وصال کا جاں گداز واقعہ

(از مولانا سیماب اکبر آبادی)

ساقیا دے بھر کے جامِ بادۂ تسنیم آج ۔ نخلِ جنت کی طرح جھومے سرِ تسلیم آج
سانحہ کرنا ہے اک سرمست کا ترقیم آج ۔ بادہ کش کی چاہیے کرنی تجھے تعظیم آج
پیتے پیتے ساغرِ بلور آئے وجد میں
تو یہاں جھومے ارم میں حور آئے وجد میں
آج ہے منظور ساقی سیرِ گلزارِ جناں ۔ صدقۂ حیدر پلا دے بھر کے جامِ کہکشاں
میں دکھا دوں تجھ کو حالِ رفتگاں کی مستیاں ۔ وقت فرصت ہے کہ کل پھر میں کہاں اور تو کہاں
آج میرا دور ہے سب مے کشوں کو ٹال دے
جتنی میخانے میں ہے ساغر میں میرے ڈال دے
میں پرانا بادہ کش ہوں چاہیے میرا خیال ۔ ہاں مرے دل پر نہ ذرہ بھر جمے گردِ ملال
ہو کدورت کچھ ترے دل میں تو اس کو خاک ڈال ۔ تو رہے سرسبز، کر دے آج تو مجھ کو نہال
لا مئے صافی کریں تلچھٹ نہ لوں گا نام کو
رقص میں لانا ہے ساقی گردشِ ایام کو

اللہ اللہ تیری محفل کے وہ مستانِ قدیم　　آج تک جاری ہے جن کا خلق میں فیضِ عمیم
وہ ترحم وہ تصرف ۔ اور وہ خُلقِ عظیم　　گلشنِ دارِ فنا میں ان کی پھیلی ہے شمیم

تھا بلند اک اُن کی ہستی سے نشانِ میکدہ
اس زمیں پر تھے مگر وہ آسمانِ مے کدہ

یادگارِ خلق حضرت پیر حیدر شاہؒ تھے　　جن کے سلطانِ زمانہ بندۂ درگاہ تھے
حق نما و حق نشاں حق بین و حق آگاہ تھے　　بندۂ اللہ پابندِ رسُولُ اللہ تھے

جس پہ ڈالی اِک نگاہِ فیض، صفدر کر دیا
آتے ہی دنیا میں زندہ نام حیدرؓ کر دیا

شاہِ عرفاں حضرتِ خواجہ سلیماں تونسویؒ　　خواجہ شمس الدینؒ نے دلق خلافت جن سے لی
خواجہ شمس الدینؒ سے پھر پیر حیدرؒ کو ملی　　واہ کیا بختِ رسا تھا واہ کیا تقدیر تھی

منزلِ جنت بنا دے رہنما ایسا تو ہو
شاہِ طیبہ سے ملا دے سلسلہ ایسا تو ہو

وہ فقیرِ باصفا شاہی کو جن پہ ناز تھا　　بے شبہ مقبولِ حق جن کا ہر اک انداز تھا
محو رہتے تھے سدا دل میں وہ سوز و ساز تھا　　راز دارِ فقر تھے سینہ سراپا راز تھا

کھیل تھا اظہار اسرارِ خفی ان کے لیے
کُنتُ کنزاً مخفیاً تھا منجلی ان کے لیے

زندگی بھر رونقِ اسلام کو زندہ کیا　　ملتِ بیضا کا تارہ چرخ پر چمکا کیا
کیا بتاؤں آپ نے دنیا میں آکر کیا کیا　　جو کیا بہتر کیا جو کچھ کیا اچھا کیا
کملی والوں کے لیے رنگِ تنہا نہ کر دیا　　گھور کر دیکھا تو گھورے کو خزانہ کر دیا

پیر حیدرؒ شاہ سے ظاہر ہوئے جو کچھ کمال — ہے بصیرت جن میں کچھ وہ جانتے ہیں ان کا حال
میں کروں ان کا بیاں ایسی کہاں میری مجال — رُک کے کہتا ہے قلم۔ خاموش! مانع ہے جلال
بولنا اپنی بضاعت سے نہ بڑھ کر چاہیے
وصفِ حیدرؒ کے لیے تقریرِ حیدرؒ چاہیے

ساقیا اب تو زباں منہ میں ہوئی جاتی ہے بند — میں یہ کہتا ہوں نہ پہنچے حسرتِ دل کو گزند
تو نے جو ڈھالی ہے وہ ہرگز نہ ہوگی سودمند — دے مئے دوآتشہ ایسی کہ مستی ہو دوچند
ہو نہ کچھ پاسِ ادب سب کو پتہ دوں دُور کا
اک دفعہ پھر شور ہو افسانۂ منصور کا

اچھے ساقی پاسِ مذہب کیوں رکھوں گا بھلا — تو نہ ڈر، میں بے خودی میں بھی رہوں گا باخدا
قیدِ ظاہر سے جو کر دے گی مجھے مستی رہا — میں بنوں گا عندلیبِ نغمۂ باطن سرا
کیا ضرورت مجھ کو دنیا کے کسی گلزار کی
لاؤں گا فردوس سے پتی گُلِ بے خار کی

تو نے ساقی کچھ نہ میرے حال پر کی التفات — وقت جاتا ہے نکل، ناداں رہ جاتی ہے بات
دب گئے وہ ولولے اور مٹ گئیں سب حسیات — بجھ گیا دل اب مجھے لکھنا پڑا حالِ وفات
تو نے دل کو کر دیا میرے فسردہ حیف ہے
کیف کیا ہوگا طبیعت خود مری بے کیف ہے

حالِ رحلت پیر حیدرؒ شاہ کا یوں ہو رقم — سر جھکا کر سطحِ کاغذ پر چلے اپنا قلم
سوگواری میں بھی ہو حسنِ طبیعت کچھ نہ کم — دیں ہر اک مصرع پہ مجھ کو دادیارانِ عدم
ہوں یہ ساماں مصرعِ اشکی و آہی کے لیے — ہو سوادِ دیدۂ موسیٰ سیاہی کے لیے

تھی چھٹی تاریخ اور قمری مہینہ بھی چھٹا ۔۔۔ پیر کا دن تھا مبارک، وقت قبلِ ظہر تھا
اپنا اک محبوب بندہ یادِ حق کو آگیا ۔۔۔ پیر حیدر شاہ کو یہ غیب سے آئی ندا
بندگانِ رب پہ تقسیمِ تلطف ہو چکی
اب چلے آؤ کہ تکمیلِ تصوف ہو چکی

منتظر ہیں خلد میں حوریں بھی خدمت گار بھی ۔۔۔ بہرِ استقبال رضواں ہو چکا تیار بھی
کچھ فرشتے ہی نہیں ہیں شایقِ دیدار بھی ۔۔۔ حیدرِ کرار بھی ہیں احمدِ مختار بھی
ساعتِ وصل آگئی اب ختم قصہ ہو گیا
تم نے جو وعدہ کیا تھا ہم سے پورا ہو گیا

وصل کا پیغام جب حضرت نے کانوں سے سنا ۔۔۔ لفظ اَللّٰہُ زباں پر آگیا دو مرتبا
تیسری بار آپ نے پھر لفظ اَللّٰہُ کہا ۔۔۔ ہو گئی دریش رخصت پیش ہوتے ہی ادا
طور دکھلانے فنا فی اللہ کے مقصود تھے
بے پس و پیش آپ خود پیشِ خدا موجود تھے

واصلانِ حق کی فہرستوں میں ہے حضرت کا نام ۔۔۔ جو فنا فی اللہ ہیں ہوتا ہے ایسے اُن کا کام
کر گئے دنیا سے پردہ حیدرِ عالی مقام ۔۔۔ کر لیا فردوس کے سر سبز باغوں میں قیام
گلشنِ فردوس میں ان کا تو ڈیرا ہو گیا
اپنی نظروں میں یہاں بالکل اندھیرا ہو گیا

ہاں یہ ہے مشہور جب حضرت نے فرمایا سفر ۔۔۔ جانبِ مشرق سے اٹھی ایک آندھی سرخ تر
دیکھ کر اس کو سمجھتا تھا ہر اک اہلِ نظر ۔۔۔ کوئی اہلِ دل گیا ہے آج دنیا سے گذر
یہ فضائے سرخ تھی فلم جو یوں لال ہے ۔۔۔ رحلتِ شیخ زمانہ پر گواہِ حال ہے

آسماں چالیس دن مرحوم کو رویا کیا کم زیادہ روز اُس مدفن پہ مینہ برسا کیا
رحمتوں نے ان کی قبر پاک پر سایا کیا لوگ کہتے تھے کہ تُو نے اے اجل یہ کیا کیا
آفتابِ فقر کو تو نے جُدا ہم سے کیا
آہ! یہ برتاؤ او بے رحم کیا ہم سے کیا

اب کسے جاکر سُنائیں گے ملالِ دردِ دل کون رکھے گا بھلا دل سے خیالِ دردِ دل
دل میں اپنے کیوں لگا لیتے وبالِ دردِ دل کیا خبر تھی ہائے یہ ہو گا مآلِ دردِ دل
اب شفا کیسی کہ اُمیدِ مداوا ہی نہیں
ہے مریضوں کا خدا حافظ مسیحا ہی نہیں

اب کرے گا جلوہ گاہِ فقر کی تزئین کون اب سکھائے گا مریدوں کو خدا کا دین کون
عِلم سینہ اب کرے گا خلق کو تلقین کون اور اب دے گا دلِ بیتاب کو تسکین کون
دل کو بے چینی ہوئی آرامِ جاں جاتا رہا
سرزمینِ ہند سے اِک آسماں جاتا رہا

متفق ہیں بے شبہ اس بات پر اہلِ حساب مطلع پنجاب پر چمکا نہ ایسا آفتاب
پھول کا جس کا بدن جس کا پسینہ تھا گلاب جس پہ پڑتی تھی زمانے میں نگاہِ انتخاب
صبر کیا ہو دل کو، دل تو پارہ پارہ ہو چکا
صدمۂ رحلت غلاموں کو گوارا ہو چکا

چار فرزند آپ کے تھے اہلِ معنیٰ اہلِ جاہ یوں کہوں چرخِ چہارم کے تھے چاروں چار ماہ
تین صاحبزادے دنیا سے گئے پیشِ نگاہ صرف اک سیّد مظفر شاہؒ باقی تھے سو آہ
وہ بھی والد کی طرح ہم سے کنارہ کر گئے خاتمہ گویا کہ جیتے جی ہمارا کر گئے

جانشیں ان کے ہیں اب سید محمد فضل شاہ | دیں پسند و دیں دار و دین پژدہ و دین پناہ
بوسہ گاہِ خلق موجودہ ہے ان کی بارگاہ | فضل ان کے نام میں ہے کیوں نہ ہو فضل اللہ

اب حکومت چاہیے ہم کو نہ شاہی چاہیے
فضل شاہی عہد میں فضلِ الٰہی چاہیے

تجہیز و تکفین

صاحب نفحات المحبوب بروایت صحیح ناقل ہیں کہ فقیر محمد درویش اور قاضی عالم پھڈیالوی نے لنگر خانے میں آپ کو غسل دیا۔ حافظ فتح دین پانی ڈالتے تھے اور ملک نامی خادم جس کے سپرد خدمتِ وضو تھی۔ پانی کے کوزے بھر بھر کر دیتا تھا۔ تختے کی پائنتی جانبِ جنوب تھی۔ جب غسل سے فارغ ہوئے تو ایک لفافہ، ایک چادر پہنائی اور دستار شریف عطر و گلاب میں بسا کر پہنائی گئی اس کے بعد جنابہ مائی صاحبہ نے معہ اولاد کے آپ کی زیارت کی اور جنازہ باغ کی شمالی زمین پر بغرض نماز لایا گیا۔ مولوی صاحب[۱] نے جو صاحبزادگان کے استاد تھے نماز جنازہ پڑھائی۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ کئی صفیں قائم کی گئیں۔ ہر صف کی درازی دو سو قدم کے قریب تھی جو شمالی تالاب سے دیوار باغ تک کھڑی تھیں۔ ہر ساتویں صف میں پانچ مکبّر تھے اس لیے ایک مکبّر کی آواز کافی نہ ہو سکتی تھی۔ اسقاط کے لیے جو روپیہ لنگر شریف سے لائے گئے تھے۔ وہ ایک ہزار تھے اور جو روپیہ اس وقت نذرانے میں آئے تھے وہ بھی شامل اسقاط کر دیے گئے تھے ہر امام مسجد کو پانچ روپیہ روزانہ معہ دستار و قرآن شریف اور خادم مسجد کو دو روپیہ

[۱] یعنی مولوی محمد عبدالرحیم کڑی شریف ضلع جہلم۔

یوں یہ تین دن تک دیے گئے۔
منگل کے دن ، ۷ جمادی الثانی کو ظہر کے وقت جب سب لوگ زیارت کر چکے تو صندوق جنازہ قبر میں رکھا گیا۔ آپ کی قبر بنگلے کے مغربی کمرہ میں قریب دروازہ مغربی واقع ہے۔

صندوق اس طرح دفن کیا گیا کہ قبر شریف میں پکی اینٹوں کے چار پائے آٹھ انگل بلند بنائے گئے۔ صندوق اُن پر رکھا گیا جو دیار کی لکڑی کا تھا اور اس کے نیچے زمین پر ریت ڈال دی گئی۔ صندوق کا بالائی حصہ بند کر دیا گیا اور صندوق کے اِدھر اُدھر جو خلا بصورت خندق تھا اس میں مٹی بھرائی گئی اور چنائی کر کے فرش کے برابر کر دیا گیا پھر اوپر سے مٹی ڈال کر سطح ہموار کر دی گئی اور قبر بنا کر سفید چادر اس پر ڈال دی گئی۔

خدایا بریں تربتِ نام دار
بفضلت کہ بارانِ رحمت ببار

وفات کے بعد آندھی اور بارش

بروایت صحیحہ و مطابق نقل صاحب نفحات المحبوب جب آپ کی روح رحلت فرما چکی تو ایسی زور کی آندھی چلی اور ایسا غبار چھایا کہ کسی کو آنکھ کھولنے کی مجال نہ تھی پھر تمام رات پانی برسا۔ صرف روزِ دفن کھلا رہا اور پھر دو مہینے تک برابر اس زور کی بارش ہوئی کہ ، شعبان تک آنکھ نہ کھولی۔ مکانات گرنے لگے۔ مخلوقِ خدا الامان الحفیظ کہنے لگی۔ لنگر خانے کی چھت ٹپکنے لگی۔ مکانوں کے اسباب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیے گئے۔ مزار شریف پر جو چادر تھی وہ بھی چھت کے ٹپکنے سے تر ہو گئی آخر

ہٹالی گئی اور آبِ باراں نے اُسے غسل دیا۔ اس وقت تمام درویشانِ حاضرِ دربار کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ ابرِ باراں کا مقصد صرف یہی تھا کہ اپنے آنسوؤں سے مزار شریف کو تر کر دے۔ اب دیکھنا کیسا امساک ہوتا ہے چناں چہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا کہ پانی نہ برسا۔

وفات کے بعد چند خواب

حضرت خواجہ سید محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ سے منقول ہے کہ بعد وفات میں نے حضرت قبلۂ عالم کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ آپ نے نزع سے پہلے ہمیں بلایا مگر افسوس ہے کہ کچھ بات چیت نہ کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو فرصت کے وقت تمہیں بلایا تھا مگر مظفر شاہ نے تقسیم لنگر کی وجہ سے اس وقت تم لوگوں کا آنا ملتوی کر دیا پھر تم لوگ آئے تو تم سے بات چیت کرنے کی فرصت نہ تھی کیوں کہ اس وقت فرشتوں کی جماعتیں گروہ در گروہ مجھ سے ملاقات کرنے آ رہی تھیں۔

حضرت ابوالبرکات خواجہ سیّد محمد فضل شاہ صاحب دام برکاتہم (موجود سجادہ نشین جلال پور شریف) فرماتے ہیں کہ ایک رات مجھے قلق و اضطراب نے بہت بے چین کیا تو میں حضرت قبلۂ عالم کے مزار پر حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھ سے ایسا کیا قصور ہو گیا ہے کہ حضور کبھی اپنا دیدارِ فیض آثار بھی نہیں دکھاتے۔ اسی رات کو میں نے خواجہ غریب نوازؒ علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا کہ ایک مکان میں جس کا مثل نہ کبھی آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سُنا۔ حضرت قبلۂ عالم نہایت شاندار غالیچے پر رونق افروز ہیں۔ سر پر دستارِ زرین بندھی ہوئی ہے۔ جامۂ کمخواب و اطلس زیبِ جسمِ اطہر ہے۔ میں قدم بوس

ہوا اور بحالت بے اختیاری رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کیوں خیر تو ہے۔ میں نے عرض کیا کیا چیز ہے کہ حضرت نے ہمیں اپنے دل سے بھلا دیا ہے اور اب پہلی سی توجہات اور نوازشیں مبذول نہیں ہوتیں۔ آخر ہم سے کیا قصور ہوا ہے۔ فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو نہیں بھولا ہوں۔ ہر وقت میرا خیال تمہاری طرف ہے پھر فرمایا کہ میں مرا نہیں ہوں۔ مجھے مردہ نہ سمجھیں بلکہ میں زندہ ہوں اور اپنی دعاؤں سے لوگوں کی حاجتیں مقبول کراتا ہوں ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

مظفر شاہ سے کہہ دو کہ وہ ہرگز ہرگز فکر اندیشہ نہ کریں۔ میں تم لوگوں کے ساتھ ہر کام میں شریک ہوں۔ گو میں تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ہوں لیکن تمہارے سب کام ہر وقت میری نگاہ میں ہیں۔ میں نے عرض کی کہ حضور اس مقام کا کیا نام ہے۔ فرمایا اسے جنت البقیع کہتے ہیں اور یہیں ہمارا مسکن ہے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

ایک درویش نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حضرت فاتحہ میں کس چیز کا ثواب بخشا جائے۔ آپ نے فرمایا آیۃ الکرسی پڑھ کر فاتحہ پڑھا کرو۔

حضرت خواجہ سید محمد مظفر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ میں اظہارِ خواب سے منع کر دیا گیا ہوں ورنہ مجھے اکثر خواب میں نئی نئی بشارتیں ہوتی رہتی ہیں۔ چناں چہ ایک مرتبہ سید مہر شاہ بیمار تھے۔ ارادہ ہوا کہ صبح انہیں جلاب دیا جائے۔ جوشاندہ جلاب بھگو دیا گیا تھا لیکن رات کو حضرت قبلہ عالم نے فرمایا کہ مہر شاہ کو جلاب نہ دینا وہ ویسے ہی اچھا ہو جائے گا۔ صبح اُٹھ کر میں نے جلاب پھینک دیا۔ دو روز میں مہر شاہ خود بخود

مادۂ تاریخ وصال حضرت قبلۂ عالم صاحب جلالپوری رح از ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیرِ حیدر شاہ رفت
تربتِ او را امینِ جلوہ ہائے طور گفت

ہاتف از گردوں رسید و خاکِ او را بوسہ داد
گفتمش سالِ وفاتِ او بگو مغفور گفت

۱۳۲۶ (اقبال)

از لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب پنشنر سشن جج الہ آباد

معرفت کی جستجو ہو دولت لاریب   پھر ہے کیا قدر مال و جاہ سے

حضرت مرحوم تھے مرد خدا   ان کا جو پیرو ہے حق آگاہ ہے

اکبر تاریخ وصال از روئے درد
انتقال پیر حیدر شاہ ہے

۱۳۲۲ + ۴ = ۱۳۲۶ھ

(اکبر الہ آبادی)

بالکل تندرست ہو گئے۔

نقل ہے کہ روزِ وفات بھی فیضِ بیعت جاری تھا۔ چناں چہ آپ کا سب سے آخری مرید جو وفات کے دن صبح داخلِ بیعت ہوا ایک پٹواری تحصیل بھلوال ضلع شاہ پور کا رہنے والا تھا۔ سبحان اللہ کیا اچھے نصیب تھے اس شخص کے جس نے آخر وقت میں چلتے چلتے کسبِ فیض کر لیا۔ مردوں میں سب سے پہلے مولوی علی محمد صاحب ساکن گلا نوالہ آپ کے مرید ہوئے اور عورتوں میں آپ نے سب سے پہلے اپنی والدہ مکرمہ کو بیعت فرمایا۔

آپ کی وفات پر سینکڑوں قطعات تاریخ انطاع و جوانبِ ملک سے موصول ہوئے۔ سب کے سب درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں لیکن بعض درج کیے جاتے ہیں

از لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب پنشنر

سشن جج الہ آباد

معرفت کی جس کو دولت ہو نصیب — پھر اسے کیا فکرِ مال و جاہ ہے
حضرتِ مرحوم تھے مردِ خدا — ان کا جو پیرو ہے حق آگاہ ہے
ان کی تاریخِ وصال از روئے درد — انتقالِ پیرِ حیدر شاہ ہے
۴ — ۱۳۲۲ + ۴ = ۱۳۲۶ھ

از ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم اے پی ایچ ڈی

بیرسٹر ایٹ لاء، لاہور

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیرِ حیدر شاہ رفت — تربت او را امینِ جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاکِ در او بوسہ داد — گفتمش سالِ وفاتِ او بگو "مغفور" گفت
۱۳۲۶ھ

از خواجہ دل محمد صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

سیدِ قوم پیر حیدر شاہ — سالکِ راہ کبریائے غفور
شد چو واصل بحق بگفتا دل — پئے تاریخ ہجرتش "مغفور" ۱۳۲۶ھ

مرثیۂ وفات

از قاضی عطا محمد صاحب گجراتی نائب تحصیلدار جہلم

سرورِ پاکان و سرِ اولیاء — کعبہ دین قبلہ شاہ وگدا
قطبِ زماں سید حیدر علی — غوثِ جہاں سید حیدر علی
مخزنِ اسرارِ الٰہی دلش — مطلعِ انوارِ الٰہی رخش
مرہم جاں بخش جگر خستگاں — مشعلِ نور از پئے گم گشتگاں
دست دِہ دوست کش دستگیر — پیر جہاں ہادیٔ روشن ضمیر
نقش وجودش چو قلم در کشید — از پئے محبوبِ خود آفرید
خلق حسنؓ خوئے حسینؓ اندرو — دردِ بتولؓ و غم زینؓ اندرو
دیدہ ندیدہ است بہ حُسنش عدیل — گوش شنیدہ نہ بہ خلقش مثیل
بارُخِ خویش مہ کنعاں کجا — ماہ کجا مہر درخشاں کجا
خوبیٔ حُسنش کہ شنیدی ز کس — عاشق و شیدائش زلیخا و بس
نیست دمے یک دو زلیخائے او — جملہ جہان واسر و شیدائے او
نورِ محمدؐ بہ جبینش منیر — مہر سلیماں بہ نگینش نصیر
شمس ہدایت ز وجودش عیاں — مہر ولایت بہ نمودش قراں

شیرِ نیستاں سیادت کہ او　　سروِ گلستانِ سعادت کہ او
شمعِ ایوانِ کمالاتِ چشت　　قبلۂ دیوانِ کراماتِ چشت
زد بہ جہاں نوبتِ شاہنشہی　　کوکبِ نقرِ شہ حیدر علیؒ
وائے صد افسوس کہ دنیا بہشت　　مسندِ خود کردہ بہ باغِ بہشت
وائے دریغا کہ زملکِ جہاں　　مہرِ درخشا بدی شد نہاں
وعدۂ دیدار چو نزدیک شد　　زآتشِ شوقش تپ و تحریک شد
از تپِ عشق و کششِ نامِ حق　　گرم شد از گرمیِ پیغامِ حق
زمزمۂ سازِ لقا گوش کرد　　جرعۂ عسلِ بقا نوش کرد
جانش بوجد آمد و چالاک شد　　از فرشِ خاک بہ افلاک شد
زلزلہ در عرصۂ دنیا فتاد　　غلغلہ در گنبدِ خضرا فتاد
نالہ کناں آہ و فغاں کو بکو　　حشر بپا گشتہ بہر چار سو
گشت نہاں چشم و چراغِ جہاں　　تیرہ و تار آمدہ دورِ زماں
گشت نہاں جہاں تار زگرد و غبار　　مزج شدہ کسوتِ لیل و نہار
مہر نہاں کرد رُخِ خود بہ گرد　　ماہ بہ سیارہ شد آوارہ گرد
دیدہ ابر آمدہ گریاں زغم　　سینۂ برق آمدہ بریاں زغم
ماندہ سراسیمہ غلامان ز ہجر　　رہنِ الم کردہ دل و جان ز ہجر
جان ز بدن رفت و جگر شد قیا　　دل ہمہ خوں گشتہ ازیں ابتلا
شاہدِ گل رفت ز طرفِ چمن　　بر دلِ بلبل زدہ خارِ محن
اے فلک ایں شعبدہ بازی چرا　　مہرہ کشی حقہ طرازی چرا
از برِ ما آں شہِ دیں بردۂ　　قبلۂ اصحابِ یقیں بردۂ

کہفِ زماں زندہ کون و مکاں ملجاؤ ماوائے زمین و زماں
کعبۂ دل بوئے سمن بوئے او قبلۂ جاں خاک سرِ کوئے او
ایکہ زغم سوختۂ صبر کن شکوۂ بخت است فلک را مکن
چند بنالی ز تو ہی کنی چند بہ تقدیر سر دی کنی
از دلِ پُرسوز دُعا ساز کن آہ کش و دشتِ دُعا تاز کن
کائے فضل و مہر تو غمخوارِ ما مرہم راحت نہ آزارِ ما
تاں بر بر جہان است جاں دید تو طنطنۂ نوبت و توحید تو
جنبش دلہا بود از نامِ تو لذت جانہاست زِ انعامِ تو
مسلک ایں سلسلہ باد او راز سجدہ گر دو در زماں نیاز
از فضلِ کرم تو اے ذوالجلال باد مظفر بہ جلال و کمال
سلسلہ فقر و کرامات او ولولہ ذوق عبادات او
گفت بہ ہائے ہائے عطا سال نز ششم جمادی دو دو شنبہ روز ۱۳۲۶ھ
ہم شدہ تاریخ وصالِ کریم اشد بلک کشور دارالنعیم ۱۳۲۶ھ
بارِ خدایا تو علیمی ز من! مقصدِ من نیست زشعر و سخن
جز کہ بحقِ شہ حیدرؓ علیؓ آں ہمہ مشکل کہ بدارم حلی
مرشدِ حضرت محبوب تست خواجہ ما طالب و مطلوب تست
از نظر رحم تو منظور کن
رنج غم و حزن ز ما دور کن

از مولانا شفق رضوی قادری چشتی عمادپوری کان اللہ لہٗ

(۱)

سوگ میں کس کے فلک کی نیلگوں پوشاک ہے — کس کے غم میں آج سر پر خاک اڑاتی ہے زمیں
اٹھ گیا ہے کون سا قطبِ زماں پنجاب سے — کیوں نظر آتا ہے ہر پیر و جواں اندوہگیں
یہ تردد تھا کہ کس اندوہ میں ہیں شیخ و شاب — چشم گریاں، سینہ بریاں، مضطر و زار و حزیں
بول اٹھا ہاتف شفق ہجری میں از روئے جُمل — چل بسے افسوس! حیدر شاہ سجادہ نشیں

۱۳۲۶ھ

(۲)

صوفی صافی فقیر و ولی — زبدۂ سالکاں تھے حیدر شاہ
منبع حلم معدنِ عرفان — قدوۂ عارفاں تھے حیدر شاہ
لکھ دیا یہ شفق نے سالِ وصال — نیک مردِ جہاں تھے حیدر شاہ

۱۳۲۶ھ

(۳)

سالک و رہنمائے اہلِ طریق — تھے طریقت پناہ حیدر شاہ
ہے شفق مصرعِ سن رحلت — نادر الوقت آہ حیدر شاہ

۱۳۲۶ھ

از حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی

چو رفت عارف کامل بسوئے خلدِ بریں — بہ چشم معتقدانش زمانہ گشت سیاہ
بہ علم و فضل و کمالات باطن و ظاہر — جوابِ خویش نمی داشت سید ذی جاہ
زدود کفر و ضلالت ز کشورِ پنجاب — چو او نبود کسے رہ نما و ہادی راہ
بلند از در و دیوار دیر و بتکدہ شد — صدائے اَشہدُ اَن لَا اِلٰہ اِلّا اللہ

نوشت مصرعِ سالِ وصال اوج حزیں ارم مکیں شدہ زیبِ جہان حیدرؒ شاہ
۱۳۲۶ھ

دیگر

دارِ فانی سے سوئے ملکِ بقا چل بسے صوفی فنا فی اللہ
اوج ہاتف نے یہ کہا مجھ سے لکھ گرامی نسب تھے حیدرؒ شاہ
۱۳۲۶ھ

از مولٰنا مولوی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی

مسرت کا اثر دنیا میں کم ہے جہاں میں چھا گیا رنج و الم ہے
جوان و پیر ہر اک محوِ غم ہے دلوں میں درد ہے آنکھوں میں نم ہے
زبانوں پر ہے سب کی آہ ہیہات
وصالِ میر حیدرؒ شاہ ہیہات
۱۳۲۶ھ

وہ سرتاجِ بزرگانِ تصوف وہ روحِ فقر اور جانِ تصوف
وہ اونچی جن سے تھی شانِ تصوف وہ قدسی ذات ایمانِ تصوف
حقیقت دان و حق آگاہ ہیہات
وصالِ میر حیدرؒ شاہ ہیہات
۱۳۲۶ھ

عیاں چہرہ سے انوارِ الٰہی نمایاں طرزِ درویشی میں شاہی
رواج افروزئیے امر و نواہی شریعت پروری و دیں پناہی
کہاں ایسے فنا فی اللہ ہیہات
وصالِ میر حیدرؒ شاہ ہیہات
۱۳۲۶ھ

نہ تھی بالکل غرض کچھ ماسوا سے نہ ہوتے کس طرح واصل خدا سے
جہاں پر شور ہے آہ و بکا سے اُداسی ہے عیاں ارض و سما سے

صدا آتی ہے یہ ہر گاہ ہیہات
وصالِ میر حیدر شاہ ہیہات
۱۳۲۶ھ

زمانہ میں تھے جب تک جلوہ آرا — رہا تابندہ دنیا کا ستارا
حیات افزائے خلقت تھا نظارا — نہ کیوں اندھیر ہو عالم یہ سارا

تھے درویشی کے رخشاں ماہ ہیہات
وصالِ میر حیدر شاہ ہیہات
۱۳۲۶ھ

بھٹکتی پھر رہی ہے آہ خلقت — نہیں ملتا کوئی ہادیٔ ملت
بتائے کون اسرارِ حقیقت — کہاں سے لائیں اب خضرِ طریقت

عدم کی آپ نے لی راہ ہیہات
وصالِ میر حیدر شاہ ہیہات
۱۳۲۶ھ

از مولوی عاشق علی صاحب ناطق کلانوری

(۱)

پیر روشن ضمیر حیدر شاہ — چوں سفر کرد سوئے ملک اللہ
گشت ہر سمت شور و غوغائے — از غمِ ہجرِ آں حبیب اللہ
آہ اے شمع نورِ محبوبی! — آہ اے آفتابِ نور اللہ
تو کجا می روی ازیں عالم — کز تو تاریک شد جہاں واللہ
چوں نہادہ جنازہ اش بر دوش — ملہمِ غیب گفت بسم اللہ
حور رضواں بشوق وصل کشید — نغمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
اے خوشا بخت تو چہ خوش رفتی — آفریں، مرحبا، جزاک اللہ

بارک اللہ تو دریں عالم — بودے یک مرد اہل دیں واللہ
تو صحیح النسب بلند لقب — حامئ دیں معین اہل اللہ
اللہ اللہ چہ رتبۂ عالی — غوث و قطب و زماں ولی اللہ
بود مشہور در جمیع الخلق — شان زیبائے تو تعال اللہ
بہر تاریخ رحلتش ناطق — فال برگیر از کلام اللہ
یغفر اللہ بفال من آمد — گفت ہاتف فقد لطیاع اللہ
۱۳۲۶ھ — ۱۳۲۶ھ

(۲)

شنیدم پیر حیدر شاہ چشتی — بزرگے بود در پنجاب مشہور
ازیں دنیائے فانی چوں سفر کرد — کہ خالق را و صالش بود منظور
ندا آمد پئے تاریخ رحلت — شدہ مرحوم حیدر شاہ مغفور
۱۳۲۶ھ

(۳)

ازیں دار رنج و محن کوچ کرد — چوں آں پیر حیدر علی شاہ من
ندا بہر تاریخ از غیب شد — کہ ناطق رقم کن بتاریخ وسن

واؤ عطف ہے جس کے عدد صرف چھ ہیں جو چھٹی تاریخ — ۱۲۱۱
اور چھٹا مہینہ جمادی الثانی دونوں کو ظاہر کرتا ہے۔ — ۱۱۵ — ۱۳۲۶ھ

(۴)

چہ خوش تاریخ اے ناطق نوشتی — بہشتی باد حیدر شاہ چشتی
۱۹۶۵ بکرم

(۵)

چوں براہِ حق حیدر شاہ فنافی اللہ شد
گفتم از دل از فنا حاصل بقا باللہ شد
۱۳۲۶ھ

(۶)

پیرو ہادی حیدر شاہ چشتی قدس سرہٗ
۱۹۰۸ء

(۷)

آہ حبیب احمد ولی حیدر شاہ نور اللہ مرقدہٗ
۱۳۲۶ھ

(۸)

دم مرگِ آں شاہ حیدر ولی — بپا شور ماتم کا خلقت میں ہے
جُدا کر سر نعش ناطق لکھو — یہاں ہے یہ تن روح جنت میں ہے
۳۲۴ + ۲ = ۱۳۲۶ھ

از منشی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر طریقت لاہور

اے پیر شاہ حیدر اے ذوالفقار حیدر — مجموعہ کرامت تھی تیری زندگی بھی
تجھ سے فروغ دل تھا تجھ سے قرار جاں تھا — تو چل بسا تو رخصت اپنی ہوئی خوشی بھی
فیضِ کرم سے جس کے تھے تلخ کام شیریں — مغفور آج ہے وہ شیریں سخن ولی بھی
۱۳۲۶ھ ۱۳۲۶ھ

از مولوی عبدالرحیم صاحب بسمل کراتوی

(۱)

قطبِ عالم غوثِ وقتِ خویش آں قدسی وجود — اے کہ در عالم نہ بودہ مثلِ او در فیض وجود
ذات پاکِ او فنا فی اللہ بقا باللہ گشت — بر جبینش آشکارا جلوۂ نور شہود !
انس و جاں بر آستانش جبہ سائی کردہ اند — خلق حسن و خوش نگاہے صد دلِ عالم ربود
اللہ اللہ بر زبانش وقت آخر آمدہ — روح پاکش کرد سوئے عالمِ بالا صعود
صد قیامت شد بپا چوں در لحد آرام کرد — چشم خوں بارید ہر یک پارہ پارہ دل نمود

گفت بسمل مصرعِ تاریخ وصلش یاد کن ــــ صلح کل سید فرید الدہر حیدر شاہ بود
۱۳۲۶ھ

(۲)

آہ حیدر شاہ چشتی جو کہ غوثِ وقت تھے ــــ مُلکِ دل پر ایک دن وہ صاحبِ شوکت ہوئے
فیض سے جن کے ہزاروں پیر کامل بن گئے ــــ ایک عالم کے لیے وہ باعثِ برکت ہوئے
خانۂ دل میں تھی جن کے دولتِ خلقِ عظیم ــــ آخرت کا کرکے ساماں صاحبِ ثروت ہوئے
دوسرا مصرعہ ہے بسمل ان کی تاریخِ وصال
قطبِ عالم مست جلدی داخلِ جنت ہوئے
۱۹۰۸ء

از میر کرامت اللہ صاحب میر امرتسری

(۱)

قُطب الاقطابِ وقت حیدر شاہ ــــ بہ ارم از جہاں فانی رفت
رفت واز رفتنش بہ عالمیاں ــــ من چہ گویم چہ ناگہانی رفت
حیف شد انقلاب بے پایاں ــــ میر گفتم جنید ثانی رفت

(۲)

اے دریغا حسرتا بگذشت از دارِ فنا ــــ شیخ حیدر پیر رہبر صاحبِ لولاک دل
ملہم غیبی ندا زد میر بہر سال وصل ــــ در جوارِ رحمتِ حق جا نمودہ پاک دل

(۳)

شیخ حیدر شاہ راس العارفین ــــ افتخارِ کاملین و متقین
بود ذاتش چوں چراغ دیں پناہ
سال فوتش شد چراغ دیں پناہ

(۴)

چوں بحکم ارجعی جاں داد حیدر شاہ پیر ‏ ‏ حلقہ زن در ماتمش گردیدہ اہل حال وقال
میر از ہاتف چو جستم فقرۂ تاریخ فوت ‏ ‏ گفت حیدر شاہ چشتی ہادی دنیا لبسال

(۵)

چوں بداعی اجل لبیک گفت ‏ ‏ پیر حیدر شاہ فخر اہل چشت
گفت رضواں میر سال رحلتش ‏ ‏ قطب الاقطاب زماں سر نوشت
۱۳۲۶ھ

از حضرت مولانا عشرت صاحب لکھنوی

چاروں طرف جہاں میں اک شور و شین ہے ‏ ‏ گھر گھر سے آرہی ہے صدا وا مصیبتا
یعنی کہ قبلہ سید حیدر مطیع حق! ‏ ‏ تشریف لے گئے طرف عالم بقا
مہر سپہر معرفت و قبلۂ زماں! ‏ ‏ زینت فزائے محفل احکام کبریا
گل حیف آج شمع طریق رسل ہوئی ‏ ‏ کوئی رہا نہ اہل طریقت کا رہنما
حکم خدا سے واقف اسرار غیب تھے ‏ ‏ بس ہو گیا وہی جو زباں سے نکل گیا
خلق حسن تھے آپ کے مشہور خاص و عام ‏ ‏ شیخ الشیوخ آپ کو کہتے تھے اولیا
بیحد کرامتیں تھیں بیاں کیا کرے کوئی ‏ ‏ ممکن نہیں کہ شرح سے لکھوں یہ ماجرا
پہنچا ہے فیض خاص مریدوں کو اس قدر ‏ ‏ ماحی کفر و شرک ہوا نام آپ کا
ماتم کدہ ہے آج جہاں میں جلال پور ‏ ‏ مصروف گریہ سب ہیں مسلمان جابجا
ذات نکو تھی وجہ رفاہ عوام و خاص ‏ ‏ یاور تھے عاجزوں کے غریبوں کے پیشوا
روشن چراغ تھے یہ طریق سلوک کے ‏ ‏ قطب زمانہ غوث جہاں سایۂ خدا
یہ سانحہ وہ ہے کہ زمانہ ہے سینہ چاک ‏ ‏ یہ رنج و غم وہ ہے کہ نہیں جس کی انتہا

لاحق تھی فکر مجھ کو سنینِ وصال کی — عرش علا سے ہاتف غیبی نے دی ندا

سالِ وصال آپ کا ہے از سرِ الم

سرتاج اولیائے قدس آج اُٹھ گیا

۱۳۲۰ — ا ھ ۔ ۱۳۲۶ھ

اولادِ امجاد

ا۔ صاحب زادہ سیّد بدیع الزمان شاہ رحمۃ اللہ علیہ

یہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت حاصل تھا صورت وسیرت اور بول چال میں حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل مشابہ تھے۔ مخیر اس قدر تھے کہ آپ کا جواب نہ تھا۔ ایک مرتبہ جبکہ حضرت قبلہ عالم سیال شریف تشریف لے گئے تو لنگر کا اہتمام آپ کے سپرد ہوا آپ نے اس میں بڑی کشادہ دلی سے کام لیا اور لنگر شریف کو خوب ترقی دی۔ مائی صاحبہ نے آپ سے فرمایا کہ ایسے خرچ کروگے تو کے دن کام چلے گا۔ آپ نے عرض کی آپ کے زیورات سے کام چلاتا جاؤں گا۔ مائی صاحبہ نے فرمایا کہ ایسے خرچ میں زیورات بھی کب تک کام دے سکتے ہیں۔ آپ نے عرض کی تو پھر مکانات موجود ہیں۔ مائی صاحبہ یہ سن کر خاموش ہوگئیں۔

آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور ہنوز آپ اکیس سال کے تھے کہ بتاریخ ۹، شعبان ۱۲۹۵ھ داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے اجداد کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

۲۔ حضرت خواجہ سیّد محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ حضرت قبلۂ عالم کے دوسرے فرزند تھے اور خلیفہ بھی۔ وفات سے تین سال قبل حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلافت عطا فرمادی تھی۔ آپ کو بھی خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھی۔ صرف سندِ خلافت اپنے پدر بزرگوار سے ملی تھی۔ آپ کی پانچ شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی سیّد الٰہی شاہ کے یہاں ہوئی جن سے دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ پہلی صاحبزادی کی شادی سیّد بیدن شاہ صاحب سے ہوئی اور دوسری کی سیّد نواب شاہ صاحب کے لڑکے سے قرار پائی اس لڑکے کی وفات ہوگئی۔

حضرت سیّد مظفر علی شاہ صاحب کی دوسری شادی بمقام پنڈ دادن خاں راجہ سیف علی خاں جاگیردار و رئیس اعظم کے یہاں ہوئی جن سے چار صاحبزادے ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب (۲) نواب سیّد پیر محمد مہر شاہ صاحب (۳) سیّد محمد کرم شاہ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر (۴) سیّد محمد محمود شاہ صاحب سیّد محمد فضل شاہ صاحب بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت صاحب سجّادہ ہیں۔

تیسری شادی حضرت سیّد محمد شاہ صاحب خلیفہ اوّل کے گھر ہوئی۔ چوتھا نکاح گھوڑہ ضلع راولپنڈی کے سادات کے ہاں ہوا اور پانچواں نکاح بیوۂ حضرت خواجہ سیّد محمد قائم الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام سیّد احسان الحق ہے۔

آپ نے تاریخ ۱۹۔ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ وفات پائی اور آپ کا مزار بھی مزار

حضرت خواجۂ جلالپوری علیہ الرحمۃ کے پاس زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

۳۔ سیّد محمّد رسُول شاہ صاحبؒ علیہ الرحمۃ

صرف اٹھارہ روز بقیدِ حیات رہ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ میاں عمرالدین روایت کرتے ہیں کہ جب یہ صاحب زادے پیدا ہوئے تو دو تین روز کے بعد گھر میں سے مجھے آواز "ھُو" آئی۔ میں نے اس کا ذکر حضرت قبلۂ عالم سے کیا آپ نے فرمایا کہ ہاں گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس کی زبان سے اسمِ ذات جاری ہے۔ یہ اسی کی آواز ہے۔

میاں نظام الدین کہتے ہیں کہ جب صاحبزادہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اور انہیں غسل دیا گیا تو میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ سینے سے نیچے کچھ گڑھا سا ہو گیا ہے یہ دیکھ کر مجھے میاں عمرالدین کی روایت با صداقت میں شبہ نہ رہا۔

۴۔ حضرت سیّد محمّد قائم الدّین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ تونسوی سے آپ کو شرفِ بیعت حاصل ہوا اور خواجۂ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ نے فیض پایا۔ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کو آپ سے بے حد محبّت تھی۔ آپ کی شادی موضع آلو مہار میں جناب سیّد چنن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہوئی تھی جو خاندان نقشبندیہ میں مشہور خلیفہ ہیں۔

آخر بامرِ الٰہی بعمر ۲۴ سال بتاریخ ۱۲ رجب ۱۳۱۶ھ سفرِ آخرت اختیار کیا پہلے

آپ کو جانب غرب کوٹھری میں دفن کیا گیا۔ پھر چند روز کے بعد صندوق وہاں سے نکال کر اس بنگلے میں جہاں حضرت قبلۂ عالم کی نشست گاہ تھی آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کا نام حضرت سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا۔

میاں عمر الدین روایت کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ قائم الدین کی وفات کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے جلال پور کی بیس بیوہ عورتوں کی تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ اللہ اللہ۔

ان کے علاوہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی تین لڑکیاں تھیں جو حضرت سیّد احمد شاہ صاحب کے تینوں لڑکوں سے بیاہی گئی تھیں۔ چناں چہ بڑی صاحبزادی کا نکاح حضرت سید گلاب شاہ سے ہوا۔ اُن سے سیدن شاہ صاحب تولد ہوئے جو منصفی کے محکمے میں ریڈر ہیں۔ چھوٹی صاحبزادی سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور منجھلی صاحب زادی سے دو لڑکے ہوئے جو فوت ہو گئے۔

مختصر حالاتِ خلفائے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ

خلیفۂ اوّل زبدۃ العارفین حضرت خواجہ شیخ سیّد محمد مظفر علی صاحب نوراللہ مرقدہٗ

آپ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ جلالپوری کے دوسرے صوری و معنوی فرزند ہیں۔ جن کی ولادت باسعادت ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں ہوئی اور عمر میں حضرت سیّد بدیع الزمان شاہ صاحب سے قریباً تین سال چھوٹے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا سے (جو کہ خود بھی تورع پرہیزگاری اور سب سے بڑھ کر سخاوت میں اپنی نظیر خود

ہی تھیں اور حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے سگے ماموں کی صاحبزادی تھیں) روایت ہے کہ آپ کی ولادت سے پہلے مالی حالت کچھ تسلی بخش صورت میں نہ تھی۔ آپ کی ولادت کے دن سے ہی اس میں نمایاں تغیر ہو گیا اور خود حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو اس امر کا اعتراف کرنا پڑا کہ آپ کا دوسرا فرزند میمن و برکت فارغ البالی و مرفہ الحالی کے برکات اپنے ساتھ لایا ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی صاحب کے ساتھ ہی مولوی قطب الدین صاحب سکنہ برن پور سے ہوئی۔ پھر قاضی احمد شاہ صاحب سکنہ پھڈیال اور مولوی حمید الدین صاحب سکنہ کدلٹھی تحصیل چکوال سے علی التواتر درسی کتابیں پڑھیں۔ آپ علومِ ظاہری کی پورے طور پر تکمیل نہ کر سکے تھے مگر جس شخص نے آپ کی زیارت کی ہے اور آپ کی قوت بیانی، مدلل طریقِ گفتگو اور برجستہ و با محاورہ فقرات کا استعمال کرنا سنا ہے وہ آپ کی علمی قابلیت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ اعلیٰ ترین دماغی قابلیت کے فرد تھے اور فن عمارت و انجینئرنگ میں آپ کو قدرتی طور پر حظِ وافر حاصل تھا جس کا بیّن ثبوت لنگر شریف کی سر بفلک عمارات سے مل سکتا ہے جن کے نقشے آپ نے خود اپنے ہاتھ سے تیار کیے۔ آپ خدائی رعب و ہیبت و جلال کی زندہ تصویر تھے اور آپ کے سامنے کسی کو مجالِ چون و چرا نہیں ہوا کرتی تھی۔ طاقتِ جسمانی میں رستمِ ثانی نہایت تنومند اور خوش جمال تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں دنیاوی تمام امور کی انجام دہی آپ سے متعلق تھی اور اجرائے لنگر، خدمت درویشاں، مہمان نوازی میں آپ نے جس دریا دلی کا ثبوت دیا ہے اس سے ہر خادم درگاہ بخوبی واقف ہے۔ توکل و استقامت اور استغنا آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔

ایک دفعہ سمت ۱۹۰۱ء ۵۷ء عیسوی کے قحط میں جب کہ لنگر کے مصارف بوجہ بیحد مسافرین و سائلین کے ورود کے حد سے متجاوز ہو گئے اور لنگر پر بہت سا قرضہ ہو گیا تو ایک دن آپ اپنے گھر کے تمام زیورات لے کر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ان زیورات کو فروخت کر کے مسافرین و سائلین کی خدمت گزاری کی جائے۔ چنانچہ قبلہ عالم آپ کے اس ایثار سے نہایت خوش ہوئے اور زیورات واپس دے کر ارشاد فرمایا کہ اس امر کی ضرورت ان شاء اللہ نہیں رہے گی۔ چنانچہ اس کے بعد فی الفور قحط کی بلا سے مخلوقِ خدا کو رہائی مل گئی۔

حضرت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ کی بھی آپ پر نظرِ خاص درجہ غایت تھی اور جب کبھی حاضر ہوتے آپ نہایت محبت اور شفقت کا برتاؤ فرماتے۔ آپ اپنے اعتقادات میں نہایت مستحکم تھے اور صاف گوئی میں تو آپ کی مثال بالکل عنقا تھی سوائے ذات احکم الحاکمین کے کسی کا خوف یا ہراس آپ کے غیور اور چٹان کی طرح مضبوط طبیعت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ اور لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ کے مطابق آپ کسی دنیا دار کی اظہار صداقت کے معاملہ میں پرواہ نہیں کیا کرتے تھے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ حیات میں تو آپ نے ظاہری شاہانہ مگر در باطن درویشانہ زندگی بسر کی مگر حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد جس کا صدمہ آپ کے لیے بالکل ناقابلِ برداشت ثابت ہوا۔ آپ کے طریق ہائے عمل میں نمایاں تغیر رونما ہو گیا یعنی دنیا کی بے ثباتی کا نقش ایسا آپ کے دل نشیں ہوا کہ لباس و خوراک میں بالکل سادگی اختیار کر لی۔ ریش مبارک کو وسمہ کے قیود سے

آزاد کر دیا اور یادِ خدا میں ہر وقت منہمک رہنے لگے۔ بالآخر آپ پر جذب کی خاص حالت پیدا ہو گئی اور وفات سے پہلے تین چار سال تمام تر معاملات اپنے فرزند اکبر ابو البرکات حضرت سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین حال کے سپرد کر کے آپ بالکل خلوت گزیں ہو گئے۔ جن اصحاب کو آپ کی زندگی کے یہ آخری لمحات بنظرِ امعان مطالعہ کرنے کا موقع حاصل ہوا ہے۔ وہ اس امر کی موثوق شہادت دیں گے آپ کی وہ علالت جو بالآخر آپ کی وفات کا موجب ثابت ہوئی اور جس کی تشخیص بڑے سے بڑے حکیم اور ماہر سے ماہر ڈاکٹر سے بھی نہ ہو سکی۔ دراصل اِرتقائے روحانی و حصول درجات فقر کے مختلف کیفیات تھے ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کی عملی تفسیر یعنی کبھی تو آپ اپنے ہم نشینوں کو پہچان بھی نہ سکتے تھے اور کبھی ایسے ایسے معارف و نکات تصوّف بیان فرماتے کہ سامعین ان کی قوّتِ استدلال سے دنگ رہ جاتے۔

ذکرِ قلبی ہر وقت جاری رہتا اور مرض الموت کے ایام میں جب کہ بوجہ بے حد نقاہت کے آپ خود وظائف نہیں پڑھ سکتے تھے۔ درویشوں سے وظائف سنا کرتے تھے۔

حکماء نے تو ضعفِ اعصاب کو آپ کی رحلت کا باعث قرار دیا مگر حق شناس نگاہوں اور مبصر نظروں سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ آپ جہاد بالنفس کے شہید ہوئے اور ترک دنیا و مافیہا و تقرب الی اللہ کے وہ مناظر دنیا اور بالخصوص آپ کے نکتہ چینوں کے

سامنے آئے جن کے بیان سے قلم عاجز ہے۔

بالآخر کارگاہ تصوف کا یہ یکہ تاز جوان مرد پچپن سال کی عمر میں اپنے ممتاز والد ماجد اعنی حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں جا پڑا اور بتاریخ ۲۹۔ ربیع الآخر ۱۳۲۵ھ ہجری المقدس داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

آپ کی مزار حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے ساتھ اپنی جاذبیت کے اثرات زائرین کو دکھلا رہی ہے۔ آپ کی کئی ایک کرامات زبان زد خواص و عوام ہیں جنہیں بخوفِ طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے اور ناظرین آپ کے سوانح حیات کے مختصر حالات سے ہی ان کا بخوبی موازنہ کر سکتے ہیں۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہارِ مرا

اولاد

اولاد کی طرف سے بھی آپ نہایت خوش قسمت تھے، خداوند کریم نے آپ کو چھ فرزند عطا فرمائے چار فرزند محمد فضل شاہ، محمد عمر شاہ محمد کرم شاہ محمد محمود شاہ، راجہ سیف علی خاں صاحب رئیس اعظم پنڈدادن خاں کی صاحبزادی سے، ایک فرزند محمد احسان الحق، سید محمد حسین شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ آلومہار کی ہمشیر سے یہ پانچوں صاحبزادے خدا کے فضل و کرم سے بقیدِ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت اور درجات میں ترقی عطا فرمائے۔

کھوٹہ والے محل سے ایک فرزند سید رحمت شاہ، ۳۔ ذیقعد ۱۳۲۴ھ کو پیدا ہوئے تھے لیکن تین سال کی عمر میں رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔

۱۔ فرزند اکبر ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین حال، آپ کے حالات خلفائے مجاز کے سلسلہ میں کسی دوسری جگہ درج کیے گئے ہیں۔

۲۔ نواب سید محمد مہر شاہ صاحب، آپ کی ولادت ۲۵، شعبان ۱۳۱۴ھ ہجری (مطابق ۲۹۔ جنوری ۱۸۹۷ء و ۱۸۔ ماگھ سمت ۱۹۵۳ بکرمی) شنبہ کے دن ہوئی۔ آپ نے عربی کی صرف و نحو، اور فارسی سکندر نامہ تک پڑھی ہے، گو آپ کی تعلیم زیادہ نہیں تاہم آپ خاص قابلیت کے مالک ہیں جو مبدءِ فیاض کی طرف سے عنایت ہوئی ہے آپ کو پالیٹکس میں خاص ملکہ ہے اور صغر سنی کے باوجود آپ نے مسئلہ خلافت اور اسلامی جذبات کی ترجمانی وائسرائے ہند سے بہترین طریقہ سے فرمائی ہے۔ لنگر شریف کے انتظامات آپ ہی کی ذات سے متعلق ہیں۔ آپ بڑے حکام رس واقع ہوئے ہیں۔ غایت درجہ وجیہ، حسین، ذوی ہیکل، اور شہ زور نوجوان ہیں، رعب و داب اور ہیبت و جلال آپ کے بشرہ سے نمایاں ہے۔

آپ پنجاب کونسل میں مسلمان زمینداروں کی طرف سے نمائندے ہیں۔ جون ۱۹۲۳ء میں گورنمنٹ عالیہ نے آپ کو "نواب" کا خطاب عطا فرما کر اس خطاب کی عزت افزائی کی ہے، گو آپ کی شان و عظمت میں اس سے ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوا۔

آپ کی پہلی شادی سیّد گلاب شاہ صاحب مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے دو صاحب زادے مسعود احمد اور منظر الحق پیدا ہوئے۔ دوسری شادی فقیر سیّد جلال الدین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی دختر نیک اختر سے ہوئی، اُن سے مقبول احمد عالمِ وجود میں آئے۔

۳۔ سید محمد کرم شاہ صاحب۔ آپ ۲۴۔ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ (مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء

د ۱۵ کاتک سمت ۱۹۵۶ بکرم) بروز دوشنبہ پیدا ہوئے۔ پہلے مکان پر مذہبی تعلیم پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔ آپ انڈر گریجویٹ ہیں اور پنجاب سول سروس میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ آپ کی شادی خان بہادر راجہ محمد اکبر خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ و ممبر پنجاب کونسل کی صاحبزادی سے ہوئی

۴۔ سید محمد محمود شاہ صاحب، آپ کی تاریخ ولادت ۱۶۔ ربیع الاوّل ۱۳۲۱ھ دمطابق ۱۲۔ جون ۱۹۰۳ء د ۱۲ ر جیٹھ سمت ۱۹۶۰) بروز شنبہ ہے۔ آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پاتے ہیں اور نہایت ہونہار ہیں، آپ کی شادی سید محمد زمان شاہ صاحب کے ہاں دسمبر ۱۹۲۲ء میں ہوئی جو حضرت قبلۂ عالم کے خلیفہ مجاز ہیں۔

۵۔ سید محمد احسان الحق صاحب آپ کی ولادت بھادوں سمت ۱۹۰۲ بکرمی میں ہوئی اور ابھی خورد سال ہیں۔

تعلیمِ صاحبزادگان

سید محمد مظفر شاہ صاحب کا خیال تھا کہ صاحبزادوں کو صرف مذہبی تعلیم دلائی جائے لیکن آپکے فرزند اکبر سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین نے اس کی مخالفت کی اور تجویز پیش کی کہ ضرورت کے مطابق مذہبی تعلیم دلا کر انگریزی تعلیم بھی دلائی جائے ورنہ خاندان میں تن آسانی اور مفت خوری کا خیال پیدا ہو کر مہذب گداگری کی شکل اختیار کرے گا جو اسلام کی تعلیمات نیز اس استقامت کے منافی چیز ہے جو حضرت قبلہ عالمؒ کی سُنّت تھی۔ غرض بڑی ردو قدح کے بعد یہ تجویز منظور ہوئی اور صاحبزادوں کو مذہبی تعلیم کے ساتھ مروجہ تعلیم بھی دلائی گئی۔

موجودہ سجادہ نشین صاحب اپنے فرزندِ اکبر سید محمد برکات احمد شاہ صاحب کو صرف مذہبی تعلیم دلائیں گے اور دیگر صاحبزادوں کو مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی اور تجارت کی تعلیم بھی دی جائے گی۔

خلیفہ دوم ابوالبرکات حضرت مولانا سیّدنا محمد فضل شاہؒ سجادہ نشین

[illegible]

بروز شنبہ ہوئی چوں کہ سید مظفر شاہ صاحب کے اب تک اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے آپ کی ولادت باسعادت خاص طور پر مسرت انگیز ہوئی۔ آپ کو دیکھ کر حضرت قبلہ عالم نہایت مسرور ہوئے (اور صاحب زادہ قایم الدین شاہ صاحب (سجادہ نشین صاحب کے عم محترم) کی وفات سے ان کو جو صدمہ ہوا تھا دور ہو گیا۔)

آپ کا نام الہامی ہے، جب قبلہ عالم سے نام رکھنے کی درخواست کی گئی تو ارشاد فرمایا کل نام تجویز کروں گا، چناں چہ شب کو خواب میں ارشاد ہوا کہ فضل شاہ، مہر شاہ، کرم شاہ، سید مظفر شاہ صاحب نے اسی ترتیب سے اپنے صاحب زادوں کے نام رکھے۔

ابتدائی تعلیم میں قرآن مجید حافظ اللہ دین ساکن چک شیر محمد سے ختم کیا۔ حفظ کرنا بھی شروع کیا تھا لیکن بیمار پڑ گئے۔ پھر مولوی عبدالرحیم صاحب ساکن کڑی سے سکندر نامہ تک فارسی اور کتب صرف و نحو اور فقہ میں شرح وقایہ تک عربی پڑھی۔ مولوی صاحب موصوف جب رخصت پر جاتے تھے تو خود حضرت قبلۂ عالم درس و تدریس کے کفیل ہوتے تھے

یہ وہ شرف تھا جس کو سجادہ نشین صاحب نہایت فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور یہ فخر بجا بھی ہے۔

منطق، فلسفہ، ادب، عقائد، کلام، اور علوم عقلیہ کی تحصیل مولوی فیض الحسن صاحب مولوی فاضل ساکن بھین سے کی۔ صحاح ستہ، فقہ اور باقی علوم نقلیہ مولوی قادر بخش صاحب ملتانی اور حافظ جلال الدین صاحب ساکن کوٹ مومن اور مولوی محمد سعید صاحب سے پڑھے اور دینیات کی تکمیل کی۔

ان چیزوں کے ساتھ ساتھ انشا پردازی میں کمال حاصل کیا جو علماء میں کم پائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا صفات کو دیکھ کر حضرت قبلۂ عالم علیہ الرحمۃ کی نظروں میں ان کی وقعت اور بڑھ گئی۔ چناں چہ جب سید محمد مظفر شاہ صاحب نے حضرت قبلۂ عالم سے ان کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کرنے کے لیے عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ میں اُن کو بیعت کے لیے سیال شریف لے جاؤں گا لیکن سید محمد مظفر شاہ صاحب کی درخواست بھی رد نہیں ہو سکتی تھی اس لیے بڑے اصرار کے بعد بیعت کے مراسم ادا ہوئے اور آخری سفر سیال شریف میں حضرت قبلۂ عالم نے خرقۂ خلافت بھی آپ کو عطا فرما دیا۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے عہد مبارک میں تعویذ نویسی وغیرہ آپ ہی کے متعلق تھی۔ جب سید محمد مظفر شاہ صاحب خلیفہ ہوئے تو ۲ سال تک بیعت وغیرہ خود لیتے رہے لیکن پھر یہ کام بھی آپ کے سپرد فرما دیا۔ چناں چہ ان کی حیات بیں ۴ سال تک اُن کے تمام خدمات جانشینی آپ ادا فرماتے تھے۔

۱۹ سال کی عمر شریف ہوئی تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب

میں دیکھا کہ مدینہ منورہ میں طلب فرمارہے ہیں۔ صغر سنی اور ناتجربہ کاری کی بنا پر آپ کے والد ماجد نے بڑی رد و قدح کے بعد اجازت حج بخشی۔ آپ نے ۲ رشوال ۱۳۳۲ھ مطابق ۴۔ستمبر ۱۹۱۳ء کو حج کا سفر اختیار کیا۔ راستہ میں متعدد خوارق عادات آپ سے ظہور میں آئے جن کے اظہار کی آپ نے باوجود راقم کے اصرار کے اجازت نہیں بخشی۔

اس مقدس سفر میں مؤلف کتاب بدامع چند اور پیر بھائیوں کے ہمراہ تھا جب کسی کام کی ضرورت ہوتی تو ہر شخص اپنے ذمہ اس کا کچھ حصہ کر لیتا تھا۔ آپ بھی جماعت کے ایک فرد کی حیثیت سے اس میں شریک ہو جاتے تھے جو مساوات اسلامی کا بہترین منظر ہوتا تھا۔ متعدد مقامات پر لوگوں کو حفاظت کے لیے پہرہ دینے کی ضرورت پیش آئی۔ تمام لوگوں کے ساتھ آپ نے بھی اپنی باری میں یہ فرض سرانجام دیا۔ کھانے پینے میں بھی از راہِ تواضع خدام کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ اگرچہ سفر نہایت دشوار گذار، اور دور دراز مقامات کا تھا اور آپ ہمیشہ سے ناز و نعمت کے آغوش میں پلے تھے، تاہم کبھی تکلیف کی شکایت نہیں فرمائی۔

اس سفر میں آپ نے بیروت، دمشق، مصر، خلیل الرحمٰن، یافہ اور بیت المقدس کی زیارت بھی، اور پھر ہندوستان واپس تشریف لائے۔

آپ کا پہلا عقد سید نواب شاہ صاحب کی دختر نیک اختر سے ہوا جو حضرت قبلہ عالم کے حقیقی داماد اور بھانجے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد دوسری شادی مکان شریف میں حضرت حاجی میر آلِ رسول صاحب کی صاحب زادی سے ہوئی جو خاندانِ نقشبندیہ کے خاص بزرگوں میں تھے، وہ حج کو تشریف لے گئے تو خدا کے ملک میں سکونت اختیار کی اور ہندوستان واپس تشریف نہ لائے۔

حاجی صاحب کی صاحبزادی کا عقد اپریل ۱۹۱۷ء میں ہوا۔ وہ کسی قدر عربی سے بھی واقف تھیں اور فارسی میں خاص کمال رکھتی تھیں۔ ۱۲ شعبان ۱۳۴۰ھ کو وفات پائی اور حسبِ ذیل صاحبزادے یادگار چھوڑے۔

۱۔ سید برکات احمد شاہ، ولادت ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۶ ہجری مطابق ۴ فروری ۱۹۱۸ء موافق ۲۳۔ ماگھ سمت ۱۹۷۴ یوم دوشنبہ۔

۲۔ سید حسنات احمد شاہ، ولادت ۲۵ شوال ۱۳۳۷ ہجری مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۱۹ء مطابق ۹ ساون سمت ۱۹۷۶ یوم پنجشنبہ۔

۳۔ سید لمعات احمد شاہ، ولادت ۱۲ رجب ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۲۲ء موافق ۹ چیت سمت ۱۹۷۸ یوم سہ شنبہ۔

آپکے حالات پر مشتمل مفصل کتاب 'امیر حزب اللہ' ہے جو ڈاکٹر عبد الغنی کی تصنیف ہے اور آپکی مبارک زندگی میں ہی ۱۹۶۵ء میں طبع ہو گئی تھی۔ آپ کا وصال ۱۷ شعبان ۱۳۸۶ھ / یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کو ہوا۔ لنگر شریف کے ۱۳۴۲ھ سے بعد کے تمام حالات کتاب مستطاب 'امیر حزب اللہ' میں آ گئے ہیں گویا یہ کتاب 'ذکرِ حبیب' کی دوسری جلد ہے۔

خلیفہ سوم حضرت سید محمد شاہ صاحب لودھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد ماجد کا نام حضرت سید سعد اللہ شاہ تھا عرف خلیفہ دسوندی خلف سید الٰہی بخش صاحب خلف سید نتھے شاہ صاحب سید گیلانی از اولاد حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ سید اور اولاد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ،

سے تھے۔

اصلی وطن مارواڑ علاقہ ملک ہندوستان ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد بادشاہانِ وقت کی ملازمت میں رہتے چلے آئے ہیں۔ آپ نے اپنے حالات اپنی قلم سے فارسی میں اس طرح تحریر فرمائے ہیں جس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے :۔

مجھے زبدۃ الصادقین خواجۂ راستین ادام اللہ فیضہٗ سے نیاز حاصل کرنے کا بیحد شوق تھا لیکن امورِ دنیوی، ملازمتِ انگریزی اور ابتلائے فسق و فجور و عیاشی سے میں بے حد غافل تھا اور یہی امور مانع قدم بوسی و حاضری جلال پور شریف تھے۔

اتفاق سے ایک روز میاں صاحب لنگر پوریہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے کیا چاہتا ہے حیدر شاہ جلال پوری کے پاس جا۔ انہوں نے کئی بار اسی طرح فرمایا مگر غفلت نے کچھ سمجھنے نہ دیا اور میں بدستور فسق و فجور میں مبتلا رہا۔

کچھ عرصہ کے بعد میں پنڈ دادن خاں کی طرف گیا۔ وہاں اثنائے راہ میں فقیر شاہ ڈھڈیالوی سے ملاقات ہوئی۔ اُن سے میں نے خواجہ غریب نواز کے اشتیاقِ ملاقات کا حال کہا۔ وہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کو جا رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک عرضی میری طرف سے لکھی اور اپنے لڑکے کے ہمراہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مجھے جلال پور شریف بھیج دیا۔

جلال پور شریف پہنچ کر میں نے اپنا اسباب سرائے میں رکھ دیا اور حاضرِ دربار ہوا۔ جب میری عرضی گذرائی گئی تو نمازِ شام کا وقت تھا۔ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مسجد میں جاؤ اور نماز پڑھو۔ اُسی وقت حضور خود بھی مسجد میں تشریف لے آئے

لہ یہ حضرت پہلے بعہدہ سررشتہ داری محکمہ جنگلات جہلم ڈویژن میں مامور تھے ۱۲

جب نماز باجماعت ہو چکی تو مجھ سے ارشاد ہوا کہ جب تک ہم ختم خواجگان ختم کریں بیٹھے رہو۔ میں بیٹھا رہا۔ بعد ختم حضور دیوان خانے میں تشریف لے گئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے گیا اور صحن دیوان خانہ میں جا کر بیٹھ گیا

تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک درویش سے حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص بیعت کے لیے باہر بیٹھا ہوا ہے اسے آواز دے لو۔ وہ درویش آیا پکارا۔ آواز دی وہاں میرے سوا کوئی ہوتا تو بولتا اور مجھے یقین نہ تھا کہ یہ طلبی میری ہے لہٰذا وہ واپس چلا گیا۔ دوبارہ حکم ہوا کہ جاؤ وہاں بیٹھا ہوا ہے، اُسے یہاں بُلا لاؤ۔ وہ پھر آیا اور آواز دینے لگا۔ ناگہاں میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں اجنبی صرف میں ہوں۔ ممکن ہے کہ یہ خطاب مجھ سے ہو۔ فوراً اُٹھا اور حاضرِ خدمت ہوا۔

آپ نے دریافت فرمایا وضو ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں: ارشاد ہوا بیٹھ جاؤ اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔ میں نے اپنا ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے دیا حضور نے بیعت کیا اور وظائف، درود ستغاث سلسلہ چشتیہ نظامیہ ایک بار روزمرہ، اسم یَا وَھَّابُ ستر مرتبہ بعد از نماز صبح، اور درود شریف و سورہ اخلاص دس دس مرتبہ بعد ہر نماز، اور اسم اَللّٰہُ الصَّمَدُ سو مرتبہ بعد ہر نماز یا پانچ سو بار بعد نماز صبح اور یَا شَفِیْقُ، یَا رَفِیْقُ نَجِّنِیْ مِنْ کُلِّ ضِیْقٍ ستر مرتبہ بعد از نماز عشا پڑھنے کی تلقین فرمائی اور تمام اوراد اَللّٰہُ الصَّمَدُ کے ایک پرچہ پر اپنے دست مبارک سے لکھ کر مجھے دیے۔

میں نے حسب تعلیم اوراد و وظائف کی پابندی کی خدا کا کرنا میرے تمام عیوب اور

بد افعالیاں رفتہ رفتہ دور ہو گئیں اور میں نے تمام لاعلاج امراضِ نفس سے نجات پائی جس کے بعد ادائے نماز اور اوراد و وظائف میں کبھی کوئی قصور واقع نہ ہوا۔

بعد کے حالات بروایت مولوی کرم الٰہی صاحب اس طرح سُنے گئے کہ بعد بیعت (جو ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء ہوئی) ایک دن سید محمد شاہ صاحب نے اپنا تمام اسباب ظاہری فقرا اور مساکین کو خیرات کر دیا۔ ایک پرانی چادر اوڑھ کر، ایک پرانا تہ بند باندھ کر اور ایک ٹوٹا سا جوتا پہن کر مسجد جلال پور شریف میں آ بیٹھے۔ صاحبزادہ حضرت سید مظفر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے آپ کو پہچانا اور دوڑ کر حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گئے اور عرض کی کہ سید محمد شاہ اپنی ملازمت سے مستعفی ہو کر اس حال میں چلے آئے ہیں اور مسجد میں معتکف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن سے پوچھو کہ اگر ملازمت کی تمنا ہے تو پھر درخواست دو اس سے بہتر جگہ مل جائے گی۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ نے عرض کی کہ حضور اب انہیں نوکری کی تمنا نہیں کہ لوگ طعنہ دیں گے حضورؒ نے فرمایا کہ پھر کیا درویشی چاہتے ہیں عرض کی جی ہاں۔ در در کی گدائی کے آرزو مند ہیں۔

حضورِ انور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درویش گدائی نہیں کرتا اور نہ گدائی کرے گا بفضلہ تعالیٰ ہم اُسے دو نو جہان کی بادشاہی کی طرح فقیری دیں گے۔ کچھ عرصہ کے بعد سید محمد شاہ کو ان کے وطن کی طرف روانہ کر دیا۔

تھوڑی مدت گذری تھی کہ آپ پھر جلال پور شریف حاضر ہوئے اور جن چلوں کا کھینچنا قبلِ خلافت ضروری ہے وہ وہاں بیٹھ کر کھینچے جس کے بعد حضور انور سے خلافت مل گئی اور شہر لودھیانہ میں خلق خدا مستفیض ہونے لگی۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ جلال پوری نے سید محمد شاہ صاحب کے متعلق کئی دفعہ ارشاد فرمایا کہ موجودہ زمانہ میں جس شخص نے توبۃ النصوح صحیح معنوں میں کی ہے وہ سید محمد شاہ سکنہ لودھیانہ تھے جو فسق و فجور کے حد کمال سے نکل کر ورع و اتقا کے انتہائی مدارج پر پہنچ گئے اور ساتھ ہی توکل و استغنا کی یہ مثال قائم کی کہ باوجود کئی ہفتے فاقہ کشی میں بسر کرنے کے کسی غیر اللہ کے سامنے سوال کرنے سے قطعاً پرہیز رکھی۔ آپ کی وفات فنافی اللہ کے درجہ کا مظہر اتم تھی کہ آپ نے ذکر جہر شروع کیا اور دماغی ضعف کی وجہ سے آپ کا دماغ پھٹ گیا اور ھو کا جذبہ انگیز نعرہ تھامے ہوئے حضرت سید محمد شاہ صاحب علیہ الرحمۃ ۱۳۲۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔

خلیفہ چہارم حضرت سید غلام شاہ صاحب

آپ موضع نارنگ تحصیل چکوال ضلع جہلم کے رہنے والے صحیح النسب سید ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچ جاتا ہے سید غلام شاہ صاحب خود فرماتے ہیں :۔

ابتدا میں علوم دینی سے فارغ ہونے کے بعد مجھے مردانِ خدا کی محبت دامنگیر ہوئی۔ جو کوئی ملتا میں حتی الوسع اس کی خدمت کرتا اور یہ بھی عادت تھی کہ ہر شخص سے وظیفہ پوچھا کرتا۔

ایک دن ایک شخص ضلع راولپنڈی سے آئے حسبِ معمول میں نے ان کی تواضع کی اور وظیفہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ سورۂ یٰسین شریف کی زکوٰۃ دے دو اس طرح کہ ایک چلہ میں سوا لاکھ مرتبہ ختم ہو جائے ساتھ ہی چلہ میں قوم جن سے ایک حکم

تمہارے پاس آئے گا۔ اس سے خوف نہ کرنا۔ اُس کے کہنے کے مطابق میں نے سورۂ یٰسین شریف کی زکوٰۃ دینی شروع کی۔ جب زکوٰۃ قریب الختم پہنچی تو ایک دن چند جن میرے پاس آئے ڈرایا اور کہا کہ تو اس عمل سے توبہ کر ورنہ ہم تجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ میں نے بھی دل میں سوچا کہ ایسے عمل سے کوئی فائدہ نہیں اور یہ سوچ کر توبہ کر لی۔

اس کے بعد میرے دل میں حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت پیدا ہو گئی اور دل ان کے شوقِ زیارت میں بے طرح مچلنے لگا۔ شب و روز یہی فکر رہنے لگی۔ آخر ایک دن سیال شریف حاضر ہونے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا۔ جب قصبہ بھیرہ تک پہنچا تو دل میں کچھ ایسے خیالاتِ ناقص پیدا ہوئے کہ وہاں سے واپس گھر لوٹ آیا۔

کچھ دن کے بعد پھر اسی ارادہ سے سیال شریف کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں سُنا کہ حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ وفات فرما گئے۔ مجبوراً حضرت خواجہ جلال پوری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور یہ شرط کر لی کہ اگر حضرت خواجہ صاحبؒ نے مجھے اپنی غلامی میں قبول نہ کیا تو پھر میں سیدھا بیت اللہ شریف چلا جاؤں گا۔

جب ۱۳۰۲ھ میں حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے مجھے بیعت فرما لیا۔ پھر ۱۳۱۲ھ میں خرقۂ خلافت عنایت کر دیا۔ حضور مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ خلقِ خدا کی دستگیری کرو۔ میں عرض کرتا تھا کہ حضور میں بندۂ گنہگار ہوں اور اس کی اہلیت اپنے میں نہیں دیکھتا۔ ع

کو خویشتن گم است کرا رہبری کند

ایک مرتبہ سفرِ سیال شریف میں حضور نے اکثر ہمراہیوں سے فرمایا کہ غلام شاہ لوگوں کو بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ہمیشہ عذر و حیلہ کر دیتے ہیں۔ میری عادت

تھی کہ جس وقت حضور سفر سیال شریف سے لوٹتے ہیں بہت جلد حاضرِ خدمت ہوکر قدم بوس ہوتا۔ اب کے جو آیا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور سفر میں اس طرح فرماتے تھے۔ تمہیں اصرار لازم نہیں ہے۔ بعد ازاں بھرے مجمع میں خود حضور نے مجھ سے فرمایا کہ غلام شاہ تمہیں ہدایتِ خلق سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو خاموشی کے ساتھ سر جھکالیا تعمیلِ حکم قبول کی اور زبانِ حال سے کہہ دیا۔ ع

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اس دن سے سید غلام شاہ صاحب لوگوں کو بیعت کرنے لگے اور آپ کے فیضان کا دریا بھی لہرانے لگا۔

جناب حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ جلال پوری کی سید غلام شاہ صاحب پر خاص عنایت تھی اور بالخصوص ان کی مسکینی، فروتنی، عجز و انکسار اور جوشِ عقیدت و خلوص کے وجوہات سے جناب کے دل میں ان کی خاص وقعت و منزلت تھی۔ چناں چہ کئی دفعہ ارشاد ہوا کہ ہمارے مریدوں میں دو شخص خاص طور پر اپنی مسلمہ ارادت و اخلاص میں بے نظیر ہیں۔ درویشوں میں غلام شاہ، دنیاداروں میں راجہ بہادر خاں (مرحوم سکنہ چکب جانی جو کہ اعلیٰ طبقہ کا رئیس ہو کر خصائل و شمائل، عادات و اطوار، خدمتِ درویشان و محبتِ شیخ میں نظیر مثال تھا ۱۳۲۵ھ میں فوت ہوگیا)۔

خلیفہ پنجم حضرت صوفی محمد بخش صاحب ملتانی

آپ گھوڑہ شریف متصل چھاؤنی ملتان کے رہنے والے قوم بھٹہ کے ممتاز ترین فرد اور طبقۂ امراء میں سے تھے۔

آپ کو شرفِ بیعت حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا اور خلعتِ خلافت حضرت خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ سے پایا۔ آپ نہایت پرہیزگار اور عبادت گذار حافظ قرآن مجید عالم باعمل درویش کامل تھے۔ اور

تو بر تختِ سلطانیٔ خویش باش
با خلاق پاکیزہ درویش باش

کا صحیح نمونہ۔ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ آپ پر نظرِ عنایت خاص طور پر مبذول فرمایا کرتے تھے۔ اہل اللہ دنیا داروں میں آپ کو بطور مثال پیش کیا جاتا تھا۔ آپ کو فوت ہوئے پانچ چھ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔

خلیفۂ ششم حضرت سیّد حسین شاہ صاحب علیہ الرحمۃ

آپ مزنگ متصل لاہور کے رہنے والے تھے۔ ابتدا میں بعہدہ سررشتہ محکمہ منصفی ڈنگہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں مامور تھے۔ ملازمت سے مستعفی ہو کر حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ سے بیعت کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں خرقۂ خلافت لے کر اپنے مقام کو واپس چلے گئے۔ پھر حسب الحکم حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ بمقام رہتاس ضلع جہلم مامور ہوئے اور وہاں سے کچھ مدت کے بعد اپنے وطن اصلی کی طرف مراجعت فرمائی۔ پھر قریہ کتریلی متصل جہلم میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نہایت صادق عقیدہ صاحب کشف وکرامت قانع وصابر اور ساکت ومطمئن بزرگ تھے آپ کی رحلت کو چھ سات سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔

خلیفہ ہفتم حضرت دین محمد صاحب ساکن بڑوہا

آپ بقیدِ حیات ہیں اور آپ اپنے حالات اپنی قلم سے اس طرح تحریر فرماتے ہیں :۔

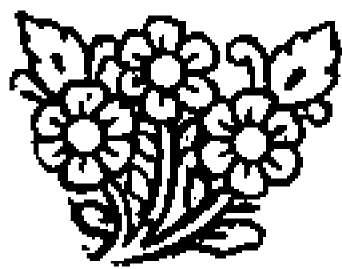
شرفِ بیعت حاصل کرنے کے بعد تین سال میں حضرت قبلہ عالم جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کبریت احمر و مسبعات سے فیض یاب فرمایا۔ جب غلام حاضر ہوا تو حضور دیوان خانے کے ایک تخت پوش پر جو ایک جنوبی کونے میں باہر رکھا ہوا تھا، رونق افروز تھے، وقت خاص تھا، خلوت خاص تھی، صرف دو شخص اور موجود تھے۔ انہیں رخصت فرما کر اثنائے گفتگو میں مجھ سے فرمایا کہ تمہارے پاس آدمی آیا کرتے ہیں۔ غلام نے عرض کی کہ تھوڑے تھوڑے آدمی آتے ہیں تو حضور نے فرمایا کہ جو وظائف تم خود پڑھتے ہو ان کی اجازت دوسروں کو بھی دے دیا کرو اور عرس بھی سب کیا کرو۔

بعد گزرنے تین ماہ کے ایک رات خواب میں حضرت خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے دیدار فیض آثار سے مشرف ہوا اور دیکھا کہ حضرت خواجہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک درویش سے فرما رہے ہیں کہ انہیں گلستاں دے دو۔ درویش نے عرض کیا کہ گلستاں تو موجود نہیں ہے بوستاں ہے۔ بوستاں مجھے عطا فرمائی گئی۔ اور ارشاد ہوا کہ گلستاں وہاں سے (جلال پور شریف سے) لے لیں۔ اس کے بعد خاکسار قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا اور حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی تقریب میں جو فتوحات غلام کے پاس آئے تھے، سب لیجا کر حاضر کیے حضور اس وقت بباعثِ گرمی محل سکنی کے باہر برآمدہ میں رونق افروز تھے

اور چوہدری فتح الدین صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ حضور نے مجھ سے فرمایا سب فتوحات لے آئے ہو۔ میں نے عرض کی کہ بغیر اجازت صرف کرنے کی کیا مجال تھی۔ اُس میں سے کچھ تقسیم کرنے کے بعد فرمایا کہ جو لوگ تمہارے پاس آیا کریں انہیں بیعت کیا کرو اور مرقع شریف اور کشکول شریف جو میرے پاس پہلے ہی سے اجازت شدہ موجود تھے۔ اُن میں سے بیعت کرنے کی ترکیبیں فہمائش فرمائیں اور ایک روپیہ نقد اپنے دستِ مبارک سے عنایت فرمایا۔

یہ امر چند سال تک پوشیدہ رہا۔ ایک مرتبہ جب عرس حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ پر غلام کے ساتھ بہت سے معزز پیر بھائی رئیس و ملازم حاضر درگاہ ہوئے تو ان سے کئی پیر بھائیوں نے دریافت کیا کہ تمہاری بیعت کہاں ہے انہوں نے خاکسار کا نام لیا تو لوگوں نے حضرت[1] ثانی صاحب سے اس کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ بے شک ان کو خلافت عطا ہوئی ہے۔ پھر بھی پیر بھائیوں کو شک باقی رہا اور حضور غوث الزمان سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بغیر اجازت اتنا عروج کسی کو کب ہو سکتا ہے۔ اُس وقت سے عاجز کی خلافت مشہور ہوئی۔

قاضی صاحب موضع بڑوہا تحصیلِ مری ضلع راولپنڈی میں موجود ہیں۔ نہایت صاحبِ احتیاط اور متورع بزرگ ہیں اور فنِ حدیث کے بڑے ماہر ہیں۔



[1] مراد از حضرت سید محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۲

اسمائے خلفا جو حضرت خواجہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے مگر اجازت حضرت خواجہ سیّد محمد مظفر علیشاہؒ سے ملی تھی

۱۔ سیّد محمد شاہ صاحب سکنہ نڑالا متصل راولپنڈی

جو کہ تحمل و برداشت علی النفس و استقامت کا ایک نمونہ تھے اور شکل و شمائل و حُسنِ ظاہری بھی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ پہلے ریاست بہاول پور میں ملازم تھے مگر خدائی ملازمت میں آکر خلوت گزیں ہو گئے اور آخر دم تک استقامت کو خوب نبھایا۔ انہیں فوت ہوئے چار پانچ سال گذر چکے ہیں۔

۲۔ سیّد زمان شاہ صاحب ساکن کھوتیاں تحصیل چکوال ضلع جہلم

ان کے لیے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے اپنی حیات ہی میں حضرت خواجہ مظفر علی شاہ صاحب سے فرما دیا تھا کہ ان کو خلافت دے دینا کیوں کہ وہ خلافت کی صحیح اہلیت و استحقاق رکھتے ہیں۔ جناب حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ان کے زہد و عبادت نفس کشی و ریاضت کی ہمیشہ تعریف فرمایا کرتے تھے اور ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ سیّد زمان شاہ اس قدر مراقبہ نشین ہیں کہ مراقبہ کرتے کرتے ان کی گردن ٹیڑھی ہو گئی ہے۔ آپ کا سلسلہ پیری مریدی پہلے بھی تھا مگر اب بہت وسیع ہو گیا ہے اور آپکے مرید آپ کے

فیضان کے بیحد مداح ہیں۔

۴۳۔ مولوی محمد نور عرف مولوی تن منین صاحب

آپ مظفر آباد ریاست کشمیر میں رہتے ہیں اور بہت بڑے فاضل بزرگ ہیں

اسمائے خلفا جن کو حسب ایمائے حضرت خواجہ سید مظفر علی شاہ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب (موجودہ سجادہ نشین) نے اجازت خلافت عطا فرمائی

۱۔ سید احمد شاہ صاحب ساکن گوہڑہ متصل پنڈی بہاؤالدین

آپ جلال پور شریف سے قریب رہنے والے ہیں اور نہایت معتقد واقع ہوئے ہیں حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہر سوموار اور جمعہ کو حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور ان کا طریق عمل جناب حضرت غریب نوازؒ کو نہایت پسند تھا کیوں کہ آپ کا یہ ارشاد تھا۔

خدمتِ مرشد میں رہ چوں برگ گل ہمراہ قند
فیضِ صحبت کب ملے جب تک نہ ملے ٹوٹ ٹوٹ

۲۔ پیر امیر شاہ صاحب سکنہ پیر کھارا تحصیل پنڈ دادنخان

آپ قریشی النسب نہایت صالح جوان اور حسن عقیدت و اخلاص میں بزرگان سلف کا ایک نمونہ ہیں۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ پیر کرم شاہ صاحب اپنے زمانہ میں ایک باکمال بزرگ گذرے ہیں جن کی مزار پرانوار اب تک مرجع خلائق ہے۔ جناب حضرت خواجہ غریب نواز

رحمۃ اللہ علیہ جلال پوری پیر کرم شاہ صاحب کا ذکرِ خیر نہایت تعریفی الفاظ میں فرمایا کرتے تھے اور پیر امیر شاہ صاحب الولد سرٌ لابیہ کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔

۳۔ پیر بلاول شاہ صاحب سکنہ پیر کھارہ

آپ پیر امیر شاہ صاحب موصوف کے ماموں ہیں نہایت صاف باطن بے ریا اور زاہد مردوں میں ہیں جناب حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ان کی خاندانی وجاہت اور ان کے مورثِ اعلیٰ کے لحاظ کی وجہ سے ان کی خاص توقیر فرمایا کرتے تھے۔

۴۔ سیّد ملک شاہ صاحب سکنہ شکریلہ تحصیل جہلم

جو سید رسول شاہ صاحب کے فرزند ہیں انہیں منصبِ خلافت سیال شریف سے حاصل تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند سید محمد شاہ صاحب سجادہ نشین ہوئے اور اُن کی رحلت پر چونکہ وہ صاحبِ اولاد نہ تھے سید ملک شاہ صاحب جانشین مقرر ہوئے اور جن کو اس لحاظ سے کہ ان کی اپنی بیعت جلال پور شریف ہے۔ خلافت یہاں ہی عطا ہوئی۔ نہایت بے نفس کم گو اور ذاکر و شاکر بزرگ ہیں۔

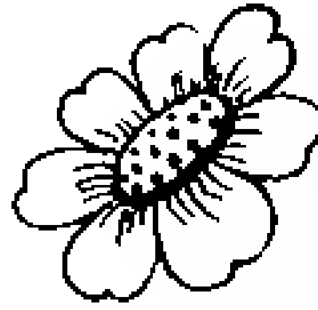
۵۔ مولوی غلام رسول صاحب انگہ شاہ بلاول تحصیل خوشاب

یہ اعلیٰ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے خاص منظورِ نظر تھے۔

۶۔ حافظ فتح دین صاحب سکنہ لوہیسر تحصیل گجرات

یہ بزرگ پندرہ بیس سال تک اعلیحضرت کی خدمت میں حاضر رہے ہیں ان کی خدمات اور ان کا خلوص مستحق تھا کہ ان کو مسندِ خلافت دی جائے الملۃ کہ حق بحقدار رسید۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃ کہ ذکرِ حبیب حصہ اوّل باختتام رسید



ذکرِ حبیب

حصّہ دوم

کرامات

ملک محمدّالدینؒ ایڈیٹر "صوفی"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

فلسفۂ کرامات

کائنات کی ہر چیز ظاہر اور باطن دو پہلو رکھتی ہے۔ ممکنات کا ہر ذرہ "ظہور و خفا" کے دو عنصروں سے مرکب ہے اور جس طرح لفظ سے معنیٰ اور معنیٰ سے لفظ کی علیحدگی دشوار ہے اسی طرح دنیا کی کسی چیز سے صورت و معنی کے دو اہم جز علیحدہ نہیں کیے جا سکتے۔ فطرت کا یہ اصول آسمان سے زمین تک جاری ہے اور انسان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ جس کی ہستی فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا کا عبرت انگیز آوازہ بلند کر کے ثابت کر رہی ہے کہ اس عالم ظاہری کے ساتھ ساتھ ایک عالم باطنی بھی ہے اور ایک ایسا عالم باطنی جس کا آسمان اس آسمان سے زیادہ شاندار و بلند اور جس کی زمین اس زمین سے زیادہ بسیط و فراخ ہے۔

یہ عالم باطنی عوام کی آنکھوں سے اسی طرح اوجھل ہے جس طرح چشم نابینا سے آفتاب لیکن ارباب بصیرت اور اہل غور و فکر کے لیے اس کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور ان کی حقیقت بین نگاہیں اسی نئی دنیا کی رُوح افزا نظاروں کا سرور دل و دماغ کو پہنچاتی رہتی ہیں۔ یہ عالم باطنی وہ مملکت ہے جس میں ہر شے اپنے نظام کے اندر قدوسی انوار کا پرتو رکھتی ہے جس میں ارواح بے جسد نظم و نسق کی عنان گیر ہیں۔ جس میں خدا کی وہ مخلوق انسانی روحوں کے دوش بدوش کام کرتی ہے

جس کو "ملائکہ" کا شاندار لقب عطا کیا گیا ہے۔

جس طرح روح سارے بدن پر حکمران ہے۔ جس طرح معانی صور پر تسلط رکھتے ہیں۔ جس طرح جوہر اعراض کا مدار علیہ ہیں جس طرح ماہتاب آفتاب سے مستفاد ہے، اسی طرح یہ عالم باطنی عالم ظاہری پر متصرف ہے اور مادیات کی یہ دنیا عالم روحانیت کی ایسی مطیع و منقاد ہے جیسے ایک مرکب اپنے راکب اور ایک بندہ اپنے آقا کے بس میں ہوتا ہے چنانچہ عالم ظاہری میں اسوقت تک ایک ذرہ اور ایک پتہ کو جنبش نہیں ہوتی جبتک عالم رحانی سے اجازت نہ ملے

اس عالم روحانی میں جو ظاہر بین نگاہوں کے لیے عالم غیب کی حیثیت رکھتا ہے وہی نفوس قدسی متقدر ہیں جو تزکیہ و صفا کے مدارج طے کر کے عالم اجسام کی کثافتوں سے بالاتر ہو گئے ہیں جن کے تعلقات مادی دنیا سے منقطع ہو چکے ہیں اور جن کی روح نے روحانی دنیا سے وابستگی پیدا کر لی ہے ان کی نگاہ میں ظہور و خفا اور غیب و شہود ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کے لیے خواب و بیداری اور موت و حیات دونوں یکساں حالتیں ہیں۔

انسان روح و جسم کے مجموعہ کا نام ہے اور اس بنا پر اُسے قدرت کاملہ نے دو طرح کی قوتیں عطا کی ہیں۔ ایک بہیمی اور دوسری ملکوتی۔ چناں چہ جب اس کے قویٰ بہیمی غالب آتے ہیں تو وہ درندوں سے بڑھ کر سرکش اور جاہل ثابت ہوتا ہے اور جب قویٰ ملکوتی علیہ پاتے ہیں تو اس کا تقدس فرشتوں سے سبقت لیجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو ملاء اعلےٰ کی پاک مخلوق اسے نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے اُس کے فسق و فجور اور خونریزی و سفاکی پر آوازے کستی ہے اور دوسری طرف مقربین بارگاہ اس کی گہوارہ جنبانی کرتے ہیں اور اس کی عظمت و جلال

کے روبرو سر بسجود ہو جاتے ہیں۔

ان متضاد حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادرِ مطلق نے انسان کو دونوں طرح کی قدرت عطا کی ہے اور بہیمی و ملکوتی دونوں قسم کی صلاحیت اس میں ودیعت رکھی ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کی تکمیل اس کی محنت اور عزیمت پر موقوف ہے وہ اپنی بے پروائی اور بے احتیاطی سے بہیمیت کے قعرِ ذلت میں گرتا ہے اور اپنی ہی احتیاط اور عزم و کوشش سے اوجِ کمال و ترقی پر جا پہنچتا ہے۔ یہ اختلافات صرف مادی اور روحانی توازن ہی میں نظر نہیں آتے بلکہ دنیا کے ہر کام اور شعبہ میں محسوس ہوتے ہیں۔ ہم ایک ہوشیار کاریگر کی مصنوعات دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں موسیقی کا ایک نغمہ ہم کو مست و بے خود بنا دیتا ہے۔ ادنےٰ درجہ کے بازی گر اور مسمیرائزر ہمارے ہوش و حواس چھین لیجاتے ہیں لیکن ہمیں غور کرنا چاہیے کہ آخر ایسا کیوں ہے۔ یہ کونسا کرشمہ و طلسم ہے جو ہمیں اس قدر محوِ حیرت بنا رہا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ سب احتیاط و کوشش اور مشق و محنت کی نیرنگیاں ہیں۔

ہماری معمولی توجہ اور ادنیٰ مشق سے ہمارے تمام اعضا قابو میں آ سکتے ہیں۔ ہماری انگلیوں میں بہتر سے بہتر خطاطی، خوشنویسی، مصوری اور نقاشی کی صلاحیت موجود ہے ہمارے حلق میں مؤثر اور دلگداز نغموں کی موجیں مخفی ہیں۔ ہمارے بازوؤں میں بڑے سے بڑا بار اُٹھانے کی استعداد پائی جاتی ہے۔ ہماری جسمانی ساخت بلند ترین پہاڑوں پر چڑھنے اور وسیع ترین سمندروں میں تیرنے سے مانع نہیں ہے اگر ہم محنت اور توجہ کرتے ہیں تو یہ تمام کمالات جو عام نگاہوں میں عجائبات سے کم نہیں ہماری ذات میں پیدا ہو جاتے ہیں اگر ہم ان فطری صلاحیتوں کی پروا

نہیں کرتے اور ان قدرتی خزانوں سے غافل ہو جاتے ہیں تو ہم صرف ایک حیوان کی حیثیت میں باقی رہتے ہیں جو اپنے اندر سانس کی آمد و شد کے سوا کچھ نہیں رکھتا۔

الغرض دنیا میں جتنی چیزیں ہم کو متحیر کرتی ہیں وہ سب محنت و مشق کا نتیجہ ہیں لیکن جس طرح عالمِ ظاہری کی ترقی اکتساب پر مبنی ہے اسی طرح عالم روحانی کے مدارج بھی سعی و محنت سے طے کیے جاتے ہیں اور جس طرح علوم و فنون دنیاوی میں کمال حاصل کر کے ایک صاحب علم و صاحب فن ہم کو حیرت میں ڈال دیتا ہے اسی طرح قدوسی نفوس روحانی اقتدار حاصل کر کے ہمارے تحیّر کا باعث ہوتے ہیں اور چونکہ کثرت تحیّر کبھی انکار سے بدل جاتا ہے اس لیے وہ لوگ جن کی عقل کے ساتھ قیاس بھی محدود ہے ہر اُس بات سے انکار کر دیتے ہیں جو ان کی عقل اور ان کے قیاس سے بالاتر ہے۔

ایک ماہر کا مقولہ ہے کہ کسی بات سے محض اپنی لاعلمی کی بنا پر یا اس بنا پر کہ وہ تمہاری عقل و فہم سے بالاتر ہے انکار نہ کرو اور اس لیے وہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں جو اپنی کم علمی اور ناتجربہ کاری کے باعث کسی ایسے معاملہ سے انکار کر دیتے ہیں جو ان سے زیادہ صاحبِ علم اور ان سے زیادہ صاحبِ تجربہ کی نگاہ میں ایک امرِ واقع کی حیثیت رکھتا ہے جو لوگ اپنے ضعفِ عقل کی بناء پر روحانیت کا انکار کرتے ہیں اگر ان کے سامنے مادیات کے عجائبات پیش کیے جائیں تو ان سے بھی یقیناً انکار کریں گے۔ مادیات میں تار اور ٹیلیفون نے ہر شخص کو صاحبِ کشف بنا دیا ہے۔ ریل موٹر اور آلاتِ پرواز نے تختِ سلیمانی کی یاد تازہ کر دی ہے جو غدوّھا شھر و رواحھا شھر" کے پر پرواز رکھتا تھا۔ مشینوں کی تیز دستی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ناممکنات

کو ممکنات سے بدلا جا سکتا ہے۔ اب ان باتوں سے ہر شخص واقف ہے اور اس لیے اپنی ذات کی طرح انہیں تسلیم کرتا ہے لیکن ان چیزوں کے رواجِ عام سے پہلے اگر کوئی متدین سے متدین انسان بھی ان کی موجودگی کا دعویٰ کرتا یا ان کی قوتوں کو اپنی طرف منسوب کرتا مثلاً کہتا کہ میں سمندر پار کے لوگوں سے یہاں بیٹھے بیٹھے بات کر سکتا ہوں، میں دن بھر میں سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کر لیتا ہوں، میں آسمان پر اُڑ کر شہروں اور ملکوں کی سیر کر سکتا ہوں۔ میں سو آدمیوں کا کام تنہا انجام دے سکتا ہوں تو یقیناً ان دعووں سے لوگ اُسی طرح انکار کرتے جس طرح آج ناواقف اشخاص انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاءِ عظام کی کرامات سے انکار کرتے ہیں۔

جو تنگ دل لوگ اولیا کی کرامات اور خوارق عادات کو تسلیم نہیں کرتے وہ اپنی بدنصیبی کے باعث ہنوز اپنی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ انہوں نے گویا یہ ابھی سمجھا ہی نہیں کہ انسان کو قدرتِ کاملہ نے کیا کیا قوتیں ودیعت کی ہیں۔ وہ اپنے اس انکار کی بنا پر انسانی شرافت کا معیار گھٹا رہے ہیں اور بجائے ملکوتی اوجِ کمال کے زروۂ عالی پر پہنچنے کے اپنے آپ کو بہیمیت کی پستیوں میں گرا رہے ہیں۔ انہیں خبر نہیں کہ انسان اُسی گلشنِ قدس کا ایک پھول ہے جس کی روشوں پر ملائکہ جبین سائی کرتے ہیں اور اسی دریائے نور کی ایک موج ہے جس کے ایک کنارے کا نام ازل اور دوسرے کا ابد ہے

اوّلیں موجیم ما از جوشش دریائے قدم
ہاں مزن حرفے اگر واقف نۂ از شانِ ما

اس میں شک نہیں کہ انسان ضعیف البنیان ہے، مجبور ہے اور درماندہ ہے

اس کے قوائے بہیمی فرداً فرداً ایسے کمزور ہیں کہ ایک چیونٹی کو بھی اس پر فضیلت حاصل ہے اس میں شیر کی طرح زور آوری نہیں، ہاتھی کی طرح گراں باری نہیں، سرزمینِ عالم پر اسکی ہستی بے حقیقت اور اس کی زندگی بے مایہ ہے لیکن اس بے بسی کے ساتھ ہی قدرت نے اسے ایسے قوائے عقلی دیے ہیں کہ ساری دنیا پر وہ حکومت کر رہا ہے اور کوئی ذی روح اس سے مقابلہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن انسانی خلقت کی تکمیل انہیں قوتوں پر ختم نہیں نہیں ہو جاتی۔ بلکہ مبداء فیاض نے اُسے جسمانی و عقلی قوتوں کے ساتھ روحانی قویٰ بھی عطا کیے ہیں۔ جب انسان ان روحانی قوتوں سے کام لیتا ہے تو یہ عالم محسوس نہایت تنگ نظر آتا ہے اور عالمِ روحانی کی فضائے بسیط اس کی جولانیوں کا نصب العین قرار پاتی ہے۔

انسان کی روحانی ترقی کوئی راز نہیں ہے ہر قسم کی صلاحیت اُس کی فطرت میں موجود ہے۔ ان صلاحیتوں سے کام لینے کا نام ترقی ہے۔ اسی مقصد سے دنیا میں انبیا مبعوث ہوئے ہیں۔ اسی غرض سے کتابیں اور صحیفے نازل کیے گئے ہیں اور لوگوں کو صلائے عام دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہوں اور اپنی ہستی کا اصلی مدعا معلوم کریں۔ اس لحاظ سے ہر وہ ذی روح جو انسان کے نام سے پکارا جاتا ہے، لوث و کثافت سے پاک ہو کر اور فقر و زہد کے مدارج طے کر کے روحانیت کی بہشت میں پہنچ سکتا ہے۔ جو زوال و فنا کے اثرات سے بری اور دوام و بقا کی نعمت سے مالامال ہے۔

یہ خاک کا پتلا جب ایمان کی روشنی سے دل و دماغ کو منور کرتا ہے۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندیوں سے نفس کو قابو میں لاتا ہے زکوٰۃ و صدقات کے ذریعہ سے حُبِّ مال کو دل سے دور کرتا ہے۔ فقر و قناعت اور تسلیم و رضا کو اپنا شعار بناتا ہے۔ زُہد

وتقویٰ کی بدولت روح کو تمام آلودگیوں سے پاک کرتا ہے اور اسے حلم وصبر، رحم وشفقت انس ومحبت اور تمام اخلاقِ حسنہ کے بیش بہا زیوروں سے آراستہ کر لیتا ہے تو دل میں عرفان کی تجلیاں محسوس ہونے لگتی ہیں اور رفتہ رفتہ جسمانی اور بہیمی کثافتیں دور ہو کر روحانی اور ملکوتی لطافتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ عبدیت کی تمام منزلیں طے کر کے خدا کا پاک بندہ بن جاتا ہے۔ اس کا تقرب بارگاہِ احدیت میں بڑھتا جاتا ہے اور جس حد تک یہ اپنے پروردگار کا مطیع و فرماں بردار ہوتا ہے اُسی حد تک ماسوائے پر اس کی حکومت مسلّم ہو جاتی ہے ؎

تو سر نیز از حکم داور مپیچ
کہ تا سر نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یہی مضمون بعض انبیائے کرام کی کتب مبارک میں ان الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے کہ یٰابن ادم انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا اقول لشیٔ کن فیکون اطعنی اجعلك تقول لشیٔ کن فیکون۔ اے ابن آدم میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں جس چیز سے کہتا ہوں کہ ہو جا وہ ہو جاتی ہے، میری اطاعت کر میں تجھے بھی ایسا ہی بنا دوں گا کہ تو جس چیز سے کہے گا ہو جا وہ ہو جائے گی۔

اطاعت بڑھتے بڑھتے فنا تک پہنچتی ہے اور پھر بقا کی منزلیں شروع ہو جاتی ہیں پھول گلستاں میں اور قطرہ سمندر میں جا ملتا ہے۔ اب زبان وہ زبان نہیں رہتی۔ اب ارادہ وہ ارادہ نہیں رہتا۔ حباب میں دریا اور دانہ میں خرمن کا تماشا نظر آتا ہے۔ لب جنبش میں آتے ہیں مگر بولتا ہے کوئی اور۔ ہاتھوں کو حرکت ہوتی ہے مگر کام کرتا ہے کوئی اور۔ الغرض یہ ہستی بے بود محض ایک استعارہ رہ جاتی ہے اور وہ حُسنِ غیر مجسم اور جمال

ناپیکر جو ہر لمحہ نحن اقرب کا ترانہ بلند کرتا ہے تمام جوارح وجوانح پر محیط ہو جاتا ہے۔ اس منزل تک پہنچ کر کبھی کبھی جادۂ مستقیم سے پاؤں بھٹک جاتے ہیں اور حواس بہک جاتے ہیں۔ دل کی بے خودی اور دماغ کی سرمستی میں "اَنَا الْحَق" کے مستانہ نعرے بلند ہونے لگتے ہیں اور کبھی حجاب اُٹھ کر بھی آئین وادب کا لحاظ رہتا ہے تاہم دبی زبان سے کہنے والا کہتا ہے ؎

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

جب عبدِ ناچیز کو اپنے مولا سے یہ قرب حاصل ہو جاتا ہے تو یہ باتیں جن کو کرامتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے درحقیقت زبان وارزکے ادنٰے کرشمے ہوتے ہیں یا تو زبان پر وہی آتا ہے جو ہوتا ہے یا وہی ہوتا ہے جو زبان پر آتا ہے۔ اولیاء اللہ کے نزدیک خوارق عادات اور ایسے امور کا سرزد ہونا جو طاقتِ بشری سے بالاتر ہوں کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر ایک شخص پانی پر چلتا ہے تو کیا تعجب ہے مچھلیاں بھی ایسا کرتی ہیں۔ اگر ایک شخص ہوا میں اڑتا ہے تو کونسا مقامِ حیرت ہے۔ چڑیوں میں بھی یہ طاقت موجود ہے پس جو لوگ ان معمولی باتوں کو بھی تسلیم نہیں کرتے وہ گویا اشرف المخلوقات بنی نوع کے ان افراد کے لیے جنہوں نے ہر طرح کے تزکیہ وتصفیہ کے بعد اپنی روحوں کو مصفّٰی اور مجلّٰی بنایا ہے اتنی طاقت بھی فرض کرنا نہیں چاہتے جتنی طاقت خدا نے اپنی ادنٰی مخلوق کو دی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اولیاء کی کرامت صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے کشف کے ذریعہ سے واقعات کا وقت معلوم کر لیتے ہیں اور جو امور اس عالم کون وفساد میں سرزد

ہوتے ہیں۔ اُن کا علم انہیں پہلے سے ہوجاتا ہے۔ ورنہ معاملات کے سرزد ہوتے یا نہ ہونے پر انہیں کسی طرح کا تصرف حاصل نہیں۔ لیکن حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے ملفوظاتِ مبارک میں صراحۃً اس کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "الشیخ من یسعد الشقی" شیخ وہ ہے جو شقی کو سعید بنا دے اور یہ ظاہر ہے کہ سعادت اور شقاوت ازلی ہے۔ پس کرامت یہ ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے اس کے خلاف ہو۔ موت زندگی سے بدل جائے اور رنج وغم مسرتوں سے مبدل ہوجائیں۔ اسی طرح وہ باتیں ظہور میں آئیں جو عام قوانینِ قدرت کے خلاف ہوں۔ اس موقع پر "رجف القلم بما ھو کائن" سے تعارض کا وسوسہ بعض دلوں میں پیدا ہوسکتا ہے لیکن تقدیر کی تقسیم مبرم ومعلق نے اس مسئلہ کو صاف کردیا ہے۔

علاوہ بریں قدرت کے قوانین اور مشیت کے آئین صرف عوام کے لیے ہیں خواص کی نگاہ میں صبح وشام اور آفتاب وماہتاب دو خانہ زاد ہیں جو ان کے اشارے پر چلتے ہیں۔ سمندر اور صحرا، پست اور بلند، شجر اور حجر، آفتاب اور قمر الغرض کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں جسے خدا نے اپنے بندوں کے لیے تسخیر نہ کیا ہو جیسا کہ آیت کریمہ سے جابجا ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ تسخیر و انقیاد علیٰ قدر مراتب ہے عوام ان اشیاء پر ظاہری فرمانروائی رکھتے ہیں اور خواص کو ظاہری ومعنوی دونوں حیثیتوں سے تسلط واقتدار حاصل ہے۔

کائنات پر یہ تصرف واقتدار اُسی انداز کا ہوتا ہے جو انسان اپنے بدن پر رکھتا ہے یعنی جس طرح انسان اپنے مختلف اعضا سے جب اور جس طور پر چاہتا ہے کام لیتا ہے اور ہر عضو اس کی دسترس کے اندر رہتا ہے۔ اسی طرح خاصانِ خدا کو کائنات

کے ساتھ نسبت حاصل ہوتی ہے اور ہر شے ان کے احکام کے لیے چشم براہ اور گوش بر آواز رہتی ہے۔ اگر دنیا کو ایک مشین فرض کریں تو اس مشین کی چابی ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ہر پرزہ ان کے اشارہ پر رقص کرتا ہے اور ہر بازو ان کے ایما سے متحرک ہوتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں تو دریا اپنے تموج کے ساتھ رُک جاتے ہیں۔ پہاڑ اپنی سختی کے باوجود پانی ہو کر بہنے لگتے ہیں۔ بے نور آنکھوں کی پتلیاں از سرِ نو روشن ہو جاتی ہیں اور لبوں تک آئی ہوئی روح قالب میں دوبارہ واپس چلی جاتی ہے۔

الغرض عبدیت اور اطاعت کی دشوار گزار منزلیں طے کر کے خاصانِ خدا فردوسِ محبت میں قدم رکھتے ہیں اور ان کی محبت درجۂ کمال پر پہنچ جاتی ہے تو وہ محبوب کے محبوب بن جاتے ہیں اور حسنِ ذات کے شیدائی ہوتے ہیں وہ ذاتِ پاک خود اُن پر شیدا ہوتی ہے۔ اب ان کے اختیار اور اقتدار کی وسعت کا کیا کہنا جو مانگتے ہیں، وہ خزانۂ غیب سے ملتا ہے اور جو چاہتے ہیں اُسے کارکنانِ قضا پورا کرتے ہیں۔ اس مرتبۂ عالی پر فائز ہو کر ان کی ہر بات اپنے اندر فوق العادت کرشمے رکھتی ہے اور ان کی ہر سانس محیر العقول کرامتوں پر مبنی ہوتی ہے اور یہی شان تھی ہمارے پیر و مرشد کی قدس اللہ سرہ العزیز۔

ہندوستان جنت نشان ہمیشہ سے خواجگانِ چشت کا دار السلطنت رہا ہے اور راس کماری سے ننگا پربت تک چشتیوں کا سکہ رواں ہے۔ مولانا و مرشدنا سید غلام حیدر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب سجادہ جلال پور شریف ہندوستان کی روحانی دنیا کے تاجدار تھے اور حضرت کی فرمانروائی نہ صرف انسانی قلوب پر تھی بلکہ یہاں کا ذرہ ذرہ حضرت کے تابع فرمان تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ حضور ممدوح بارگاہِ احدیت میں برگزیدہ

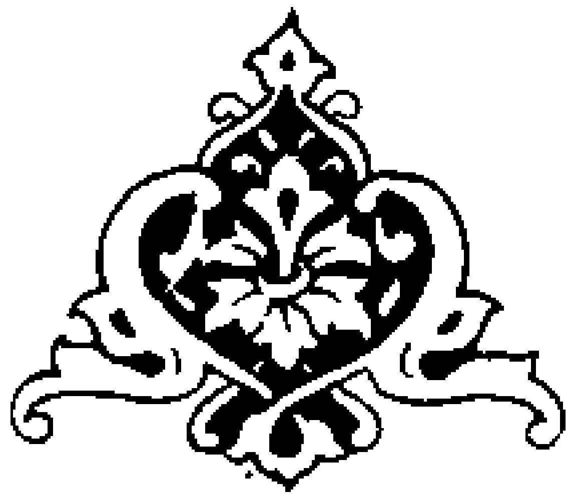
اور محبوب تھے۔ نظامِ ہستی کی عنان دستِ مبارک میں تھی۔ اور کائنات کا ہر فرد چشم و ابروے شریف کے اشارہ و ایما کا منتظر رہتا تھا۔

حضرت کے عہدِ ولایت میں ہزارہا محیرِ عقل اور سبق آموز واقعات کرامات اور خوارق عادات کی صورت میں پیش آئے جن سے امی و عامی طبقہ بھی حضرت کے جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے آگاہ ہوا ورنہ اربابِ معرفت کے لیے تو محبوبِ سبحانیؒ کی ایک نگاہ ہی یہ بتا دینے کے لیے کافی تھی کہ ؎

ہست ذاتِ پاک حیدر شاہ پیر رہنما
پرتو انوارِ قدس و مظہرِ شانِ خدا

ان ہزارہا کرامات میں سے مشتے از خروار قلمبند کی جاتی ہیں اور امید ہے کہ یہ مجموعہ خاک نشینانِ بارگاہ کے لیے ایک متبرک یادگار اور ارباب کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَھُوَ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔



ذکرِ حبیب

حصّہ دوم

کرامات

از ملک محمد دین مرحوم ومغفور ایڈیٹر صوفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
۷۸۶

کرامات

حضورِ قبلہ عالم خواجۂ غریب نواز حضرت سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحب جلالپوری نور اللہ مرقدہٗ

منشی غلام حیدر خاں تحصیل دار پنڈدادن خاں :

جب منشی غلام حیدر خاں تحصیل پنڈدادن خاں کئی ایک مقدمات رشوت ستانی میں معطل ہوئے اور ان پر فوجداری مقدمہ بنایا گیا تو صاحبانِ کمشنر، ڈپٹی کمشنر، پولیس رعایا اور ان کا عملہ ماتحت سب اُن کا دشمن تھا کسی کو ان کی بریت کی امید نہ تھی ۔ حکیم محمد سعید صاحب ساکن روڑس (ضلع سیالکوٹ) حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حاضری سے اول صاحبزادہ صاحب کے کمرہ میں جہاں منشی خدا بخش ، بہاول بخش قصاب اور دیگر چند آدمی تھے مستانہ وار ٹہلنے لگے اور کہا کہ کوئی ہے جو غلام حیدر خاں کی باعزت بریت کے لیے حضرت قبلہ عالم سے دعائے خیر کرادے ، اگر آپ نے دعائے خیر فرمائی تو ضرور وہ بیچارا ان مقدمات سے بری ہو کر نوکری پر بحال ہو جائے گا ۔ بہاول بخش قصاب نے جو حضرت خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا ۔ از راہِ مذاق کہا کہ کیا دلاؤ گے ۔ حکیم صاحب نے کہا ،

تیس روپیہ۔ یہ سنتے ہی بہاول بخش حاضرِ خدمت ہوا اور حضرت صاحب سیالوی کی باتیں شروع کر دیں۔ سیال شریف کی باتوں میں آپ کا دل خوب لگتا تھا اور حضرت خواجہ شمس العارفینؒ کے ذکر سے آپ بحد کمال مسرور و محظوظ ہوتے تھے۔ جب بہاول بخش نے حضور کی طبیعت کو بشاش دیکھا تو عرض کی کہ قبلہ حضرت صاحب سیالوی اکثر اپنے درویشوں کو دنیا داروں سے کچھ دلایا کرتے تھے۔ آپ نے پوچھا کس طرح اس نے التماس کی کہ درویشوں کی سفارش سے بعض حاجت مندوں کے لیے دعائے خیر فرماتے۔ جو کار برآری پر ان کی خدمت کر دیتے تھے۔ میں نے بھی حکیم محمد سعید سے تیس روپیہ لینا کیا ہے۔ اگر حضور منشی غلام حیدر خاں تحصیل دار کی بریت کے لیے دعائے خیر فرما دیں۔ آپ نے تبسم فرمایا اور چوں کہ پلنگ پر دراز تھے اُٹھ بیٹھے اور دعائے خیر فرمائی جو فوراً مستجاب ہوئی اور غلام حیدر خاں تمام مقدمات سے بری ہو کر پھر تحصیل داری پر بحال ہو گئے۔ زمانۂ معطلی کی سالم تنخواہ بھی ان کو مل گئی۔

ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیں :

حکیم احمد خاں صاحب کمبوہ سے منقول ہے کہ میرے دو مربعے چک نمبر ۲۷ جنوبی میں تھے جن کی زمین اچھی تھی اور میرے بھائی کو زمین چک نمبر ۴۰ شمالی میں ملی جو میری اراضی سے ناقص تھی۔ میرا خیال تھا کہ تبادلہ اراضی ہو کر دونوں بھائی ایک جگہ ہو جائیں بہت کوشش کی اور درخواستیں دیں مگر سب نامنظور ہوئیں۔ مجھ کو بدستور شوق رہا۔ ایک دن میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھ دینا حضور کے آگے تو کچھ مشکل نہیں گو یہ کلمہ گستاخی کا تھا مگر آپ نے تبسم فرما کر توجہ خاص سے دعائے خیر فرمائی۔ مجھے اسی وقت یقین ہو گیا کہ اب میرا کام سرانجام ہو جائے گا۔ سرگودھا

پہنچ کر درخواستِ تبادلہ دی جو فوراً منظور ہو گئی اور سابقہ نامنظوریوں کا مطلق اثر نہ ہوا۔

سب دوائیں چھوڑ دو:

مولوی[1] محمد اشرف صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ضلع جہلم کے سارے جسم پر پھوڑے نکل آئے، جس جگہ ناسور ہوتا وہاں سے پیپ نکلنی شروع ہو جاتی۔ ہر چند علاج معالجہ کیے۔ مطلق افاقہ نہ ہوا۔ بلکہ، ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دوائیوں سے بجائے فائدہ کے اُلٹا نقصان ہوتا تھا۔ ہر ایک زخم سے ایک ایک انچ کے قریب گوشت کا ٹکڑا نکل گیا۔ اکثر حکماء کا خیال تھا کہ یہ مرض جذام کی قسم سے ہے۔ اگر ملازمت کا پاس نہ ہوتا تو لوگ پاس بھی بیٹھنا گوارا نہ کرتے۔ وہ تھانہ ڈومیلی میں متعین تھے۔ ایک دن عیدا درزی ساکن جلال پور شریف جو مولوی صاحب کا پیر بھائی تھا ان سے ملنے کے لیے گیا اس کے پاس انہوں نے اپنی حالتِ زار نہایت دردناک طور سے بیان کی۔ عیدا سفر سے واپس آ کر حضرت قبلہ عالم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو حضور سے ڈپٹی انسپکٹر مذکور کی قابلِ رحم مرض کی کیفیت عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ یہاں کیوں نہیں آتا۔ حضور کا یہ ارشاد سُن کر عیدا نے فوراً اپنا چھوٹا بھائی مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ حضور کی خدمت میں بہت جلدی حاضر ہوں۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت ڈپٹی انسپکٹر مذکور حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے اور اپنا حال بڑے رقت و قلق سے عرض کیا اور التماس کی کہ علاج معالجہ سے بالکل مایوس

[1] منقول از مولوی محمد مظفر پسر مولوی محمد اشرف صاحب مرحوم ۱۲

ہوگیا ہوں۔ چند روز کا مہمان ہوں۔ آپ نے اس کا حال سُن کر ارشاد فرمایا کہ اب سب دوائیں چھوڑ دو۔ شافی مطلق خود اپنا فضل کرے گا۔ جب وہ رخصت ہوئے تو راستہ ہی میں آثارِ شفا ظاہر ہونے لگے۔ پیپ جو زخموں سے بہتا تھا وہ خشک ہوگیا اور چند روز میں اللہ تعالیٰ نے شفائے کلی عطا فرمائی۔

خواجہ جلال پوریؒ کی عظمت خواجہ اجمیریؒ کے دربار میں:

مولوی فتح محمد صاحب جلال پوری مقیم مریڑ حسن متصل راول پنڈی سے روایت ہے کہ ملک محمد عمر صاحب نمبردار شینکی تحصیل و ضلع اٹک اس خیال سے اجمیر شریف گئے کہ حضرت خواجۂ خواجگان خواجۂ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جہاں ارشاد ہوگا وہاں بیعت کروں گا اور دل میں یہ ٹھان لی کہ اگر تین دن کے اندر حضرت خواجہ بزرگ کی زیارت ہوگئی اور حضور نے کچھ ارشاد فرمادیا تو خیر ورنہ عمر بھر کہیں بیعت نہ کروں گا۔

پہلی رات خالی گئی۔ دوسری رات کو دیکھا کہ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ (اجمیری) کا دربار آراستہ ہے، دو دربان دروازے پر ایستادہ ہیں۔ سائلوں کا ہجوم حد سے زیادہ ہے۔ ہر شخص کو اُس کے سوال کا جواب مل رہا تھا۔ اسی اثنا میں ایک شخص ان کو بھی پکڑ کر اندر لے گیا۔ عرض کرنے پر جواب ملا کہ اس کو "جلال پور" بھیج دو اس کے بعد ان کو اُٹھا کر باہر پھینک دیا گیا اور ان کی آنکھ کھل گئی۔ اب یہ سخت حیران تھے کہ جلال پور کہاں ہے۔ نہ ضلع کا پتہ، نہ تحصیل کا نشان، یہ اسی تردد میں تھے کہ ایک مردِ سفید ریش کسی جانب سے تشریف لائے اور فرمایا کہ متردد کیوں ہو جلال پور ضلع جہلم میں ہے غرض کہ اجمیر شریف سے وہ سیدھے جلال پور آئے اور یہاں آکر بیعت کی۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شخص اب بھی حیات ہیں۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے تو اُن سے دریافت کرلے

مولوی عبدالرحیم صاحب (ساکن خانقاہ شریف کڑی ڈاک خانہ سنگھوئی تحصیل وضلع جہلم) سے بھی یہی روایت ہے کہ ملک محمد عمر خاں قوم پٹھان، ساکن شینکے علاقہ چھچھ تحصیل وضلع اٹک نے ان سے بیان کیا کہ تخمیناً اٹھارہ سال گذرے ہوں گے کہ میرے چھوٹے بھائی سرمد خاں نے اجمیر شریف جانے کا ارادہ کیا اور مجھ سے کہا کہ تم گھر کی خبر رکھنا۔ میں نے کہا کہ اگر ایک دن ٹھیر جاؤ تو پھر میں بھی ساتھ چلوں۔ زیارت درگاہ کا مجھے بھی شوق ہے۔ وہ ٹھیر گئے اور تیسرے روز ہم لوگ وہاں سے روانہ اجمیر ہوئے ابتدائے سفر سے میں صرف اسی خیال میں تھا کہ کوئی درویش کامل مل جائے تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں۔ کبھی سوچتا تھا کس خاندان میں بیعت کروں۔ کیوں کہ ہمارے ملک میں تو قادریہ خاندان کے فقیر ہیں مگر وہ بھی ایک دوسرے کو کافر کہنے میں جلدی کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ دوسرے پر کفر کا فتویٰ بلا تامل دے دیتے ہیں۔ چناں چہ حضرت مانکی والا صاحب اور حضرت ملا ھڈا صاحب کے درمیان یہ بات مشہور ہے وغیرہ وغیرہ۔

خیر ہم دونوں بھائی اجمیر شریف پہنچے دربار حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ میں حاضری دی۔ دو روز گذر گئے تیسرے روز خواب میں دیکھا کہ خلائق کا ہر طرف ہجوم ہے اور حضرت خواجۂ خواجگان اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ایک مکان میں خوب صورت قبر میں استراحت فرما رہے ہیں۔ دو شخص جن کے نہایت مقدس چہرے ہیں حضور کے سرہانے بیٹھے ہیں جو لوگوں کو حضور میں پیش کر رہے ہیں۔ وہ دونوں حضرات حاجت مندوں کا نام معہ ولدیت ومقام لے لے کر انہیں پکار رہے ہیں میری باری آئی تو مجھے بھی آواز دی گئی۔ میں حضور میں پیش ہوا۔ حضرت خواجہ بزرگ

رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے حکم دیا کہ تم جلال پور والے شاہ صاحبؒ کی خدمت میں جاؤ۔ اتنا سُنا تھا کہ آنکھ کُھل گئی۔ حیرت تھی کہ یہ کونسا جلال پور ہے جہاں جانے کا حکم ہوا ہے مگر وہیں ایک بزرگ نے جلال پور کا جائے وقوع تبلادیا واپسی میں لاہور پہنچے۔ لاہور سے لالہ موسیٰ کا ٹکٹ لیا اور براہ پنڈی بہاؤالدین ہم دونوں بھائی جلال پور شریف پہنچے اور میں نے شرفِ بیعت حاصل کیا۔

شفائے بیماراں:

یہی عمر خاں کہتے ہیں کہ اتفاق سے یہاں میرا بھائی سرور خاں بیمار ہو گیا اور ایسا بیمار کہ چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ رہی میں نے حضور میں دعائے خیر کی التماس کی فرمایا گھبراؤ نہیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد آرام ہو جائے گا۔ میں سرور خاں کو چارپائی پر ڈال کر مزدوروں کے سر پر اٹھوا کر لے چلا۔ مرشد کی دُعا اور اللہ کے فضل پر میرا توکل تھا۔ جب ہم نے دریا پار کر لیا تو سرور خاں نے کہا کہ مجھے چارپائی سے اتار دو ایسا کیا گیا اور وہ تندرستوں کی طرح اپنے پاؤں سے چلنے لگا۔ بیماری دور ہو گئی۔

دعائے پیرِ کامل اور شفائے عاجل:

حکیم نبی بخش صاحب رسول نگری مرحوم نے میاں محمد بخش ولد غلام حسین سکنہ چک شفیع سے روایت کی کہ اُن کی بڑی بہن عائشہ بی بی سخت بیمار ہو گئیں اُن کے والد نے بہتیرا علاج معالجہ کیا لیکن سب بے سود۔ اس علاقے کے تمام معالجوں نے جواب دے دیا اور بعض کی رائے ہوئی کہ عائشہ پر آسیب ہے۔ اسے فقیروں کے پاس لے جاؤ مگر اُن کے والد فقیروں سے معتقد نہ تھے۔ اس لیے ایسا کرنے

سے مجبور ہوئے قریباً تین چار سو روپیہ علاج معالجے میں صرف ہو گیا مگر فائدے کے لحاظ سے ہنوز روزِ اوّل تھا۔ کسی نے یہ بھی رائے دی کہ عائشہ بی بی کو حضرت خواجہ جلالپوری علیہ الرحمتہ کے پاس لے جاؤ۔ وہاں آرام ہو جائے گا مگر جو شخص فقیروں سے بداعتقاد ہو بھلا وہ اس طرف کیا توجہ کر سکتا ہے۔

ایک روز مریضہ نے خواب میں دیکھا کہ حضور قبلۂ عالم خواجہ غریب نواز جلالپوری رحمتہ اللہ علیہ اس کے حق میں دعائے خیر فرما رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا اللہ اسے صحت عطا فرما انہوں نے علی الصباح یہ ماجرا اپنے والد سے بیان کیا تو وہ کسی خاص اثر سے متاثر ہو کر کہنے لگے کہ میں تجھے جلال پور لیے چلتا ہوں۔ اگر وہاں جا کر تجھے اللہ نے صحت دی تو میں ہمیشہ کے لیے اُسی درگاہ کا خادم ہو جاؤں گا۔ چنانچہ عائشہ بی بی اپنے والد کے ساتھ جلالپور آئیں۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی اور وہ اسی وقت تندرستی کی طرف ترقی کرنے لگیں۔

عائشہ بی بی کے والد دو چار روز وہاں رہے اور اپنی لڑکی سے دریافتِ حال کرتے رہے۔ جب انہیں یقین آ گیا کہ مریضہ کی حالت اب بالکل درست ہے تو وہ حضور کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور مریضہ کو بھی مرید کروا دیا۔ میاں محمد بخش کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں جس قدر مرد و عورت تھیں وہ سب آپ کی مرید ہوئیں اور سارا خاندان کا خاندان اُسی گھر کا طالب ہو گیا۔ ہمشیرہ صاحبہ جب تک زندہ رہیں ہمیشہ تندرست رہیں بلکہ ان کی زبان میں کچھ ایسی تاثیر پیدا ہو گئی کہ وہ جو بات منہ سے نکالتی تھیں خدا اُسے پورا کرتا۔

ردِّ آسیب :

؎ لیا کرتے ہیں خود آسیب نامِ پاک حیدرؒ کا

جناب مولوی حکیم نبی بخش صاحب واعظ رسول نگری فرماتے ہیں کہ جلالپور بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ میں انجمن اشاعت اسلام کا سالانہ جلسہ تھا۔ میں بھی وہاں مدعو تھا۔ جلسے سے فارغ ہوا تو چند اصحاب کے تقاضے سے جمعہ بمقام میرزا بھگینہ کا پڑھنے چلا گیا۔ وہاں دوسرے دن چودھری احمد بھٹی نے ضیافت کی۔ اثنائے گفتگو میں اولیاء اللہ کا ذکر ہونے لگا۔ چودھری احمد نے کہا کہ خالص ولی اللہ کا ملنا بہت مشکل ہے۔ دوکانیں تو بہت ہیں مگر پکوان سب کے پھیکے ہیں۔ جدھر چلے جائیے مرید اپنے مرشد کے کمالات بیان کرتے ہیں اور اس قدر مبالغہ سے کام لیتے ہیں کہ خدا کی پناہ گو یا خدائی کا سارا انتظام خدا نے مرشد ہی کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا تم اولیاء اللہ کی شان سے منکر ہو۔ میاں احمد کہنے لگے ہرگز نہیں بلکہ میں سچے دل سے اولیاء اللہ کا طالب اور جانذادہ ہوں اور میں نے جس پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے وہ واقعی خداوند کریم کا پیارا حبیب ہے۔ میں نے نام پوچھا تو کہا "قبلہ عالم پیر حیدر شاہ صاحب جلال پوری" (رحمۃ اللہ علیہ)

میں نے یہ نام سُنا تو چونکا، اور میاں احمد سے پوچھا کہ تم نے غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو کس طرح سچا محبوب الٰہی پایا۔ میاں احمد نے اپنی ماں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ میری والدہ بعارضہ آسیب ایسی بیمار ہو گئی تھیں کہ اس علاقے کے تمام حکیم عاجز آ گئے تھے۔ پھر اہل اللہ کی طرف میں نے توجہ کی اور لاہور تک جس قدر زندہ بزرگ اور ان کے عالی شان دربار تھے بہت سا روپیہ خرچ کر کے والدہ صاحبہ کو اُن

کے پاس لے گیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

آخر ایک دن عالمِ بے ہوشی میں والدہ صاحبہ گھر سے نکل کھڑی ہوئیں اور ایسی نکلیں کہ باوجود تلاش کہیں پتہ نہ چلا۔ میں اور میرے والد صاحب دونو حیران پریشان پھر رہے تھے۔ تیسرے روز ایک گاؤں میں جانے سے معلوم ہوا کہ یہاں ایک عورت کل سے وارد ہے اور "پیر حیدر، پیر حیدر" پکار رہی ہے۔

ہم دونوں باپ بیٹے وہاں پہنچے تو یہ وہاں موجود تھیں، چوں کہ پیر صاحب کے نام مبارک سے ہم ناآشنا تھے۔ اس لیے سخت تردد ہوا اور سوچنے لگے کہ خدا جانے یہ کون سے پیر حیدر ہیں۔

اسی فکر میں ہم دونوں باپ بیٹے حیران تھے کہ ایک شخص مسمّی نور محمد نے جو اسی گاؤں کا رہنے والا تھا ہمیں پیر صاحب کا پتہ بتایا اور کہا کہ میں بھی اسی دربار کا مرید ہوں اُسے ضرور وہاں لے چلو۔ چناں چہ بڑی مشکلوں سے ہم والدہ صاحبہ کو لے کر جلال پور کیکناں پہنچے۔ دریائے جہلم سے پار ہوتے ہی انہیں ہوش آگیا اور جس وقت ہم لوگ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے دربار میں حاضر ہوئے ہیں تو والدہ صاحبہ بالکل تندرست تھیں اور جب سے اس وقت تک بالکل تندرست ہیں۔

مولوی نبی بخش صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس عورت کو خود دیکھا بڑی خبردار اور طاقت ور مومنہ ہے۔ تمام گھر کا انتظام نہایت سلیقے سے کرتی ہے جس وقت میں نے کہا میں بھی اسی سرکار کا مرید ہوں تو اس قدر روئی کہ ہچکی بندھ گئی۔ میاں احمد بیان کرتا ہے کہ میں نے اور والدہ صاحبہ نے چند روز کے بعد جاکر حضور سے بیعت کرلی ہے۔

غریبوں کے غم خوار ہیں پیر حیدرؒ   شفا بھر بیمار ہیں پیر حیدرؒ

زمانے کو ہے فیض ان کے کرم سے   عجب فیض آثار ہیں پیر حیدرؒ

بزرگوں میں ہیں آپ عالی مراتب   دلیوں کے سردار ہیں پیر حیدرؒ

چھپائے کوئی آپ سے حالِ دل کیا
کہ دانائے اسرار ہیں پیر حیدرؒ

شراب خواری سے توبہ :

جناب مولوی عبدالرحیم صاحب خانقاہ کڑی ضلع جہلم راوی ہیں کہ وجود باجود حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کا اس زمانۂ پرفتن میں نمونہ صلحائے سلف تھا۔ آپ کی توجہات باطنی سے بہت سے گمراہوں کو صراطِ مستقیم کا پتہ ملا جن کو بندۂ عاجز نے زمانۂ قیام جلال پور شریف میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اُن میں سے ایک چودھری غلام قادر خاں صاحب سب رجسٹرار جہلم ہیں جو راجہ محمد اکرم خاں صاحب افسر مال کی معیت میں میرے سامنے بیعت ہوئے۔ یہ خوب شراب پیتے تھے لیکن مرید ہوتے ہی یہ عادتِ بد چھوڑ دی۔

چودھری غلام قادر خاں صاحب نے خود بیان کیا ہے کہ جس روز میں راجہ محمد اکرم خاں کے ہمراہ حضور انور کی بیعت سے مشرف ہوا۔ اسی وقت شراب سے توبہ کر لی جس وقت ہم دربار سے واپس ہو کر ضلع گجرات کی حد میں داخل ہوئے تو ضلع گجرات کا ایک حاکم جو اس علاقہ میں دورہ کر رہا تھا ملا۔ وہ میرا دوست تھا اور گذشتہ صحبتوں میں برابر اُس کے ساتھ شریک تفتیش رہا تھا۔ اس نے حسبِ معمول شراب سے تواضع کرنی چاہی۔ لیکن مجھے شراب سے ایسی نفرت ہو گئی کہ نام لینا گناہ سمجھنے لگا۔ میں نے اُن سے

صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ معاف فرمائیے۔ میں نے اس فعل سے سچی توبہ کر لی ہے۔

مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ مجھے ۱۹۰۹ء میں بعد وفات حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ چوہدری صاحب ملے اور فرمایا کہ حضور اقدس کی برکت اور توجہ باطنی سے میرا دل شراب سے متنفر ہو گیا ہے اور یوم بیعت سے آج تک میں نے پھر کبھی شراب نہیں پی ہے

قسمت پہ ناز کیوں نہ کریں گے گنہگار — ان پر نہیں ترا کرم بے حساب کیا
جو مست ہے شراب محبت سے آپ کی — اُس کی نظر میں وقعت جام و شراب کیا

تمہارے فضل نے آئی بلا کو ٹال دیا :

خاکسار مؤلف کتاب ہذا (یعنی خاکسار محمد الدین ایڈیٹر صوفی) ایک ایسی سخت مصیبت میں ایک دفعہ گرفتار ہوا کہ بظاہر تا زندگی اس مصیبت سے رہائی کی کوئی امید نہ تھی۔ مصیبت میں بزرگوں کا تصرف بہت یاد آتا ہے۔ چنانچہ اسی حالت میں سیال شریف کی حاضری دی اور اپنی مصیبت کو ایک نظم کی صورت میں پیش کر کے حضرت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ کے مزار پُرانوار سے امداد چاہی۔ واپسی کے وقت عین مایوسی، فکر اور غم کی حالت میں خواجگانِ چشت کا ایک سلسلہ[1] نظم کیا۔ اور حضور قبلۂ عالم کی خدمت میں جلال پور شریف جا کر پیش کیا پہلے تو اس کو حضور خود ملاحظہ فرماتے رہے پھر مجھے پڑھ کر سنانے کے لیے حکم دیا۔ بہ تعمیلِ ارشاد اوّل سے آخر تک سلسلہ شریف مذکور مؤدب بیٹھ کر پڑھا۔ خاتمہ پر بلا میری درخواست

---

[1] یہ نظم "نذرِ مسکین" کے نام سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

کے حضور نے میرے حق میں دعائے خیر کی۔ ایسی توجہ سے جب کبھی خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے کسی کے حق میں دعا فرمائی۔ وہ ہمیشہ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی۔ چناں چہ حضور کی دعا سے میری مصیبت بھی بوجہ احسن رفع ہوگئی ؎

تڑپ کر غم زدہ ان کے جب ان کا نام لیتے ہیں ‏ ‏ ‏ وہ اپنے ہاتھ سے گرتے ہوؤں کو تھام لیتے ہیں
زباں پر نام ہے ان کا تصور انکا دل میں ہے ‏ ‏ ‏ ہم ان دونوں سے صبح و شام یہ دو کام لیتے ہیں

ہمارے دل سے اب کیفِ مسرت جا نہیں سکتا
ہم اپنے پیر کے دستِ کرم سے جام لیتے ہیں

معمہ حل ہوگیا:

حضور کے وصال سے چند روز قبل قاضی غلام محمد صاحب ساکن برنالہ ریاست جموں حضور میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے دریافت کیا کہ آپ کون کونسا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ قاضی صاحب نے سب کی تفصیل بیان کی۔ جب دلائل الخیرات کا نام نہ لیا تو حضرت قبلۂ عالم نے دلائل الخیرات پڑھنے کی اجازت بھی عطا فرمائی اور فرمایا کہ اس کا ثواب اپنے پیر کی روح کو بخشنا۔ قاضی صاحب نے اپنے دل میں اس معمہ کو حل کرنے کی کوشش کی مگر حل نہ ہوا اور حضور سے دریافت کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ آخر دل میں یہ خیال کر کے روانہ ہو گئے کہ خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تو پیر ہی ہیں شاید ان کی طرف اشارہ ہو۔ یہ سوچ کر اجازت لی اور رخصت ہو کر اپنے گھر واپس آئے وہاں جا کر دلائل الخیرات کا وظیفہ شروع کیا تو حضورِ اقدس کے وصال کی خبر پہنچ گئی اور اس طرح پیر کی روح کو ثواب پہنچانے کا معمہ حل ہوگیا۔

وصالِ قربِ حق سے جس کا دل معصوم رہتا ہے
اسے حال اپنی مرگ و زیست کا معلوم رہتا ہے

نصیب اچھے ہیں جنکے ایسی نعمت اس کو ملتی ہے
جو بد قسمت ہے وہ افضال سے محروم رہتا ہے

حصولِ اولاد :

جناب مولوی حکیم نبی بخش صاحب واعظ رسول نگری سے روایت ہے کہ مولوی محمد امام الدین صاحب امام مسجد جو کالیاں ضلع گجرات پنجاب جو حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے مرید اور بڑے متوکل و متواضع بزرگ ہیں۔ اولاد کی طرف سے ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے تھے۔ کئی حکیموں سے اپنا علاج کرایا اور بہت سے روپیہ بھی برباد کیے مگر افسوس گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا۔

ایک دن حضور غریب نواز علیہ الرحمۃ کی حضوری میں حاضر ہو کر دعائے خیر کے طلب گار ہوئے اور بڑے درد بھرے دل سے عرض کیا کہ حضور میرے دونوں بھائی بھی فوت ہو گئے ہیں جن کی کوئی اولاد بھی باقی نہیں ہے۔ حضور بطورِ خاص دُعا فرمائیں تاکہ میری نسل میرے بعد دنیا میں باقی رہے ؎

زندہ است کسیکہ در دیارش

ماند پسرے بہ یادگارش

حضرت قبلۂ عالم جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کی اور فرمایا کہ ان شاء اللہ خداوند کریم تمہیں ضرور صاحبِ اولاد کرے گا مگر حوصلے اور ہمت سے کام لینا اور کُلِّ اَمرٍ مَرھُونٌ بِاَوقَاتِھَا کو مدِ نظر رکھنا۔ مولوی صاحب یہ دُعا لے کر چلے آئے اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی ؎

مراداں دل دیاں دل وچہ رہتیاں
سجن نوں کن دیاں باتاں کہتیاں

حضور کی وفات سے اگرچہ تمام مریدوں کو صدمہ پہنچا مگر مولوی صاحب کی جو حالت ہو گئی وہ ناگفتہ بہ تھی۔ دل میں طرح طرح کے خیالات گذرنے لگے خصوصاً یہ خیال بھی چٹکیاں لینے لگا کہ اب دردِ دل کا حال کس سے عرض کیا جائے گا۔ لوگوں نے مولوی صاحب کو پھر علاج کرانے اور نکاح ثانی کرنے پر مجبور کیا اور ان کے رشتے داروں نے کئی رشتے تلاش بھی کیے لیکن مولوی صاحب ایسے راسخ العقیدہ اور مستقل مزاج مرید تھے کہ آپ نے کسی کا کہنا نہ مانا اور اپنے مرشد کے فرمان پر بھروسہ کیے ہوئے بیٹھے رہے جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اللہ پر میرا توکل ہے اور حضرت قبلۂ عالم کی دعا پر مجھے یقین ہے۔ خدا ضرور فضل کرے گا ؎

ہو گی مقبول دعا میری، دُعا سے پہلے
یہ سُنا ہے کہ وہ سنتا ہے صدا سے پہلے

۷؍صفر ۱۳۳۰ھ کے عرس مبارک پر مولوی امام الدین صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ مولینا صاحب بہت خوش خوش پھر رہے ہیں۔ دربار حیدری قدس سرہٗ میں تو شہ لیے جا رہے ہیں۔ مجھے دیکھا تو مبارکباد دینے لگے اور کہا کہ خدا نے بہ طفیل مرشد مجھے فرزند عنایت فرمایا ہے۔ مولوی صاحب کی اس خوشخبری نے مجھے کمال درجہ مسرور کیا اور میں نے کہا بے شک اولیاء اللہ کی دُعا کبھی رد نہیں ہوتی۔

ایسا ہی ایک واقعہ ناموں سے شناخت بیعت :

جناب منشی نعمت خاں صاحب انسپکٹر پنجاب پولیس سے روایت ہے کہ مجھے حضرت قبلہ عالم غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کبھی کوئی التماس کرنے

کی جرأت نہیں ہوئی اور سچ تو یہ ہے کہ یں وہاں جب جاتا میرے ہوش و حواس گم ہو جاتے۔ جب جاتا تو بہت سی معروضات سوچ کر جاتا مگر سامنے جا کر سب فراموش ہو جاتی ہیں۔ میرے کوئی فرزند نہ تھا لیکن اس بارہ میں بھی کبھی عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ایک روز عالمِ تنہائی تھا۔ میری موجودگی میں ایک صاحب نے حضور سے میری سفارش کر دی۔ حضور نے دعائے خیر خاص توجہ سے فرمائی اور ایک تعویذ بھی عطا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ بچہ عطا فرمائے تو یہ تعویذ اس کی ماں کے گلے سے اتار کر بچے کے گلے میں ڈال دینا۔

ایک سال بعد لڑکا پیدا ہوا۔ نام اس کا محمد شفیق رکھا گیا۔ اطلاعی عرضی حضور میں ارسال کی تو حضور نے فرمایا کہ بچے کا نام محمد خاں یا احمد خاں پٹھانوں کی ملت کا رکھا جائے چناں چہ حسب الارشاد محمد خاں نام رکھا گیا۔

ڈیڑھ سال کے بعد خدا نے ایک لڑکا اور دیا تو میں نے اس کے نام کیلیے پھر حضور سے استصواب کیا۔ ابھی جواب نہیں آیا تھا کہ میرے ایک دوست نے مجھ سے پوچھا کہ بچے کا کیا نام رکھا۔ میں نے انہیں پہلا قصہ سنایا اور کہا کہ اب حضرت جو نام تجویز فرمائیں گے وہی رکھا جائے گا۔ اس نے قصہ سابق سن کر کہا کہ حضرت صاحب نے تو ڈیڑھ سال پہلے اس کا نام تجویز فرما دیا ہے مگر یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی اور میں حضور کے فرمان کا منتظر رہا۔ کچھ روز کے بعد حضور کا والا نامہ پہنچا۔ اس میں لکھا تھا کہ بچے کا نام احمد خاں رکھا جائے۔

تیسرا بچہ حضور قبلہ عالم کی وفات کے بعد پیدا ہوا اس کا نام حضرت صاحبزادہ صاحب نے نجیب اللہ خاں رکھا۔

ایک دن ایک ماتحت سپاہی نے میرے نوکر سے دریافت کیا کہ تھانیدار صاحب کے کتنے لڑکے ہیں۔ اس نے کہا تین لڑکے ہیں۔ پوچھا نام تو کہا محمد خاں احمد خان اور نجیب اللہ خاں کانسٹیبل نے فوراً کہا کہ کیا خاں صاحب جلال پور شریف سے تعلق رکھتے ہیں۔ خادم نے کہا ہاں اسی دربار سے توسّل ہے۔

دوسرے دن جب اس واقعہ کی مجھے خبر ہوئی تو میں نے اس سپاہی سے پوچھا کہ تمیں یہ خبر کیونکر ہوئی کہ مجھے دربارِ جلال پور شریف سے تعلق ہے۔ اس نے کہا کہ میرے باپ بھی حضرت صاحب کے مرید ہیں۔ میاں عمر بخش نام ہے۔ موضع مارنگ میں گھر ہے میرے باپ کے یہاں اولاد نہ تھی۔ حضرت کی دعا سے تین بچے پیدا ہوئے۔ میرا نام احمد یار ہے دوسرے کا محمد یار اور تیسرے کا نام نجیب اللہ ہے، ناموں کی ترتیب سے میں نے عقلاً معلوم کر لیا کہ آپ کو بھی اُسی دربار سے تعلق ہے ۔

خاصانِ حق سے جا کے مِل، دلمیں خدا کی یاد لے　　پھر مال لے ایمان لے توقیر لے اولاد لے
تو ایک کا ہو جا، تو ہیں دونو جہاں تیرے لیے　　یا عالم اسرار لے یا عالم ایجاد لے

رکھ یاد دل میں پیر کی دل شاد رکھ اور شاد رہ
سب کو مبارکباد دے سب سے مبارکباد لے

تبدیلی رک گئی :

جناب مولوی فتح محمد صاحب مدرس اسلامیہ ہائی اسکول راول پنڈی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بابو محمد بخش صاحب کلرک ہیڈ پوسٹ آفس راول پنڈی کی تبدیلی ملتان کو ہوئی اور وہ وہاں جانا نہیں چاہتے تھے۔ مگر حکم حاکم مرگ مفاجات بجبر و اکراہ ماننا پڑا، اور چلے۔ جب پنڈی بہاؤ الدین پہنچے تو وہاں سے جلال پور شریف چلے

گئے۔ ماموں صاحب مولوی محمد بخش اپیل نویس بھی ہمراہ تھے۔ دربار جلال پور شریف میں جاکر قدم بوسی کی۔ دوسرے روز رخصت کے طالب ہوئے۔ اس وقت ماموں صاحب نے التماس کیا کہ غریب نواز بابو کی تبدیلی ملتان ہوگئی ہے اور یہ جانا نہیں چاہتے جاتے جاتے راستے سے بغرض قدم بوسی ادھر آگئے۔ حضور پرنور نے فرمایا کہ بابو کو کوئی نہیں بھیجنا اور نہ بابو جائیگا۔"

اب ماموں صاحب سخت متحیر تھے کہ حضرت صاحب یہ کیا فرما رہے ہیں حکم آچکا ہے، تبدیلی ہو چکی ہے اور بابو صاحب کو پرسوں ملتان پہنچنا ہے لیکن بابو محمد بخش کو حضور کے کہنے کا پورا یقین تھا اور وہ بہت مسرور نظر آرہے تھے رات گذری، صبح ہوئی اور ماموں صاحب نے بابو صاحب کو بزور ملتان جانے کے لیے آمادہ کیا۔ بابو صاحب یہی کہتے رہے کہ میں نہیں جاؤں گا حضور نے فرما دیا ہے۔ آخر ماموں صاحب کے اصرار سے تیاری سفر نہایت بددلی کے ساتھ کرنے لگے۔ اتنے ہی میں راولپنڈی سے ان کے پاس تار پہنچا کہ تمہاری تبدیلی منسوخ ہوئی۔ فوراً اپنی جگہ واپس چلے آؤ۔ بابو محمد بخش اپنے یقین واعتقاد کی مسرت سے بے حد خوش نظر آتے تھے اور اس قصے کے سننے والے سب حیران تھے ؎

ہیں جو محبوبِ خدا کے انہیں سمجھا کیا ہے ❊ کام جو چاہتے ہیں خود ہی بنا لیتے ہیں
زندگی چاہتے ہیں جس کی اُسے ضد کرکے ❊ ملک الموت کے پنجے سے چھڑا لیتے ہیں
جس کا جانا نہیں ہوتا ہے کبھی اُن کو پسند
جاتے جاتے اسے رستے سے بلا لیتے ہیں

طوفان سے نجات :

جناب مولوی فتح محمد صاحب جلال پوری مدرس اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی راوی ہیں کہ حضرت صاحب زادہ سید محمد قائم الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر راولپنڈی سے ہماری جماعت چلی اور شہر جہلم سے براہِ دریا سب لوگ جلالپور شریف روانہ ہوئے۔ جب کشتی نے کنارا چھوڑا اور بیچ دھار میں کشتی پہنچی تو یکایک پانی کا زور ہو گیا۔ کشتی بہتے بہتے جب تین چار میل نیچے آ گئی تو آندھی کا سخت طوفان اُٹھا ساتھ ہی آسمان پر کالی گھٹا نمودار ہوئی۔ جھکڑ بھی اپنی تیزی و درشتی دکھانے لگا۔ کشتی ڈگمگانے لگی اور ڈوبنے کا اندیشہ دلوں کو ہلانے لگا۔ اس حالتِ اضطرار و اضطراب میں سب لوگ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کی طرف رجوع ہوئے۔ جناب سیّد محمد شاہ صاحب خلیفہ حضرت قبلہ عالم دست بستہ یہ شعر پڑھنے لگے۔ سامعین نے بھی ساتھ دیا ؎

بگرداب بلا افتاد کشتی
مدد یا پیر حیدر شاہ چشتی

خدا کے فضل اور حضور کی امداد سے فوراً ہمیں اس مصیبت سے نجات مل گئی۔ بادل صاف ہو گئے۔ ہوا تھم گئی اور کشتی نے جو سیماب وار بے قرار تھی قرار پکڑا۔ جب ہم سب لوگ جلال پور شریف پہنچے تو حضور قبلہ عالم نے قدرے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ "بارش اور آندھی کا زور تھا کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی"۔ سب نے متفق ہو کر عرض کیا کہ حضور کی دُعا سے خداوند کریم نے بچا لیا۔ آئیے ہم اس وقت بھی دعا کریں۔ شاید خدا قبول فرمالے ۔

بہ تقدیرم چو عشق خود نوشتی چرا در خار زارِ غم بہشتی
ہمیدانم کہ تو قدسی سرشتی ہمے گویند ارضی و بہشتی
بگردابِ بلا افتاد کشتی
مدد یا پیر حیدرؒ شاہ چشتی

نہ لنگر ہے نہ قابو میں کنارا ہمیں تو آج اس طوفاں نے مارا
اعانت کیجیے آکر خدارا یہی اب تو وظیفہ ہے ہمارا
بگردابِ بلا افتاد کشتی
مدد یا پیر حیدرؒ شاہ چشتی

تمہارے لیے جانا ہی بہتر ہے:

مولوی غلام قاسمؒ صاحب[1] سے نقل ہے کہ تیس پینتیس سال کا واقعہ ہے کہ میں جلالپور شریف حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دو روز کے بعد میں نے بعد ادائے وظیفہ صبح رخصت کے لیے التماس کی جو پایۂ قبولیت کو نہ پہنچی۔ ایک گھنٹہ کے بعد میں پھر حضور میں حاضر ہوا۔ حضرت قبلہ عالم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے جانا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ میں وہاں سے رات کو اپنے گھر جو ۲۳ میل کے فاصلہ پر تھا پہنچ گیا۔ رات کو ہمارے ہاں چوروں نے نقب لگائی۔ ہمیں صبح کو خبر ہوئی۔ ہر چند تلاش کی کچھ پتہ نہ چلا۔ دوپہر کے وقت تھانہ جہلم کا ایک سارجنٹ اور پولیس کا سپاہی چور کو پکڑے ہوئے معہ اسباب مسروقہ ہمارے مکان پر لے آئے۔ تین چوروں سے ایک گرفتار ہوا۔ دوسرے دو کا اس نے نام نہ لیا اور کچھ مال بھی ضائع کر دیا۔ چالان ہو کر ملزم چھ ماہ قید سخت اور

[1] یہ صاحب لنڈپور متصل کالا گوجراں ضلع جہلم کے رہنے والے ہیں ۱۲

تیس روپیہ جرمانہ کا سزایاب ہوا جرمانہ بعد وصول مجھ کو بطور عوضانہ مال ضائع شدہ دیا گیا حضرت صاحب غریب نواز نے نورِ باطن سے واقعاتِ آئندہ پر واقف ہو کر مجھے خود بخود گھر جانے کے لیے ارشاد فرمایا جہاں دوسرے روز میری سخت ضرورت تھی کیونکہ گھر میں سوائے میرے کوئی مرد نہ تھا۔

مکاشفہ[1]:

مولوی محمد اشرف صاحب مرحوم سے روایت ہے کہ جب میں تھانہ جلالپور میں متعین تھا تو ہمیشہ نمازِ عشا حضرت قبلہ عالم کے ساتھ ادا کرتا تھا۔ بعد ادائیگی نماز آپ اکثر آرام فرماتے جس سے خدام کو اور خود مجھ کو دل میں خیال گذرتا کہ آپ سو گئے ہمارے اس خیال اور دوسرہ کے آتے ہی آپ کروٹ بدل کر گفتگو میں مشغول ہو جاتے گویا نیند کی حالت میں بھی ہمارے دلی خیالات آپ پر ظاہر و منکشف ہو جاتے تھے۔

بعد وصال مریدوں کی دستگیری:

مسمی امیر بخش ساکن بھیرہ سے منقول ہے کہ میرا لڑکا سخت بیمار ہو گیا حتیٰ کہ اس کے زندہ رہنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ میرے کسی دوست نے کہا کہ تم دو رکعت نفل پڑھ کر اُس کا ثواب حضرت قبلہ عالم جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کو پہنچا دو اور طالب استمداد ہو۔ میں نے اس مشورہ کی تعمیل کی اور رات اسی فکر میں سو گیا۔ حضرت خواجہ قبلہ عالم خواب میں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ فکر نہ کر محمد صدیق ان شاء اللہ تعالیٰ بفضلِ خدا جلد صحت یاب ہو جائے گا (محمد صدیق لڑکے کا نام

[1] بزبانی مولوی محمد مظفر ساکن للہ پور ضلع جہلم ۱۲

تھا، وفورِ انبساط میں میری آنکھ کھل گئی۔ گھر گیا تو لڑکے کو قدرے افاقہ تھا میرا حوصلہ بڑھ گیا۔ تھوڑے دن بعد محمد صدیق پورے طور پر صحت یاب ہو گیا۔

حضرت[1] خواجہ غریب نواز بطور امام:

مولا بخش درزی ساکن بھیرہ کا باپ نیک بخت اور صالح آدمی تھا۔ ہمیشہ باجماعت نماز ادا کرتا تھا۔ جب وہ پہلی دفعہ جلال پور شریف گیا تو رستہ میں نماز کا وقت ہو گیا۔ ایک کنوئیں پر وضو کیا اور جماعت کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بزرگ تشریف لائے۔ انہوں نے جماعت کرائی اور نماز پڑھ کر چلے گئے جب وہ جلال پور شریف پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ بزرگ جنہوں نے امامت کی تھی خود حضرت قبلۂ عالم تھے۔

توبہ سے قصور معاف:

مولوی محمد بخش صاحب اپیل نویس راولپنڈی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بہاول بخش نامی ساکن بجنیال تحصیل گوجر خاں جو مرید حضرت قبلہ عالم صاحبؒ کا تھا راولپنڈی میں آیا اور بازار قصاباں سے گذرا چونکہ اس کی شکل و شباہت صوفیانہ تھی۔ اس واسطے ایک طوائف نے جو اس کرچہ میں رہتے تھے۔ اس کو بزرگ تصور کر کے اس کی خاطر تواضع کی بلکہ رات کو گھر میں رکھا اور روٹی و چائے وغیرہ سے تواضع کی سحر گی کے وقت بہاول بخش مذکور نے طوائف سے کہا کہ میں تہجد پڑھنے کے واسطے مسجد جاتا ہوں اور سردی کے ایام میں کوئی گرم کپڑا اوڑھنے کے واسطے دو۔ صبح کی نماز پڑھ کر واپس دیئے جاؤں گا۔ اس نے بموجب کہنے بہاول بخش کے ایک دُھسہ جو اچھی

---

[1] منقول از مولوی فیض احمد صاحب ساکن بھیرہ، بھٹیانوالی ماڑی ۱۲

مالیت کا تھا اس کو دے دیا کہ صبح واپس لے آنا۔ بہاول بخش دُھسہ لے کر دوسری طرف چلا گیا۔

صبح کو بازار سے محمد الدین دکاندار کلاہ فروش کی دُکان سے ایک دو کلاہ چُرا لیے یعنی پسند کرتے کرتے دو کلاہ بغل میں دبا لیے اور چلتا بنا۔

اور پھر اسٹیشن پر آ کر ریل پر سوار ہونے کو تھا کہ پیچھے سے کنجر بھی تلاش کرتے کرتے آ پہنچے۔ اسٹیشن پر آ پکڑا کیوں کہ صبح کی نماز پڑھ کر بہاول بخش واپس نہ گیا۔ اُن کو شک ہوا مسجدوں سے تلاش کرائی نہ ملا۔ تب انہوں نے پولیس میں رپورٹ کر دی کہ اس حلیہ کا ایک شخص دُھسہ دھوکا سے لے گیا ہے جس پر کانسٹیبل بھی تلاش کرتا ہوا اسٹیشن پر آیا اور گرفتار کر لیا۔ اُس کی جامہ تلاشی سے دھسہ کے علاوہ دو کلاہ بھی دستیاب ہوئے جو مسروقہ تھے۔ محمد الدین دکاندار نے بیان کیا کہ پسند کرتے کرتے یہ چوری لے گیا ہے مجھ کو علم تک نہیں ہوا۔ کلاہ مسروقہ میرے ہیں۔

اس پر پولیس نے ہر دو جرائم میں بہاول بخش کا چالان عدالت میں کیا اور آنریری مجسٹریٹان راولپنڈی کی عدالت سے نامبردہ ہر دو جرائم مین پچاس روپیہ جرمانہ کا سزایاب ہوا۔

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کا حال اب شروع ہوا ہے

بہاول بخش مذکور ہر دو نقولات خاکسار کے پاس برائے تحریر اپیل لایا اور بیان کیا کہ رقم جرمانہ حضرت قبلہ عالمؒ کی نذر کر دی ہے۔ اپیل تحریر کر دو۔ میں نے کہا کہ نقول میں کوئی گنجائش اپیل کی نہیں ہے۔ یہ رقم اب لنگر میں نہیں جا سکتی۔ نہ میں اپیل تحریر کرتا ہوں بلکہ میں نے یہاں تک کہ اپیل کرنے سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا

مگر وہ اصرار کرتا رہا۔ آخر میں نے اس کو جواب دے دیا کہ اپیل تحریر نہیں کرتا۔ تب وہ ناچار ہو کر دوسرے اپیل نویس کے پاس چلا گیا اور دونوں اپیلیں تحریر کرا کر داخل عدالت کر کے رقعہ تاریخ پیشی کا لے کر میرے پاس آ بیٹھا اور کہا کہ اب دیکھو کرامت حضرت قبلہ عالمؒ کی کس طرح اپیل منظور ہوتی ہے۔ میں سخت متعجب اور حیران تھا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ کس طرح سے اس کی اپیل منظور ہو سکتی ہے۔ ہر دو جرائم اس پر بخوبی ثابت ہیں اور اقبالی بھی ہے۔

مگر حضرت غریب نواز کی کرامت کو دیکھیے۔ بروز تاریخ پیشی اپیل ایسا معاملہ ہوا کہ جناب مسٹر بیکٹ صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر نے اس روز چارج دینا تھا۔ کچہری آتے ہی دریافت کیا کہ آج کس قدر فوجداری کا کام ہے۔ قاضی صاحب سپرنٹنڈنٹ ضلع نے بیان کیا کہ دو اپیل فوجداری پچیس پچیس روپیہ جرمانہ کی ہیں۔ باقی اور کام ہے صاحب بہادر نے فرمایا کہ ہر دو اپیل پڑھ دو۔ چناں چہ صاحب بہادر نے ہر دو اپیل کو سماعت فرما کر فی الفور منظور فرمایا اور پچاس روپیہ کا چیک بہاول بخش کو دیا کہ جرمانہ واپس لے لو۔ سبحان اللہ بزرگانِ خدا کی کرامت کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔

بہاول بخش کو دیکھیے کہ وہ چیک لیتے ہی روپیہ لے کر اپنے گھر بھاگ گیا اور روپیہ حضور میں نہ دیا۔ خاکسار نے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ حضور قبلہ عالمؒ نے تبسم فرما کر فرمایا لنگر کا روپیہ اب نہیں جاتا۔ تھوڑے دن نہیں گذرے تھے کہ وہ ایک اور مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ تب اس نے اپنی ہمشیرہ کو ساتھ لیا اور سر برہنہ ہو کر حضور میں پچاس روپیہ داخل کر کے معافی کی درخواست کی جس سے اس کو معافی ہوئی۔

منشی نجم الدین سپرنٹنڈنٹ گجرات:

میاں عمر الدین صاحب ساکن گل والہ تحصیل گجرات ایک بڑے بھاری مخلص پیر بھائی تھے اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے خاص منظورِ نظر تھے مگر چوں کہ ان کے وجد مبارک میں ضبط نہ تھا اس وجہ سے حضرت قبلہ عالم نے ان کو خلافت عطا نہیں فرمائی تھی مگر ان کی بزرگی اور تقویٰ میں کوئی شک نہ تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ حضرت قبلۂ عالم کی قدم بوسی کے لیے حاضرِ حضور ہوئے۔ راستہ میں منشی نجم الدین صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بند و بست ملاقی ہوئے۔ چوں کہ منشی صاحب موصوف بھی ایک بڑے بھاری مرید اور معتقد حضرت قبلہ عالم کے تھے۔ میاں صاحب سے دریافت کیا کہ کہاں تشریف لیجاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم کی قدم بوسی کے لیے جلال پور شریف جاتا ہوں انہوں نے فرمایا کہ میں نے بھی وہاں جانا تھا مگر شادیوں کی وجہ سے فرصت نہیں ملی۔ اس واسطے حاضر نہیں ہو سکا۔ میری طرف سے سلام اور قدم بوسی عرض کر دینا۔ جب میاں صاحب موصوف نے حضرت کی قدم بوسی کی تو ساتھ عرض کر دیا کہ منشی نجم الدین بھی قدمبوسی عرض کرتا تھا۔ حضرت غریب نواز دریافت فرماتے رہے آخر الامر میاں صاحب نے مفصل عرض کر دی کہ غریب نواز! نجم الدین نے کچھ الفاظ کہے ہیں جن کو میں برداشت نہیں کر سکتا مگر حضرت غریب نواز نے در گذر فرمایا لیکن میاں صاحب موصوف کب جانے دیتے تھے۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ حضرت! نجم الدین مجھ سے ملا تھا اور میں نے اس کو کہا تھا کہ تم کو اوّل حضور میں حاضر ہو کر بعدہٗ شادی کا کام انجام کرنا تھا۔ مگر منشی نجم الدین صاحب نے کہا کہ میاں صاحب میں تمہاری طرح فارغ نہیں ہوں

کہ ہر وقت جلال پور شریف دوڑتا رہوں اور کام بھی مجھے بہت ہیں۔ پھر بھی حضرت غریب نواز خاموش رہے۔ تیسری دفعہ پھر میاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو کہتا تھا کہ تمہاری طرح بیکار نہیں ہوں جو ہر روز جلال پور شریف دوڑتا رہوں۔ اس لفظ سے حضرت غریب نواز کی طبیعت میں بھی جوش آگیا۔ فرمایا کہ میاں صاحب اگر اس نے آپ کو بیکار بنایا ہے تو اس کو بھی بیکار کرتے ہوئے خداوند کریم کو دیر نہیں لگتی۔

حضرت کا اتنا فرمانا تھا کہ بیچارہ جونہی رخصت سے واپس ہو کر بندوبست ضلع کانگڑہ میں پہنچا تھا کہ جاتے ہی اس کو مرض ادھرنگ نے بیکار بنا دیا جس سے وہ واپس گھر آکر اسی مرض سے فوت ہو گیا۔

جرمانہ روضہ شریف کی نذر کر دیا:

یہ واقعہ میاں احمدالدین درویش لنگر شریف کا ہے جو میرا چشم دید اور خاص سچا واقعہ ہے۔ وہ اس طرح پر ہے (زبانی مولوی محمد بخش اپیل نویس)

کہ میاں احمد دین نے تحصیل کہوٹہ میں کچھ ٹھیکہ لکڑی کا لیا ہوا تھا۔ بعد گذرنے میعاد ٹھیکہ کے نامبردہ نے کچھ لکڑی جو مشتبہ تھی اونٹوں پر لدوا کر گوجر خاں برائے فروخت روانہ کر دی۔ راستہ میں اہالیان جنگل نے اُس کو گرفتار کر لیا اور مزدوروں کو معہ لکڑی کے چالان عدالت کر دیا۔

مزدوران نے عذر کیا کہ لکڑی ہماری نہیں ہے ہم تو مزدور ہیں میاں احمد دین ٹھیکہ دار کی لکڑی ہے۔ ان سے دریافت کیا جائے۔ تب میاں صاحب موصوف طلب عدالت ہوئے اور انہوں نے آکر گیارہ ملزمان کو جو گرفتار تھے۔ چھڑوا کر اپنے ذمہ الزام لے لیا۔

خان بہادر سیٹھ آدم جی صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل راولپنڈی کی عدالت میں بڑی دیر تک تحقیقات ہوتی رہی۔ آخر الامر خان بہادر نے میاں احمد الدین صاحب کو مجرم قرار دے کر پچاس روپیہ جرمانہ کی سزا دی جو اسی وقت اِدھر اُدھر سے لے کر ادا کیا گیا۔

احمد الدین نے درخواست حصولِ نقل دے کر نقل حاصل کر لی تو معلوم ہوا کہ اس حکم کی اپیل نہیں ہو سکتی۔ نگرانی ہوتی ہے مگر اُس میں امید کامیابی کوئی نہیں کیوں کہ نگرانی چیف کورٹ میں جا کر منظور ہوتی ہے۔ احمد دین نے کہا کہ میں نے یہ جرمانہ حضرت قبلہ عالم کے روضہ مقدسہ کی نذر کر دیا ہے۔ وہ خود منظور کرا لیں گے۔ بتوکلِ خدا نگرانی لکھ دو۔ چناں چہ خاکسار نے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کر کے نگرانی تحریر کی اور صاحب سشن جج بہادر راولپنڈی کی عدالت میں داخل کر دی۔ تاریخ پیشی پر صاحب بہادر نے مقدمہ کو بمراد دریافت چند امور عدالت تحت میں بھیجا۔ جس پر سیٹھ صاحب نے بڑے زور سے لکھا کہ اس ملزم نے بڑی دلیری سے سرکاری لکڑی چرائی ہے اور کسی صورت سے قابلِ رہائی نہیں اور صاحب بہادر نے اس رپورٹ پر کچھ حصہ کر کے چیف کورٹ میں سفارش معافی سزائے جرمانہ کر دی جو عدالت عالیہ چیف کورٹ پنجاب میں جا کر منظور ہو گئی اور جرمانہ واپس ہو کر روضہ مقدسہ جناب حضرت غریب نواز پر نذر ہوا۔ یہ تھی بزرگانِ خدا کی امداد۔ باوجودیکہ اس معاملہ میں کوئی صورت رہائی ملزم کی گنجائش نہ تھی مگر اللہ صاحب نے بطفیل حضرت غریب نواز ملزم کو بری کر دیا۔

جن بھی آپ کے مرید تھے :

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملک صاحب دین ساکنہ مریڑ حسن ضلع راولپنڈی کو جن پڑا ہوا تھا۔ میں بھی نمازِ عصر پڑھ کر ڈیرہ آ رہا تھا کہ راستہ میں بہت سے آدمی ملک صاحب دین کے گھر بیٹھے دیکھ کر اس طرف چلا گیا۔ جب میں ملک کے سامنے ہوا وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ کو چارپائی پر بٹھا لیا۔ لوگ تماش بین جو وہاں موجود تھے۔ دیکھ کر حیران ہوئے کہ اس جن نے اس کی کیوں تعظیم کی۔ تب اُس جن نے کہا کہ یہ شخص میرا پیر بھائی اور جناب قبلہ عالم جلال پوری کا مرید ہے۔ میں بھی یہ فقرہ اس کا سُن کر حیران ہو گیا۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور جن سے دریافت کیا کہ تم میرے پیر بھائی کیسے ہو۔ تب اس نے کہا کہ میں بھی جناب قبلہ عالم کا مرید ہوں۔ میں نے کہا کہ کیسے اس نے کہا کہ جیسے تم، تب اُس سے کہا گیا کہ میں نے تم کو کبھی اُس جگہ دیکھا نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ واقعی تم نے مجھ کو کبھی نہیں دیکھا مگر میں تو آپ کو برابر دیکھا کرتا ہوں۔ اس دفعہ جب کہ تم گئے تھے تو حضور قبلہ عالم اس وقت ٹہل رہے تھے اور انار کے درخت کے متصل تم نے جا کر قدم بوسی کی اور تین روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ میں اس وقت انار کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ چوں کہ اس قسم کی دو چار سچی باتیں اس نے بتلائیں جس سے مجھ کو تیقن ہو گیا کہ واقعی یہ سچ کہتا ہے۔ تب میں نے کہا اس غریب کو پھر چھوڑ دے۔ جن بولا اگر یہ بھی پیر بھائی ہو جائے تو چھوڑ دوں گا۔ میں نے وعدہ کیا کہ اس کو مرید کراؤں گا۔ جن اسی وقت چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر میں اس صاحب دین کو جلال پور شریف لے آیا اور حضرت غریب نواز سے کا مرید کرا کر سب حال عرض کر دیا۔ حضور نے فرمایا اللہ صاحب اپنا فضل کرے گا۔

بعدہٗ ایک سال تک وہ جن نہ آیا۔ کیوں کہ پہلے وہ روزمرّہ آکر اسے مسحور کرتا تھا۔ یقین ہو گیا کہ اب وہ جاتا رہا مگر ایک دن پھر آگیا۔ اس کی عورت یعنی ملکا دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی کہ آج پھر ملک کو جن پڑ گیا ہے۔ میں بھی چلا گیا اور جا کر جن سے پوچھا کہ واہ بھائی اب کیوں آئے تو ہنس کر کہنے لگا کہ اب میں اس کے فائدے کے واسطے آیا ہوں نہ کہ نقصان کی خاطر۔ یہ بے چارہ تنگ دست اور غریب پیر بھائی ہے جس چیز کی ضرورت ہو اس کو دینے آیا ہوں کیوں کہ عیال دار بھاری ہے اور نانِ شبینہ سے بھی محتاج ہے تب میں نے ملکانی کو کہا کہ جس چیز کی ضرورت ہو کہہ دے، اس نے کہا کہ گھر میں کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی وقت وہ جن اُٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک بوری آرد کی لے آیا اور سیر روغنِ زرد اور دو بھار لکڑیوں کے لا دیئے۔

غرضیکہ اسی طور سے وہ وقتاً فوقتاً آیا کرتا اور جس چیز کی ضرورت ہوتی دے جایا کرتا۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ ملک صاحب دین فوت ہو گئے۔

سبحان اللہ! یہ سب کرامت حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ کی تھی، اس واقعہ کو بابو محمد حسین صاحب کلرک ڈاک خانہ راولپنڈی تصدیق کرتے ہیں۔

حضرت پیرا شاہ غازی جلالپور شریف بھیجتے ہیں:

مولوی فتح محمد صاحب مدرس مریڑ حسن بیان کرتے ہیں۔ ایک حافظ صاحب نے اپنی کہانی اپنی زبانی راقم آثم سے بیان کی۔ نام یاد نہیں رہا۔ علاقہ جہلم کے رہنے والے ہیں اور عرس شریف کے موقعہ پر ہمیشہ اتفاقِ ملاقات ہوتا ہے۔ کہتے تھے کہ مجھے جناب حضرت پیرا شاہ غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت عقیدت تھی ایک خاص حاجت کے لیے دربار کھڑی شریف میں ہر پنجشنبہ کو حاضر ہوا کرتا اور ایک ختم قرآن مجید

مزار شریف پر پڑھ کر ثواب اس کا بروح پُرفتوح جناب حضرت پیرا شاہ غازی صاحبؒ نذر کرتے اور ساعتے پائینِ مزار پُرانوار سو جاتا۔

چنانچہ ایک رات وظیفۂ معمولہ سے فارغ ہوکر سو رہا تھا خواب میں ایک مجمع کثیرہ میں جناب حضرت پیرا شاہ غازی علیہ الرحمۃ کو معہ حضرت محبوب سُبحانی قطب ربّانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوث الاعظم و دیگر اولیائے کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دیکھا۔ حضرت پیرا شاہ نے مجھے پکڑ کر حضرت غوث پاک کے قدموں پر ڈالا اور حضور نے اُٹھا کر میرا ہاتھ ایک اور بزرگ ٹوپی پوش کے دستِ مبارک میں دیدیا جناب ممدوح نے مجھے پکڑ لیا اور فرمایا کہ جلال پور آؤ۔ معاً بیدار ہوا وہاں سے چل کر جہلم آیا کہ کسی ایسے شخص کی معیت میں جاؤں جو وہاں جانے والا ہو۔ معبر جہلم (گذرگاہ) پر ایک شخص سے پوچھا بھائی کہاں جاؤ گے۔ کہا جلال پور جانے والا ہوں۔ حافظ صاحب نے بھی اپنا عزم و عندیہ بیان کیا۔ اس نے ہمراہ لے لیا۔ کشتی پر سوار ہو لیے اور چل دیے اثنائے تکلم میں حافظ صاحب کو ہمراہی کا ہندو ہونا معلوم ہوا۔ اس نے حافظ صاحب کو روٹی دی۔ حافظ صاحب نے لے تو لی لیکن رکھ چھوڑی۔ جب وہ ہمراہی سو گیا تو حافظ صاحب نے روٹی دریا میں ڈال دی۔

رات کو قریباً گیارہ بجے کشتی معبر جلال پور شریف پر جا لگی۔ یہ دونوں اترے شہر پہنچے۔ ہندو بھائی نے کہا حافظ جی اس وقت ہمارے یہاں سو رہو۔ صبح لنگر شریف چلے جانا۔ انھوں نے قبول کیا۔ خوب پُرتکلف بستر بچھا دیا اور یہ صاحب سو رہے ابھی پورا گھنٹہ بھی نہ گذرا اور آنکھ بھی نہ لگی تھی کہ ایک شخص نے اس ہندو کو بلایا اور کہا کہ تمہارے یہاں ہمارا کوئی مہمان ہے۔ اُس کو حضرت صاحب نے بلایا ہے۔

اس نے مجھے مطلع کیا۔ میں بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور دربار میں حاضر ہو کر دولت پائے بوسی سے مالا مال ہوا بعد خیر و عافیت پوچھنے کے حضور نے درویش کو فرمایا کہ ہم نے فلاں جگہ آج رات کو ایک روٹی رکھی تھی لے آؤ۔ وہ لے آیا۔ مجھے حکم ہوا کہ کھاؤ۔ عرض کی غریب نواز اب اشتہا نہیں۔ راہ میں روٹی ملی۔ فرمایا بے شک ملی تھی مگر کھائی کس نے تم نے یا مچھلیوں نے بس آپ نے فرمایا اور غلام نے قدموں پر سر رکھ دیا۔ دوسرے روز سلک مریداں میں منسلک ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

خدا کی امانت کا مطلب کھل گیا :

ملک کریم بخش صاحب تھانہ دار روات تحصیل راولپنڈی نے ۱۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ذکر کیا کہ میں حضرت غریب نواز کے وصال سے چار دن پہلے حضور میں حاضر ہوا ختم خواجگان کے بعد ارشاد فرمایا کہ پھر ملنا۔ دوبارہ حاضر ہوا اس وقت ایک غلام تھا اور دوسری حضرت کی ذات پاک تھی تیسرا کوئی شخص نہ تھا۔ میں نے عرض کی کہ غریب نواز کل رخصت ہوں گا۔ فرمایا کہ چھٹی پوری ہو گئی کل چلے جاؤ گے۔ پھر خاموش ہو گئے۔ چند لمحے کے بعد بے محل یہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی امانت ہے جب چاہتا ہے لے لیتا ہے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ میں نے عرض کی کہ غریب نواز بجا ہے۔ یہ آپ فرماتے جاتے تھے اور اسباب جو پاس پڑا ہوا تھا کپڑے وغیرہ اس طرح اُٹھا اُٹھا کر ایک طرف رکھتے جاتے تھے جیسے کوئی سفر کی تیاری میں ہوتا ہے۔ غلام حیران تھا کہ اس ارشاد سے مطلب کیا ہے۔ دوسرے روز اجازت لی اور اپنے تھانہ میں چلا آیا۔ چوتھے روز بعد سنا کہ حضور کا انتقال ہو گیا۔ اب معلوم ہوا کہ جناب نے اپنی نسبت وہ بے محل الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

دل کا مطلب حاصل ہوا:

یہی ملک صاحب فرماتے تھے کہ مجھے بڑی آرزو تھی کہ حضور کا جسم اطہر سیر ہو کر دیکھوں لیکن کبھی ایسا اتفاق نہ ہوتا تھا اور حضور بھی کسی کے سامنے غسل نہ فرماتے تھے۔ ایک روز قسمت نے یاوری کی حاضر ہوا دیکھا تو حضور غسل فرمانے والے ہیں۔ میں جھجکا آپ نے دیکھ کر فرمایا کون ہے۔ عرض کی غلام کریم بخش ہوں۔ ارشاد ہوا ملک جی اندر آ جاؤ اور بیٹھو اندر گیا اور دلی مراد حاصل ہونے پر خدا صاحب کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

شربت کے گلاس:

یہ بھی ملک صاحب سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حاضر ہوا۔ گرمی کا موسم تھا تشنگی غالب تھی۔ دل نے چاہا کہ پہلے حضرت صاحبزادہ صاحب (مدظلہ) حال سجادہ نشین کے حضور ہوں شربت پیکر اور ذرا سستا کر حضرت غریب نواز کی خدمت شریف میں حاضر ہوں گا۔ لیکن کہا کہ نہیں اوّل حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں چلنا چاہیے۔ چنانچہ حاضر ہوا شرف قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ حضور نے ایک درویش کو فرمایا کہ دو گلاس شربت کے بنا کر جلدی لاوے۔ وہ لے آیا۔ حضور نے اپنے مبارک ہاتھ سے ان میں عرق گلاب ملا کر مرحمت فرمایا۔ غلام نے پی لیا۔ پھر دوسرا عنایت ہوا وہ بھی پی لیا۔

سید سیدن شاہ کی مثل خوانی:

آپ کے نواسہ صاحبزادہ سید سیدن شاہ صاحب کی مثل خوانی کا معاملہ آپ کی کرامت کا مشہور واقعہ ہے۔ بمقابلہ پر دیگر امیدوار انٹرنس پاس اور سینئر تھے۔ صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر دوسرے شخص کو مثلخوان کرنا چاہتے تھے۔ صاحبزادہ سید سیدن شاہ صاحب نے

۱؎ از صوفی کرم الٰہی صاحب ڈنگوی مصنف بہادرانِ اسلام ۱۲

ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنے حرم محترم کو (جو حضور قبلہ عالم کی پوتی ہیں) کہا کہ دونوں چھوٹے بچوں کو لے کر حضور میں چلی جائیں اور جب تک خشوع قلب سے دعا نہ کریں۔ وہاں سے نہ اٹھیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اول اول تو حضور ٹالتے رہے مگر بی بی صاحبہ کے اصرار اور بچوں کی حالت دیکھ کر دعا کی۔ اور دوسرے روز ہی صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر گجرات نے باقی امیدواروں کو بلا کر کہہ دیا کہ سیدن شاہ ایک بزرگ ولی کا رشتہ دار ہے میں اسی کو بحال رکھوں گا۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ خواب میں حضرت قبلہ عالم نے ڈسٹرکٹ جج کو اشارہ کیا ہے۔ بہرحال آپ کی دعا کا نتیجہ تھا۔ اس حکم کی اپیلیں کی گئیں اور سیدن شاہ صاحب کو فکر و تردد لاحق ہوا مگر حضور قبلہ عالم نے خواب میں سیدن شاہ صاحب کو ایک ایک اپیلانٹ کا نام لے کر فرمادیا کہ ان کا کیا حق ہے اپیل خارج چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مرہم ایک بہانہ تھی:

صاحبزادہ سیدن شاہ صاحب کو بیماری فتق کی ہو گئی۔ تمام یونانی علاج کیے گئے فائدہ نہ ہوا۔ مایوسی کی حالت میں حضور قبلہ عالم علیہ الرحمۃ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹری علاج کراؤ۔ صبح کو ڈاکٹر کے پاس گئے جس نے مرہم دی۔ جس کے لگاتے ہی افاقہ شروع ہوا گویا مرہم ایک بہانہ تھی۔

مریدوں کو مکان کے نیچے سے نکال رہے ہیں:

مولوی حکیم الٰہ دین صاحب ملکوالی فرماتے ہیں کہ میرے ایک دوست کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سخت بارش ہوئی ہمارے مکان کی چھت گر گئی۔ رات کا وقت تھا کہ ہمارا سکونت کا مکان بھی گر گیا اور ہم سب اس کے نیچے دب گئے۔ صرف میں اور ایک

۱؎ از صوفی کرم الٰہی صاحب ڈنگوی مصنف برادرانِ اسلام ۱۲

تین سالہ لڑکی میری بچ گئی۔ کیوں کہ ہم دونوں دوسرے مکان میں تھے۔ مکان گرنے کی آواز سے میری آنکھ تو نہ کھلی بلکہ میری لڑکی کی آنکھ کھل گئی اور وہ رو کر مجھے کہنے لگی کہ بابا اُٹھو مکان گر گیا ہے اور والدہ اور بھائی نیچے دب گئے ہیں اور وہ دیکھو کہ ایک سفید ریش ہاتھ میں تسبیح اور سر پر ٹوپی آیا ہوا ہے اور ہماری والدہ اور بھائیوں کو نکال رہا ہے اور مٹی اوپر سے دور کر رہا ہے۔ چونک کر اُٹھا تو مکان گرا ہوا تمام لڑکے بالے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ غل و شور کیا۔ شہر کے آدمی اکٹھے ہو گئے اور لڑکے بالوں کو نکالا سب سلامت تھے۔ خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے اہل و عیال کو لے کر جلال پور شریف حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ بارش کیسی ہوئی اور بعد اس کے پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں تو بارش سے مکانات کو بہت نقصان ہوا۔ اس جگہ کا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کی کہ ہمارے مکانات بھی گر گئے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بال بچہ تو سلامت نکلا۔ عرض کیا کہ خدا کی مہربانی اور حضورِ انور کی توجہ سے خیریت ہے۔ بعد اس کے وہ لڑکی میری کہنے لگی کہ میاں یہ حضرت صاحب اس روز رات کے وقت والدہ اور بھائی کے اوپر سے مٹی دور کرتے تھے اور ہمارے مکان میں گئے تھے۔

مولوی نور عالم صاحب کے دردِ بازو کا واقعہ:

ارباب سلوک کا تجربہ ہے کہ پیر و مرید میں صرف روحانی تعلقات ہی نہیں ہوتے بلکہ ربطِ باہمی کا اثر جسمانی کیفیات و تغیرات میں بھی محسوس ہوتا ہے۔ مولوی نور عالم صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے سیدھے بازو میں درد پیدا ہوا اور بتدریج اس کے بڑھنے سے سخت تکلیف محسوس ہونے لگی۔ درد نصف سر اور گردن سے شروع ہو کر انگوٹھے

تک پہنچتا تھا۔ جب شکایت زیادہ بڑھی اور علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ فقرا سے رجوع کرو۔ گنڈے تعویذ سے کام نکالو۔ پنڈ فقروخاں میں اس مرض کے بیمار جاکر صحت یاب ہوجاتے ہیں یا موضع چک میانہ میں جاؤ۔ الغرض ہر شخص کسی نہ کسی عامل اور بزرگ کا نام لیتا تھا لیکن میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ جس ذات پاک نے مجھے اس مرض میں مبتلا کیا ہے وہ میرے دل میں موجود ہے۔ اب میں اس سے بھاگ کر کہاں جاؤں۔ میرے دل میں یہ بھی خیال گذرا کہ میں نے حال میں دل کی کراہت کے باوجود ایک وہابی کے ہاں کھانا کھالیا ہے۔ اسی وجہ سے میں اس مرض میں مبتلا ہوں۔ یہی واقعہ اس سے پہلے بھی کئی دفعہ مجھے پیش آچکا تھا کہ میں نے جب کسی ایسی جگہ کھانا کھایا ایک نہ ایک مرض میں مبتلا ہوا۔

اسی اثنا میں میاں محمد اشرف کے دل میں یہ خیال گذرا کہ تحریر وظائف کی اجرت زیادہ لینے سے یہ شکایت پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ محمد کامل نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ اور دونوں نے کہا کہ اس سے حضرت محبوب سبحانی ناخوش ہوئے ہیں۔ اور یہ بیماری لاحق ہوئی ہے۔ میاں محمد اشرف نے اپنے اس خیال سے مجھے اطلاع دی میں نے کہا کہ اگر میری علالت کا یہی باعث ہے تو میں اس درویش کو جس سے میں نے اجرت زیادہ لی واپس کر دوں گا لیکن میرے خیال میں حضرت محبوب سبحانی کی ناخوشی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ میں نے محمد کامل سے کہا کہ تم جب حضور میں قدم بوسی حاصل کرو تو یہ سب باتیں عرض کرو۔ اسی سلسلہ میں ایک مناجات بھی میں نے تصنیف کی تاکہ خدمتِ عالی میں پیش کی جائے۔ مناجات کے بعض اشعار یہ ہیں :-

آنانکہ خاک را بر نظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

بیمار و خاکسار و نزار او فتادہ را　　سوئے فلک بہ ہمت والا دعا کنند

بندے گراں رسید و بہ پیچید دام سخت　　دست مدد کجا کہ ز بندم رہا کنند

ایں بانگ نیست ناز نہ قہری ست جانگداز

لطفے عجب بہ بیں کہ بہ شکل بلا کنند

سرکار نے ان تمام ابیات کو ملاحظہ فرمایا اور میرے حق میں دعائے خیر کی جس کا اثر مجھے فاصلۂ دور دراز پر فوراً محسوس ہوا۔ اس سے پہلے ہر طرح دوا علاج کرنے کے باوجود درد کی شدت سے مجھے تمام رات نیند نہیں آتی تھی۔ اس واقعہ کے بعد محمد کامل نے جب قدم بوسی کا شرف حاصل کیا تو جملہ امور خدمتِ عالی میں عرض کیے۔ حضور نے فرمایا نعوذ باللہ میں کیونکر ناراض ہو سکتا ہوں۔ اس موقع پر حضور نے عہد نبوت کا ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ میری وفات کے بعد ختم قرآن کا ثواب میری روح کو پہنچانا۔ چنانچہ بیٹے نے باپ کی وصیت کے مطابق منادی کی کہ جو شخص ختم قرآن کا ثواب میرے باپ کی روح کو پہنچائے گا اُسے پندرہ دینار سُرخ دوں گا۔ یہ شخص بار بار اصحابہ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن کسی شخص نے منظور نہیں کیا۔ ایک صحابی نے اخلاص کی وجہ سے اس درخواست کو منظور کر لیا اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میت کی روح کو بخش دیا۔ اس شخص نے سرورِ عالم کے دربار میں فریاد کی کہ میں نے پندرہ دینار دیئے لیکن انہوں نے صرف تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ثواب بخش دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو ختم قرآن مطلوب ہے یا اپنے باپ کی مغفرت۔ تمہارا باپ تو ایک ہی دفعہ سورۂ اخلاص

پڑھنے سے بخشد یا گیا۔

اسی اثنا میں میاں محمد اشرف نے خواب میں دیکھا کہ حضرت محبوب سبحانی کا مزاج ناساز ہے اور یہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے ہیں لیکن حضرت دولت کدہ پر رونق افروز نہیں تھے۔ میاں صاحب دوسرے مکان پر گئے اور دیکھا کہ حضرت چہل قدمی فرما رہے ہیں۔ میاں صاحب نے کہا کہ میں حضور کی عیادت کے لیے آیا تھا لیکن یہ معلوم کر کے خوش ہوں کہ حضور کا مزاج بخیر ہے۔ جواب میں فرمایا کہ میں بالکل اچھا ہوں۔ صرف میرے بیدھے بازو میں درد ہے۔ حضور کے ہاتھ میں ایک ظرف تھا وہ میاں صاحب کو دیا اور کہا کہ اسے استعمال کرو، صحت ہو جائے گی۔ دوسرے روز صبح کے وقت میاں صاحب نے میرے پاس آکر واقع بیان کیا اور کہا کہ حضور نے تمہارے بازو کو اپنے بازو سے تعبیر کیا۔ میں نے کہا کہ ہم غریبوں کے ہزار وجود اور حضور کی تنہا ذاتِ پاک ایک ہے کیوں کہ اس بحرِ بیکراں میں ہم جیسے ہزاروں ناچیز قطرات غرق ہیں۔ المختصر میں حضور کی توجہ سے چند روز میں تندرست ہو گیا۔

میاں محمد اشرف صاحب جن کا اوپر ذکر ہوا ہے حضرت خواجہ شمس العارفین کے مشہور مرید تھے اور حضرت محبوب سبحانی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ میاں صاحب پولیس میں ایک بڑے عہدہ پر ممتاز تھے۔ ایک دفعہ فسادِ خون کی وجہ سے جذام کے خطرناک مرض میں مبتلا ہوئے اور حضرت کی دعا سے صحت یاب ہوئے۔

میاں صاحب کا مقولہ ہے کہ حضرت عین خواجہ شمس العارفین ہیں کیوں کہ حضور ہی کی برکت سے میں تندرست ہوا۔ میں نے خواجہ شمس العارفین کی خدمت میں بھی عرض کیا۔ ممدوح نے افسوس کیا لیکن مجھے صحت نہیں ہوئی اور حضرت محبوب سبحانی کی

دُعا سے خدا نے مجھ پر اپنا فضل کیا۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ میں نے حضور میں اپنا حال بیان کیا فرمایا کہ تمام دوائیں چھوڑ دو اور ختمِ خواجگان پڑھوا کر اپنے ہاتھوں پر دم کراؤ۔ ہاتھوں کی یہ حالت تھی کہ اُن سے خون رواں رہتا تھا لیکن تھوڑے عرصہ میں صحت ہو گئی۔ البتہ انگشت خنصر ٹیڑھی رہی جس کا مطلب یہ تھا کہ عبرت کا موقع باقی رہے۔

نتھا نمبردار جذام سے شفایاب ہوا ہے:

حضرت سید غلام شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ موضع کندوال علاقہ تھل میں نتھا نام ایک نمبردار مرضِ جذام میں مبتلا ہوا۔ لوگوں نے اسے اپنے پاس سے نکال دیا اور تمام قرابت والوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف اس کی بیوی جو نہایت نیک تھی۔ خدمت گذاری میں مصروف رہتی تھی۔ یہ شخص ہر طرف سے ناچار ہو کر حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک مناجات جو اس نے پنجابی زبان میں تصنیف کی تھی حضور میں پیش کی مناجات میں اس نے دو حاجتیں بیان کی تھیں۔ ایک مرضِ جذام سے نجات اور دوسرے فرزند زرینہ۔ چنانچہ حضرت کی دُعا سے اس کی دونوں حاجتیں پوری ہو گئیں

فتح محمد کی مرگی جاتی رہی:

حضرت سید غلام شاہ صاحب کا بیان ہے کہ فتح محمد نام ایک شخص جسے لوگ فتا کہتے تھے موضع خصالہ ضلع راولپنڈی کا باشندہ تھا اور مرگی کے خطرناک مرض میں مبتلا تھا۔ حالت یہ تھی کہ دن میں تین چار بار دورہ پڑتا تھا اور مرض کی سختی سے بیہوش ہو جاتا تھا۔ یہ شخص حضرت محبوب سُبحانی کا جان نثار مرید تھا

ایک دفعہ خواجہ قطب الزمان محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں شریک

ہونے کے لیے وہ اپنے گھر سے جلال پور شریف روانہ ہوا۔ راستہ میں جا بجا شدتِ مرض سے گرتا پڑتا اور بیہوش ہوتا چلا آتا تھا۔ جو مرید اور شرکائے عرس اس راستہ سے آ رہے تھے وہ اس کی بے ہوشی اور درماندگی کا حال حضورِ عالی میں بیان کرتے تھے۔ اسی اثنا میں وہ بھی آ پہنچا اور قدم بوس ہوا چوں کہ اس کا حال پے درپے سمع مبارک تک پہنچ رہا تھا اس لیے توجہ خاص سے اُس کی طرف دیکھا۔ فتا کا بیان ہے کہ میرے دماغ میں تین مرتبہ آواز آئی اور یہ معلوم ہوا کہ گویا کوئی دماغ کے پردے توڑے ڈالتا ہے۔ اس کے بعد پھر کبھی میں مرگی کے مرض میں مبتلا نہیں ہوا ؎

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

مرگی کا بیمار لنگر کا خدمت گزار:

یہی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ موضع دھمیال ضلع راولپنڈی میں ایک شخص کے دو بیٹے تھے اور دونوں کو مرگی کی سخت شکایت تھی۔ یہ شخص ان دونوں کو حضرت محبوبِ سُبحانی کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اگر حضور کی توجہ سے یہ دونوں تندرست ہو جائیں تو بڑے بیٹے کو حضور میں نذر کر دوں گا تاکہ لنگر کی خدمت گزاری میں زندگی بسر کرے۔ چنانچہ دونوں حضرت کی دُعا سے تندرست ہو گئے اور ان میں سے ایک اس وقت تک لنگر کے کاموں میں مصروف ہے۔

غفلت کی سزا اور دعائے خیر سے شفا:

مکھانا ساکن بھیرہ و احمد علی ساکن میرا دو شخص حضرت محبُوبِ سُبحانی کے مرید تھے لیکن ایک مدت سے بوجہ غفلت حضور کی زیارت اور وظائف سے محروم تھے۔ قضاکار

ان کی آنکھوں میں شکایت پیدا ہوئی اور نابینا ہو گئے۔ اب انہیں اپنے شفیق رہنما کی یاد آئی اور بارگاہِ عالی میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے۔ حضرت نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور دونوں کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

حضرت محبوبِ سبحانی کی طرف متوجہ ہونے کا اثر:

میاں رحمت اللہ سالن میرا کلاں حضرت محبوب سبحانی کے مرید تھے۔ اتفاقاً وہ سخت بیمار ہوئے ان کے بھائی میاں غلام اللہ معہ اپنے متعلقین کے سید غلام شاہ کے پاس آئے اور نہایت عاجزی کے ساتھ کہا کہ آپ بیمار کو ملاحظہ فرمائیے شاہ صاحب نے انکار کیا لیکن اُن کے سخت اصرار سے مجبور ہو کر شاہ صاحب اُن کے ساتھ ہو لیے۔ بیمار کو جا کر دیکھا حالت بہت زبون تھی نبض سرد اور بے حرکت۔ اُمیدِ زندگی منقطع۔ میزبان نے شاہ صاحب کی دعوت کا اہتمام کیا۔ مُرغ ذبح کیا۔ شاہ صاحب نے اپنے دل میں کہا کہ بیمار کی حالت ایسی خراب ہے کہ شاید کھانا تیار ہونے سے پہلے وہ چل بسے لیکن وہ مسجد میں گئے اور حضرت محبوب سبحانی کی طرف متوجہ ہو کر التجا کرنے لگے کہ سرکار میرے ننگ و نام کا لحاظ رکھیں کچھ عرصہ کے بعد گریہ وزاری کی آواز انہوں نے سُنی اور خیال کیا کہ شاید بیمار مر گیا۔ لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ پڑوس کی کسی عورت نے وفات پائی۔ میاں صاحب چند روز میں صحت یاب ہو گئے۔

گائے کی نذر اور ایک سال کی مہلت:

سید غلام شاہ صاحب کا بیان ہے کہ موضع میرا میں متگو نامی ایک شخص رہتا تھا وہ سخت بیمار ہوا اُس کا بھائی بلند وجہ اس کی بیماری سے بہت متاسف رہتا میرے پاس آیا اور گریہ وزاری کے بعد مجھے دُعا کے لیے لے گیا۔ میں نے کہا ہمارے حضرت

کی نذر کے لیے کوئی چیز مقرر کرو۔ اُس نے ایک عمدہ گائے حضرت محبُوب سُبحانی کی نذر کے لیے مجھے دی بلندو سخت بے چین تھا اور ہر وقت گریہ وزاری میں مصروف رہتا تھا۔ دوسرے دن صبح کے وقت میں فجر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں گیا۔ ناگاہ رونے پیٹنے کی آواز بلند ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ منگو مر گیا لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ منگو، نہیں مرا بلکہ بلندو نے وفات پائی ؎

شخصے ہمہ شب بر سرِ بیمار گریست
چوں روز شد آں مرد و بیمار بزیست

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایک سال کے بعد اسی دن اور اُسی وقت منگو نے بھی وفات پائی گویا اس قربانی کی بدولت جو اس نے حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں ایک گائے پیش کر کے نذر ادا کی تھی ایک سال کی مہلت پائی۔

خواب میں مرید کی استمداد :

عبداللہ نامی ایک شخص بخار میں مبتلا ہوا اس کی حالت ایسی نازک تھی کہ بالکل قریب مرگ تھا۔ دست ہر وقت جاری تھے۔ ہوش و حواس جا چکے تھے اور عالم نزع کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ تیماردار اور اطباء موت کے یہ آثار دیکھ کر نااُمید ہو چکے تھے۔ پسینہ نہیں آتا تھا لیکن پیشانی اور گردن پر کچھ نمی پیدا ہو کر خشک ہو جاتی تھی۔

مولوی نور عالم کا بیان ہے کہ وہ آدھی رات تک بیمار کے سرہانے سلسلہ شریف پڑھتے رہے اس کے بعد سو گئے۔ بیمار کے والد سے گھر کی ایک عورت نے کہا کہ میں دیکھ بھال کروں گی۔ تم بھی سو رہو چناں چہ وہ بھی سو رہے۔ یہ حضرت محبُوب سبحانی

کے مرید تھے۔ انہوں نے خواب میں حضرت کو دیکھا کہ پائے مبارک سے ان کا بدن مس کر کے فرما رہے ہیں کہ تم زمین پر سوئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ مہمانوں کی وجہ سے چارپائی نہیں ملی۔ حضرت نے پوچھا کہ مہمان کیوں آئے انہوں نے عرض کیا کہ میرا لڑکا عبداللہ سخت بیمار ہے۔ فرمایا اسے کوئی بیماری نہیں ہے اٹھو اور اس کی پنڈلیاں دابو چنانچہ یہ بیدار ہوئے اور ماجرا بیان کیا اور لڑکے کی پنڈلیاں دابنی شروع کیں جس کے ساتھ ہی گردن سے پسینہ نکلنے لگا اور پیروں تک پہنچا۔ بیمار کو ہوش آگیا۔

مولوی نور عالم صاحب کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ سے بے خبر تھا۔ علی الصباح عجلت کے ساتھ مسجد میں پہنچا تاکہ فجر کی نماز پڑھ لوں مجھے اندیشہ تھا کہ شاید بیمار کے مرنے کی خبر مجھ تک پہنچے اور نماز قضا ہو جائے لیکن جب نماز پڑھ کر میں واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مریض تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ چند روز میں وہ تندرست ہو گیا۔

ملک زمان مہدی خاں دارا پور کی علالت :

حضرت خواجہ سید محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین نے ارشاد فرمایا۔ ملک زمان مہدی خاں دارا پور (جو نواب طالب مہدی خاں ڈپٹی کمشنر کے والد تھے) مرض جذام میں مبتلا ہوئے۔ ہر چند انہوں نے علاج کیا لیکن کچھ نہ ہوا۔ بیماری روز بروز ترقی پذیر ہوتی گئی حتیٰ کہ ایک دن ان کے حقیقی بھائی خان بہادر راجہ پائندہ خاں نے ان سے کہا کہ بھائی صاحب آپ کی بیماری بڑھ گئی ہے آپ خورد و نوش اور بود و باش میں ہم کو اپنی آمیزش سے معاف کریں اور اپنے ساتھ سارے خاندان کو مصیبت میں مبتلا نہ فرمائیں۔ چنانچہ ملک مذکور دارا پور سے چلے آئے اور ایک دوسرے گاؤں میں جو انہیں ورثہ میں ملا تھا۔ اقامت اختیار کی اسی

اثنا میں چوہدری محمد بخش ساہوڑا لیبے کو طلب کر کے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ میری ہمراہی اختیار کریں تو میں حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضر ہوؤں اور اپنی شکایت عرض کریں۔ یہ دونو حضرت ممدوح کے مرید تھے بارگاہِ عالی میں حاضر ہوئے اور اپنا حالِ زار عرض کیا اور کہا کہ اگر حضور کی توجہ سے یہ مصیبت رفع نہ ہوئی تو اُس عالم میں کیا توقع ہے کہ حضور کی شفاعت سے ہمارے گناہ بخشے جائیں گے۔ چوہدری محمد بخش نے بھی سفارش کی۔ حضرت محبوب سبحانی کو اس گریہ وزاری پر رحم آیا اور نگاہِ توجہ سے دیکھ کر فرمایا کہ تم جو کچھ دوا علاج کر رہے ہو اسے چھوڑ دو اور دل سے تمام وسوسہ نکال ڈالو۔ اس کے بعد دُعائے خیر کی چنانچہ ملک مذکور چند روز میں صحت یاب ہو گئے۔

حضرت محبوب سبحانی کی طرف توجّہ :

مولوی نور عالم صاحب فرماتے ہیں کہ میرے بھائی کا نواسہ بخار میں مبتلا تھا، اور نہایت لاغر و کمزور ہو گیا تھا۔ کوئی دوا فائدہ نہیں کرتی تھی۔ بچّہ کے ماں باپ اس کی صحت سے ناامید ہو گئے اور مجھ سے رو رو کر کہنے لگے کہ آپ خدا کے لیے کچھ علاج کیجیے میں نے کہا کہ میں نہ حکیم ہوں نہ مرض کا سبب پہچانتا ہوں لیکن انہوں نے اصرار کیا اور مجھے مریض کی بالین پر لے گئے۔ میں نے حضرت محبوب سبحانی کی طرف توجہ کی۔ اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور دل ہی دل میں یہ شعر پڑھنا شروع کیا ؎

شیئاً للہ آمدم اندر حضور
المدد یا حضرت خواجہ جلالپور

میرے دل میں یہ بات القاء ہوئی کہ اس بچہ کو گلاب اور کاسنی کا عرق پلانا چاہیے پس میں نے کہا کہ یہ عرق لے کر اسے پلائیں۔ چنانچہ بچّہ کو دست جاری ہو گئے جس سے ناتواں ہو

کردہ بیہوش ہو گیا اور اثنائے بیہوشی میں اس کے بدن سے پسینہ جاری ہوا۔ اور وہ تندرست ہو گیا۔

پیسہ کی چار دوائیں :

مولوی محمد عبدالرحیم صاحب کرڑی والا استاد صاحبزادگان جلال پور شریف فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جلال پور میں تھا کہ سخت کھانسی میں مبتلا ہوا۔ بہت کچھ علاج کیا لیکن شکایت رفع نہ ہوئی۔ کھانسی میں خون بھی آتا تھا۔ اطبار کو یقین تھا کہ مجھے سل ہو گئی ہے۔ ایک دن میں نہایت رنجیدہ اور شکستہ دل ہو کر حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنسو میری آنکھوں سے رواں تھے۔ حضرت نے فرمایا خیر تو ہے آپ کو کیا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں مجھے سل ہو گئی ہے۔ حضور نے مجھے تسلی دی اور اسی وقت ایک درویش کو اپنے پاس سے ایک پیسہ دے کر فرمایا کہ چار دوائیں لے آؤ اب مجھے وہ دوائیں یاد نہیں لیکن ان میں سے ایک ملباشیر بھی تھی حضور نے ان دواؤں کے قرص تیار کیے اور چند قرص مجھے دے کر فرمایا کہ اگر ان سے صحت نہ ہو تو (صاحبزادہ سید محمد) فضل شاہ (صاحب سجادہ نشین حال) سے اور لے لینا۔ لیکن میں انہیں سے صحت یاب ہو گیا۔

بگولہ بیماری کو ساتھ لے گیا :

مولوی عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ حافظ غلام مصطفےٰ صاحب جو سلسلہ نقشبندیہ سے نسبت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت محبوب سبحانی رح کی نسبت فرمانے لگے کہ وہ اپنے تموّل کی وجہ سے کافی قوت رکھتے ہیں ورنہ فقیری ایک دوسری چیز ہے۔ اسی اثنا میں انہوں نے دیکھا کہ ایک بگولا جلال پور شریف سے آکر میرے

گھر میں داخل ہوا اور کپڑے کی طرح کوئی سیاہ چیز اڑا کر لے گیا۔ حافظ صاحب دوسرے روز میرے پاس آئے۔ میں ان دنوں بخار میں مبتلا ہو کر جلال پور سے اپنے گھر آیا تھا اور کہنے لگے کہ بیشک حضرت محبوب سُبحانی فقیر ہیں اور اب تم جلد تندرست ہو جاؤ گے چنانچہ تھوڑے عرصہ میں صحت حاصل ہو گئی۔

منشی غلام حسین ریڈر کلکٹری کی بیماری کا واقعہ:

میاں محمد اشرف صاحب فرماتے ہیں کہ منشی غلام حسین شہر گوجرانوالہ میں ڈپٹی کمشنر کے رشتہ دار تھے۔ منشی صاحب جذام کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ اکثر جلال پور شریف میں آتے تھے۔ میرے پیر بھائی تھے اس لیے ان کی آمیزش اور ہمنشینی سے مجھے تو کوئی تنفر نہ تھا لیکن ان کی صورت اور حالت سے ہر شخص کو کراہت ہوتی تھی لیکن حضرت محبوب سبحانی سے بے انتہا عقیدت رکھنے اور عجز و نیاز کی بنا پر حضور کی توجہ اور دُعا سے بہت جلد انہیں صحت حاصل ہو گئی۔

خود میاں محمد اشرف صاحب کا واقعہ ہے کہ وہ سات ماہ سے سخت بیمار تھے اور کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے فرزند میاں غلام قاسم کو حضرت محبوب سُبحانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بھیجا اور اپنی بے چارگی اور درماندگی کا حال عرض کیا۔ حضرت نے حکیم محمد عالم ساکن موضع ناہن والا کو حکم دیا کہ نسخہ تجویز کرو اور دو تین دوائیں خود بھی بتائیں۔ اس دوا کے استعمال سے پہلے تو میاں صاحب بیہوش ہو گئے کیوں کہ دوا نہایت تیز و تلخ تھی لیکن اس کے بعد حضرت محبوب سبحانی کی توجہ اور کرامت سے صحت یاب ہو گئے مگر ان کے پاؤں کمر سے زانو تک بالکل بیکار اور بے حس و حرکت تھے حتیٰ کہ اُٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا بالکل ناممکن تھا۔

اسی اثنا میں خواجہ شمس العارفینؒ کا عرس ہوا اور میاں صاحب اپنے صاحب زادہ غلام قاسم اور ایک دوسرے شخص کو ہمراہ لے کر عرس میں شرکت کے لیے اس طرح روانہ ہوئے کہ یہ لوگ انہیں گود میں اٹھا کر ریل میں سوار کر دیتے تھے اور نیچے اتار لیتے تھے ہرن پور کے اسٹیشن پر حضرت محبوب سبحانی کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ واپسی پر جب حضرت سے جدائی کا وقت آیا تو انہوں نے چار زانو ہو کر نماز پڑھی اور حضرت نے بھی نماز ادا کی۔ اس موقعہ پر میاں صاحب نے حضرت سے پوچھا کہ میں اس طرح چار زانو ہو کر نماز پڑھ سکتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ حالت عذر میں اس طرح نماز جائز ہے۔ میاں صاحب نے عرض کیا کہ میں حضرت سے جواز و عدم جواز کا مسئلہ نہیں پوچھتا بلکہ یہ عرض کرتا ہوں کہ میری یہ معذوری کب تک باقی رہے گی؟ حضرت نے یہ عرضداشت سن کر میاں صاحب کے لیے دعائے خیر کی۔ ملک وال کے اسٹیشن سے حضرت تو جلال پور شریف کو سدھارے اور میاں صاحب بھیرہ کی طرف اپنے فرزند میاں محمد غالب کے پاس روانہ ہوئے جو ریل میں ملازم تھے۔ منزل مقصود پر پہنچ کر میاں صاحب نے پہلے ایستادہ ہو کر نماز ادا کی اور یہ محسوس ہوا کہ گویا کبھی کوئی شکایت ہی نہ تھی۔

تعویذ سے اچھا ہو گیا:

میاں محمد مظفر صاحب کہتے ہیں کہ میرے لڑکے غلام جیلانی کو شیر خوارگی کے زمانہ میں اس کی ماں ساتھ لے کر حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بچہ کی یہ حالت تھی کہ شدت درد سے تمام رات روتا تھا اور کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کی ماں اس کی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکی تھی لڑکے کا ماموں محمد نام اسے گود میں لے کر حضور میں حاضر ہوا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے حضرت

اُس وقت طہارت کر رہے تھے۔ زبانِ مبارک سے کوئی دوا بتائی اور فرمایا کہ یہ بچہ تمام شب روتا رہا پھر فرمایا کہ کوئی دوا نہ دو۔ میرے پاس لاؤ میں اسے تعویذ لکھ دیتا ہوں چنانچہ تعویذ باندھتے ہی بچہ تندرست ہوگیا وہ بارہ سال تک زندہ رہا اور معمول تھا کہ جب بیمار ہوتا اس تعویذ کے باندھنے سے تندرست ہو جاتا۔

جلال پور شریف میں وبائے طاعون :

مولوی عبد الرحیم صاحب باشندہ کڑی فرماتے ہیں کہ ماہ صفر ۱۳۲۵ھ میں جلالپور میں وبائے طاعون پھیلی۔ خواجہ قطب الزمان محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر تقریباً بارہ ہزار آدمی جلال پور شریف میں وارد ہوئے تھے لیکن حضرت محبوب سبحانی کی برکت وکرامت سے کسی شخص کو اس مہلک مرض کی شکایت نہیں ہوئی عرس کے بعد بیماروں کے ساتھ سرکار کا برتاؤ یہ تھا کہ کمال دلجوئی و دلداری کے ساتھ انہیں اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ حالاں کہ طاعون کی متعفن گلٹیوں سے سخت بدبو آتی تھی لیکن ممدوح ذرا پروا نہیں کرتے تھے۔ گلٹیوں پر سے کپڑا ہٹا کر دم فرماتے تھے اور مریضوں کو شفقت آمیز کلمات اور دعائے خیر سے تسکین دیتے تھے۔ ایک دن ایک بیمار حاضر ہوا اور بنگلہ شریف کے باہر ٹھہر گیا۔ حضور نے فرمایا کہ اندر آؤ۔ اس نے عرض کیا کہ میں اندر آنے کے قابل نہیں ہوں۔ حضرت نے ارشاد کیا کہ جو کچھ ہو اور جس حالت میں ہو اندر آؤ۔ لنگر شریف کے فقرا نہایت سراسیمہ اور پریشان ہو رہے تھے کیوں کہ روزانہ پچیس جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی۔

محمد کامل کا بیان ہے کہ ایک دن صاحبزادہ صاحب نے خدمتِ عالی میں عرض کیا کہ باشندگانِ گرد و نواح سے کہہ دیا جائے کہ وبائے طاعون کی شدت کے زمانہ میں

اپنے اپنے گھروں میں بیٹھیں اور یہاں نہ آئیں۔ حضور نے زبانِ مبارک سے فرمایا کہ بہتر ہے تم ایسا ہی کرو اور اپنے پاس کسی کو نہ آنے دو۔ صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا کہ میری گذارش ہے کہ حضور اپنے پاس بیماروں کو نہ آنے دیں اور حکم دیں کہ شدتِ مرض کی حالت میں یہاں آنے سے احتراز کریں۔ فرمایا کہ میں کیوں کر منع کر سکتا ہوں۔ جب کہ وہ رنج و مصیبت میں ہیں چھوڑ دوں تو انہیں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ میں عقبیٰ میں ان کی نجات کا وسیلہ ہوں گا۔

محمد کامل کا بیان ہے کہ ایک دن حفظانِ صحت کے خیال سے صاحبزادہ صاحب کے دولت خانہ میں گوگل کا دھواں کیا گیا۔ حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ یہ بو کیسی آتی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ گوگل کی بُو ہے۔ زبانِ مبارک سے ارشاد ہوا کہ دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ یا گوگل سلگا لو اور توکّل چھوڑ دو۔ یا توکّل اختیار کرو اور گوگل چھوڑ دو۔

راجہ بہادر خاں چک جانی والا حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتقد تھے۔ اس اثنا میں کہ طاعون پھیلا ہوا تھا ان کا لڑکا فوت ہو گیا۔ حضرت حرم شریف سے باہر آ رہے تھے کہ اُس کے انتقال کا حال لوگوں نے عرض کیا۔ حضرت حرم شریف میں واپس گئے اور مستورات سے یہ خبر نقل کی اور فرمایا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ خدائے پاک بے نیاز ہے۔ اگر معاملہ میری مرضی اور میرے اختیار پر ہوتا تو یہ لڑکا کبھی نہ مرتا۔ اس ارشاد میں مصلحت یہ تھی کہ ایک مرید نے مخدراتِ عالیہ سے سفارش چاہی تھی اور وہ بار بار حضرت سے اصرار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اگر آپ توجہ فرمائیں تو اس کا مقصد بر آنا دشوار نہیں۔ پس آپ نے ان الفاظ کے ساتھ ان کی تسلی کر دی یعنی ان امور کے لیے میرا دعا کرنا بیکار ہے، جو

مشیتِ خداوندی کے خلاف ہیں۔

اس واقعہ کے بعد خود بہادر خاں بیمار ہوئے جب سمع مبارک تک یہ خبر پہنچی تو ارشاد ہوا کہ بہادر خاں طاعون میں مبتلا نہیں ہے چنانچہ انہیں پیام بھیجا کہ تم غمگین نہ ہو۔ اس بیماری سے صحت یاب ہو جاؤ گے۔ خدا کے فضل سے ایسا ہی ہوا اور بہادر خاں جلد تندرست ہو گئے۔

لنگر شریف کے بعض درویش وبائے طاعون سے سخت خائف اور پریشان تھے۔ حضرت کی توجہ اور کرامت سے ان کے دل توکل اور استقامت پر قائم ہو گئے۔ ان میں ایک شہاب الدین نامی بھی تھے جو خلوت نشین ہو گئے تھے۔ لیکن اُن کے دل میں ایسی ہمت پیدا ہو گئی کہ وہ گھر سے نکل کر طاعون زدہ بیماروں کی تیمار داری میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے اور پانی پلاتے تھے۔ بیکسوں بیواؤں اور یتیموں پر ترس کھاتے تھے۔

موضع پنڈ گولہ اندازاں کے ایک درویش نے جو قوم کا لوز باف اور حضرت محبوبِ سبحانی علیہ الرحمۃ کا مرید تھا اپنے قرضہ کی گراں باری کا حال حضور میں عرض کیا اور دادرسی چاہی۔ حضرت نے حکم دیا کہ اس جگہ موجود رہو اور مردوں کو غسل دیا کرو کیونکہ اس زمانہ میں کوئی غسال بھی باقی نہیں رہا تھا۔ قبروں میں پتھر کے جرچوکے وغیرہ لگتے تھے ان کی قیمت صاحب زادہ صاحب اپنے پاس سے عطا کرتے تھے المختصر جب آبادی میں ساڑھے پانچ سو موتیں ہو چکیں تو طاعون فرو ہو گیا اور نظام الدین کا قرض ادا ہو گیا۔

اس طوفان مصائب میں حضرت کی ذات پاک میں جو صبر و تحمل اور شان توکل

دیکھی اور تسلیم و رضا کی جو محبوب ادائیں مشاہدہ کی گئیں وہ ہم گناہ گاروں کے لیے اذ بس سبق آموز تھیں۔ گویا حضور تمام امور سے واقف تھے اور اس علم کی بنا پر ذرا بھی بے صبری اور بے قراری ظہور میں نہیں آتی تھی۔

ایک دفعہ رؤسائے موضع چیلیانوالی میں سے ایک مرید کی نعش سامنے رکھی تھی جو بیماری کی حالت میں جلال پور شریف چلا آیا تھا۔ اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ میں اس کے وارثوں کو پیام بھیجتا ہوں کہ ان دنوں حضرت محبوب سُبحانی نے مشیت سے مصالحت کر لی ہے اور خاموش بیٹھے ہوئے قضا و قدر کا تماشا کر رہے ہیں۔

درود شریف کی عظمت :

خلیفہ حسین شاہ صاحب لاہوری فرماتے ہیں کہ میں پہلے پہل بارگاہ حضرت محبوب سبحانی میں حاضر ہوا تھا۔ نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد حسب دستور صفِ اوّل سے صفِ آخر میں جا بیٹھا۔ حضرت محبوب سبحانی وظیفہ میں مشغول تھے۔ اور پشت مبارک میری طرف تھی۔ میں درود شریف پڑھنے لگا۔ یکایک حضرت نے پہلو بدل کر پشت مبارک جنوب کی طرف کر لی اور مجھے یہ بات یاد آئی کہ اولیاء اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ درود شریف ان کی پس پشت پڑھی جائے۔

مکاشفہ :

خلیفہ حسین شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن چاشت کے وقت میں حضرت کے دیوان خانہ میں بیٹھا تھا یکایک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اتنے عرصہ سے حضور میں آتا ہوں لیکن اب تک قواعد وغیرہ کی تعلیم و تلقین مجھے نہیں کی گئی شاید

اس کے متعلق کوئی کتاب ہو۔ خیر کل تو میں چلا جاؤں گا لیکن اب کے جب آؤں گا تو ضرور خدمت عالی میں عرض کروں گا۔ ظہر کی نماز کے بعد جب میں حضور میں حاضر ہوا تو مسکرا کر فرمایا کہ اگر پہلے سے خیال ہوتا تو کتاب آداب الطالبین آپ کو دی جاتی اور آپ اس کی نقل کر لیتے۔ اب چونکہ وقت نہیں رہا ہے۔ پس آئندہ جب آپ آئیں گے تو کتاب دے دی جائے گی اس کی نقل کر لیجیے گا۔ اس میں تمام آداب و قواعد مندرج ہیں۔ اس کے بعد زبان مبارک سے آداب الطالبین کے قواعد کا خلاصہ ارشاد فرمایا اور دوبارہ جب میں حاضر ہوا تو کتاب مذکور مجھے عطا فرمائی اور میں نے اس کی نقل کر لی۔

حضرت محبوب سبحانی کی طرف عریضہ بھیجتے ہی کام بن گیا:

یہی شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں قصبہ ڈنگہ سے جہاں میں ملازم تھا۔ ایک مکان خریدنے کے لیے لاہور گیا۔ میرے پاس ٹین کا ایک نلکا تھا جس میں سات سو روپے کی دستاویزات اور تمسکات تھے۔ میں نے یہ نلکہ جیب میں رکھ لیا تھا تاکہ مکان کی خریداری کے لیے اپنے قرض داروں سے روپیہ وصول کر دوں لیکن چونکہ مجھے روپیہ مل گیا اس لیے میں نے کسی قرض دار کو پریشان نہیں کیا۔ کام سے فارغ ہو کر میں اپنے مکان واقع لالہ موسیٰ کو روانہ ہو گیا۔ رات کو نماز تہجد کے لیے میں نے وہ قمیص اتار ڈالی جس کی جیب میں نلکا تھا تاکہ وضو میں آسانی ہو۔ سوء اتفاق سے نلکا نیچے گر پڑا اور رات کی تاریکی میں کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ صبح کو دن کی روشنی میں تلاش کر لوں گا لیکن نماز فجر پڑھ کر میں اسٹیشن پر چلا گیا اور ریل پر سوار ہو کر ڈنگہ روانہ ہو گیا۔ نلکا میری یاد سے بالکل اتر گیا۔

دو ماہ کے بعد خیال آیا اور میں نے جا بجا منادی کرائی۔ اخبارات میں اشتہارات دیے۔ انعام بھی مقرر کیا لیکن نلکے کے متعلق کوئی خبر موصول نہ ہوئی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر میں نے ایک عریضہ حضرت محبوبِ سبحانی کی خدمت میں ارسال کیا عریضہ بھیجے ہوئے تیسرا دن تھا اور میں مغرب کے بعد مسجد میں ختم شریف پڑھ رہا تھا کہ اس اثنا میں تین مرتبہ نلکے کی صورت میری آنکھوں کے سامنے آئی۔ وظائف سے فارغ ہو کر جب میں گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ نلکا ایک صندوق میں مل گیا۔ میں نے جب یہ ماجرا سرکار میں عرض کیا تو حضور کچھ دیر خاموش رہے اور پھر ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ پر وہ عدم سے معدوم کو موجود کرتا ہے پس اگر اس کی قدرت سے گم شدہ چیز مل جائے تو کیا تعجب ہے۔

گم شدہ اونٹ واپس مل گئے:

یہی شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مجلس مبارک میں حاضر تھا ایک شخص نے مجمع عام میں حضور سے عرض کیا کہ میرے چند اونٹ گم ہو گئے ہیں۔ حضرت دعائے خیر فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے بھی کسی کا مال کبھی چرایا ہو گا اس شخص نے اقبال کیا حضور نے فرمایا کہ وہ چرائے ہوئے مویشی مالک کو واپس کر دو۔ اس شخص نے کہا وہ تو اب میرے پاس موجود نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا ان کی قیمت دے کر مالک کو رضامند کر لو تاکہ خدا تمہارے گناہ معاف کر دے اس شخص نے حضرت کے حکم کی تعمیل کی اور آیندہ کے لیے توبہ کی چنانچہ حضرت کی دعا سے اس کے گمشدہ اونٹ واپس مل گئے۔

توبہ اور قتل سے بریت:

یہی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قتل کیا اور اس کے مواخذہ میں گرفتار

ہوا۔ اس کے ورثا حضرت محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے فرمایا کہ آئندہ کے لیے وہ تائب ہو اور گزشتہ گناہوں سے بھی توبہ کرے۔ خدا اس پر فضل کرے گا۔ اس شخص نے صدقِ دل سے توبہ کی اور حضرت نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی چنانچہ وہ صاف بری ہو گیا۔

دینی سرکار میں عرضی اور دنیوی سرکار کی عذر خواہی :

شاہ صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میں جب ملازمت ترک کر کے خانہ نشین ہوا تو ایک شخص کسی خورد سال لڑکی کے زیورات چرانے کی علّت میں ماخوذ ہوا۔ دشمنوں نے اسے بہکایا کہ میرے فرزند قادر شاہ کا نام بھی لے دے۔ چناں چہ اس نے ایسا ہی کیا۔ میں نے سرکار میں عرضی گزاری چناں چہ حضرت کی دُعائے خیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ قادر شاہ نہ صرف بری ہوا بلکہ پولیس نے عذر خواہی بھی کی۔

انجام بخیر ہوگا :

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حاسدوں نے مجھ غریب پر فوجداری کا مقدمہ دائر کیا اور ثبوت بھی بہم پہنچا لیا۔ میں نے سراسیمہ ہو کر حضور میں عریضہ لکھا جس کا جواب یہ آیا کہ گھبراؤ نہیں۔ ان شاء اللہ انجام بخیر ہوگا۔ چناں چہ میں حضرت محبوب سُبحانی علیہ الرحمۃ کی توجہ اور دعا کی بدولت اس مصیبت سے بچ گیا۔

دِق کی بیمار :

شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں قصبۂ مزنگ میں تھا۔ وہاں ایک عورت مرضِ دق میں مبتلا تھی۔ زندگی سے بالکل مایوس ہو چکی تھی اور نفس شماری کر رہی تھی۔ میں نے اس کے متعلق حضور میں عرضی بھیجی۔ اس عورت نے پہلے دن خواب

میں دیکھا کہ دو آدمی اس کے قریب موجود ہیں۔ اتنے میں ایک بزرگ جو گویا حضرت محبوب سُبحانی رحمۃ اللہ علیہ تھے رونق افروز ہوئے۔ ان بزرگ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس عورت کو لینے کے لیے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت اس کا خاوند موجود نہیں ہے۔ پس اس وقت اس کا لے جانا ملتوی کر آیندہ دیکھا جائے گا۔ اس کے بعد ان بزرگ نے ایک مرغن روٹی جس میں گوشت کا ایک مرکب موجود تھا۔ دستِ مبارک سے اسے کھلائی جس سے وہ رونے اور چلانے لگی اور کہنے لگی کہ میرے پیٹ میں سخت درد پیدا ہوگیا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی شخص میرے معدہ کو چاقوؤں سے کاٹ رہا ہے اس کے بعد وہ عورت بیدار ہوئی اور یہ ماجرا بیان کیا۔ خدا کے فضل سے وہ چند روز میں صحت یاب ہوگئی۔

قاضی صاحب کے فتوے کا انجام بخیر:

قاضی احمد دین ساکن موضع بڑال جن کا خاندان ہمیشہ سے صاحبِ علم رہا ہے۔ ایک دفعہ جلال پور شریف میں آئے۔ سید غلام شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں بھی ان دنوں حاضر بارگاہ تھا۔ قاضی صاحب موجود تھے کہ میں نے مجلس مبارک میں پہنچ کر حسبِ معمول زمین ادب کو بوسہ دیا۔ یہ دیکھتے ہی قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص کافر ہوگیا۔ میں حضور کے ادب سے خاموش رہا لیکن حضرت محبوب سُبحانی نے فرمایا کہ یہ سجدہ نہیں ہے بلکہ یہ خاک بوسی ہے۔ سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سجدۂ عبادت، دوسرے سجدۂ تحیت۔ سجدۂ عبادت خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے لیکن سجدہ تحیت حضرت آدمؑ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے واقع ہوا ہے۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد قاضی صاحب نے مجلس میں وعظ فرمایا اور سجدہ تعظیمی و سماع کی مخالفت میں بہت سی سندیں پیش

کیں۔ رات کو دیوان خانہ میں مجلس سماع منعقد ہوئی۔ قاضی صاحب کے دل پر ایک قوال کے شعر نے بڑا اثر کیا۔ وہ اسی حالت میں ایستادہ ہو گئے اور انہیں دل میں ایک خاص ذوق محسوس ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگ کہنے لگے کہ دیکھیے قاضی صاحب وعظ کیا فرماتے ہیں اور کرتے کیا ہیں۔ دوسرے دن صبح کو میں خدمتِ عالی میں موجود تھا کہ قاضی صاحب تشریف لائے اور آستانہ مبارک پر ٹھہر کر یہ شعر پڑھنے لگے ؎

بزندانِ دوزخ نماند اسیر
کسے را کہ باشد چنیں دستگیر

حضرت محبوب سبحانی نے فرمایا اندر آئیے۔ جب وہ اندر آئے تو پوچھا کیا بیعت کرنی چاہتے ہیں۔ بولے جی ہاں! حضرت نے فرمایا سیدھا ہاتھ لائیے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ میرا ہاتھ ایک کافر نے پکڑ رکھا ہے۔ اس قابل نہیں ہے کہ پیش کروں (مطلب یہ تھا کہ میں مقروض ہوں) حضرت نے فرمایا خدا پر توکل کیجیے اور بیعت کر کے وظائف پڑھیے ان شاء اللہ آپ کا ہاتھ کافر کے پنجہ سے چھوٹ جائیگا قاضی صاحب نے بیعت کی۔ حضور نے وظائف تعلیم فرمائے۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے موضع کوہالہ میں بحیثیت امام مسجد کے اقامت اختیار کی۔ جس بنیے نے ان پر چھ سو روپے اور سود کی مزید رقم لگا کر دعویٰ کیا تھا اس کا دعویٰ زائد المیعاد ہونے کی وجہ سے ناکام رہا۔ ایک روز وہ قاضی صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ خدا کے لیے کچھ مجھے دو۔ قاضی صاحب نے کہا کہ اگر مجھے خدا کی راہ میں کچھ دینا ہوگا تو اس کے بہت سے مواقع ہیں۔ الغرض بقال مذکور ناامید ہو کر چلا گیا۔

قرضہ اُتر گیا :

سید غلام شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ابتدائے زمانہ میں ایک دفعہ میں موضع نارگ سے حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں آتا تھا۔ میاں ابراہیم صاحب جو موضع ہراج کے رہنے والے تھے اور خاندان علما میں سے تھے میرے ہمراہ آ رہے تھے۔ وہ حضرت محبوبِ سُبحانی کے لیے ایک جفت پاپوش لا رہے تھے۔ فضل نام نمبردار موضع سے اثناءِ راہ میں ان سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ یہ نعلین کس کے لیے لیے جاتے ہو۔ ابراہیم نے اصل واقعہ بیان کیا چوں کہ بے چارہ غریب تھا اس لیے فضل نے اسے چند کلمات طعنہ آمیز کہے اس کے بعد جب وہ بارگاہِ عالی میں پہنچ کر قدمبوس ہوا اور نعلین پیش کیں تو فضل کی گفتگو بھی جس سے اُسے رنج پہنچا نقل کی۔ حضرت نے فرمایا کہ مساکین پر اہل دنیا ہمیشہ طعن و طنز کرتے ہیں۔ پھر ابراہیم نے عرض کیا کہ غریب نواز مجھ پر قرض بہت ہے۔ حضرت نے دعائے خیر کی اور فرمایا کہ خدا اپنے فضل سے تمہارا بوجھ اتار دے گا اور تمہارا قرض معاف کر دے گا لیکن تم کسی کو تحریری سند نہ دینا۔

چنانچہ بقالوں نے اپنا اپنا قرض ابراہیم سے طلب کیا لیکن اس نے انکار کیا لوگوں نے سمجھایا کہ اگر تم قرض کا روپیہ نہ دو گے تو یہ لوگ نالش کر کے وصول کریں گے اور تم کو قرضہ کا زیر بار بننا پڑے گا لیکن ابراہیم نے کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کی۔ تمام قرض خواہ بقال جمع ہوئے اور لوگوں کو ساتھ لے کر ابراہیم کے پاس آئے۔ ان لوگوں کے ساتھ فضل نمبردار بھی تھا سب نے مل کر ابراہیم سے ادائیگی قرضہ کے لیے کہا اور یہ خواہش کی کہ اگر روپیہ نہیں دیتا ہے تو آئندہ کے لیے تمسک لکھ دے لیکن اس نے ایک کی نہ سنی اور کہا کہ میرے پیر کا حکم ہے کہ میں اپنی طرف سے کوئی تحریر نہ دوں۔ فضل نمبردار

ہندی حساب کتاب سے واقف تھا اُس نے بہی کھاتہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام رقوم زائد المیعاد ہو گئی ہیں۔ چنانچہ عاجز آ کر سب قرض خواہوں نے رقم قرضہ کو بٹہ کھاتہ میں ڈال دیا اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ فضل نمبردار نے جب حضرت محبوب سُبحانی کی یہ کرامت دیکھی تو دل و جان سے معتقد ہو گیا ؎

چو ردِ نے نمائی بہ بیگانۂ — خلیلے در آید ز بت خانۂ
بیک جلوۂ بشکنی کوہ را — شکست آوری خیل انبوہ را

نذر کی گائے:

سیّد غلام شاہ صاحب کہتے ہیں کہ بہادر علی باشندہ موضع کاک ضلع راولپنڈی نے جو میرا قدیم مرید ہے ایک دفعہ ایک بقال سے چھپن روپے قرض لے کر ایک گائے خریدی اور وہ گائے مجھے نذر دی۔ میں چند آدمیوں کے ہمراہ اس گائے کو لے کر حضرت محبوب سُبحانی کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے جلال پور شریف روانہ ہوا۔ اُس زمانہ میں بارش کی وجہ سے دریاؤں میں طغیانی تھی اور جا بجا سیلاب آئے تھے میں جب موضع پھندالی سے آگے کوہ ٹلا کے قریب پہنچا تو دلدل ملی جس کا سلسلہ دُور تک پھیلا ہوا تھا چنانچہ گائے کے چاروں بازو دلدل میں گھس گئے۔ صرف سر اور پیٹھ اوپر رہ گئی میں نے عالمِ حیرانی میں حضرت محبوب سُبحانی کی طرف توجہ کی۔ اس اثنائے میں میں نے دیکھا کہ گائے نے ایک ایک بازو نکالا اور اس زور سے جست کی کہ کئی گز آگے جا کر گری۔ حتیٰ کہ دلدل کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اگر حضرت محبوب سبحانی کی امداد اور کرامت شاملِ حال نہ ہوتی تو خدا جانے کن مشکلات کا سامنا ہوتا اور مجھے تمام رات وہیں بسر کرنی پڑتی۔ اس کے بعد میں بارگاہ معلّے میں حاضر ہو کر آداب

قدم بوسی بجالایا اور گائے نذر کی۔

چند روز کے بعد اس بقال نے جس سے روپیہ قرض لیا تھا بہادر علی پر دعویٰ کیا میں نے تمام حالات حضرت کی خدمت میں لکھ بھیجے اور دعائے خیر کی استدعا کی۔ عدالت میں بقال کا دعویٰ خارج ہو گیا۔ صرف چھ روپے بہادر علی کو دینے پڑے جن کا اس نے عدالت میں اقبال کر لیا تھا۔

مقروض کی دستگیری:

سید غلام شاہ صاحب سے منقول ہے کہ بہادر علی نے اپنی شادی کے لیے پانچ سو روپے ایک بقال سے قرض لیے اور دستاویز لکھ دیا جب میعاد گزرنے لگی تو بقال نے اس سے روپے کا مطالبہ کیا۔ بہادر علی نے بقال کو دھمکایا اور کہا کہ اگر مجھ سے کچھ طلب کیا تو تمہاری زندگی کی خیر نہیں۔ بقال اس دھمکی سے ڈر گیا اور اس نے دستاویز کو صرف پانچ سو روپیہ لے کر اور پانچ سو زرِ سود چھوڑ کر ایک دوسرے ساہوکار کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ ساہوکار دولت مند اور صاحبِ اثر تھا۔ اس نے کہا کہ میں یہ کل رقم وصول کروں گا ورنہ تمام عمر قید میں رکھوں گا۔ سید غلام شاہ صاحب نے ان واقعات سے حضرت محبوب سبحانی کو مطلع کیا۔ حضور نے فرمایا کہ خدا اپنا فضل کرے گا۔ چناں چہ ساہوکار عدالت سے ہار گیا اور اپیل میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔

ہبہ زمین قائم رہا:

سید غلام شاہ صاحب کا بیان ہے کہ موضع لودھ میں بھولی نام ایک عورت رہتی تھی۔ اس کے اولادِ نرینہ نہ تھی صرف لڑکیاں تھیں چناں چہ اس نے اپنی اراضی لڑکیوں کے نام ہبہ کر دی۔ مالکوں نے زمین کی بازیافت کا دعویٰ کیا۔ بھولی حضرت محبوب سبحانی

کی مریدنی تھی۔ وہ حضور میں حاضر ہوئی اور اپنا حال عرض کر کے کہا کہ میں ایک سو روپیہ لنگر شریف کے لیے پیش کروں گی اگر میری ہبہ قائم رہے گی۔ حضرت محبوب سبحانی نے دُعائے خیر کی اور فرمایا کہ خدا اپنا فضل کرے گا۔ مدعیوں کو ایک بزرگ کی امداد پر اعتماد تھا کیوں کہ انہوں نے بزرگ مذکور کو اسی روپے بطور نذرانہ دیے تھے۔ الغرض مقدمہ عدالت میں پیش ہوا لیکن بجز حسرت و افسوس کے کچھ ہاتھ نہ آیا اور مسماۃ بھولی کی ہبہ قائم رہی۔

لنگر شریف کی شہرہ آفاق حویلی:

جلال پور شریف میں ایک حویلی درمنزلہ حکومت کی ملکیت تھی۔ اس کا نام پرانا تھانہ تھا۔ حکام نے اس عمارت کو نیلام کیا اور ملک زمان مہدی خاں دارا پوری و چودھری محمد بخش ساہو والی و کماں خاں شیر پوری نے اسے پندرہ سو روپے میں خرید کیا۔ اور حضرت محبوب سبحانی کے لنگر شریف کو نذر کر دیا۔ یہ تینوں صاحب اس بارگاہ کے مرید تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ان (ملک زمان مہدی) کے ایک چھوٹے بھائی نے بڑ قسمتی کی نامساعدت سے بے اعتقاد ہو گئے اور اپنے قرابت داروں کو جو کماں خاں کے بیٹے تھے آمادہ کیا کہ حویلی مذکور سے اپنا حصہ واپس لے لیں۔ حالاں کہ خود کماں خاں نے حضور میں نذر کیا تھا۔ زمان مہدی خاں نے اپنے بھائی کے طرزِ عمل کو دیکھ کر ان کا حصہ اپنے نام بیع کرالیا اور پھر اپنی طرف سے صاحبزادگان والا کے نام بیع نامہ لکھ دیا۔ زمان مہدی خاں کی وفات کے بعد ان کے بھائی نے پھر سر اُٹھایا اور حضرت محبوب سُبحانی سے مخالفت آغاز کی اور مقدمہ عدالت میں دائر کر دیا۔ حضور عالی کے درویشوں نے ہر چند حیلہ جوئی کی لیکن حضور نے راستی و صداقت سے سرِ مو تفاوت نہیں کیا۔ مسمی مذکور نے عدالت میں

سخت کوشش کی کہ حضرت کو عدالت میں طلب کیا جائے لیکن کس کی مجال تھی کہ قطبِ ہفت اقلیم کو اس کے مستقر سے جنبش میں لائے۔

خود حضرت نے ایک دفعہ اپنے ملفوظات میں ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ شمس العارفین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مجلس میں وجد کی وجہ سے شانۂ مبارک جنبش میں آتا تھا لیکن میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ قطب خداوند تعالیٰ کو اتنی جنبش بھی ہو سکے دارا تو دنیا کا بادشاہ تھا لیکن جب وہ مقتول ہوا اور سکندر نے اس کا سر اٹھا کر زانو پر رکھا تو اس نے عالمِ جوش میں کہا ؎

مجنباں مرا تا نہ جنبد زمین
ہمیں گو میت باز گویم ہمیں

ایسی حالت میں اُس بادشاہ روحانی کو جس کی فرماں روائی میں آسمان و زمین کے چودہ طبق ہوں کوئی کیوں کر حرکت میں لا سکتا ہے۔ مذکور نے عدالت پر بہت زور دیا کہ اگر وہ یہاں آ کر شہادت دیں گے تو میں صرف انہیں کے بیان پر رضامند ہو جاؤں گا۔

چودھری غلام حسین کہتے ہیں کہ مولوی انعام علی حاکم تھے اور انہیں مدعی اور اُس کے وکلا نے حضرت کے احضار پر مجبور و پریشان کر رکھا تھا۔ حضرت کی طرف سے کوئی وکیل بھی نہیں تھا۔ میں کرۂ عدالت میں حاضر ہوا اور میں نے عدالت سے کہا کہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وکیل مخالف یہ سُن کر بہت آشفتہ ہوا کہ تم کو گفتگو کا حق نہیں لیکن حاکم نے ازراہِ مہربانی مجھے اجازت دی۔ میں نے کہا کہ حضرت مرشدنا و مولانا محبوب سُبحانی تمام عمر اپنے مکان سے باہر نہیں نکلے اور ہمیشہ سے گوشہ نشین ہیں۔ حضور سال بھر میں اپنے شیخ محترم کے ہاں جاتے ہیں اور اسی راہ سے واپس آتے ہیں۔ مقررہ مقامات

کے سوا کہیں شب بسری نہیں فرماتے۔ یہ سن کر حاکم پر دہشت غالب ہوئی اور اس نے وکیل مخالف سے کہا کہ ایسی حالت میں میں انہیں کیوں کر طلب کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر مدعی نے خواہش کی کہ آپ وہاں چل کر ان کی شہادت قلمبند کریں لیکن حاکم نے کہا میں حاکم کی حیثیت سے وہاں نہیں جاؤں گا۔ اب مدعی نے کہا کہ اچھا پنڈ دادن خاں کے حاکم کو جو انگریز ہے، کمیشن مقرر کیا جائے لیکن چودھری صاحب نے کہا کہ حاکم مذکور انگریز ہونے کی بنا پر سرائے میں قیام کرے گا اور حضرت کو سرائے میں طلب کرے گا پس مدعی کا منشا یہ ہے کہ کسی طرح ان کو ان کی جگہ سے ہٹائے۔ چنانچہ مولوی انعام علی حاکم نے مدعی کی یہ بات بھی نہیں مانی کیوں کہ ان پر سخت دہشت غالب تھی۔

اب مدعی مایوس ہو کر انگریز حاکم کے پاس گیا اور کہا کہ میں تمام صرفہ برداشت کروں گا آپ ان کو طلب کریں لیکن انگریز حاکم نے جواب دیا کہ میں ان کو جب کہ وہ سجادہ نشین ہیں کیوں کر طلب کر سکتا ہوں۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ شاہزادہ والا گوہر کو کمیشن مقرر کر کے بھیجا جائے اور وہ حضرت کا بیان قلمبند کریں۔ چنانچہ شاہزادہ موصوف جہلم سے روانہ ہو کر جلال پور شریف پہنچے۔ ان کے ہمراہ ان کے دو صاحبزادے وکلا اور چند دیگر اشخاص بھی تھے۔ شاہزادہ صاحب نے جلال پور شریف پہنچ کر کہا کہ اب میں حضرت محبوب سبحانی کا معتقد و منقاد ہو جاؤں گا یا میرا اعتقاد ان کی نسبت فسخ ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مخالفین نے حضرت ممدوح کے متعلق جا و بے جا باتیں ان سے کہی تھیں۔ شہزادہ صاحب کشتی سے اتر کر پا پیادہ روانہ ہوئے۔ چودھری صاحب نے صاحبزادہ صاحب کو آمد کی اطلاع دے کر سواری بھجوائی لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ مدعی نے کھانے پینے کا سامان سرائے میں کیا تھا لیکن شاہزادہ صاحب نے

اس کی طرف التفات نہیں کیا اور حضرت محبوب سبحانی کے دولت خانہ کی راہ پوچھی چوں کہ بارگاہِ عالی بلندی پر واقع ہے اس لیے شاہزادہ صاحب پسینہ میں تر ہو گئے

المختصر وہ آستانہ مبارک پر حاضر ہوئے میں نے حضور میں اطلاع کی۔ اس وقت حضرت شدید بخار میں مبتلا تھے اور پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ شہزادہ صاحب دوزانو ہو کر بوریہ پر بیٹھ گئے۔ مذکور تو راستہ ہی سے چل دیا تھا لیکن اصل مدعی مع وکلا کے موجود تھا۔ وکیل نے مرعوب ہو کر کہا کہ حضرت میری بے ادبی معاف کریں۔ یہ میری بدنصیبی ہے کہ آپ کا مخالف وکیل بن کر آیا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے سوالات کیے حضرت نے بالکل صحیح جواب دیے۔ شہزادہ صاحب نے بیان قلم بند کر لیا اور جب واپس ہونے لگے تو حضرت نے پوچھا کہاں جاؤ گے۔ شاہزادہ صاحب نے کہا کہ سرائے میں قیام کروں گا لیکن چودھری صاحب نے انہیں حضرت کے مہمان خانہ میں ٹھہرایا جو تمام ضروریات سے آراستہ تھا۔ شہزادہ صاحب نے چودھری صاحب سے کہا کہ میرے واسطے حضرت سے دعا کی استدعا کرو۔ شہزادہ صاحب نہایت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ آستانہ عالی میں حاضر رہے اور اس واقعہ کے بعد دوبارہ واپس آ کر دعائے خیر کے لیے استدعا کی اور عرض کی کہ باوجود استحقاق اس وقت تک میری تنخواہ نہیں بڑھی۔ حضرت نے دعا کی۔ چناں چہ چند روز کے بعد شہزادہ موصوف کی ترقی ہو گئی اور سال گذشتہ سے حساب نکال کر تنخواہ کی فاضل رقم بھی دی گئی۔

پھر شاہزادہ صاحب کی جگہ ایک مسیحی حاکم مامور ہوا اور اس کے خیالات حضرت کے متعلق اچھے نہیں تھے چنانچہ درویشوں نے ارادہ کیا کہ مقدمہ اس کی عدالت سے منتقل کرا لیں۔ حضرت نے دعائے خیر کی اور وہ حاکم بدل گیا۔ اس کے بعد ایک افغانی

حاکم آیا جو نہایت نیک نیت اور خوش اعتقاد تھا۔ اس نے حضور کے درویشوں کی بہت خیر خواہی کی اور مقدمہ کا فیصلہ ان کی حسبِ مرضی کیا۔ اب مدعیوں نے ججی میں اپیل کی لیکن وہاں بھی ناکام رہی۔ اس وقت محمد اسلم صاحب جج تھے۔ انہوں نے حضرت محبوب سبحانی کے متعلق خوش اعتقادی کا اظہار کیا اور حضرت نے ان کے حق میں دعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرح کے فسق و فجور اور مے خواری سے انہوں نے توبہ کر لی اور حضرت کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

لیکن شراب چھوڑ دینے کی وجہ سے بیمار ہو گئے اور رفتہ رفتہ اس قدر ضعف پیدا ہو گیا کہ اسی شکایت کے باعث انہوں نے انتقال کیا۔ حضرتؒ نے ان کے لیے خاص طور سے دعا کی۔

مذکور نے ہر طرف سے مایوس ہو کر چیف کورٹ لاہور میں اپیل دائر کیا۔ دونو جانب سے وکلا تقریر کر رہے تھے۔ درویشوں کی جانب سے ایک انگریز وکیل تھا۔ لیکن اس کی تمام تقریر جج کی نگاہ میں نامقبول ٹھیری اور وہ مدعیوں کے وکیل کی حسبِ رائے فیصلہ لکھنے لگا یہی نہیں بلکہ اس نے درویشوں کے وکیل پر غصہ بھی کیا۔ درویشوں کے وکیل کے ہاتھ میں قانون کی ایک بھاری کتاب تھی۔ اثناءِ تقریر میں وہ حاکم کے ہاتھ پر گر پڑی جس سے اُسے چوٹ آئی اور اس کی جھنجھلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر کے لیے عدالت لنچ کے لیے برخاست ہوئی۔ وکلا باہر آئے اور درویشوں کے وکیل نے مھلا خاں سے جو اس مقدمہ کے مختار تھے کہا کہ میں نے تمہاری حقیقت کا پورا ثبوت پیش کیا اور ہر طرح کوشش کی لیکن حاکم خلاف معلوم ہوتا ہے اور میرے خیال میں فیصلہ تمہارے موافق نہ ہوگا تم لوگ کہتے ہو کہ ہمارے پیر صاحبِ کرامت

ہیں۔ ان سے کہو کہ اپنی کرامت دکھائیں۔ مہلا خاں گھبرا کر سر رشتہ دار کے پاس گئے اور اس سے فیصلہ پڑھوا کر سُنا۔ تمام فیصلہ مدعیوں کے حق میں تھا۔ صرف آخر کی دو تین سطریں یعنی حکم اور تاریخ کی جگہ باقی تھی۔ مہلا خاں نے فوراً جلال پور شریف کو تار دیا صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس خبر سے میں بہت غمگین اور ملول ہوا اور حضور میں حاضر ہو کر سب واقعہ عرض کیا حضرت محبوب سبحانی نے جواب میں ارشاد فرمایا اب وہ کیا کر سکتا ہے اس جملہ کے دو مفہوم تھے ایک یہ کہ وہ جو کچھ لکھ چکا ہے۔ اب منسوخ نہیں کر سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ یہ کیوں کر کر سکتا ہے کہ حکم قضا کو منسوخ کر دے صاحبزادہ صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ اب وہ یہ کر سکتا ہے لکھے ہوئے کو چاک کر ڈالے اور ہمارے حق میں دوسرا فیصلہ لکھ دے۔ حضرت نے یہ سن کر دعائے خیر کی۔ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنی جگہ چلا آیا لیکن تمام شب بے چین اور بے تاب رہا۔ آخر شب میں میری آنکھ لگ گئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ حاکم نے اپنا لکھا ہوا فیصلہ چاک کر دیا اور دوسرا فیصلہ لکھا جس میں مکانات کو حسب قبضہ دیرینہ مدعا علیہم کے حق میں باقی رکھا دوسرے دن بہادر خاں لاہور سے واپس آئے اور انہوں نے مقدمہ کے فیصلہ کا حال بیان کیا جو بالکل اس خواب کے مطابق تھا صاحبزادہ صاحب نے بہت چاہا کہ خرچہ بھی وصول کریں لیکن حضرتؒ نے منع فرمایا کہ نہ ہم نے مقدمہ کیا اور نہ ہم کو اس کا خرچہ چاہیے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے بارہا حضور میں عرض کیا کہ یہ حاسد عرصہ سے ہمارے درپئے آزار ہیں لیکن انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا جو ان کے لیے باعثِ عبرت ہو اور نہ آپ اُن کے حق میں بد دعا کرتے ہیں۔ حضرت محبوب سُبحانی

نے فرمایا کہ ہر پیغمبرؑ نے اپنے لیے خدا سے ہلاکتِ کفار کی دعا کی لیکن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرتبہ اس لیے ہر پیغمبر سے بالاتر ہے کہ حضرت نے اپنے لیے کبھی ایسا نہیں کیا۔ خدا کی یہی مہربانی کیا کم ہے کہ وہ ہم کو ان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور یہ لوگ جو آسمان پر پتھر پھینکتے ہیں وہ انہیں کے سر پر گرتے ہیں۔

نہر کھُد کر بند ہو گئی:

حضرت خواجہ سید محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس وقت انگریزوں نے نہر کھودنے کا حکم جاری کیا اور محکمہ نہر کے اہل کاروں نے اس دریا سے جو جلال پور شریف کے نیچے بہتا ہے کھدائی کا کام شروع کر کے نہر کو پنڈ دادن خاں تک پہنچایا جس کا فاصلہ پندرہ کوس ہے۔ اتفاقاً ایک دن حضرت محبوبِ سبحانی کی نظر ان لوگوں پر پڑی جو نہر کے کام میں مشغول تھے فرمایا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ عرض کیا گیا۔ نہر کھود رہے ہیں اور یہ بھی عرض کیا گیا کہ لنگر شریف کی زمین بھی نہر کے رقبہ میں آجائیگی یہ سُن کر حضرت کی زبان پر آیا کہ اے خداوند کریم ہماری التجا سُن لے اور نہر کا اجرا بند ہو جائے تو بہتر ہے کیوں کہ اس محکمہ کے حکام لوگوں کو ستائیں گے اور لوگ ان کے ستانے کی تاب نہ لا سکیں گے۔ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب یہ الفاظ حاکمِ نہر نے سُنے اور یہ معلوم کیا کہ حضرت محبوبِ سُبحانی اس نہر کے جاری ہونے سے ناراض ہیں تو ہنس کر کہا کہ اب تو نہر کا کام جابجا جاری ہو چکا اور عنقریب اختتام کو پہنچ جاوے گا۔ حضرت ممدوح اگر ناراض ہیں تو ان کی ناراضی سے کیا ہو سکتا ہے۔

ایک دن اونٹوں کی ایک قطار دیکھ کر جو پہاڑ سے نہر کے پل کے لیے پتھر لا

رہے تھے۔ حضرت نے پوچھا کہ یہ قطار کہاں جا رہی ہے، واقعہ عرض کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اگر نیلام ہو جاویں اور ہم خرید لیں تو لنگر کے مکانات کے کام آ سکتے ہیں کیوں کہ سنا گیا ہے کہ پتھر نہایت عمدہ قسم کے ہیں۔ حضرت صاحب زادہ صاحب نے عرض کی ہاں غریب نواز اگر ایسا ہو جائے تو واقعی پتھر نہایت اعلیٰ قسم کے ہیں مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ یہ سن کر خاموش رہے لیکن حضرت کے دل میں یہ پختہ خیال تھا کہ یہ نہر تیار نہ ہو گی۔ چناں چہ علاقہ جالپ کے رؤسا جو حضرت کے مرید نہ تھے اس بات کا مذاق اڑاتے تھے۔

صاحب زادہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم بیٹھے ہوئے تھے ایک قاصد نے آکر کہا کہ اپنی فصل ربیع کاٹ لو کیوں کہ یہاں نہر کی کھدائی کا کام شروع ہو گا میں نے حضور کی خدمت میں یہ خبر عرض کی۔ حضرت محبوب سبحانی بیساختہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بنگلہ شریف سے نکل کر مغربی میدان میں تشریف لائے۔ جہاں سے نہر کا موقع نظر آتا تھا اور فرمایا حق تعالیٰ بے نیاز ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے بندہ کو تسلیم و رضا کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اگر وہ چاہے تو بندہ کی استدعا قبول کرے ورنہ بے نیاز ہے میں نے عرض کیا کہ اس قاصد کو کیا جواب دوں۔ حضرت محبوب سبحانی میدان میں ٹہل رہے تھے۔ اشارہ سے فرمایا کہ اُس قاصد سے کہو کہ دو روز کے لیے کام ملتوی کر دیں میں حضور کی زبان سے یہ کلام سُن کر بہت بیقرار ہوا اور میں نے کسی قدر آشفتگی کے ساتھ عرض کیا کہ لوگ پہلے ہی ہنس رہے ہیں۔ اب حضور نے ایک اور بات ایسی فرمائی کہ جس سے لوگ اور بھی ہنسیں گے۔ میری گذارش سُن کر حضرت کا رنگ مبارک متغیر ہو گیا لیکن مجھ سے پھر فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ دو روز توقف کریں تاکہ زمین سے

فصل کاٹ لی جاوے۔ میں بیقراری اور پریشانی کی حالت میں حضور سے رخصت ہو کر اپنی نشستگاہ میں چلا آیا تیسرے روز ایک شخص نے مجھے خبر دی کہ لاہور سے حاکم نہر کے پاس ایک شتر سوار آیا ہے اور بندش نہر کا پروانہ لایا ہے۔ میں نے فوراً تحقیق کی تو یہ خبر صحیح معلوم ہوئی حضرت محبوب سبحانی کے تصرف نے افسر اعلیٰ پر اثر کیا۔ اور اس نے بندش نہر کا حکم جاری کر کے لکھا کہ تمام مزدوران اور اہلکاروں کا حساب بیباق کر کے آیندہ کے واسطے کام بند کر دیا جائے چوں کہ حاکم نہر حضرت محبوب سبحانی کے ارشاد پر ہنستا تھا اس لیے اس حکم کے آنے سے وہ بہت رنجیدہ ہوا اور اس نے تمام مقامی زمینداروں اور نمبرداروں کو بلا کر ایک محضر مرتب کرایا جس میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ ہماری زمین شور ہے اس واسطے اس نہر کا جاری ہونا ہمارے لیے نہایت مفید ہے لیکن حاکم اعلیٰ نے اس درخواست کو نامنظور کیا۔ نہر کا پُل بنانے کے لیے جس قدر اینٹ اور پتھر جمع کیا گیا تھا اس کے نیلام کیے جانے کا حکم بھی صادر کیا۔ چناں چہ یہ سب سامان تقریباً دو ہزار روپے میں صاحب زادہ صاحب نے خرید لیا۔

لنگر شریف کی عمارت سے متصل ایک سفید جگہ ہنود کے ایک پیشوا کے قبضہ میں تھی اور وہ اس کی فروخت سے انکار کرتا تھا جب سامان تعمیر مل گیا تو حضرت کا تصرف دیکھیے کہ وہ نہایت خوشی کے ساتھ جگہ مذکور فروخت کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا چنانچہ اُس میں ایک کنواں کوہ کردہ پتھر کا تعمیر کیا گیا۔ اس کنوئیں سے آہنی نل کے ذریعہ سے حوض پختہ میں پانی جاتا ہے اور وہ حویلی میں ہر وقت لبالب رہتا ہے تاکہ وضو کرنے والے آرام اور آسانی کے ساتھ طہارت کر سکیں۔

ان تمام واقعات سے حضرت محبوب سبحانی کی عظمت و ہیبت ہر کس و ناکس پر اس قدر قائم ہو گئی کہ پھر کسی کی مجال نہ رہی کہ حضرت کے خلاف حکم کوئی کام کر سکے۔

صاحب زادہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت کی کرامت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ اگر چاہتے تو جوان سے انسان کا کام لے سکتے تھے۔ میاں اللہ بخش درویش کہتے ہیں کہ کوئی ایسی دُعا نہ تھی جو حضور کے وسیلہ سے جنابِ الٰہی میں قبول نہ ہوئی ہو۔

آپ کی دُعا سے قاتل کی بریّت:

سید غلام شاہ صاحب کہتے ہیں کہ موضع ٹہلا میں ایک لڑکا تھا جو ہمارے قدیم خادموں میں تھا۔ ابتدائے عمر میں وہ ہم سے بہت محبت رکھتا تھا۔ جب میں اس موضع میں جاتا تھا تو مسجد میں ٹھہرتا تھا اور وہ لڑکا اپنے گھر کا سب کام چھوڑ کر میری خدمت میں مشغول رہتا تھا۔ میں اسی زمانہ میں حضرت محبوب سبحانی کی بیعت سے مشرف ہوا تھا اور حضرت کی اجازت سے درود مستغاث کی زکوٰۃ ادا کرنے میں مصروف ہو گیا۔ ان دنوں میں اپنے گھر سے موضع ہلانت کو چلا گیا تھا۔ اب یہ لڑکا جوان ہو چکا تھا۔ اس اثنا میں اس کی بہن اور خالہ میرے مکان پر پہنچیں اور بیان کیا کہ اس لڑکے نے ایک عورت پر فریفتہ ہو کر اس کے شوہر کو قتل کر دیا ہے اور یہ فتنہ اس عورت کی صلاح سے برپا ہوا ہے بہر حال اب وہ گرفتار ہو گیا ہے اور اس نے جرم کا اقبال بھی کر لیا ہے۔ میں یہ خبر سن کر ان عورتوں کے ہمراہ موضع ٹہلا کو روانہ ہوا۔ لڑکے کی والدہ کو ایک عرضی لکھ کر حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں روانہ کیا۔ عرضی میں میں نے لکھا کہ یہ مقدمہ گویا مجبوری ہے اور اقبالِ جرم کا حال بھی لکھ دیا۔ جب یہ عریضہ خدمتِ عالی میں پہنچا تو تبسم فرمایا اور دعا خیر کی اور تسلی دے کر ارشاد کیا کہ گھبراؤ نہیں۔ خدا اپنا فضل کرے گا۔

ان دنوں میں قصبہ میرا میں درود شریف کی زکوٰۃ دینے میں مشغول تھا اور حاسد کہتے تھے کہ ایک خونی کے لیے چلہ میں بیٹھے ہیں۔ وہ لڑکا رسشن سپرد ہوگیا تھا۔ آخر کار مقدمہ کی پیشی کا زمانہ قریب آگیا اور میں نے لڑکے کی ماں کو حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں دوبارہ بھیجا۔ حضرت نے اس عورت کو تسلی دی اور دُعائے خیر فرمائی۔ الغرض مقدمہ عدالت میں پیش ہوا اور پولیس نے اس کے اقبال کے متعلق جو گواہ بہم پہنچائے تھے ان کی شہادت پولیس کے خلاف ہوئی اور ان کا بیان باہم اس قدر مختلف اور متناقض تھا کہ حاکم نے انگشت بدنداں ہو کر کہا کہ میں کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ مختصر یہ کہ ملزم بری کر دیا گیا اور اس کی ماں ابھی واپس نہیں آئی تھی کہ وہ گھر پہنچ گیا۔

پھانسی کا حکم منسوخ :

سید غلام شاہ صاحب سے منقول ہے کہ وہ اپنے وطن موضع نارنگ سے حضرت محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں جلال پور شریف روانہ ہوئے۔ جب موضع بھیٹی میں پہنچے تو مبارک خاں کی بیوہ لڑکی ان کے پاس آکر کہنے لگی کہ میرا ایک لڑکا ہے اور قتل کی علت میں اسے پھانسی کا حکم ہوا ہے۔ آپ دعا کریں کہ خدا اسے اس آفت سے محفوظ رکھے۔ میں نے کہا کہ تم میرے ہمراہ حضرت محبوب سُبحانی کی خدمت میں چلو چنانچہ وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر میرے ہمراہ روانہ ہوگئی۔ میں نے کہا کہ حضور کے سامنے پہنچ کر اس طرح عرض حال کرنا کہ اپنا دامن پھیلا کر کہنا کہ خدا نے ایک بچہ دیا تھا لیکن علت قتل میں اُسے پھر واپس لینا چاہا ہے۔ میں حضور کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ خدا سے میرا بچہ واپس مانگ دیں۔ چناں چہ اس عورت نے ایسا ہی کیا۔ حضرت محبوب سُبحانی نے دعائے خیر کی اور فرمایا کہ تم اپیل کرو۔ چنانچہ عورت

نے چیف کورٹ لاہور میں اپیل کی اور خدا کے فضل سے اس کا لڑکا بری ہو گیا۔

قتل کا واقعہ فراموش کر دیا گیا:

نبیر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ موضع پیڑہ فتحال متصل تحصیل تلہ گنگ میں ایک شخص ملک محمد اشرف خاں نام رہتا تھا۔ اس سے قتل و خونریزی کا جرم سرزد ہوا وہ خوف و دہشت سے اس قدر متاثر ہوا کہ ایک گھوڑی پر سوار ہو کر موقع واردات سے فرار ہو گیا اور حضرت محبوبِ سُبحانی کی بارگاہ میں پناہ گزین ہوا۔ اس نے صاحبزادہ سید قائم الدین شاہ صاحب مرحوم سے اپنا حال زار عرض کر کے انہیں حضرت سے سفارش کے لیے آمادہ کیا۔ حضرت نے اُس کے لیے دُعائے خیر کی اور فرمایا کہ اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ اس نے کہا کہ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مجھے پولیس یہاں سے گرفتار کر کے لے جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ بہتر تو یہی تھا کہ تم وہاں خود ہی چلے جاتے لیکن اس شخص کی ہمت نہیں پڑی اور وہ صاحبزادہ ممدوح کی خدمت میں حاضر رہا۔ اسی اثنا میں صاحبزادہ صاحب کی شادی کا موقع آیا اور وہ بھی برات کے ہمراہ گیا۔ چھ ماہ کے بعد قتل کی مسل داخل دفتر ہو گئی اور خدا کے فضل سے اُس سے کسی نے باز پرس نہیں کی۔

مواخذہ عقبیٰ سے بری ہو جاؤں:

سید غلام شاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں جب حضرت محبوبِ سُبحانی کی بیعت سے مشرف ہوا تو کچھ عرصہ تک درس کے بہانہ سے موضع پنڈ لوہوتی کا ہاں سکونت پذیر رہا۔ مدعا یہ تھا کہ اس طرح حضرت محبوبِ سُبحانی کی زیارت سے جلد جلد مشرف ہو سکوں گا اس اثنا میں موضع میرا کھینگرہ کا ایک باشندہ نادر نام جو میرا قدیم معتقد اور خادم تھا

میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لڑائی میں مجھ سے خون ہو گیا ہے اور میرا مُدعا یہ ہے کہ خدا اس دنیا میں جو چاہے مجھے سزا دے لیکن دوسری دنیا میں کوئی مواخذہ نہ ہو میں اسے ہمراہ لے کر حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے اُسے حضرت سے بیعت کرائی اور اس کا حال خدمتِ عالی میں عرض کیا لیکن چوں کہ اس کے دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ میں دنیا میں سزا برداشت کر لوں اور عقبیٰ کے مواخذہ سے بری رہوں اس لیے حضرت سے بھی اس نے یہی بات عرض کی۔ حضور نے اس کے لیے دُعائے خیر کی۔ واپسی کے وقت میں اس پر بہت خفا ہوا اور میں نے کہا کہ تم نے یہ کیا حماقت کی کیا خدائے پاک کو یہ قدرت نہ تھی کہ حضرت محبوب سُبحانی کی دُعا سے تمہارا گناہ بالکل معاف کر دیتا۔ بہرحال وہ ماخوذ ہو کر عدالت سے دو سال کے لیے سزایاب ہوا اور پھانسی سے بچ گیا۔

بے گناہ ماخوذ ہو کر آپ کی دُعا سے بری ہو گیا :

یہی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن موضع میرا کھینگر سے میں جلال پور شریف کو روانہ ہو رات کو موضع میاں احمد میں شب باش ہوا۔ شیر خاں باشندہ ٹھلا جو میرے پیر بھائی اور اس سفر میں ہمراہ تھے۔ اپنے گھر جا کر مقیم ہوئے کیوں کہ ان کا گھر موضع میاں احمد سے قریب تھا۔ دوسرے دن صبح کے وقت وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ میں تمہارے ہمراہ نہیں جا سکتا کیوں کہ مجھے ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ شیر خاں کے بھائی پیر خان ایک سید مہتاب شاہ نام اور ایک تیسرے شخص مسمی لاتو نے ایک عورت پر قابو پانے کے لیے اُس کے خاوند کو قتل کر دیا تھا۔ اس مکار عورت نے اپنی اپنی جگہ پر ہر شخص سے وعدہ کیا تھا کہ خاوند کے مرنے کے بعد میں تم سے نکاح کر لوں گی چناں چہ جب قتل کی واردات ہوئی تو اس عورت کے وارثوں نے

پہلوان شاہ میرے بھانجے اور سردار نامی نمبر دار موضع میرا اور ایک دوسرے شخص کا پولیس کی رپورٹ میں نام لکھوا دیا۔ میں جب حضور سے رخصت ہو کر راولپنڈی پہنچا تو ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ تمہارا بھتیجا اور چند دیگر اشخاص علت قتل میں اس جگہ مقید ہیں اس کے بعد جب میں موضع میرا میں اپنے مسکن پر پہنچا تو ایک عرضی حضور میں ارسال کی اس اثنا میں خفیہ تحقیقات سے صحیح حالات منکشف ہو گئے۔ پولیس نے لالو کو وعدہ معافی دے کر مزید تفصیلات معلوم کر لیں۔ پولیس نے رشوت لے کر پیر خاں برادر شیر خاں کو گواہ سرکار بنا لیا۔ مہتاب شاہ فرار ہو گیا۔ لالو کو عبور دریائے شور کی سزا ملی پہلوان شاہ اور سردار نمبر دار وغیرہ جو محض بے گناہ تھے، حضرت محبوب سبحانی کی دعا سے بری ہو گئے۔

کلاہ پوشوں کا مجمع:

موضع میرا کا نمبر دار زمان نام بعض دیگر باشندگان موضع کے ہاتھ سے مقتول ہوا حضرت کے ایک مرید نادر پر قتل کا الزام لگایا گیا چنانچہ پولیس نے اسے گرفتار کر لیا شہادت بھی کافی بہم پہنچ گئی اور نادر سشن سپرد ہو گیا۔ نادر کا بیان ہے کہ میں ہر وقت درود شریف پڑھتا تھا اور حضرت محبوب سبحانی کی طرف مشغول و متوجہ رہتا تھا جب میری پیشی کی تاریخ قریب آئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ تالاب کے کنارے کلاہ پوشوں کا مجمع ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم ان کلاہ پوشوں کے مجمع سے واقف ہو۔ میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ خدا جانے یہ کون سے فقیر ہیں۔ اس نے ایک صاحب کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ خواجہ قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں میں ان کے پیچھے ہو لیا لیکن وہ میرے پاس سے چلے گئے۔ جن صاحب نے مجھے خبر

دی وہ ان کے نام نشان سے بخوبی واقف تھے۔ شاید یہ حضرت محبوب سبحانی تھے
الغرض پیشی ہوئی۔ مدعی اور گواہوں کے بیانات باہم مختلف ہوئے۔ جج نے
اسیسروں سے پوچھا کہ میری رائے میں یہ شخص بے گناہ ہے آپ کی کیا رائے ہے۔
اسیسروں نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ ہماری رائے میں تینوں بے گناہ ہیں۔ چنانچہ عدالت سے
سب کے سب بری ہو گئے۔

قاسم ڈاکو کا قتل:

سید غلام شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ موضع میرا کے چند باشندوں نے قاسم
نام ایک ڈاکو کو جس سے لوگ بہت تنگ آ گئے تھے قتل کر دیا اور اس کی نعش ایک
تالاب میں پھینک دی۔ قاسم کے وارثوں نے قتل کے الزام میں چار آدمیوں کے
نام لیے جن میں ایک شخص کُھڑا نام بھی تھا جو میرا خادم و معتقد تھا اور وہی مجھے موضع
نارگ سے اس جگہ لایا تھا جب اس پر قتل کی تہمت لگی تو مجھے سخت رنج پہنچا میں نے
حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا۔ حضرت کی کرامت کا اثر یہ ہوا
کہ کُھڑا کا نام مخبرانِ قتل کو یاد نہیں رہا اور تین دیگر اشخاص کے نام انہوں نے بتائے
ایک چوکیدار تالاب پر مقرر کیا گیا۔ سب جگہ تلاش کرنے کے بعد افسر پولیس نے
تالاب میں جستجو کی لیکن ایک تسبیح اور ایک جوتی کے سوا کچھ نہیں ملا حالانکہ نعش تالاب
میں موجود تھی۔ تالاب کے کنارے مقتول کی پنڈلی کی ہڈی ملی جس کا گوشت کتوں نے
کھایا تھا افسر پولیس نے وہ ہڈی لاہور کے ماہر کیمیا کے پاس ارسال کی اور اس کے
حواس ایسے باختہ ہوئے کہ اس نے اُسے گدھے کی ہڈی تجویز کیا۔ پولیس
کے بعد ملزموں نے تالاب سے مقتول کی نعش نکال کر ایک خندق میں دفن کر دی۔

اور پولیس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ قاسم مقتول نہیں ہوا ہے۔ بلکہ فرار ہو گیا ہے۔
یہ سب کچھ حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور توجہ کی بدولت تھا کہ نہ صرف کٹھڑا نے نجات پائی بلکہ اُس کے ساتھ تین شخص اور بھی بندِ غم سے آزاد ہوئے جب پولیس نے قاسم کی مفروری کا حال رپورٹ میں درج کیا تو نادر نام نمبردار موضع بندہ کو خوف پیدا ہوا کیوں کہ اس نے قاسم کی ضمانت ایک ہزار روپے کی کی تھی۔ اور قاسم کے فرار ہو جانے کی حالت میں یہ روپیہ اُسے ادا کرنا پڑتا تھا۔ پس اس نے مدعیوں کے ساتھ مل کر فرار کا خیال مٹانے کی کوشش کی۔ چناں چہ اس نے بگا نام ایک ڈاکو کو چالیس روپے دے کر ایک مردہ کا سر قبر سے نکلوایا اور پانی میں ڈلوا دیا۔ اس کے بعد پولیس کو موقع پر لے جا کر اس نے وہ سر دکھایا۔ شناخت کے لیے اس نے گواہ بھی پختہ کر لیے تھے اور مقتول کی ماں بھی آمادہ تھی کہ اس سر کو اپنے بیٹے کا سر تسلیم کرے گی لیکن حضرت کی کرامت دیکھیے کہ بیان دیتے وقت اس عورت کی زبان سے سچی بات نکلی اور اُس نے حاکم کے روبرو کہا کہ یہ سر ہرگز میرے بیٹے کا سر نہیں ہے۔ اس طرف سے ناکام ہو کر یہ شخص میرے پاس آیا اور منت وزاری کے ساتھ کہا کہ آپ میرے لیے دُعا کیجیے کیوں کہ مجھے علاوہ بے حرمتی کے ہزار روپے دینے پڑیں گے اگر میں اس مصیبت سے نجات پا گیا تو ایک گائے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا میں نے کہا یہ کچھ نہیں اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ تو حضرت محبوب سُبحانی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرو۔ اس نے منظور کیا۔ خدا کے فضل سے زرِ ضمانت معاف ہو گیا اور حکام اس سے عزت کے ساتھ پیش آئے۔ نمبردار مذکور اپنے وعدہ کے مطابق حضرت محبوب سُبحانی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف

ہوا اور جیسا کہ اس نے کہا تھا گائے بھی پیش کی۔

قتل سے بچا دیا :

میاں عمر الدین باشندہ موضع کنیگر حضرت محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ کے مرید و معتقد تھے۔ اُن کے دشمنوں نے بدمعاشوں کو دو سو روپے دے کر ان کے قتل پر آمادہ کیا۔ جس روز رات کو ان کی قتل کی تیاری تھی۔ حضرت محبوب سبحانی نے انہیں خواب میں حکم دیا کہ ہماری طرف روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ شب کو بیدار ہو کر حضرت کی طرف روانہ ہوئے۔ جب بارگاہِ عالی میں پہنچے تو دردِ قولنج میں مبتلا ہو گئے ہر چند علاج کیا گیا لیکن فائدہ نہیں ہوا۔ مجبوراً فصد کھولی گئی۔ بکثرت خون نکلا اور باوجود کوشش دیر سے بند ہوا۔ حضرت سے یہ حال عرض کیا گیا حضور نے دعائے خیر کی اور فرمایا کہ مصلحت اسی میں ہے آخر کار وہ صحت یاب ہو گئے۔

میاں عمر الدین جب اپنے مکان کو واپس گئے تو معلوم ہوا کہ اسی دن لوگ انہیں قتل کرنے کے لیے آئے تھے اور جب لوگوں کو ان کے ارادہ سے آگاہی ہو گئی تو بھاگ گئے۔ لوگوں نے کہا کہ اگر تم یہاں موجود ہوتے تو یقیناً قتل کیے جاتے۔

میاں صاحب یہ واقعہ معلوم کر کے پھر حضور میں حاضر ہوئے اور سب حال بیان کیا۔ حضرت محبوب سبحانی نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا کہ دو شخص تھے ان میں سے ایک مرید و معتقد تھا وہ اپنے شیخ کی خدمت میں روانہ ہوا۔ دوسرا بے اعتقاد اور اہلِ فقر سے متنفر تھا۔ جو شخص شیخ کی خدمت میں روانہ ہوا۔ اُس کے پاؤں میں ایک کانٹا لگ گیا جس سے بکثرت خون خارج ہوا جو شخص بے اعتقاد تھا اُسے اشرفی مل گئی اور اس نے دوسرے کو طعنہ دیا۔ دوسرے نے رنجیدہ ہو کر شیخ سے یہ حال

عرض کیا۔ شیخ نے کہا کہ اس کی تقدیر میں ایک بڑا خزانہ لکھا تھا لیکن فسادِ نیت کی وجہ سے اسے صرف ایک اشرفی دی گئی اور تیری قسمت میں قتل لکھا تھا لیکن اس وجہ سے کہ تو فقیر کی خدمت میں روانہ ہوا صرف ایک کانٹے پر کفایت کی گئی۔

فقیر کی بریّت :

فقیر نامی ایک باغبان نے موضع ٹہلا میں ایک بقال کو قتل کر دیا۔ جرم اُس پر ثابت ہو گیا اور جج نے حکم بھی دے دیا کہ جس کے مطابق وہ ساتویں دن سولی پر لٹکا دیا جاتا لیکن ابھی اپیل چیف کورٹ میں دائر تھی۔ اُس شخص کی بیوی اور ماں سید غلام شاہ صاحب کے پاس آئیں۔ شاہ صاحب نے ان کے لیے کھانا پکوایا لیکن غم واندوہ کی وجہ سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا اگر تم اپنے لڑکے کی رہائی چاہتی ہو تو کھانا کھاؤ۔ اس کے بعد میں انہیں حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں لے گیا۔ حضرت نے دُعا فرمائی اور جب یہ عورتیں اپنے گھر کو واپس آئیں تو فقیر کو انہوں نے گھر پایا جو رہا ہو کر چلا آیا تھا۔

آمدنی کا عشر :

مہری خاں باشندہ چوگیان علاقہ پنڈ دادن خاں بیان کرتے ہیں کہ مسمی لال برادر انار ساکن موضع بشارتاں نے دو ساتھیوں کے ہمراہ ایک آدمی کو مارا جس سے اس کی انتڑیاں نکل پڑیں اور وہ مر گیا۔ مقتول کے وارثوں نے ان تینوں آدمیوں پر قتل عمد کا الزام لگایا۔ لال حضرت محبوب سُبحانی کا مرید تھا۔ اس نے نیت کی کہ اپنی آمدنی کا دسواں حصہ حضرت کے لنگر شریف میں دیا کرے گا۔ حضرت نے اس کے لیے دُعائے خیر کی۔ لال کے گواہانِ صفائی پولیس کے خوف سے فرار ہو گئے۔ مجھے اور عبداللہ

نامی ایک اور شخص کو پولیس نے گواہ تجویز کیا۔ میں نے حضور میں عرض کیا کہ میں نے ان معاملات سے توبہ کر لی ہے۔ علاوہ بریں میری معلومات سماعی ہیں۔ میں نے موقع قتل کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ یہ سُن کر تھوڑی دیر تک حضرت محبوبِ سُبحانی خاموش رہے۔ پھر فرمایا "جاؤ جو اللہ کو منظور ہے ظہور میں آئے گا"۔ میں نے واپس آکر وارداتِ قتل کے متعلق مدعیوں سے معلومات حاصل کیں اور موقع قتل کا نقشہ ذہن نشین کر لیا۔

الغرض مقدمہ پیش ہوا۔ مدعی اپنے دل میں مجھے گالیاں دے رہے تھے۔ پہلے عبداللہ پیش ہوا۔ اُس نے کہا کہ مقتول نے ایک درخت سرکاری جنگل سے کاٹا مسمی لال خاں نے جو جنگل کا چوکیدار تھا اس کا تعاقب کیا۔ مقتول بھاگا اور چونکہ زمین ناہموار تھی۔ پتھروں سے ٹھوکر کھا کر پستی میں گر پڑا اور مر گیا۔ مدعی یہ بیان سُن کر نہایت خفا ہوا اور کہا کہ یہ گواہ سکھایا ہوا ہے لیکن حاکم نے اس پر دس روپے جرمانہ کیا اور کہا کہ اگر آئندہ دخل دو گے تو بیس روپے جرمانہ کیا جائے گا۔ حاکم نے عبداللہ کا بیان پسند کیا اس کے بعد مجھے بلا کر بیان لینے کی بجائے پوچھا کہ تمہاری کیا شہادت ہے بہر حال میں نے بھی عبداللہ کے بیان کے مطابق کہا اور یہ بھی کہا کہ موت حادثہ سے واقع ہوئی ہے ورنہ لال خاں کے پاس تلوار بھی حفاظتِ جنگل کے لیے موجود تھی اگر اسے قتل کرنا ہوتا تو تلوار سے قتل کر سکتا تھا جج کو میرا بیان نہایت پسند اور دلنشیں ہوا اس نے حکم دیا کہ یہی بات ہے اور میری رائے میں ملزم بے گناہ ہیں چنانچہ فوراً انہیں رہا کر دیا گیا۔

ایک فاتر العقل دوسرا انکاری:

مسمی صوبہ اور ایک دوسرا شخص موضع بشارزناں میں رہتے تھے۔ اور حضرت

محبوب سبحانی کے مرید تھے انہوں نے کسی واعظ سے شہادت کا مرتبہ سُن کر ارادہ کیا کہ کسی کافر کو قتل کر کے اُس کے قصاص میں شہادت کا ثواب حاصل کریں جوالا نام ایک ہندو کو لکڑی لانے کے بہانہ سے جنگل میں لے گئے وہاں اس سے کہا کہ ہمارے پیغمبر کا کلمہ پڑھو اس نے انکار کیا اور کہا کہ کلمہ کیا چیز ہے۔ باہم کچھ تکرار ہوئی اور آخر کار ان دونوں نے اس کی گردن پر کلہاڑی چلادی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس واردات کے بعد ان دونوں نے مشورہ کیا اور گاؤں میں آ کر کہا کہ ہم نے جوالا کافر کو قتل کیا ہے اور اب ہم شہادت کا مرتبہ حاصل کریں گے چنانچہ ان کو گرفتار کر کے جہلم روانہ کیا گیا انہوں نے ہر پیشی میں اقبالِ جرم کیا اور اصل واقعہ بیان کر دیا مسمی انار کی زبانی ان کا حال حضرت محبوب سبحانی تک پہنچا۔ حضور نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

راجہ جہاں داد خاں حاکم عدالت تھے اور یقین رکھتے تھے کہ حضرت کے مرید کسی خونریزی کے جرم میں کیوں نہ گرفتار ہوں لیکن آخر کار بری ہو جاتے ہیں۔ پس کیا فائدہ کہ میں ان کے پھنسانے کی کوشش کروں۔ راجہ صاحب نے کوشش کی کہ وہ انکار کر دیں اور انہیں بری کر دیا جائے لیکن انہوں نے نہ مانا اور اپنے اقبال پر قائم رہے آخر کار مقدمہ عدالت سشن میں پہنچا۔ ملزموں نے وہاں بھی اقبال کیا اور اپنا ارادہ شہادت کے متعلق ظاہر کیا لیکن انگریز جج نے خیال کیا کہ پولیس نے انہیں اقبالِ جرم پر مجبور کیا ہے اس نے دونوں کو دھمکایا لیکن ان میں سے ایک انکاری ہو گیا اور دوسرا بدستور اپنے اقبال پر قائم رہا۔ جج نے کہا کہ اس کے دماغ میں کچھ فتور معلوم ہوتا ہے اسے عدالت سے باہر لے جاؤ تاکہ اس کے حواس درست ہوں

لیکن اس نے واپس آکر بھی اقبال کیا۔ آخر کار جج نے ایک کو فاتر العقل اور دوسرے کو انکاری ہونے کی بنا پر بری کر دیا۔

راجہ کمان خاں شیر پوری کی ترقی درجات :

مصری خاں کہتے ہیں کہ راجہ کمان خاں شیر پوری نے لڑائی میں ایک سیّد کو قتل کر دیا تھا۔ کمان خاں سے میری دوستی تھی۔ ایک دن میں حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ تم نے دیکھا کمان خان نے کیا ظلم کیا ہے۔ میں نے تسلیم کیا کہ اس نے غلطی کی ہے آخر میں میں نے عرض کیا کہ ایک چور نے حضرت غوث الاعظم کے گھر میں چوری کی اور اُسے قطب ولایت مقرر کیا کمان خان نے اگر ظلم کیا ہے تو اسی حوصلہ پر کیا ہے۔ میری اس گذارش سے حضرت اور بھی رنجیدہ ہوئے۔ عالمِ بیقراری میں ٹہلتے تھے اور مجھ پر خفا ہوتے تھے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا تم سچ کہتے ہو، شاید معاملہ یونہی ہو۔ اب مزاجِ عالی میں نرمی اور مہربانی پیدا ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ اس شخص کو بھی اس چور کی طرح ترقی درجات حاصل ہونی چاہیے۔ الغرض گواہی اتنی کافی تھی کہ کمان خاں پر جرم قائم ہو گیا اور انہیں پابجز جہلم لے چلے۔ وہ حضرت کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ حضرت نے دعائے خیر کی اور فرمایا کہ جو کچھ واقع گذرا ہے۔ سچ سچ بیان کرنا چناں چہ کمان خان اسی راست گوئی کی بنا پر کافی شہادتوں کے باوجود بری ہو گئے۔

اس مقدمہ کے بعد ایک موقع پر کمان خاں ایک شخص کے مقدمہ میں پنچ مقرر مقرر ہوئے اور پنچوں کی رائے کے مخالف وہ فیصلہ لکھا جو حق پر مبنی تھا جب یہ فیصلہ عدالت لاہور میں پہنچا تو نہایت پسند کیا گیا اور سرکار سے دس بیگہ زمین بطورِ انعام

عطا ہوئی۔

ملزم بری :

سید غلام شاہ بیان کرتے ہیں کہ فضل اور کمان دو شخص الزام قتل میں سشن سپرد ہوئے۔ اُن کا سارا خاندان میرے پاس آیا میں نے ان لوگوں سے کہا کہ تم حضرت محبُوب سُبحانی کے پاس جاؤ۔ چناں چہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی اور آپ کی برکت سے ملزم بری ہو گئے۔

گناہوں سے توبہ اور اظہار صداقت کے باعث بری :

حضرت صاحب زادہ صاحب فرماتے ہیں کہ باشندگان موضع دتّو چوہڑ نے دریا کی لکڑی کنارۂ دریا سے چرائی۔ جب پولیس کو خبر ہوئی تو اُس نے ملزموں کو مع مال مسروقہ گرفتار کر لیا۔ ان لوگوں نے قید کے خوف سے پولیس کو رشوت دی۔ پولیس نے ملزموں کو زرِ رشوت کے ساتھ پیش کر دیا۔ ثبوت بالکل کافی تھا جب یہ لوگ ہر طرف سے مایوس ہوئے تو حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ حضرت کے مرید تھے۔ حضرت کا قاعدہ تھا کہ طالبانِ دُعا سے فرماتے تھے کہ گناہ سے توبہ کر دیا ارشاد ہوتا تھا کہ جو کچھ گذرا ہے سچ سچ کہو اور ان دونوں صورتوں میں نجات و مخلصی حاصل ہو جاتی تھی۔ پس حضرت نے ان لوگوں سے فرمایا کہ توبہ کر و اور جو کچھ واقعہ ہے اُسے عدالت میں سچ سچ بیان کرو لیکن یہ لوگ جب عدالت میں پہنچے تو جرم سے انکار کیا۔ البتہ ایک شخص مسمی امیر بخش نے جو حضرت کا نہایت معتقد تھا کہا کہ بے شک ہم نے لکڑیاں چرائیں اور رشوت بھی دی۔ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں غلط اور جھوٹ کہتے ہیں انگریز حاکم کو اس بیان پر رحم آیا

اور اس نے کہا کہ اے بڈھے ہم تیری سچائی اور سفید ڈاڑھی کی بدولت ان سب کو رہا کرتے ہیں۔

رونے سے رحم آگیا:

حضرت صاحبزادہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ منشی غلام محمد باشندہ وزیر آباد محکمہ جنگلات کے داروغہ تھے۔ حکام کو ان سے خصومت ہو گئی۔ چناں چہ رشوت ستانی وغیرہ کے الزام میں ان پر مقدمات قائم کیے گئے۔ منشی صاحب حضرت محبوب سبحانی کے مرید تھے۔ حضور میں حاضر ہو کر صاحبزادہ صاحب سے بیان کیا کہ میں ابتداءً اس محکمہ میں پانچ روپے ماہوار پر ملازم ہوا۔ چوں کہ خانہ داری کے مصارف زیادہ تھے۔ خدا کے فضل سے اس مرتبہ کو پہنچا۔ اب میری ترقی اور اضافۂ تنخواہ کا وقت آیا تھا تو حکام بر سرِ پرخاش ہیں اور نہ صرف میری ترقی میں سدِ راہ ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ میرا روزگار بھی جائے اور بے حرمتی بھی ہو۔ ایک انگریز حاکم خواہ مخواہ عناد رکھتا ہے کہ میں تمہیں قید کراؤں گا۔ الغرض منشی صاحب نے جملہ حالات صاحبزادہ سے عرض کیے اور خواہش کی کہ وہ ساتھ چل کر حضرت سے سفارش کر دیں۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا لیکن تمہیں ایک ذریعہ بتاتا ہوں اگر اس پر تم نے عمل کیا تو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ منشی صاحب نے کہا بتائیے میں کیا کروں۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ جب حضور مسجد میں تشریف لائیں تو تم رونا چلانا شروع کر دو۔ جب تمہارے رونے کی آواز سمعِ مبارک تک پہنچے گی تو امید ہے کہ ضرور شفقت فرمائیں گے۔ چناں چہ منشی صاحب نے ایسا ہی کیا۔ حضرت توجہ کے ساتھ پیش آئے۔ منشی صاحب نے عرض کیا کہ اگر میں نے اس مصیبت سے نجات پائی تو سال میں ایک ماہ کی تنخواہ

لنگر شریف میں بھیجوں گا۔ حضرت نے منشی صاحب کے لیے دعائے خیر فرمائی اور حضور کی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ جو حاکم منشی کو قید کرانا چاہتا تھا وہ یکایک تبدیل ہوگیا اور اس کی جگہ جو دوسرا حاکم آیا اسے اس سازش کا بخوبی علم ہوگیا جو منشی غلام محمد صاحب کے برخلاف کی گئی تھی چنانچہ اس نے تمام عملہ کو بدل دیا۔ چنانچہ اب کوئی شخص منشی غلام محمد کے برخلاف مقدمہ کی پیروی کرنے والا باقی نہیں رہا۔ حاکم نے منشی غلام محمد سے کہا کہ اگر میں تم کو بالکل بری کردوں تو اس سے میری دیانت پر حرف آئے گا اس لیے میں تم کو کچھ نہ کچھ سزا دینے پر مجبور ہوں۔ منشی صاحب نے کہا کہ میرا روزگار اور آبرو قائم رہے اور اس کے بعد آپ جو سزا تجویز کریں گے وہ مجھے بخوشی منظور ہوگی۔ حاکم نے ان پر ایک ماہ کی تنخواہ کے قدر جرمانہ کیا اور اس کے بعد ان کی تنخواہ اور عہدہ میں برابر ترقی ہوتی گئی چنانچہ آخر کار وہ جنگلات میں ایسے عہدہ پر ممتاز ہوئے جو انگریزوں کے لیے مخصوص ہے انہوں نے لنگر شریف کے لیے جو نذر مانی تھی اس پر دو تین سال تک قائم رہے اور پھر ترک کردی۔ حضرت محبوب سبحانی ایسی باتوں پر ہمیشہ افسوس کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ دنیا میں آدمی کو جتنا عروج حاصل ہوتا جاتا ہے اسی قدر معاملاتِ عقبیٰ سے بے پروا ہوتا ہے ؎

اہل دنیا چوں سگِ دیوانہ اند
دور شوزیشاں کہ بس بیگانہ اند

وجد کا اثر سپاہی سے حوالدار :

حضرت کا ایک مرید نورا خان نام پولیس میں ملازم تھا۔ ایک دفعہ یہ شخص جب مجلس سماع میں آیا تھا تو اس پر بے حد وجد طاری ہوا اور رقص کرتا رہا۔ جب عرس کے

بعد واپس جانے کے لیے حضور میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ کیا تم سپاہی سے حوالدار بنا دیے گئے ہو۔ اس نے عرض کی کہ غریب نواز بیشک حوالدار ہو گیا ہوں (حالاں کہ وہ ابھی سپاہی تھا) چنانچہ نوراخاں جب اپنی جگہ پر پہنچا تو اسے اپنے حوالدار ہو جانے کی اطلاع پہنچی۔

خواب میں دعا کرنے کا اثر:

مولوی عبدالرحیم صاحب کڑی والا استاد صاحبزادگان حضور فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میں میرے والد ماجد مولوی نور عالم صاحب صاحب زادہ سید محمد قائم الدینؒ شاہ صاحب مرحوم کی تعلیم پر مامور تھے۔ صاحب زادہ صاحب غالباً کنز اور شرح مُلا پڑھتے تھے اور میں والد صاحب سے صحیح بخاری، شمس بازغہ اور شرح چغمینی کا درس لیتا تھا۔ اسی اثنا میں ایک دفعہ مجھے مکان جانے کا اتفاق ہوا اور مکان آکر سخت بیمار ہو گیا۔ میرے چچا حافظ غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم خاندانِ نقشبند کے مرید تھے اور صاحبِ باطن تھے۔ میری عیادت کے لیے روز آتے تھے اور میری والدہ سے کہتے تھے کہ اس کے تندرست ہونے کی کوئی اُمید نہیں ہے لیکن ایک دن موصوف نے فرمایا کہ اب تم کچھ نہ گھبراؤ یہ لڑکا اچھا ہو جائے گا۔ میری والدہ نے پوچھا کہ روز تو آپ نا امیدی کی باتیں کرتے تھے آج کیا دیکھا کہ اس طرح امید دلاتے ہیں۔ چچا صاحب نے کہا کہ میں شاہ صاحب جلال پوریؒ کو ولی نہیں سمجھتا تھا بلکہ میرا خیال تھا کہ خواجہ صاحب سیالوی کی توجہ سے ان کے معاملات دنیاوی درست ہو گئے ہیں لیکن اب مجھے یقین ہو گیا کہ شاہ صاحب ولی کامل ہیں۔ چناں چہ رات کو میں نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت نے عبدالرحیم کے لیے دعا کی اور وہ بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہو گئی

کیوں کہ حضرت ممدوح کی دعا جناب باری میں مستجاب ہے۔ الغرض میں اسی ہفتہ میں حضرت کی دعا کی برکت سے تندرست ہو گیا۔

سیال شریف کے باشندوں کا ادب :

یہی مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ سیال شریف سے جب کوئی شخص آتا تھا، تو حضرت اُسے دیکھتے ہی سروقد کھڑے ہو جاتے تھے حالاں کہ ابھی اس کے یہ کہنے کی نوبت نہیں آتی تھی کہ وہ سیال شریف سے آیا ہے۔ ایک دن حضرت کے درویشوں نے باشندگانِ سیال شریف میں سے کسی کے ساتھ نامناسب برتاؤ کیا۔ اس مظلوم نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دادرسی چاہی۔ حضرت نے درویشوں کو طلب کر کے فرمایا ہم تو سیال شریف کے کتوں کا بھی لحاظ کرتے ہیں اور تم یہاں کے باشندوں سے جنگ و جدل کرتے ہو۔ سبحان اللہ کیا درویشی ہے۔

مولوی صاحب کا بیان ہے کہ سیال شریف سے کوئی جولاہا یا کوئی خاکروب بھی آگیا ہے تو حضرت تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

آفتاب اتنی دیر کیوں کر ٹھیرا :

مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ تعلیمِ صاحبزادگانِ عالی میں اکثر پیش امام رہا۔ میں اذان دے کر دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا تھا اور سنت قبل عصر نہیں پڑھتا تھا۔ جب حضرت تشریف لاتے تو فرماتے کہ سنتیں پڑھ لو اور اگر میں سنتیں پڑھ چکا ہوتا تو خود ہی نماز کے لیے اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے۔

ایک دفعہ حضور اپنے والدین گرامی کی خانقاہ پر حسبِ معمول تشریف لے گئے۔ یہ خانقاہ بارگاہِ عالی سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع ہے اور حضرت عموماً جمعہ

کے دن وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ میں بھی ہم رکاب تھا۔ حضرت کا معمول تھا کہ جو کام کرتے اس میں دوسروں کا مشورہ شامل کر لیتے۔ جب باغ والے کنوئیں کے پاس پہنچے تو فرمایا کہ نمازِ عصر پڑھ لیں کہ واپس آکر پڑھیں۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ غریب نواز وقت بہت ہے واپسی پر یہاں نماز باجماعت پڑھی جائے گی۔ مولوی صاحب پیش امام بھی ہمراہ ہیں۔ چنانچہ حضرت خانقاہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت کی عادت تھی کہ ہر قبر پر جا کر فاتحہ پڑھتے اور آدابِ زیارت بجالاتے۔ اس خانقاہ میں حضرت کے والدین اور جدِ امجد حضرت سخی شاہ مرحوم کے مزارات تھے اور دیگر اقربا کی قبریں بھی تھیں۔ چوں کہ ہر مزار پر علیحدہ علیحدہ حضرت نے فاتحہ پڑھا اس لیے کافی وقت صرف ہو گیا۔ ہم لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ اب عصر کی نماز قضا ہو جائے گی لیکن کوئی شخص حضرت کے رعب و جلال کے باعث لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ آخر کار میں نے عرض کیا غریب نواز وقت کم ہے فرمایا کہ وضو کے لیے پانی لائیں۔ احمد درویش گیا اور کنوئیں سے دو ٹوٹے ہوئے برتنوں میں پانی بھر کر لایا۔ میں نے عرض کیا غریب نواز پانی کم ہے اور دونوں برتن ٹوٹے ہوئے ہیں فرمایا میں کچھ ایسا پرہیز گار نہیں ہوں، میرے لیے کافی ہے۔ الغرض حضور وضو میں مشغول ہوئے۔ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ آفتاب غروب ہو جائے گا۔ حضرت نے وضو با ترتیب کیا میں نے عرض کیا حضور وقت بہت کم ہے۔ شاید صرف نماز فرض ادا ہو سکے۔ فرمایا مولوی جی دل نہیں چاہتا کہ سنت عصر قضا کروں چنانچہ حضرت نے تحیۃ الوضو کی رکعتیں بھی پڑھیں سنتیں بھی پڑھیں اور نماز عصر ادا کی۔ ہم لوگ جب نماز عصر پڑھ کر اور دعا مانگ کر فارغ ہوئے تو دیکھا کہ آفتاب ہنوز موجود ہے حالاں کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ شاید مشکل

سے ایک رکعت کا وقت مل سکے گا۔ میں حضرت کی اس کرامت سے حیران رہ گیا کہ آفتاب اتنی دیر کیونکر ٹھہرا۔ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ۔

آخری سفر سیال شریف :

مولوی عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ تحصیل دار تھانے دار اور اہل دنیا اگرچہ بکثرت دربار عالی میں حاضر ہوتے تھے لیکن حضرت کے رعب و جلال سے کسی کو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی ؎

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

چناں چہ ایک بار نعمت خاں تھانے دار اور ایک افغانی تحصیل دار نے لکھا کہ ہم کو حاضری کے وقت حضور سے کچھ عرض کرنے کی جرأت نہیں ہوتی لہذا اس نیاز نامہ کے ذریعہ سے عرض حال کرتے ہیں۔ ایک طرف یہ حال تھا اور دوسری طرف مسکین اور درماندہ اشخاص بے تکلف اپنا حال خدمت گرامی میں عرض کرتے تھے، حضرت کا قاعدہ تھا کہ غریبوں اور بیکسوں کی عرض داشت بڑی شفقت، مہربانی اور غور کے ساتھ سنتے تھے۔ مولوی صاحب موصوف کہتے ہیں کہ سیال شریف کے آخری سفر میں میں حضور کے ہمرکاب تھا۔ اس سفر میں میں نے جو کرامتیں دیکھیں وہ احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ چناں چہ ہم خوشاب سے چاشت کے وقت کشتی پر سوار ہوئے۔ میں حضرت غریب نواز کی کشتئ خاص میں تھا۔ صاحب زادہ صاحب سید محمد فضل شاہ صاحب اور نیز راجہ بہادر خاں ساکن موضع چک جانی کہ حضرت کے مرید خاص تھے۔ اسی کشتی میں سوار تھے چوں کہ چاشت کا وقت قریب تھا۔ حضور نے فرمایا کہ کشتی کو ان

درختوں کے پاس ٹھیر آئیں۔ ظاہر میں چاشت کا بہانہ تھا اور باطن میں ایک خاص غریب نوازی تھی کیونکہ بیماروں اور حاجت مندوں کا ایک گروہ اِن درختوں کے نیچے حضرت ممدوح کا انتظار کر رہا تھا۔ کسی کو اس واقع کی خبر نہ تھی اور نہ ان لوگوں نے پکار کر کہا تھا کہ ہم لوگ منتظر ہیں۔ جب حضرت غریب نواز کشتی سے اترے تو سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اور اپنا اپنا حال عرض کرنے لگے۔ حضور نے کسی کو لنگر کی روٹی اور حلوا دیا کیوں کہ حلوا اور روٹی لنگر میں موجود تھی اور اب تک کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ کسی کو نقد روپیہ دیا۔ کسی کو وظیفہ بتایا۔ کسی کے لیے دُعا کی اس کے بعد نمازِ چاشت ادا فرمائی اور پھر کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔

ہم لوگ جب سیال شریف پہنچے تو عشا کا وقت تھا۔ تاریکی کی وجہ سے راستہ بھول گئے لیکن حضرت جوشِ عقیدت میں پا پیادہ تشریف لیے جاتے تھے چوں کہ مقررہ راستہ نہیں تھا اس لیے زمین کے نشیب و فراز کا سامنا تھا۔ موسیٰ درویش حضور کے استقبال کے لیے لالٹین لیے ہوئے آرہا تھا۔ اتفاقًا وہ بھی راستہ بھول گیا اور اسی وجہ سے ہم لوگوں سے آملا۔ صاحب زادہ سیّد محمد فضل شاہ صاحب اپنی کم سنی کے باوجود سب کے ساتھ چل رہے تھے۔ دراصل یہ سب کچھ صاحبزادہ صاحب کی تعلیم کے لیے تھا۔

جس وقت حضور سیال شریف پہنچے اور روضہ مبارک کی خاک بوسی فرمائی۔ اس وقت ایسا شور برپا ہوا کہ گویا حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہو گئے ہیں حضرت صاحبزادہ صاحب کو ہمراہ لے گئے اور زیارت و آستان بوسی کے تمام آداب تعلیم فرمائے اس ہمراہی میں صاحبزادہ صاحب کو دولتِ باطن سے مالا مال فرمایا اور

پھر واپس لائے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب کہتے ہیں کہ روضۂ اطہر کی خاک بوسی کے وقت میں موجود تھا اور جو حال وکیف ملاحظہ میں آیا وہ بیان سے باہر ہے۔

مکاشفہ:

میاں محمد امام الدین درزی ساکن سنگھوئی شاگرد مولوی عبدالرحیم صاحب کہتے ہیں کہ ایک دن میں نمازِ عشا کے بعد حضور میں حاضر ہوا اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش حضرت محبوبِ سُبحانی مجھ سے فرمانتے کہ میں یہ رات محفل شریف میں بسر کرتا میں یہ خیال کر ہی رہا تھا کہ حضرت نے ایک درویش سے کہا کہ ان کے لیے دیوان خانہ سے ایک لحاف لے آؤ اور مجھے حکم دیا گیا کہ آج شب کو یہیں سو رہو۔ یہ حکم سُن کر میرا دل فرطِ مسرت سے لبریز ہو گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ۔

بعد وصال تعویذ لکھ دیا:

مولوی صاحب ممدوح کا بیان ہے کہ حضور کے وصال کے بعد ایک روز میاں شیر محمد کلیار درویش دربار نے پچھلی رات کو آکر مجھے جگایا اور کہا کہ مجھے دوات کاغذ اور قلم درکار ہے۔ میں نے کہا کس کے لیے چاہیے؟ کہا کہ حضرت محبوبِ سُبحانیؒ نے فرمایا ہے کہ مولوی عبدالرحیم صاحب سے کاغذ قلم دوات لے آؤ۔ میں نے کہا کہ حضرت غریب نواز تو روضہ مبارک میں محوِ استراحت ہیں۔ اب وہاں کاغذ اور قلم دوات کی کیا ضرورت ہے اس نے کہا کہ عالمِ خواب میں مجھ سے ارشاد فرمایا ہے۔ چوں کہ شیر محمد سچا اور نیک آدمی تھا میں نے یہ سُن کر اسے قلم دوات دے دیا۔ میں نمازِ فجر سے پہلے حسبِ معمول حضور کے مزار پاک پر زیارت کے لیے گیا تو دیکھا کہ مزار شریف کے سرہانے قلم دوات ایک چادر سے ڈھکا ہوا رکھا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد صاحبزادہ صاحب

نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی صاحب شیر محمد کے پاس حضرت کا لکھا ہوا ایک تعویذ ہے میں نے شیر محمد سے پوچھا لیکن وہ مسکرا کر چپ ہو رہا اور کچھ نہیں کہا سچ ہے ؏

آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

مولوی صاحب موصوف کہتے ہیں کہ حضرت محبوبِ سُبحانی صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کو جس نظر سے دیکھتے تھے اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ بس یہ حالت تھی کہ ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

میں عرصہ دراز تک جلال پور شریف میں مقیم رہا مگر حضور اُن پر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب کی خوشنودی میں حضرت کی خوشنودی تھی مجھ سے بارہا فرمایا کہ مولوی صاحب آپ فضل شاہ کو خوش رکھیں اور تعلیم بھی دیں۔ خدا کو علم ہے کہ اس میں کیا حکمت تھی۔

حوالدار سے صوبیدار:

مصری خاں بیان کرتے ہیں اور یہ واقعہ نہایت مشہور ہے کہ حضرت محبوبِ سُبحانی کے وصال کے بعد حضرت کا ایک مرید بارگاہِ عالی میں حاضر ہوا۔ یہ شخص فوج میں حوالدار تھا اور اس نے صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میرے ہمراہ روضۂ انور پر چل کر سفارش کریں کہ میں حوالدار سے صوبیدار بنا دیا جاؤں۔ اگر یہ عرضداشت قبول ہو گی تو تین سو روپے لنگر شریف کے لیے پیش کروں گا۔ صاحبزادہ صاحب

نے کہا میں چلتا ہوں لیکن تم روپے کا خیال چھوڑ دو۔ ممکن ہے کہ تم روپیہ نہ بھیج سکو۔ لیکن یہ نذر تمہارے ذمہ قائم رہے گی۔ بہر حال صاحب زادہ صاحب اسے اپنے ساتھ مزار مبارک پر لے گئے لیکن حوالدار مذکور نے وہاں بھی یہ کہا کہ میں تین سو روپے لنگر شریف کے لیے پیش کروں گا۔ حضرت کی کرامت دیکھیے کہ جب وہ حوالدار اپنی جگہ واپس گیا تو صوبیدار بنا دیا گیا بلکہ ایک سال کی بقیہ تنخواہ کی رقم بھی اسے دی گئی۔ اس نے صاحبزادہ صاحب کو عریضہ لکھا کہ میں حضرت کی برکت سے کامیاب ہو گیا ہوں اور نذر کی رقم ارسال کرتا ہوں۔ آئندہ بھی دعائے خیر سے یاد رکھیے۔

ڈنڈے کے زور سے :

سید محمد شاہ صاحب خلیفہ لدھیانوی جب چار سال تک حضرت محبوب سبحانی کی خدمتِ بابرکت میں رہ کر خلافت اور خرقہ کی دولت سے دامنِ مراد بھر چکے تو انہیں اپنے وطن واپس جانے کا حکم ہوا۔ حضرت نے انہیں ایک وظیفہ بتایا اور فرمایا کہ بزرگوں نے اس وظیفہ کو رفع عسرت کے لیے تجویز کیا ہے لیکن درویش کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ جاہ و ثروتِ دنیاوی حاصل کرنے کے لیے کوئی وظیفہ پڑھا کرے۔ بہر حال خلیفہ صاحب جب لدھیانہ تشریف لے گئے تو ان کی زندگی بڑی عسرت اور فلاکت میں بسر ہوتی تھی۔ ان کے پاس جو مکانات تھے وہ گر پڑے ہوئے تھے۔ ایک دن ان کے دل میں خیال آیا کہ اس وظیفہ کو بطور آزمائش پڑھنا چاہیے چناں چہ انہوں نے جب اُسے پڑھا تو پہلے دن ان کا ایک ہمسایہ ساہوکار جو نہایت بخیل اور کنجوس مشہور تھا ایک سو روپے کی رقم لا کر دے گیا۔ خلیفہ صاحب نے دوسرے دن بھی وظیفہ مذکور پڑھا اور وہ دو سو کی رقم لایا۔ اسی طرح تیسرے دن تین سو روپے لایا۔ خلیفہ صاحب نے

ایک صحبت میں فرمایا کہ یہ رقم حضرت محبوب سُبحانی نے ڈنڈے کے زور سے وصول فرمائی ہے ورنہ ایسا بخیل آدمی کچھ دے سکتا ہے۔ لوگوں نے شاہ صاحب کا یہ مقولہ اس ساہوکار سے بیان کیا۔ اس نے خلیفہ صاحب کے پاس آکر شکایت کی۔ خلیفہ صاحب چوں کہ نہایت راست گفتار اور سادہ مزاج تھے انہوں نے اس کے سامنے بھی اپنے الفاظ کا اعادہ کیا اور کہا کہ اگر یہ بات صحیح نہیں ہے تو تم اب کچھ لاکر دے جاؤ ساہوکار نے کہا کہ اب میں کچھ نہیں دے سکتا۔ خلیفہ صاحب نے کہا تو پھر میں نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے۔

عاشقِ صادق کی کامیابی :

مولوی عبدالمجید برادر مولوی محمد عبدالرحیم صاحب کرٹی والا بیان کرتے ہیں کہ ۱۳۲۴ھ میں عرس کے موقع پر میں بارگاہِ عالی میں حاضر تھا۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے ایک شخص نے آکر حضور میں وصالِ محبوبہ کے لیے دعا کی درخواست کی۔ اور کہا دہ جان "حضرت محبوب سبحانی نے فرمایا کہ تم عاشق ہو اور جان کوئی اور دے یہ سُن کر وہ شخص خاموش ہو گیا حالاں کہ بہت چیختا چلاتا تھا۔ جب عرس کی مجلس ختم ہو گئی تو اس نے حضور کے روبرو اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ "آپ تو خدا کے ولی ہیں آپ میری محبوبہ کا دیدار کرا دیجیے"۔ الغرض اس کی گریہ زاری سے متاثر ہو کر حضور نے اس کی حاضری کا حکم دیا۔ جب وہ آیا تو فرمایا کہ سچ سچ حال بیان کرو اُس نے عرض کیا کہ محبوبۂ مذکور سے میرا نکاح ٹھہرا تھا لیکن اب اس کے بھائی جو اس کے وارث ہیں۔ مجھ سے متنفر اور نکاح سے انکاری ہیں۔ حضرت نے اس کے لیے دُعائے خیر کی اور فرمایا جاؤ خدا اپنا فضل کرے گا۔ اس نے کہا کہ حضور میں کیا

صورت اختیار کر دوں آیا سید ھا وطن میں جاؤں یا کسی اور جانب کی راہ لوں حضرت نے فرمایا کہ سیدھے اپنے گھر جاؤ۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں میں نے اس شخص کو دیکھ کر پہچانا اور اُس سے کہا کیا تم وہی عاشق ہو۔ اس نے کہا جی ہاں۔ پھر میں نے اس سے سرگذشت دریافت کی۔ اُس نے کہا کہ جب میں اپنے گھر پہنچا تو میری محبوبہ کا بڑا بھائی جو مالک و مختار تھا خود میرے پاس آکر کہنے لگا کہ بھائی تم اپنا سامان ایک ماہ کے عرصہ میں تیار کراؤ۔ تاکہ ہم تمہاری امانت تمہارے سپرد کریں مجھے اس بات سے بڑی حیرت ہوئی۔ بہر حال میں نے اس سے کہا کہ میں غریب آدمی ہوں شاید ایک ماہ کے عرصہ میں ایسا نہ کر سکوں یہ سُن کر وہ چلا گیا اور دوسرے دن پھر میرے پاس آکر کہا کہ تم خود ایک ماہ میں انتظام کرو خواہ اس سے زیادہ مدت میں وہ تمہاری امانت ہے اور تم جب چاہو گے تمہارے سپرد کر دی جائے گی۔ اس کی یہ مہربانی دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے اس سے پوچھا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ چند روز پہلے تم مجھ سے اس قدر متنفر تھے اور اب تم اس قدر مہربان ہو کر خود میرے گھر پر آکر مجھ سے اپنی بہن کی شادی کے متعلق گفتگو کر رہے ہو۔ اس نے کہا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ ایک ابلق گھوڑے پر سوار حشم خدم کے ساتھ جا رہے ہیں۔ راستہ میں مجھے انہوں نے دیکھ کر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کر لو۔ جب میں ان کے روبرو پیش ہوا تو میں نے دریافت کیا کہ میں کس قصور پر ماخوذ ہوا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ فقیروں کا حق امیروں کو دیتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس طرح کی کوئی حق تلفی کبھی نہیں کی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ تم نے ایک غریب آدمی سے اپنی

بن کے نکاح کا وعدہ کر کے ۔۔۔۔ انکار کر دیا ہے۔ اگر تم ویسا کرو گے تو ہم سخت سزا دیں گے۔ غرض جس دن رات کو میں نے یہ خواب دیکھا اس کی صبح کو تمہارے پاس آیا۔

تین دفعہ دُعا کرنے سے روک دیا:

درویش الٰہ بخش صاحب ملک پوری سے منقول ہے کہ قوم علماء میں سے ایک شخص ایک عورت پر مفتون ہوا۔ یہ عورت ایک دوسرے شخص کے نکاح میں تھی۔ عالم بیقراری میں یہ شخص ایک دن میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ تم حضرت محبوب سبحانی کی خدمت میں میرے لیے دعا کی استدعا کرو۔ میں اسے ہمراہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کا حال جو کچھ معلوم تھا۔ عرض کیا۔ اعلیٰ حضرت نے کہا کہ یہ انسان ہے فرشتہ نہیں ہے اس شخص نے کہا کہ فرشتے ضرور حسین ہیں لیکن میری محبوبہ سے ان کو کیا نسبت۔ میں نے اس شخص کو بہت نصیحت کی اور کہا کہ تم اس عورت کے حسن وجمال پر کیا عاشق ہوئے ہو۔ اپنے مرشد حضرت محبوب سبحانی سے عشق پیدا کرو جو اس قدر حسین وجمیل ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت ضرور صاحب حسن وجمال ہیں لیکن وہ چیز ہی اور ہے۔ حضرت محبوب سبحانی ان باتوں پر تبسم فرمارہے تھے۔ آخر کار حضور نے دُعا خیر فرمائی لیکن اس نے بے چین ہو کر کہا کہ اس دُعا سے مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ میرے معاملہ پر حضور دلی توجہ سے کام لیں۔ چناں چہ حضرت نے ہاتھ نیچے کر لیے۔ الغرض تین مرتبہ ایسا ہی ہوا یعنی حضرت نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور اس شخص نے یہ کہنا شروع کیا کہ اس دُعا سے مجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ آخر کار حضرت نے میری طرف دیکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

الغرض وہ شخص عالم جذب و جنون میں کہیں چلا گیا اور پھر اس کے متعلق کوئی اطلاع کسی کو نہیں ملی۔ پانچ چھ سال کے بعد اس کی بہن میرے پاس آئی اور کہا کہ خدا کیلیے حضرت محبوبِ سبحانی سے دعائے خیر کی استدعا کرو اور عرض کرو کہ اگر میرا بھائی زندہ ہے تو گھر کو واپس آئے۔ چناں چہ اس عورت کو میں نے حضور میں پیش کیا حضرت نے دعائے خیر فرمائی اور بعد چند روز وہ شخص اپنے گھر کو واپس آ گیا۔ اب اس کا مزاج بالکل صحیح تھا اور وہ اس عورت سے متنفر تھا۔

دُعا کا اثر :

اللہ بخش کہتے ہیں کہ میں ایک گائے پر عاشق ہو گیا۔ یہ گائے ایک دوسرے شخص کی ملکیت میں تھی جو شخص اس کی خریداری کے لیے آتا تھا میں قیمت بڑھا دیتا تھا چناں چہ اس کی قیمت بیس روپے سے ستر روپے تک پہنچ گئی۔ جب حضرت محبوبِ سبحانی کو میرا حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ عجیب عشق ہے اور میرے لیے دعائے خیر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا دل اس گائے کی طرف سے ہٹ گیا اور اب اس کی قیمت اس قدر گھٹ گئی کہ پانچ روپے کو فروخت ہوئی۔

دُعا کا طالب بامراد ہوا :

حکیم مولوی اللہ دین صاحب ملکوالی کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت غریب نواز کی خدمت میں حاضر تھا۔ راولپنڈی سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھ سے ایک شخص نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم دو تین سال میرا کام کاشتکاری وغیرہ کے متعلق کر دو گے تو میں اپنی لڑکی کا عقد تمہارے ساتھ کر دوں گا۔ میں نے تین سال تک اس شخص کی خدمت انجام دی لیکن اب وہ اپنے وعدہ سے پھر گیا ہے اور مجھے اپنے گھر سے نکال دیا ہے

یہ سُن کر حضرت نے اس سے تین مرتبہ دریافت کیا کہ کیا تم سچ کہتے ہو اور اس کے بعد مراقبہ کی حالت طاری ہوئی۔ سر مبارک سینہ پر جھک آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور خواب میں ہیں۔ چنانچہ میں نے تصیح خیال کے لیے جُھک کر دیکھا لیکن حضور بیدار ہوئے اور اس طرح اُٹھے کہ دونوں بازوئے مبارک آسمان کی طرف اُٹھ گئے پھر اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ شاید اب وہ لوگ تمہاری جستجو میں ہوں جنہوں نے تمہیں نکال دیا تھا اس کے بعد وہ شخص چلا گیا اور بامراد ہوا۔

مولوی نور عالم کا عشق :

مولوی نور عالم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایک عورت کا خیال ہو گیا اور انہیں دنوں میں حضورِ عالی میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ میں نے سرکار سے اپنا حالِ زار عرض کیا۔ حضور نے توجہ فرمائی اور میں اس خیال سے جس نے صبر و قرار چھین لیا تھا بالکل نجات پا گیا اور پھر سکون و آسودگی کے ساتھ اپنے اشغال و وظائف میں مصروف ہو گیا۔

آپ کی دُعا نے آئی بلا سر سے ٹال دی :

مولوی عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ زمینداروں کی ایک عورت مجھ سے محبت رکھتی تھی۔ میں جب اس کی طرف سے نکلتا تھا تو کچھ نہ کچھ مجھے دیتی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ معاملہ دگرگوں ہے تو اس راستہ سے آنا جانا ترک کر دیا۔ میں نے حضور میں عرض کیا۔ حضرت نے دعائے خیر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عورت مجھ سے شرم کرنے لگی اور جب مجھے دیکھتی تھی تو دور چلی جاتی تھی۔

بلا اجازت رخصت ہونے کا نتیجہ:

میاں اللہ بخش صاحب درویش ملک پوری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب زمان خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خاندان کے ایک صاحبزادے جلال پور شریف تشریف لائے۔ گیارہ خادم، دو گھوڑے اور ایک اونٹ ہمراہ تھا۔ رات کو روانگی کے لیے آمادہ ہوئے۔ حضرت محبوبِ سبحانی نے منع کیا لیکن انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور رخصت ہو گئے۔ حضرت بھی مشایعت کے طور پر ان کے ہمراہ ہو لیے۔ حضور کا دستور تھا کہ جس کسی کو رخصت کرنے تشریف لے جاتے تو موضع ڈھیری سے گزر کر ببول کے ایک درخت تک قدم رنجہ فرماتے تھے۔ جب حضور صاحبزادہ صاحب کو رخصت کر کے بارگاہِ معلی میں واپس آئے تو سخت غبار ظاہر ہوا۔ ابر سیاہ آسمان پر چھا گیا اور اس زور کی آندھی آئی جس سے ببول کے درخت جو شارع عام کے دونوں طرف لگے ہوئے تھے گرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت محبوبِ سبحانی صاحبزادہ صاحب کے متعلق سخت متردد ہوئے اور عالمِ بیقراری میں حضور دیوان خانہ سے حرم شریف چلے گئے۔ میری حالت یہ تھی کہ طوفانِ آب و باد نے بالکل حواس باختہ کر دیا تھا اور مجھے خبر بھی نہ تھی کہ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ حضورؒ دیوان خانے میں تشریف فرما ہیں اور بدن مبارک پر سردی کا احساس ہے۔ حضور نے محمد علی گلخن افروز سے کہا کہ تم جاؤ اور صاحبزادہ صاحب کی خبر لاؤ۔ ڈھیری کے سوا قریب میں کوئی آبادی نہ تھی جس میں وہ پناہ لے سکتے۔ محمد علی ایک طاقت ور آدمی تھا وہ فوراً روانہ ہو گیا اور اس نے دیکھا کہ صاحبزادہ صاحب ببول کے درختوں کے ایک جھنڈ میں مع خدام آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ محمد علی نے

صاحب زادہ صاحب سے سرگذشت پوچھی انہوں نے فرمایا کہ میں اسی درخت کے نیچے موجود رہا۔ چند قطروں کے سوا مطلق پانی نہیں آیا اور نہ ہوا سے کچھ نقصان پہنچا حالانکہ میں دیکھتا تھا کہ آس پاس کے درخت جڑ سے اکھڑ رہے ہیں۔ الغرض محمد علی نے صاحبزادہ صاحب کی سلامتی کا مژدہ سنایا تو میں حضور کو وضو کرا رہا تھا۔ فرمایا کہ جب کوئی فقیر کسی فقیر سے ملنے آتا ہے تو اثنائے سفر میں اسے جو کچھ نقصان پہنچتا ہے اس کا ذمہ دار یہی فقیر ہوتا ہے جس سے ملاقات کی جاتی ہے۔ حضور کے ارشاد سے میں سمجھا کہ صبح کے وقت حضور کے لرزہ بر اندام ہونے کا یہی باعث تھا کہ صاحب زادہ کی تمام تکالیف کو اپنی ذات پر انگیز فرمایا تھا۔ نماز کے بعد حکم دیا کہ اونی چادر گھر میں سے لاؤ۔ چناں چہ چادر اوڑھ کر آرام کیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ حضور تمام شب بیدار و بیقرار رہے۔

بارش نے قوالی کا انتظار کیا:

ایک دفعہ حضرت قطب الزمان محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف کی مجلس منعقد تھی۔ قوالی ہو رہی تھی کہ یکایک ابر سیاہ آسمان پر محیط ہو گیا بادل کڑکنے اور بجلی زور شور سے چمکنے لگی۔ اہلِ مجلس اس واقعہ سے بہت متردد ہوئے۔ بعض لوگ ایسے خوف زدہ ہوئے کہ آدابِ مجلس کے خلاف ختم شریف سے پہلے ہی اُٹھ کر چل دیے اگرچہ موسم کی حالت نازک تھی لیکن حضرت محبوب سبحانی کمال استقلال کے ساتھ تشریف فرما رہے۔ درویشوں نے ختم قرآن حاضرین سے لے کر حضرت کے سپرد کر دیا۔ سات مرتبہ فاتحہ پڑھا گیا جس میں کافی وقت صرف ہوا۔ تمام مراسم سے باطمینان فارغ ہو کر حضرت دیوان خانہ مبارک میں اپنے سجادہ پر آرام فرما ہوئے اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو

روانہ ہوئے۔اس کے بعد بارش شروع ہوئی اور اس زور سے ہوئی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ابر اتنی دیر تک ضبط کرنے کی تلافی کر رہا ہے۔

حضرت محبوبِ سُبحانی کا تصرف :

سیّد غلام شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش کے موسم میں میں موضع نارگ سے جلال پور شریف روانہ ہوا تاکہ حضرت محبوبِ سُبحانی کی قدم بوسی حاصل کروں دو رفیق بھی میرے ہمراہ تھے۔بارش کی وجہ سے ہر طرف نالے بھرے ہوئے تھے۔ہمارا راستہ دامنِ کوہ کے کنارہ پر تھا۔یکایک ابر سیاہ نمودار ہوا اور ہمارے پیچھے پیچھے بارش کے زبردست آثار ہویدا ہوئے۔یہ منظر نہایت خوفناک تھا۔ابر رفتہ رفتہ ہم سے قریب ہونے لگا۔سخت مشکل یہ تھی کہ پانچ چھ کوس تک پناہ کی کوئی جگہ نہ تھی۔ہمیں یہ حالت دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ ہمارے پاس وظائف کی جو قلمی بیاضیں ہیں وہ یقیناً بھیگ کر خراب ہو جائیں گی لیکن ابر کی یہ حالت تھی کہ کبھی ہمارے بائیں اور کبھی دائیں رہتا تھا اور اس کے قریب ہونے سے ہمارے حواس گم ہو رہے تھے آخر کار اسی حالت میں ہم نے اگلی آبادی تک مسافت طے کی اور جیسے ہی ہم گاؤں کی مسجد میں داخل ہوئے کہ موسلا دھار پانی برسنے لگا۔یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابر گویا اسی بات کا منتظر تھا کہ ہم پناہ گاہ تک پہنچ جائیں۔یہ سب حضرت محبوبِ سُبحانی کا تصرف تھا۔

اجازت نہ دینے کا سبب :

محمد زمان صاحب کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضور سے واپسی کی اجازت چاہی میری بہن بھی میرے ہمراہ تھی۔بہن کی سواری کے لیے گھوڑی موجود تھی لیکن حضور

مجھ کو اجازت نہیں دیتے تھے کیوں کہ آسمان پر ابر معلوم ہوتا تھا میں نے عرض کیا کہ یہ ابر برسنے والا نظر نہیں آتا کیوں کہ میں اس حکمت سے ناواقف تھا جس کی بنا پر حضور منع کر رہے تھے ۔ آخر کار حضور نے میرے لیے دعا کی اور مجھے رخصت فرمایا میں نے بارگاہِ عالی سے ایک میل کی مسافت طے کی تھی کہ ابر سیاہ آسمان پر محیط ہو گیا اور پانی برسنے لگا میں نے ایک درخت کے نیچے پناہ لی ۔ بارش اس زور کی ہوئی کہ ہر طرف نالے بھر گئے لیکن خدا کے فضل سے ہمارے کپڑے بھی نم نہیں ہوئے ۔ جب پانی ختم گیا تو ہم روانہ ہوئے اور خیر و عافیت کے ساتھ اپنے گھر پہنچ گئے ۔

بلا مرضی رخصت ہونے کے باعث تکلیف :

سید غلام شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور میں چند روز رہنے کے بعد ہمراہیوں کے اصرار سے رخصت کا خواستگار ہوا لیکن میرا دل نہیں چاہتا تھا اور فیضانِ حضور سے ابھی میری روح سیر نہیں ہوئی تھی ۔ حضرت محبوبِ سبحانی بھی میری روانگی سے رضامند نہیں تھے اور اگرچہ سنتِ مشائخ اور بالخصوص سنتِ حضور ہے کہ جمعہ اور بدھ کو سفر نہیں کرتے لیکن میں حضور سے ناچار رخصت ہوا چنانچہ اس سفر میں مجھے ایسی شدید تکلیف پہنچی کہ آئندہ کے لیے میں نے توبہ کی اور ارادہ کر لیا کہ اس طرح کبھی سفر نہیں کروں گا ۔ تکلیف یہ تھی کہ میں دردِ عرق النساء میں مبتلا ہو گیا اور پھر عرصۂ دراز کے بعد حضور کی توجہ و برکت سے نجات پائی ۔

کشتی کا لنگر حضرت قبلۂ عالم کے ہاتھ میں :

مولوی عبد المجید کڑی والا کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں دربارِ عالی میں حاضر تھا ایک دن صبح کے وقت حضرت صاحبزادہ صاحب نے منشی محمد بخش کو بلایا اور فرمایا کہ ان

خطوط کو دیکھو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ایک خط عبداللہ نامی ایک شخص نے لکھا تھا حضرت محبوبِ سُبحانی کی زیارت سے پہلے میں سرکاری ملازم تھا جب رخصت لے کر گھر آیا تو قدم بوسی کا بے حد شوق ہوا چنانچہ میں جلال پور شریف کو روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا۔ میں اسے عبور کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہوا۔ دو سکھ بھی میرے ہمراہ تھے۔ جب کشتی بیچ دریا میں پہنچی تو موجوں کی طغیانی اور بے ہمزنی سے ڈوبنے لگی۔ ملاحوں نے پوری کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ جب ہم لوگ غرق ہونے لگے تو سکھوں نے کہا کہ بھائی ہر شخص اپنے اپنے پیر و مرشد کو یاد کرے شاید وہ ہم کو ڈوبنے سے بچا لے چونکہ مجھے حضرت محبوبِ سُبحانی سے بے حد عقیدت تھی میں نے نہایت توجہ کیساتھ حضور کو یاد کیا اور سب نے دیکھا کہ ایک بزرگ سفید پوش اور سفید ریش کنارہ پر رونق افروز ہیں کشتی کا لنگر دستِ مبارک میں ہے چنانچہ تھوڑی دیر میں ہم سب لوگ بخیر و عافیت کنارہ پر پہنچ گئے۔ سکھوں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ میں نے اپنی عقیدت کے مطابق بیان کیا کہ یہ میرے پیر و مرشد حضرت محبوبِ سُبحانی تھے جن کی قدم بوسی کے لیے میں جا رہا ہوں۔ سکھ یہ سُن کر میرے ہمراہ ہو لیے اور بڑی خوش اعتقادی کے ساتھ قدم بوس ہوئے۔ ایک سکھ کے پاس ایک ہزار روپے ہمیانی میں تھے اس نے وہ ہمیانی کل کی کل حضور میں پیش کی لیکن حضور نے واپس کر دی۔

مسجد سے باہر نکلنے کا حکم :

مولوی نور عالم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک سال بارش کی بہت کثرت تھی جہلم چناب کے دریا بڑی طغیانی پر تھے۔ ساحلی علاقہ غرقاب ہو گیا تھا۔ میں ایک رفیق غلام علی نام کے ساتھ اسی حالت میں جلال پور شریف روانہ ہوا۔ راستہ میں طوفان

کی شدت سے ایک چھوٹے موضع تک پہنچ کر ہمارا سفر رک گیا اور تمام رات ایک مسجد میں بھوکا رہنا پڑا۔ جب تہجد کی نماز کے لیے اُٹھے تو دیواروں کے گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ تہجد کی نماز کے بعد مجھ پر کچھ غنودگی سی طاری ہوئی۔ میں نے خواب میں حضرت محبوبِ سبحانی کی آواز سنی کہ حضور فرما رہے ہیں مسجد سے باہر نکلو کیوں کہ وہ شہید ہوا چاہتی ہے۔ میں یہ سُن کر فوراً بیدار ہوا اور اپنے ہمراہی کو جگا کر مسجد سے باہر نکل گیا۔ ہم نے ایک دوسری پختہ مسجد کا رُخ کیا چوں کہ فاصلہ زیادہ تھا۔ راستہ میں کپڑے تر ہو گئے۔ بہر حال اس مسجد میں پہنچے اس کی چھت بھی ٹپک رہی تھی۔ جس طرح ممکن ہوا باقی رات بسر کی۔ صبح کو جب اُس مسجد کی طرف گئے جس میں سے نکل کر آئے تھے تو دیکھا کہ اس کی جنوبی دیوار منہدم ہو گئی ہے اور اندر کی جانب گری ہے۔

حضرت محبوبِ سبحانی کے تصور کی برکت :

مولوی نور عالم صاحب فرماتے ہیں کہ میں نہر موضع ڈھپئی کے قریب ایک مکان میں فروکش تھا اور ایک دن بیٹھا ہوا پیر بھائیوں کے لیے وظائف نقل کر رہا تھا اس دن مکان کی چھت درست کرنے کے لیے چند مزدور مقرر کیے گئے تھے چونکہ چھت کی لکڑی بوسیدہ تھی۔ ایک شہتیر ٹوٹا پھر دوسرا پھر تیسرا ٹوٹا جس کے بعد ساری چھت زمین پر آ رہی۔ میں جنوبی دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ حضرت محبوبِ سبحانی کا تصور میرے روبرو تھا۔ حضرت کے اس تصوری جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اور میں بھی حضرت کی بدولت صحیح سالم رہا۔ باقی جو لوگ چھت کے ساتھ نیچے گرے تھے وہ زخمی ہوئے۔

حضورِ ممدوح کی کرامت :

مولوی صاحب موصوف کہتے ہیں کہ بیعت کے ابتدائی زمانہ میں ہر وقت میں حضرت محبوبِ سبحانی کی زیارت کا مشتاق رہتا تھا اور میرا خیال ہمیشہ صورتِ پاک حضور کے ساتھ وابستہ تھا۔ ایک روز عالمِ خواب میں جلال پور شریف کو روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بلند پشتہ ہلا جس نے میری راہ روک دی۔ جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ برآمدہ کی چھت گر گئی ہے اور اس کی وجہ سے مٹی آکر میرے سینہ پر ڈھیر ہو گئی ہے لیکن چھت کی کڑیاں کوئی میری چارپائی کے مشرق میں اور کوئی مغرب میں گری تھیں لیکن اس سے مجھے یا میری چارپائی کو کچھ گزند نہیں پہنچا تھا۔ یہ حضرت ممدوح کی ایک ادنیٰ کرامت تھی۔

ٹخنہ کے درد کا علاج :

مولوی صاحب ممدوح کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے ٹخنہ میں سخت چوٹ لگی جس سے ہڈی باہر نکل آئی۔ اس اثنا میں محمد منظفر اور محمد اعظم حضرت کی زیارت کو روانہ ہوئے چوں کہ تکلیف سے میں بیتاب ہو رہا تھا۔ میں بھی اسی حالت میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ ہر مرتبہ دس بارہ قدم چل کر بیٹھ جاتا۔ میرے ہمراہی بھی میری موافقت کرتے تھے۔ بہرحال بصد تکلیف و زحمت بارگاہِ عالی تک پہنچا اور قدم بوسی سے مشرف ہوا جس کے ساتھ ہی میرے دل کو اور درد کو تسکین محسوس ہوئی۔ دوسرے دن حالت اس سے بہتر تھی اور جب میں حضور سے واپس ہوا تو بالکل درد نہ تھا اور میں نے تمام مسافت صرف ایک دن میں طے کی۔

معمارِ قدرت نے دیواروں کو جوڑ دیا :

سید احمد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت محبوبِ سبحانی کے وصال کے بعد ایک دفعہ میں خاک بوسی کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ میرا قاعدہ تھا کہ ہفتہ میں دو مرتبہ دوشنبہ اور جمعہ کو زیارت سے مشرف ہوتا تھا۔ درمیان میں دریا پڑتا تھا۔ پہلے میں کشتی کی چنداں پروا نہیں کرتا تھا اور تیر کر دریا کو عبور کرتا تھا لیکن جب سے حضور نے منع فرمایا میں کشتی کے بغیر سفر نہیں کرتا تھا۔ الغرض جب میں دریا کے کنارے پہنچا تو طغیانی کی وجہ سے کشتی موجود نہ تھی اور ناچار مجھے واپس آجانا پڑا۔ جب میں واپس آیا تو بارش کی شدت سے مجبور ہو کر موضع محبت پور میں ٹھہر گیا لیکن ساتھ ہی مجھے اپنے مکان کے گر جانے کا اندیشہ پیدا ہوا۔ چناں چہ جب میں مکان پر آیا تو دیکھا کہ چھت ٹپک رہی تھی اور تمام اسباب باہر نکال لیا گیا تھا۔ چاروں طرف کی دیواریں چھت کو چھوڑ چکی تھیں اور قوی احتمال تھا کہ تھوڑی دیر میں سارا مکان بیٹھ جائے گا۔ میں نے نہایت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ حضرت محبوبِ سبحانی کی طرف توجہ کی اور جنابِ والا میں عرض کیا کہ میں اب ضعیف ہو چکا ہوں۔ مکان کو دوبارہ تعمیر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ خدارا اس کی نگہبانی کیجیے۔

اس مناجات کے ساتھ ہی بارش موقوف ہو گئی۔ دیواریں گرنے سے بچ گئیں اور رفتہ رفتہ خشک ہو کر چھت سے اس طرح مل گئیں کہ گویا کسی معمار نے انہیں جوڑ دیا ہے۔

سانپ نے اپنا زہر چوس لیا :

مولوی عبدالمجید صاحب برادر مولوی عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ

ہی موضع کرڑی ہی میں تھا میں نے مسجد میں چار رکعتیں نمازِ خواب ادا کیں اور اس کے بعد
عالمِ ذوق وشوق میں حضرت محبوب سبحانی کی مدح پنجابی زبان میں نظم کرنی شروع کی۔
اس اثنا میں میں نے اپنا ایک پاؤں پھیلا دیا۔ اتفاقاً ایک سانپ وہاں موجود تھا۔
اس نے میرے پاؤں کو کاٹا۔ چونکہ قصبہ کرڑی کے سانپ بڑے زہریلے ہوتے ہیں اس
لیے مجھے اس واقعہ سے سخت اندیشہ پیدا ہوا اور میں جو نظم حضور کی مدح میں لکھ رہا تھا
اسے استغاثہ کی صورت میں بدل دیا اور پہلے سے زیادہ مؤثر اور دردناک پیرایہ اختیار
کیا۔ اس کے بعد میں نے بصد مشکل نماز پڑھی اور مسجد سے گھر آیا اس اثنا میں کسی سے
میں نے یہ واقعہ بیان نہیں کیا۔ جب گھر پہنچ لیا تو اشارہ سے بتایا کہ میرے پاؤں
میں سانپ نے کاٹا ہے۔ اُسی وقت دوڑ دھوپ شروع کی۔ قصبہ میں ایک جھاڑنے
والا تھا اسے فوراً بلایا گیا اس نے علاج کیا لیکن کچھ فائدہ محسوس نہیں ہوا۔ چوں کہ واقعہ
سخت تھا اس لیے کثرت سے لوگ میرے دیکھنے کے لیے جمع ہوئے۔ کچھ عرصہ کے
بعد میرے حواس رخصت ہونے لگے اور مجھ پر غنودگی طاری ہوئی۔ اس عالمِ بیہوشی
میں میں نے دیکھا کہ حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ میرے والد مولوی نور عالم صاحب
مرحوم اور ایک بزرگ جن سے واقف نہیں تھا تشریف لائے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ سانپ
نے کہاں کاٹا چوں کہ پاؤں میں کاٹا تھا اور ورم ہو گیا۔ مجھے پاؤں سامنے کرتے ہوئے
سوءِ ادب معلوم ہوا۔ آخر حضرت نے سانپ کو طلب کر کے فرمایا کہ اے موذی تو نے
اس غریب کو کیوں کاٹا۔ اس نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں حکمِ خدا کے بغیر کیونکر
کاٹ سکتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا اچھا اپنا زہر چوس لو چنانچہ سانپ نے مقامِ ماؤف
پر منہ رکھ کر چوسنا شروع کیا۔ صبح کے وقت میری آنکھ کھل گئی اس وقت دو

افسوں گر میرے پاس موجود تھے۔ ایک نے مجھے کوئی دوا کھلائی جس سے مجھے استفراغ ہوا اور تمام زہر نکل گیا اور میں خدا کے فضل سے صحتیاب ہو گیا۔

سانپ کو آپ نے دور پھینک دیا:

سید احمد شاہ صاحب ساکن گڑھا ہاشم شاہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت محبوبِ سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ذکرِ جہر تعلیم فرمایا تو میں ایک تنہا مکان میں جو لبِ دریا واقع تھا، اقامت پذیر ہو گیا۔ ایک دن تہجد کی نماز کے بعد میں ذکر میں مشغول تھا کہ یکایک ایک خوفناک سانپ جو شہتیر کے برابر لمبا اور سرخ رنگ تھا نمودار ہوا۔ میں یہ منظر دیکھ کر خوف زدہ ہوا اور میں نے حضرت محبوبِ سبحانی کی طرف صمیمِ قلب کے ساتھ متوجہ ہو کر عرض کیا کہ حضورِ والا میں حکمِ گرامی کے مطابق اس جگہ ذکر میں مشغول ہوں۔ اب حضور مجھے اس مصیبت سے نجات دیں۔ اس التجا کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ حضور ممدوح اپنے نورانی پیکر کے ساتھ جلوہ گر ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اس سانپ کو پکڑ کر بہت دور پھینک دیا۔ جب آفتاب طلوع ہو چکا تو میں مکان سے نکلا اور اس جگہ گیا جہاں میرے خیال میں سانپ جا کر گرا تھا۔ میں نے دیکھا کہ سانپ بدستور پڑا ہوا ہے۔ میں نے ایک کاشتکار کو جو قریبی کھیت میں کام کر رہا تھا پکارا اور اس نے ایک لکڑی سے اُسے مار ڈالا۔

خواب میں لکڑی لینے کا حکم:

مولوی نور عالم صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۲۹۶ھ میں میں نجیب اللہ اور ان کے بیٹے محمد زمان حضور میں حاضر ہوئے اور طعامِ شب کے بعد رخصت چاہی اور اسی وقت واپس روانہ ہو گئے۔ نجیب اللہ کو راستہ میں سخت نیند معلوم ہوئی اور وہ ریگ پر سو

گئے۔ ہم لوگ منتظر تھے کہ وہ سو کر اُٹھے۔ ایک طرف درخت بہجنہ کی شاخیں کٹی ہوئی پڑی تھیں۔ پس نجیب اللہ نے بیان کیا کہ حضرت محبوب سُبحانی نے خواب میں مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ ان شاخوں میں سے ایک لکڑی ہاتھ میں لے لوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک چھڑی اُٹھالی اور ہم سب روانہ ہو گئے۔ ہم دریا کے کنارے کنارے جارہے تھے ایک موقع ایسا آیا کہ درختوں کے جھنڈ میں سے ہم کو گزرنا پڑا جن کی شاخیں راستے پر جھکی ہوئی تھیں اور کوہستانی سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ہم جوں ہی آگے بڑھے کہ ایک خوفناک زہریلا سانپ نظر آیا۔ میں تو نکل گیا لیکن میرے دونوں رفیقوں کو اس نے روک دیا۔ میں نے نجیب اللہ سے پکار کر کہا کہ لکڑی میری طرف پھینک دو چنانچہ میں نے اس لکڑی سے سانپ کو مار کر دریا میں ڈال دیا۔ نجیب اللہ نے کہا کہ حضرت نے اسی مقصد سے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک لکڑی ہمراہ لے لو۔

اب آزمائش کی طاقت نہیں:

اللہ بخش درویش بیان کرتے ہیں کہ ایک بیل جسے ہندی میں ساہن کہتے ہیں۔ لنگر شریف کی خام فصل کھا جاتا تھا اور اس نے تمام زراعت کو خراب و ویران کر رکھا تھا۔ درویش حفاظت کرتے تھے لیکن اُن کے سوتے ہی وہ چوری چوری آکر کھیت کھا جاتا تھا۔ آخر کار حضور میں عرض کیا گیا اور حضرت نے فرمایا کہ الٰہ بخش درویش کو بلاؤ۔ جب میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ تمہاری موجودگی کے باوجود بیل نے تمام کھیتی برباد کر رکھی ہے اور مجھے حکم دیا کہ زراعت کی نگہبانی کرو۔ چونکہ جاڑوں کا موسم تھا مجھے لحاف عطا ہوا لیکن میں نے سو جانے کے اندیشہ سے تمام رات لحاف نہیں اوڑھا اور تمام رات بیل کے آنے کا منتظر رہا اور وہ نہ آیا۔ جب صبح کا وقت قریب ہوا تو میں نے لحاف

اوڑھ لیا۔ مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور اس اثنا میں وہ بیل مینڈ کی شاخیں توڑ کر کھیت میں گھس گیا لیکن شاخیں ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ہی میں بھی بیدار ہو گیا اور ایک لکڑی لے کر اس کے تعاقب میں چلا۔ یہ بیل ایسا سرکش تھا کہ آدمیوں کا راستہ بند کر دیتا تھا۔ اور جو مقابل آتا اُسے اُٹھا کر دے مارتا تھا لیکن جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ بھاگنے لگا۔ میں نے قریب پہنچ کر اس کی پیٹھ پر ایک لکڑی ماری اور وہ پیچھے مڑ کر میرے مقابلہ پر جم گیا اور زمین کو اپنے کھروں سے کھودنے لگا۔ اب نہ مجھ میں یہ طاقت تھی کہ اس کو دوسری ضرب لگاؤں اور نہ وہ اپنی جگہ سے جنبش کرتا تھا۔ میں نے یہ حالت دیکھ حضور کی طرف متوجہ ہو کر التجا کی کہ میں اس سے زیادہ آزمائش کی طاقت نہیں رکھتا۔ اب مجھ پر رحم فرمائیے۔ اس التجا کے ساتھ ہی وہ بیل رُخ پھیر کر چلا گیا۔

حاسد کا انجام :

جلال پور شریف میں ایک دھوبی رہتا تھا جو حضرت محبُوبِ سبحانی کے ہمراہ سیال شریف جا کر خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت سے مشرف ہوا اور اس نے حضرت خواجہ صاحب کے دربار میں بڑا رُسوخ حاصل کر لیا۔ رؤسا اور امرا بھی جو حضور میں حاضر ہوتے تھے اس سے خلق و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ حضورِ والا کی یہ تمام عنائتیں محض حضرت محبُوبِ سبحانی کی وجہ سے ہیں۔ چونکہ قوم کا کمینہ تھا وہ ان مہربانیوں کی تاب نہ لا سکا اور حضور سے دعوٰے ہمسری کرنے لگا۔ کہتا تھا کہ جس طرح وہ خواجہ شمس العارفینؒ کے مرید ہیں اسی طرح میں بھی مرید ہوں۔ الغرض اس سے ایسی حرکات وقوع میں آئیں کہ حضرت محبُوبِ سبحانیؒ کا دل اس سے پھر گیا

اور وہ حضور کے فیضان سے محروم ہوگیا۔ اب اس بدنصیب نے کھلم کھلا مخالفت اختیار کی اور حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے روبرو آپ کی شکایتیں شروع کیں

سہ

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

ہمسری با انبیا برداشتند

اولیا را ہم چو خود پنداشتند

رفتہ رفتہ یہ دھوبی ذلیل و خوار اور مفلس و نادار ہوگیا۔ لیکن اس نے حضرت کی مخالفت ترک نہیں کی۔ ایک دن حضور اپنے والد گرامی کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لے گئے۔ اتفاقاً خانقاہ شریف کے دروازہ میں قفل لگا ہوا تھا اور پاسبان بھی موجود نہیں تھا۔ آپ نے کچھ دیر انتظار فرمایا پھر خادمانِ ہمرکاب سے ارشاد کیا کہ یہ قفل کبھی کبھی خود بھی کھل جاتا ہے۔ چناں چہ دستِ مبارک سے قفل کو جنبش دی اور وہ کُھل گیا۔ فاتحہ سے فارغ ہو کر تشریف لائے۔ کوہ شمالی جسے کوہ گرجاکھ کہتے ہیں۔ نظر کے سامنے تھا حضور نے اس دھوبی کا ذکر کر کے فرمایا کہ سلوک میں اخفا کا خاص لحاظ ہے۔ ورنہ خدا نے فقیر کو اتنی طاقت دی ہے کہ اگر چاہے تو اس پہاڑ کو زمین کے برابر کر دے۔ الغرض حضرت کی مخالفت اور سوءِ ادب کے باعث یہ دھوبی روز بروز ذلیل و رسوا ہوتا گیا۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس کے ایمان کی سلامتی دشوار ہے۔ چنانچہ اس نے بصد محنت و کلفت ریگستان میں وفات پائی اور اس کی نعش عرصہ تک بے کفن پڑی رہی۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ بالکل سیاہ اور ہیبتناک ہو گیا تھا جس سے حضرت کی پیشگوئی کی تصدیق ہوتی تھی۔

میرے پاس جلد پہنچو:

جناب مولوی فتح محمد صاحب مدرس مریڑ حسن ضلع راولپنڈی سے روایت ہے کہ ضلع پشاور میں ایک صوفی منشی شخص میاں امام الدین پٹھان نے مجھ سے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ میں سو رہا تھا کہ خواب میں کسی بزرگ کو دیکھا انہوں نے فرمایا "امام الدین میرے پاس جلد پہنچو" یہ فرما کر وہ بزرگ تو تشریف لے گئے اور میری آنکھ کھل گئی۔ حیران تھا کہاں جاؤں۔ نہ نام کا پتہ نہ مقام کا نشان۔ ملا نجم الدین عرف ملا ہڈے صاحب مانکی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گولڑہ شریف گیا اور بہت سے مقاماتِ مقدسہ پر حاضری دی لیکن جو صورت خواب میں دیکھی تھی وہ کہیں نظر نہ آئی۔ جب اطراف و جوانب میں پھر چکا اور خاموش و مایوس بیٹھ رہا تو انہیں بزرگ کو پھر خواب میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں "امام الدین میرے پاس جلد پہنچو" میری آنکھ کھل گئی۔ بڑا متردد تھا کہ الٰہی ماجرا کیا ہے۔ صبح ہوئی تو آٹا خریدنے بازار گیا۔ ایک شخص[1] نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے پوچھا کہ "جلال پور شریف ضلع جہلم" بھی کبھی گئے ہو۔ جب میں نے اس کا جواب نفی میں دیا تو اس نے حضورِ قبلہ عالم کا حلیہ شریف بیان کیا۔ میں نے جس بزرگ کو خواب میں دیکھا تھا ان سے یہ حلیہ ملتا تھا بس میں انہی کپڑوں میں جو پہنے ہوئے تھا چل نکلا اور یہ عہد کر لیا کہ راستے میں کہیں نہ رکوں گا۔ اگر راستے میں کسی نے روٹی پانی سے خبر لے لی تو خیر ورنہ بھوکا پیاسا سیدھا جلال پور شریف پہنچوں گا اور لنگر شریف سے کھانا کھاؤں گا۔

پشاور سے راولپنڈی کا ٹکٹ لیا اور یہاں سے پیادہ پا بغیر کسی رفیق و ہمراہی

---

[1] غالباً یہ شخص واقعاتِ معلومہ اور معاملاتِ خواب سے واقف ہوگا۔

کے جلال پور شریف کا راستہ لیا ۔ آگے ایک دو راہ ملا حیران تھا کہ کونسا راستہ اختیار کروں کہ ناگہاں ایک سیاہ رنگ شخص ظاہر ہوا جس نے مجھے جلال پور شریف کا راستہ بتادیا ۔ اثنائے راہ میں کئی مقامات پر ایسے کئی اشخاص سیاہ رنگ، کوئی سپید پوش، کوئی برہنہ مجھ سے ملے اور راستہ بتا بتا کر رخصت ہو گئے ۔ ایک جگہ بھوک نے بہت پریشان کیا تو یکایک ایک شخص پر اٹھے اور ایک پیالا دودھ کا لایا اور مجھے کھلا کر چلا گیا ۔

جس وقت جلال پور شریف پون میل رہ گیا تو ایک نہایت بزرگ شخص سر پر ٹوپی رکھے ۔ ہاتھ میں تسبیح لیے اور سفید براق کپڑے پہنے ہوئے آئے اور فرمایا کہ کیا تو فلاں مقام سے آیا ہے ؟ میں نے عرض کی جی ہاں اُسی جگہ سے آیا ہوں اور جلالپور شریف جا رہا ہوں مجھے بتائیے کہ وہ کتنی دور ہے ؟ یہ فرمایا کہ وہاں اگلا گاؤں جو پہاڑ کے ساتھ ملا ہوا آباد ہے جلال پور شریف ہی ہے یہ فرما کر وہاں سے غائب ہو گئے اور میں جلدی سے راستہ طے کر کے درِ اقدس پر پہنچا دور سے دیکھا تو وہ ہی بزرگ رونق افروز ہیں جن کو خواب میں دیکھا تھا میں دوڑ کر قدم بوس ہوا تبسم فرما کر فرمایا کہ تم نے بڑی تکلیف اُٹھائی ۔ اتنی مصیبت کی کیا ضرورت تھی پھر ایک درویش کو حکم دیا کہ انہیں پتاشوں کا شربت دو ۔ میں ڈرا کہ مجھے چائے نوشی کی عادت ہے اور ابھی سفر سے آکر بیٹھا ہوں ، شربت سے تکان کیوں کر دور ہو گی ۔ مگر خاموش ہو گیا ۔ درویش نے شربت تیار کر کے دیا ، پیا ۔ پیتے ہی تکان اُتر گئی اور میں بھلا چنگا ہو گیا ۔

چاہتے ہیں جس کو بلاتے ہیں یوں ، شربت دیدار پلاتے ہیں یوں
ہم کو میسر نہیں دیدار بھی ، ہم ہیں غم اندوز بھی بیمار بھی

حال ہمارا تپِ غم سے نڈھال
گردشِ دوران سے ہیں ہم پائمال

دل نہیں مشغول کسی کام میں
جاں نہیں ہے کبھی آرام میں

ہم کو بھی یا پیر بلا لیجیے!
درد بھرے دل کی دُعا لیجیے

شربتِ دیدار عطا کیجیے
بیکس و مجبور ہیں کیا کیجیے

کس سے کہیں حال کدھر جائیں ہم
اس سے تو بہتر ہے کہ مر جائیں ہم

موت بھی آئے تو درِ پاک پر
لاش ہماری ہو اسی خاک پر

ہے یہی دن رات ہماری پکار
ہو نگاہِ لطف تو بیڑا ہو پار

قہر میں مہر:

انہیں مولوی صاحب سے روایت ہے کہ مولوی عدل الدین صاحب امام مسجد مریڑ حسن متصل شہر راولپنڈی نے جو خواہانِ خلافت تھے اور جن کی بیعت حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی بغیر اجازت حضرت صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ لنگر جاری کر دیا۔ کچھ عرصہ تک تو مسافروں کی آمد و رفت جاری رہی اور مولانا ان کے آگے ماحضر پیش کرتے رہے مگر جب خانۂ آمدنی میں صفر ہی صفر رہا اور مولانا کی تمام پونجی صرف ہو گئی حتیٰ کہ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ بھی رہن رکھ دی گئی۔ علاوہ ازیں پانچ سو روپیہ کے مقروض ہو گئے اور قرض خواہوں نے تنگ کر دیا تو مولانا مجبوراً روپوش ہو گئے اور ایک روز موقعہ پا کر جلال پور شریف حاضر ہوئے۔ اپنی رام کہانی حضرت محبوبِ سُبحانی کو سنائی۔ حضور نے آشفتہ خاطر ہو کر فرمایا کہ لنگر کی اجازت کس نے دی تھی۔ مولانا نے عرض کیا کہ یونہی عملِ صالح سمجھ کر میں نے شروع کیا تھا۔ آپ نے فرمایا

تو اب میں کیا کروں۔ نیک کاموں میں ہمیشہ مشکلات کا سامنا ہوتا ہی ہے مگر مولانا نے بڑے درد کے ساتھ اپنی کہانی سُنائی تھی۔ آخر حضور کو رحم آگیا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ دوسرے روز مولانا رخصت ہو کر گھر واپس آ گئے اور قرض خواہوں کو امروز فردا پر ٹالتے رہے۔ اس کو بھی ایک مہینہ گذر گیا مگر کوئی صورت رہائی و اطمینان کی نظر نہ آئی تو ایک روز گلہ کرنا شروع کر دیا اور خلاف شانِ حضور غریب نواز باتیں کرنے لگے۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کو بھی ان گلہ گذاریوں کی خبر پہنچی۔ فرمایا میاں عدل الدین صبر نہ کر سکے ورنہ خدا کے فضل سے ان کے بہت سے کام بن جاتے۔ خیر خداوند کریم ان کا یہ قرض تو ادا کر ہی دے گا لیکن انہیں کچھ اور فائدہ نہ ہو گا۔ مولانا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو کہنے لگے کہ اب یہ قرضہ اتر چکا جلال پور میں بھی دکانداری ہی دکانداری ہے۔ باتیں ہی باتیں ہیں۔ خدا کی حکمت و قدرت دیکھیے کہ انہیں ایام میں تیل گودام کے لیے سا کنان مرڑھ سے زمین لی گئی جن میں ایک چبوترہ نماز کے لیے اہل دیہہ نے بنا لیا تھا۔ جب انگریز افسر نے اس قطعہ کو دیکھا تو کہا کہ یہ مسجد ہے اس کا معاوضہ کسی مولوی یا امام مسجد کو ملنا چاہیے۔ مستری صوبا دوڑا ہوا آیا اور مولانا عدل الدین کو پکڑ کر لے گیا۔ اس افسر نے بلا حیل حجّت پانچ سو روپیہ کے نوٹ ان کے ہاتھ پر دھرے اور رخصت کیا۔ مولانا اپنے خیالوں سے تائب ہوئے اور اپنے قصور کا اعتراف کر کے حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے معافی مانگی اور واپس آئے۔

نگاہِ قہر بھی تیری وہ مہر افزا ہے ۔۔۔ کہ جس سے بندھ گئی امید بیقراروں کی

خطا بھی کرتے رہیں اور اجر بھی پائیں
عجیب شان ہے تیرے گناہگاروں کی

گئی ہوئی ٹرین واپس آگئی :

جناب مولوی نبی بخش صاحب حکیم رسول نگری فرماتے ہیں کہ سید غلام شاہ صاحب سکنہ میرا شریف نے عرس مبارک حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے واپس آتے ہوئے میاں حسن محمد صاحب سے یوں بیان کیا کہ ایک دفعہ میں دو چار درویشوں کے ساتھ جلال پور شریف آیا اور حضور قبلہ عالم جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں چند روز قیام کرکے طالب رخصت ہوا حضور نے فرمایا کہ وقت کم ہے آج شاید گاڑی نہ ملے میں نے عرض کیا کہ قبلہ عالم حضور کی دعا سے مل جائے گی اور ہم سوار ہو جائیں گے۔ خیر آپ نے دعائے خیر کی اور رخصت فرمایا ہم سب لوگ بڑی تگ و دو کے ساتھ اسٹیشن اہلہ پر پہنچے۔ گاڑی قریب آگئی بہ ہزار مشکل ٹکٹ لیا مگر جب پلیٹ فارم پر پہنچے تو گاڑی میں اس قدر بھیڑ تھی کہ ہم سب کے سب رہ گئے اور گاڑی چھوٹ گئی۔ اسٹیشن ماسٹر سے کہا گیا کہ اب ٹکٹ واپس لے لو۔ مگر اس نے انکار کیا اور کہا کہ آپ رات کو یہاں ٹھہریں صبح گاڑی آئے گی تو انہیں ٹکٹوں سے سوار ہو جانا۔

آخر مایوس ہو کر ہم پلیٹ فارم پر ٹھہر گئے۔ میں نے دل میں خیال کیا تھا کہ حضرت قبلہ عالمؒ کا خیال صحیح نکلا اور گو آپ نے دعائے خیر فرمائی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ وہ گاڑی پیچھے کی طرف لوٹتی ہوئی نظر آئی۔ پلیٹ فارم پر آکر ٹھہری۔ گارڈ اترا ہمیں سلام کیا اور کہا چلئے بریک میں میرے ساتھ بیٹھ جائیے۔ ہم سوار ہو گئے گارڈ نے ہماری خوب عزت کی۔ گارڈ ہندو تھا۔ جہاں تک ہم اس کے ساتھ گئے مؤدب کھڑا رہا۔ ہم نے دریافت کیا کہ گاڑی کس وجہ سے واپس ہوئی اس نے کہا کہ صرف آپ کی خاطر گاڑی واپس لایا ہوں لیکن میں اصل حقیقت ظاہر نہیں کر سکتا۔ معاف

دیکھیے ؎

کماں سے چھوٹ کر جس وقت تیر تیز جاتا ہے — بلا لیتے ہیں واپس اولیا کی یہ کرامت ہے
چلا آتا ہے واپس آپ آبِ رفتہ دریا — خداوالوں کے اِک جذبِ توجہ میں یہ طاقت ہے
دعا سے ان کی جا کر پھر نہیں لوٹ آتی ہیں
خدا کی ان کے اوپر کس قدر لطف و عنایت ہے

بے گناہ بری اور اصلی قاتل ماخوذ :

مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں مجھ سے میاں حسن محمد نے بیان کیا کہ میرے بھائی محمد الدین پر ایک مقدمہ لڑکی کے قتل کا لوگوں نے لگا دیا۔ دراصل میرا بھائی قاتل نہیں تھا لیکن شریروں نے ارتکابِ قتل کا الزام اسی پر لگا دیا۔ میرے لیے اور کوئی جگہ فریاد کی نہ تھی۔ لہٰذا میں فوراً حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی اور فرمایا د الحق یعلوا د لا یعلی۔ اس کے بعد مجھے تسلی دی۔

اسی شب کو میں بمقام چھچھو پہنچا اور بھائی سے سارا حال کہہ دیا وہ بولے کہ آج تھانیدار آیا ہوا ہے اور تمام لوگوں نے مجھے قاتل قرار دیا ہے۔ اب علی الصباح میں حبس میں جاؤں گا کیوں کہ اس وقت نمبردار کی ضمانت سے مجھے گھر تک آنے کی اجازت ملی ہے یہ سنتے ہی میرے اوسان خطا ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر میں درود شریف پڑھنے لگا اور مجھے کچھ اونگھ سی آ گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں اور فرما رہے ہیں "تسلی رکھو، بالکل خیریت ہے۔"

علی الصباح تمام لوگ تھانے دار کے روبرو حاضر ہوئے اور میرا بھائی

محمد الدین پیش ہوا۔ گواہوں نے گواہی دی مگر تعجب یہ ہوا کہ محمد الدین کا نام کسی نے نہ لیا اور نہ تھانیدار نے گذشتہ بیان کو دہرایا۔ اصل قاتل دوسرا شخص نکل آیا اور محمد الدین صاف بچ گیا۔ اسی وقت وہ لنگر مبارک میں حاضر ہوا اور زیارت و بیعت کا شرف حاصل کیا ؎

جب گنہگاروں کا تیرے کچھ بگڑ سکتا نہیں　　بے گناہوں کا کرے گی گردشِ تقدیر کیا

کام وہ بنتے ہیں بنا جن کا ممکن ہی نہ ہو
چپکے چپکے جا کے کر لیتے ہیں وہ تدبیر کیا

گفتہ آید در حدیث دیگراں :

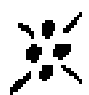
جناب مولٰنا مولوی صاحب صوفی چشتی حیدری ڈنگوی ضلع گجرات لکھتے ہیں کہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات و خرق عادات جو تتمۂ معجزات نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ان کی روایت ہزاروں مرید کرتے ہیں۔ ایک واقعہ خود فقیر کے ساتھ اور دوسرا واقعہ میرے سامنے راجہ خدا بخش صاحب آنریری مجسٹریٹ و ذیلدار کھیوہ کا ہے۔ فقیر نے راجہ خدا بخش کے مخالفوں کی پر زور مخالفت کا ذکر کیا آپ نے مسکرا کر ایک ڈپٹی انسپکٹر پولیس کا واقعہ بیان کیا جس کی نوبت برخاستگی تک پہنچ گئی تھی۔ مگر بہ وجہ دعائے حضور عزت کے ساتھ بری ہو گیا۔ میں نے اسی وقت راجہ خدا بخش سے کہہ دیا کہ حضور نے تمہارے مقدمے کا انجام بتا دیا ہے چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ یہ واقعہ حضور کی وفات سے ایک دن پہلے کا ہے۔

مسل خوانی مل گئی :

انہیں مولوی صاحب سے روایت ہے کہ آپ کے نواسے صاحبزادہ سیدن شاہ صاحب

کے مقابلے پر دیگر امیدوار انٹرنیس پاس اور سینئر تھے صاحب ڈسٹرکٹ جج کسی دوسرے شخص کو مسل خواں مقرر کرنا چاہتے تھے۔ صاحب زادہ سیدن شاہ صاحب نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنے حرم محترم سے (جو حضور قبلۂ عالم کی پوتی ہیں) کہا کہ دونوں چھوٹے بچوں کو لے کر حضور میں چلی جاؤ اور جب تک حضور خشوع قلب کے ساتھ دعا نہ کریں وہاں سے نہ ہٹو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اوّل اوّل تو حضور ٹالتے رہے مگر پھر بی بی صاحبہ کے اصرار سے مجبور ہو کر اور بچوں کی حالت پر رحم کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ دوسرے روز ڈسٹرکٹ جج بہادر گجرات نے باقی امیدواروں کو بلا کر کہہ دیا کہ سیدن شاہ ایک بزرگ ولی کا رشتہ دار ہے میں اسی کو مسل خواں رکھوں گا۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ خواب میں حضور قبلہ عالم نے ڈسٹرکٹ جج کو اشارہ کیا۔ بہر حال آپ کی دعا کا نتیجہ ضرور نکلا۔ اس حکم کے خلاف اپیلیں کی گئیں اور سیدن شاہ صاحب کو پھر فکر و تردد لاحق ہوا مگر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدن شاہ صاحب کے سامنے خواب میں ایک ایک اپیلانٹ کا نام لے کر کہا کہ ان کا کیا حق ہے، اپیل خارج۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

انہیں صاحبزادہ صاحب کو فتق کی بیماری ہو گئی تھی۔ اکثر یونانی علاج کیے، مگر فائدہ نہ ہوا۔ مایوس ہونے والے تھے کہ حضور قبلہ عالم نے آ کر فرمایا۔ ڈاکٹری علاج کرو۔ صبح ڈاکٹر کے پاس گئے۔ اس نے کچھ مرہم دیا اور اللہ جل شانہ نے شفا دی۔ مرہم شفائے مرض کے لیے ایک بہانہ ہو گیا۔



ساری دنیا ہوئی تری محکوم　　مرتبہ تیرا ہے مجھے معلوم
عام سب پہ ہے تیرا فیض عموم　　دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

امتحان میں پاس ہو گیا :

یہی مولوی صاحب راوی ہیں کہ میرے ایک معزز گجراتی دوست نے بیان کیا کہ ان کا لڑکا امتحان ایف اے میں داخل ہوا تھا۔ سوالات مشکل تھے کامیابی کی کوئی امید نہ تھی۔ حضور قبلہ عالم سے دُعا کرائی گئی۔ لڑکے نے اپنی ناکامیابی کا خیال بھی اپنے باپ پر ظاہر کر دیا مگر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں انہیں ایک لفافہ دیا اور فرمایا کہ تمہارا لڑکا پاس ہو گیا ہے۔ چنانچہ دوسرے روز کامیابی کا خط مل گیا ؎

تمہارے مقصدِ دنیا میں اب ناکام کیا ہوں گے　　دئیے ہیں فقر کی منزل میں تم نے امتحاں لاکھوں
ہے دل میں جاگزیں عظمت تمہارے فیضِ باطن کی
کہ ایسے ایسے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں سماں لاکھوں

اولاد اور آنکھیں :

جناب مولوی نبی بخش صاحب رسول نگری لکھتے ہیں کہ کوئٹہ (بلوچستان) میں کے۔ ڈی۔ عبدالغفور مرچنٹ کے یہاں میں اپنے پیر بھائیوں کے حلقے میں بیٹھا تھا کہ اندر سے ایک لڑکا آیا جس نے بڑے زور سے "السلام علیکم" کہا۔ اس کی عمر ہنوز پانچ سال ہوگی۔ اس کی آواز نے سب کی توجہ اپنی طرف پھیر لی۔ بھائی عبدالغفور نے کہا کہ یہ لڑکا حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا کا نتیجہ ہے۔ میں نے پوچھا کس طرح، تو عبدالغفور صاحب نے اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

میرے گھر میں اولاد نہیں ہوتی تھی کسی نے مشورہ دیا کہ حضرت خواجہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ سے دُعا کرانی چاہیے۔ میں حضور میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف اور اولاد کے لیے دُعائے خیر کا طالب ہوا۔ قریبًا چار سال ہو گئے لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ آخر میری اہلیہ نے اصرار کیا کہ میں جانا چاہتی ہوں۔ غرض ہم دونوں میاں بیوی حاضر ہوئے اور میری اہلیہ بھی مریدہ ہو گئی اور عرض کیا کہ حضور میرے لیے دعائے خیر فرمائیں۔ اسی طرح ہم دونوں حضور میں حاضر ہوتے رہے اور عرض معروض کرتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد بعض احباب نے مجھے دوسری شادی کرنے پر مجبور کیا۔ میں رضامند ہو گیا اور دوسری شادی کر لی۔ میری پہلی اہلیہ اس وقت سیالکوٹ میں تھی (جسے میں نے شادی سے دو تین مہینے پہلے الگ کر دیا تھا) جب یہ خبر اُسے پہنچی تو وہ بہت زیادہ بیقرار ہوئی اور اسی وقت ایک خادمہ کو ساتھ لے کر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کچھ اس درد انگیز لہجے سے روئی کہ حضور کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا۔ وہ حضور کے قدموں پر گر کر عرض کرنے لگی کہ اب کیا میں حضور کی مریدی میں داخل ہو کر دنیا سے نامراد جاؤں گی؟ میری اہلیہ کی آہ وزاری حد سے گذر چکی تھی، اس نے کچھ اس بے صبری سے التجا کی کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ جوش میں آ گئے اور فرمایا " اللہ تجھے برکت دے گا اور ان شاء اللہ تیری ہی طفیل سے وہ (شوہر) صاحبِ اولاد کہلائے گا خواہ وہ کتنی ہی عورتیں کرے۔

دو سال تک میں کوئٹہ میں دوسری بیوی کے پاس رہا مگر کوئی صورت ظاہر نہ ہوئی۔ آخر میں سیالکوٹ گیا اور وہاں چند روز اپنی پہلی بیوی کے پاس رہا اور

اسے بھی کوٹھے لے آیا۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا سے یہی پہلی بیوی بار آور ہوئی اور یہ لڑکا اللہ تعالیٰ نے عنایت کیا جو اس وقت آپ کے سامنے کھڑا ہے۔"

پھر دو سال کے بعد اس لڑکے کی آنکھیں جاتی رہیں۔ حکیموں کا علاج ہوا۔ قریباً چھ سول سرجنوں نے دیکھا مگر سب بے سُود۔ آخر میں اسے کلکتہ، بمبئی، بنارس اور لاہور وغیرہ لے گیا اور وہاں کے مشہور ڈاکٹروں کو دکھایا مگر سب نے یہی جواب دیا کہ اب اس کی آنکھیں درست نہیں ہوسکتیں۔ اس کوشش میں قریباً ایک ہزار روپیہ صرف ہوگیا آخر میری اہلیہ حضور غریب نواز علیہ الرحمۃ کی خدمت میں اس بچے کو لے کر گئی اور عرض کیا کہ "جب حضور نے یہ لڑکا دلایا ہے تو خدا سے اس کی آنکھیں بھی دلا دیجیے۔ ورنہ اسے بھی یہیں رکھیے۔" قبلۂ عالم نے اپنا لعاب دہن اس کی آنکھوں پر لگا دیا اور دعائے خیر فرمائی۔ اللہ کے فضل وکرم سے اس کو بینائی حاصل ہوگئی ؎

سب کام بن گئے دلِ محوِ نیاز کے　　　کیا کیا کرم ہیں اُس نگہِ کارساز کے

خالی گیا نہ خادمِ بے خانماں کبھی

یہ فیض ہیں ترے درِ بندہ نواز کے

عبدالقادر درویش:

عبدالقادر نامی ایک درویش ملک چھچھ ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ فقہ اور منطق کے بڑے جید عالم تھے۔ ناظم بھی تھے۔ سیالکوٹ میں درس وتدریس کا شغل رکھتے تھے اور بہت مقبول تھے۔ خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ ایک دفعہ وہ سیالکوٹ سے جلال پور شریف میں تشریف لائے تاکہ حضرت محبوبِ سُبحانی کے ہمراہ سیال شریف

کو جائیں جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قدم بوسی کی بجگہ حضرت سے ہاتھ ملایا
حضرت نے نگاہِ جلال سے ان کی طرف دیکھا جس کا اثر یہ ہوا کہ لباسِ فاخرہ زیبِ تن ہونے
کے باوجود بارگاہِ عالی کے صحن میں جاروب کشی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جب حضرت
سیال شریف کو تشریف لے گئے تو یہ حضور کے ہم رکاب گئے۔ واپسی کے وقت یہ اتفاق
ہوا کہ حضرت تو چلے آئے مگر یہ ایک حجرہ میں سوتے رہے۔ جب سو کر اُٹھے اور حضرت
کی تشریف بری کا حال معلوم ہوا تو دیوانہ وار روانہ ہوئے۔ آخر دوسرے دن خدام
والا کو پا لیا۔ انہوں نے مدتوں سر برہنہ رہ کر مسجد کے لیے پانی بھرا۔ صائم الدہر تھے۔
قرآن اس طرح پڑھتے تھے کہ سامعین بے خود ہو جاتے تھے۔ حضرت محبوب سبحانی
نے ان کو امام مقرر کیا۔ رکوع، قیام اور سجود میں ان پر ایسی حالت طاری ہوتی
تھی کہ قہقہہ کی آواز آتی تھی۔ لوگ حضرت سے کہتے کہ نماز ٹوٹ گئی مگر حضرت ان کی
تسکین فرماتے اور کہتے کہ نماز اور وجد دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔ آدھی رات تک
انتظار میں بیٹھے رہتے تھے کہ حضرت مسجد میں تشریف لا کر نمازِ خواب با جماعت
ادا کریں گے۔ اور یہ وقفہ استغراقِ شہود میں بسر کرتے تھے۔ آخر کار واردات
قوی ہوتی گئیں اور وہ تمام آداب اور تکلیفات سے بالاتر ہو کر صحرا کو چلے گئے۔

اس اثنا میں صاحبزادہ صاحب سے انہوں نے عرض کی کہ بکریوں کا ایک گلہ انہیں
سپرد کیا جائے۔ چنانچہ تقریباً سو بکریاں ان کو دی گئیں لیکن ان بکریوں کی یہ حالت تھی
کہ ہر وقت ان کے ہمراہ رہتی تھیں۔ اگر وہ دھوپ میں ہیں تو یہ بھی دھوپ میں ہیں
اگر وہ کسی درخت کے سایہ میں ہیں تو یہ بھی ان کے گرد جمع ہیں۔ چرنے اور کھانے
پینے سے انہیں سروکار نہ تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ روز بروز لاغر ہوتی گئیں اور پھر مرنے

لگیں۔ آخر کار دس بارہ بکریاں رہ گئیں۔ ایک دن اُن سے کہا گیا کہ ان بکریوں کو چراتے کیوں نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم کو معلوم نہیں یہ عشق پسند ہیں۔ میں جہاں جاتا ہوں میرے ساتھ جاتی ہیں۔

اس کے بعد عبدالقادر مسجد ملاحاں میں گوشہ نشین ہو گئے۔ نہ انہیں نماز سے سروکار نہ آب ودانہ سے مطلب تھا۔ ایک دن ایک صاحب ان کے پاس گئے اور کہا کہ حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کیوں نہیں جاتے۔ جواب دیا کہ تم لوگوں پر افسوس ہے میں کیا کہوں اور کس سے کہوں۔ حضرت نے مجھے جو صورت دکھائی ہے اگر تمہیں اس کی خبر ہوتی تو کچھ جانتے۔ آخر میں سُکر اور محویت کا یہ عالم ہوا کہ پندرہ سولہ دن تک ایک جگہ بے حس وحرکت پڑے رہتے تھے۔ مکھیاں منہ اور آنکھوں میں گھستی تھیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

جیسا کہ حضرت سید محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ "میں شیخ اوحد سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ میں بے ہوش پڑا تھا۔ ان سترہ دنوں شیخ برابر حجرہ میں آتے تھے اور میری پیشانی پر بوسہ دیتے تھے۔ اگر شیخ کو میرے حال سے آگاہی نہ ہوتی تو لوگ مجھے مردہ سمجھ کر دفن کر دیتے۔ سترہ دن کے بعد میں ہوش میں آیا۔

الغرض ایک دن صاحبزادہ صاحب کو کسی شخص نے اطلاع دی کہ تمہارا فلاں درویش ایک خندق میں مرا پڑا ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے فوراً ایک چارپائی بھجوائی لوگوں نے عبدالقادر کو دیکھا کہ بے ہوش پڑے ہیں۔ منہ اور ناک میں مکھیاں گھسی ہوئی ہیں اور انہیں اپنی ذات کی مطلق خبر نہیں مگر لوگوں نے انہیں آواز دی تو انہوں نے جواب دیا اور کہا کہ انہوں نے اب مجھے پھر بلایا ہے۔ جب کہ میں

حد سے گزر چکا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ چارپائی پر لیٹ جاؤ۔ لیکن انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں مردہ نہیں ہوں۔ سوار ہو کر ان کی خدمت میں کیونکر جاؤں۔ اس کے بعد وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور پیادہ پا بارگاہِ عالی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب بنگہ شریف کے قریب پہنچے تو ایک جگہ راہ میں چھپ رہے اور سر جھکا لیا چونکہ عرصہ سے کچھ کھایا پیا نہ تھا اس لیے بدن بالکل خشک ہو گیا تھا اور مطلق طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ اسی طرح بدن پر بھی ایک تہ بند کے سوا کچھ نہ تھا۔

حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو خود ان کے پاس تشریف لائے اور کمال شفقت کے ساتھ فرمایا عبد القادر یہ کیا حال ہے۔ تمہیں کچھ کھانا چاہیے۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق شیر برنج ان کے حلق میں ٹپکائی۔ دو تین دن اس حالت میں بسر کر کے وہ پھر روپوش ہو گئے۔

عرصۂ دراز کے بعد وہ پھر واپس آئے۔ لوگوں نے پوچھا تم کہاں گئے تھے کہا کہ میں جہاں گیا تھا اُسے چین چین کہتے ہیں۔ پوچھا کہ وہاں کس طرح پہنچے کہا کہ یہ میں نہیں بتا سکتا۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ عبد القادر تم ایسی باتیں کرتے ہو جو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ وہ اکثر مستانہ اور بے باکانہ کلمات زبان پر لاتے تھے ایک دفعہ کہا کہ تم اُس خدائے تعالیٰ کو کیا جانتے ہو جسے ایک بات پر قرار نہیں مخلوق سے کچھ اور کہا جاتا ہے اور خود کچھ اور کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ سات سال کے لیے قحط نازل ہو گا۔ ہر نوعِ ذی روح کو آگاہ کر دو کہ سات سال کے لیے آذوقہ کا انتظام کرے۔ مخلوق میں ایک خنزیر بھی تھا جس کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے گر گئے تھے

اور وہ اپنے لیے سامان خوراک ہم نہیں پہنچا سکتا تھا۔ چناں چہ سب نے انتظام کیا اور وہ توکل پہ بیٹھ رہا۔ اب دیکھیے کہ حق تعالیٰ نے ساری دنیا کو تو تردد میں ڈال دیا اور خود اُس خنزیر کی طرف داری کی یعنی پھر قحط ہی نازل نہ کیا۔"

عبدالقادر کی گفتگو نہ ہر شخص سمجھتا تھا اور نہ ہر شخص جواب دے سکتا تھا۔ آخر میں ان کا معمول تھا کہ موسمِ سرما کہسار پنجاب میں بسر کرتے تھے۔ گرمی کے زمانہ میں میرپور چلے آتے تھے۔ سال میں ایک مرتبہ جلال پور شریف میں بھی ضرور حاضر ہوتے تھے لیکن حضرت محبوب سُبحانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد نہیں آئے۔ مطلب یہ کہ حضرت محبوبِ سُبحانی رضی اللہ عنہ کی نظر کی اثر میں مختلف کیفیات تھیں اور کسی لکھے پڑھے کو بیہوش کرنے اور کسی مست الست کو ہوش میں لانے کی تاثیرات ان میں موجود تھیں اور عبدالقادر مذکور اسی نگاہِ ناز کا ایک قتیل تھا۔ بقولِ شاعر ؎

جانے کیا ساقی کی آنکھوں نے اشارہ کر دیا
نذرِ ساغر ہم نے سارا زہد و تقویٰ کر دیا

آبِ حیات شاید تھا آپ کے دہن میں :

جناب مولوی نبی بخش صاحب واعظ رسول نگری لکھتے ہیں کہ میں اپنے برادرِ حقیقی اور چند پیر بھائیوں کے ساتھ عرس[1] مبارک پر جا رہا تھا۔ جس وقت ہم سب موضع کمیرا ضلع گجرات میں پہنچے تو بھوک معلوم ہوئی۔ سب پیر بھائیوں کی رائے ہوئی کہ مکئی بھنا لینا چاہیے۔ چنانچہ چند اصحاب موضع مذکور میں چلے گئے اور میں معہ دو احباب کے موضع سے باہر باہر دریا کی طرف چلا آیا۔ دریائے جہلم کے کنارے ایک شخص

[1] بتاریخ ۲، صفر ۱۳۳۵ھ ۱۲

میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھا تھا اور ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ ہم بھی وہاں پہنچے اور پس ماندگانِ قافلہ کے انتظار میں اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اس سے پوچھا تم کہاں جاؤ گے؟ جواب دیا جلال پور شریف۔ پوچھا کیوں؟ کہنے لگا کہ میں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں چونکہ اس کا لباس پھٹا ہوا اور میلا تھا اس لیے میرے ایک پیر بھائی نے ہنس کر پوچھا کہ میاں تم نے غریب نواز کی مریدی کیوں کی اور ان میں کیا دیکھا؟

وہ شخص کہنے لگا میرا نام محمد الدین ہے۔ کھونتی ضلع گجرات کا رہنے والا ہوں۔ ایک مرتبہ میری ران پر ایسا ورم ہوا کہ میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا اور رفتہ رفتہ تمام پاؤں ورم کر گیا۔ شفا خانوں اور دواخانوں میں دو سال تک علاج کرتا رہا۔ میرا بھائی کلکتہ میں تھا ایک سال کامل اس کے پاس رہ کر بھی علاج کرایا مگر کسی علاج اور درمان سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ صرف پنڈلی کی ہڈی رہ گئی اور تمام گوشت پوست گل سڑ گیا۔ گھر کا تمام اثاثہ دوا دارو میں کام آ گیا۔ میں دن رات ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر پڑا رہتا۔ زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ ایک دن میری چارپائی سڑک پر بچھا دی گئی اور مجھے اس پہ تنہا لٹا دیا گیا۔ دوپہر کے وقت ایک مسافر آیا۔ اس نے میرا حال پوچھا۔ میں نے اپنے پاؤں دکھائے۔ وہ دیکھ کر بہت متحیر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے بھی یہی روگ تھا۔ آخر لوگ مجھے جلال پور شریف لے گئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے اپنا لعاب مبارک زخموں پر لگا دیا اور میں چند ہی روز میں صحت مند ہو گیا۔ تم بھی اگر وہیں چلے جاؤ تو بہت جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔ میں نے یہ سارا ماجرا دالدین سے کہا اگرچہ وہ علاج کرتے کرتے عاجز آ گئے تھے مگر سچی محبت نے جوش مارا اور

مجھے ڈولی میں ڈال کر جلال پور شریف لائے۔ رات کو سرائے میں ٹھہرایا۔ صبح حضور میں پیش کیا۔ آپ نے تعویذ دے دیا مگر میں نے رو رو کر عرض کی کہ حضور اپنا لعابِ دہن لگا دیجیے۔ حضور نے فرمایا اسے لے جاؤ اللہ شفا دے گا۔ مگر میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور للہ مجھ پر رحم فرمائیے اور لعابِ مبارک ہی لگا دیجیے۔ میری بے کسی پر حضور کو ترس آگیا تبسم فرمایا اور لب لگا دیا۔ مجھے اسی وقت سے فائدہ معلوم ہونے لگا۔ والدین گھر سے آئے آٹھ دن کے اندر خدا نے اپنا فضل کر دیا۔ اب آپ مجھے دیکھ لیں کہ میں تندرست ہوں اور انہیں پیروں سے چل کر یہاں تک آیا ہوں اور مجھے حضور سے شرفِ بیعت حاصل ہے۔

تین بتاشے اور تین فرزند:

مولوی صاحب موصوف روایت فرماتے ہیں کہ میرے مہربان دوست مولوی محمد لطیف صاحب تھرڈ ماسٹر ایم۔ بی اسکول پھالیہ ضلع گجرات کے چچا ایک سفید ریش بزرگ ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ انہوں نے اپنی سرگذشت اس طرح بیان کی کہ میں اولاد سے محروم تھا۔ دوا اور دُعا سے بہترین کوشش کی گئیں مگر اولاد پیدا نہ ہوئی۔ عمر زیادہ ہو گئی تھی اس لیے مجھے یقین ہو گیا کہ میں اب دنیا سے بے ثمر جاؤں گا ایک دن میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ تم نے اپنے لیے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ سے کبھی دعا بھی کرائی۔ میں نے کہا مجھے تو ایسی باتیں کرتے شرم آتی ہے۔ کس طرح کہتا اور کس منہ سے کہتا وہ کہنے لگی کہ کہیں پیر سے اپنا حالِ دل چھپاتے ہیں۔ اب کے جاؤ تو حضور میں اولاد کے لیے ضرور گذارش کرنا خیر میں دربار میں حاضر ہوا۔ ایک دن عشا کی نماز کے بعد حضور علیہ الرحمۃ مسند مبارک پر تکیہ لگائے

لیٹے ہوئے تھے اور میں آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ سب لوگ دُعائے خیر کے بعد چلے گئے۔ میرے ساتھ حضور نہایت محبت کی باتیں کر رہے تھے۔ میں نے موقع کو غنیمت سمجھا اور حالِ دل کہہ ڈالا۔ حضور سُنتے ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دیر تک دُعا فرماتے رہے۔ اُس وقت مسندِ مبارک کے قریب بتاشے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تین بتاشے ہاتھ میں آ گئے۔ مجھے دیے اور فرمایا کہ یہ لے جاؤ اور اپنے گھر میں کھلا دینا۔ ہمارے لنگر کا تبرک ہے۔ علی الصباح میں اجازت لے کر روانہ ہوا۔ گھر پہنچا اور حسب الارشاد وہ بتاشے کھلا دیئے۔ خدا کے فضل و کرم سے میرے گھر میں تین لڑکے ہوئے اور تینوں صحیح و سلامت موجود ہیں ؎

میں صدقے اور میں قرباں تری عالی جنابی کے　　نکل آئے بہانے خوب میری کامیابی کے
فلک میں خادمِ حیدرؒ ہوں ابتر ہو نہیں سکتا　　کیسے جا خوب منصوبے میری خانہ خرابی کے
زمانہ آج آتا ہے نظر مسرور و کیف آگیں
کرشمے ہیں یہ سب تیری ادائے بے حجابی کے

مسل سے نام غائب :

جناب مولوی نبی بخش صاحب مرحوم واعظ رسول نگری سے روایت ہے انہوں نے چودھری غلام محمد ولد کریم بخش قوم گوجر گورسی سکنہ چک شیر محمد ضلع گجرات حال آباد کار چک نمبر ۵ متصل اسٹیشن بھلوال ضلع شاہ پور سے سُنا اور ان کے بھائی چودھری علم الدین صاحب اور میاں بگّا نے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے کہ عرصہ بارہ سال کا گذرا کہ ایک شخص مسمی شیرا چور سکنہ چک شیر محمد ہمارے اس باڑے کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھا جس میں ہمارے مویشی بندھے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے مجھے اطلاع دی کہ آج شیرا

گھات لگائے بیٹھا ہے۔ میں فوراً وہاں پہنچا اور اُسے گرفتار کر لیا اور بھی لوگ آ گئے اور شیرا کی خوب ہی خبر لی گئی۔ آخر اُسے تھانے میں لے گئے اس وقت نقیبت علیشاہ تھانہ دار تھے۔ جنہوں نے ملزم کے بیان پر اُسے رہا کر دیا اور کہا رپورٹ لکھواؤ اور ان پکڑنے والوں کے خلاف عرضی دو کیوں کے تمہیں ناحق گرفتار کر کے انہوں نے مارا ہے شیرا نے اسی وقت تحصیل دار صاحب پھالیہ کی عدالت میں مجھ پر اور چند دوسرے لوگوں پر نالش کر دی۔ بعد تصدیق بیان مدعی اور رپورٹ تھانہ ہم بلائے گئے تحصیل دار صاحب نے فردِ جرم لگا کر صفائی طلب کی۔ دوسرے ملزموں نے اپنی اپنی بریت کے گواہ پیش کیے مگر مجھ سے تحصیل دار صاحب کہنے لگے کہ تم اپنی بریت کس طرح پیش کر سکتے ہو جب کہ شیرا کو گرفتار کرنے کا تم نے خود اقبال کر لیا ہے۔ اور اس کے بدن پر زخم موجود ہیں۔

یہ بات بلند آواز سے متعدد آدمیوں کے سامنے خاص پھالیہ میں تحصیل دار صاحب نے کہی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میں ضرور قید کر لیا جاؤں گا۔ گھر پہنچا تو بے قراری اور بھی بڑھ گئی۔ گاؤں بھر یک زبان ہو کر کہہ رہا تھا کہ غلام محمد ضرور سزایاب ہو گا۔ میں نے فوراً توشہ باندھا اور دربار جلال پور شریف میں حاضری دی۔ حضور غریب نواز علیہ الرحمۃ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور نے توجہ خاص دُعا فرمائی اور میں مطمئن و تسلی ہو کر گھر واپس آ گیا۔

تاریخ آئی قادر آباد ضلع گجرات میں تحصیل دار صاحب کا مقام تھا۔ سب لوگ وہاں حاضر ہوئے۔ میری زبان پر اس وقت یا حیدرؓ یا حیدرؓ یا حیدرؓ یا حیدرؓ جاری تھا اور طبیعت میں کمال تشویش تھی۔ خیر۔ طلبی ہوئی تحصیل دار صاحب نے سب ملزموں

کو نام بنام بلایا۔ میرا نام نہ لیا۔ پھر سب کو بری کر دیا اور مجھ سے کچھ نہ کہا۔ میں بہت گھبرایا اور عرض کیا کہ جناب میرے لیے کیا حکم ہے۔ تحصیل دار صاحب نے پوچھا تم کون ہو میں نے کہا غلام محمد۔ تحصیل دار نے مسل کو دیکھا۔ کاغذ اوپر نیچے کیے اور کہنے لگے کون غلام محمد؟ چلے جاؤ! نکل جاؤ! میں نے عرض کیا کہ میں ملزم ہوں تو انہوں نے پھر مسل کو بغور دیکھا اور کہا کہ نکل جاؤ۔ میں سراسیمہ ہو کر وہیں ٹھہر گیا مگر چپراسی نے مجھے جبراً نکال دیا اور مدعی شیرا پر پندرہ روپیہ جرمانہ ہوئے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

مقدمہ مدعی نے جیتا اور زمین مدعا علیہ کو ملی :

جناب مولوی نبی بخش صاحب مرحوم رسول نگری فرماتے ہیں کہ مجھ سے چودھری محمد باہلا صاحب نمبردار قوم وڑائچ چک نمبر ، شاخ شمالی متصل اسٹیشن بھلوال ضلع شاہ پور نے مندرجہ ذیل واقعہ بیان کیا کہ سارنگ ضلع گجرات میری اصل سکونت ہے۔ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے میری بیعت ابتدا سے تھی۔ ہمارے نانا صاحب گوٹھ بھولک کے تھے۔ ان کی وراثت کے بھی ہم ہی مالک تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے وارثوں نے زمین سے بے دخل کرنا چاہا اور نالش کر دی روپیہ بہت ہی زیادہ خرچ ہوا کیوں کہ زمین آٹھ سو بیگھے کے قریب تھی۔ نیاز مند راجہ امیر بخش صاحب اور چودھری اکبر علی صاحب رئیس کو ساتھ لے کر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی حضوری میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا سنایا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ وہ زمین کیوں نہیں لکھ دیتے تاکہ جھگڑا رفع ہو جائے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضور وہ تو مقدمہ میں کئی سو روپیہ خرچ کر چکے ہیں۔ بھلا زمین کس طرح لکھ دیں گے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ اگر لکھ دیں تو بہت اچھا ہے۔ مقدمہ کے متعلق کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ حالاں کہ بار بار ہر سائل نے مقدمہ کے بارہ

میں عرض کی مگر اس کے سوائے حضور نے کچھ نہ فرمایا کہ اگر وہ زمین لکھ دیں تو بہت اچھا ہے۔ بعد ازاں حضور نے دعائے خیر فرمائی اور ہم سب لوگ رخصت ہو کر چلے آئے آتے ہی تاریخ تھی۔ حاضر ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقدمہ مدعی نے جیت لیا اور ہمیں بڑی زیر باری کے ساتھ شکست ہوئی۔

میری طبیعت حضور قبلۂ عالم کی طرف سے بالکل بدعقیدت ہو گئی اور بڑے بڑے خیالات دل میں جاگزین ہونے لگے۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ مدعی خود ہمارے گھر آئے اور ہم سے کہنے لگے کہ زمین تمہاری ہے تم ہی کاشت کرو۔ ہم حیران تھے کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ جب انہوں نے بار بار اصرار کیا تو میرے رفقا نے کہا کہ اچھا ہم کاشت کریں گے۔ میں نے کہا کہ کل ہمیں تم پھر بے دخل کر دو گے تو وہ کہنے لگے کہ عدالت میں چلے چلو۔ وہاں چل کر جو چاہو لکھوا لو۔ چنانچہ مدعیوں نے اپنے ہاتھ سے وہ زمین ہمیں لکھ دی۔

میں بخلوص و شوق حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام حال سنایا۔ حضور متبسم ہوئے اور فرمایا بہت اچھا ہوا کہ ان لوگوں نے زمین تمہارے نام لکھ دی۔

نمبرداری بھی ہماری :

بعد ازاں ہمیں حضور کی دعا سے مربعے مل گئے اور نمبرداری کا وقت آ گیا۔ میرے مقابلے پر ایک ایسا شخص کھڑا ہوا جو بڑا منتظم، مدبر اور کمال درجہ کا خوشنویس معزز زمیندار تھا اور جس کے ساتھ سب گاؤں والے تھے۔ صاحب بہادر نے جب بنگلے پر لوگوں کو بلایا اور نمبرداری کے بارہ میں پوچھا تو سب نے ہمارے حریف کے

موافق رائے دی۔ میں صبح کی نماز کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے فرمودہ وظائف سے فارغ ہوا تو مجھے اونگھ آگئی اور کسی نے مجھے کہا کہ توشہ مان کر وہاں جانا چنانچہ میں نے توشہ مان لیا اور میدانِ مقابلہ میں سب کے ساتھ پہنچا چوں کہ عام رائے میرے حریف کی طرف تھی اور وہ ہر طرح قابل بھی تھا۔ اس لیے صاحب بہادر کا خیال بھی اسی طرف ہو گیا۔ حکم دینے اور فیصلہ لکھنے کو تیار تھا۔ قلم کو حرکت دے چکا تھا کہ دعائے غریب نواز اور فضل خدائے بے نیاز نے اس ہاتھ کو روک لیا۔ وہ ٹھیرا، رُکا، جھجکا، گردن ہلائی اور قلم دانتوں میں داب کر دیر تک کچھ سوچتا رہا اس کے بعد حکم دیا کہ اچھا تم پرسوں آؤ اس دن حکم سنایا جائے گا۔ گویا اور قرب وجوار کے تمام لوگوں کو نمبرداریاں مل گئیں مگر ہمارے لیے تاریخ مقرر ہو گئی۔

میرے دل کو یقین تھا کہ توشۂ خواجگان مان چکا ہوں اور خاندان چشت کے تصرف نے خدا کی مرضی پاکر صاحب کے قلم کو اس وقت روک دیا ہے جو خالی از حکمت نہیں ہے میں واپس آرہا تھا کہ راستے میں مجھے ایک تجویز اور سوجھ گئی جس کی تعمیل میں نے اسی رات اور دن میں کر لی۔ دوسرے دن جب ہم دونو حاضر ہوئے تو صاحب بہادر نے بعد غور وخوض نمبرداری مجھے دے دی۔ اور حریف چابک دست اپنا سامنہ لے کر رہ گیا ۔

دشت قدرت میں ہے ان کے نامۂ تقدیر بھی | ان سے مل کر راست ہو جاتی ہے ہر تدبیر بھی
عالم حیرت میں جو رہتے ہیں حق سے ہمکلام | گھر بنا لیتی ہے ان کی بات میں تاثیر بھی
کیا عجب کچھ اور سے ہو جائے میرا حال اور | کیا عجب بدلے میری تقدیر کی تحریر بھی
میں بھی اُس در کا گدا ہوں میں بھی اُس در کا غلام | وہ میرے آقا بھی ہیں سردار بھی ہیں پیر بھی

لیجیے یا پیر اب بہرِ خدا میری خبر میں غمِ دنیا سے ہوں رنجور بھی دل گیر بھی
دیجیے یا پیر! اُن کے ظلم سے مجھ کو اماں
میری دشمن ہے زمیں بھی آسمانِ پیر بھی

جس کو جی چاہے ملاقات نہ ہو کیا معنی:

جناب سید میر حسین شاہ صاحب سکنہ کھوتھیاں تحصیل چکوال روایت کرتے ہیں کہ ایک روز گہنا ساکن سوہاوہ نے بیان کیا کہ میرے بھائی میاں قمر الدین کی بیوی فوت ہو گئی تو دوسری شادی کے لیے تلاش و جستجو ہوئی۔ میرے بھائی کو موضع جینتی پور میں ایک رشتہ پسند آیا۔ ہر چند کوشش کی گئی لیکن لڑکی والوں نے صاف انکار کر دیا بلکہ ہمارا نام سنتے ہی طیش میں آ گئے اور گالیاں دینے لگے۔ جب سب طرف سے مایوسی ہوئی تو حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کی حضور میں آ کر عرض کی۔ آپ نے دعائے خیر فرمائی اور ارشاد فرمایا پھر جا کر درخواست شادی کرو۔ میں نے عرض کی کہ جینتی پور سے آج ہی ناکام واپس آیا ہوں۔ حکم ملا پھر جاؤ۔ ہم حسب الحکم وہاں گئے تو ان لوگوں نے بلا طلب وہ لڑکی ہمیں دے دی اور شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

دریا ہٹ گیا:

خلیفہ سید احمد شاہ صاحب نے بیان کیا کہ جلال پور شریف کے گوندلوں نے دو آم کے درخت اپنی اراضی میں دریائے جہلم کے کنارے لگائے تھے۔ جب دریا زمین کو کاٹتا ہوا درختوں کے قریب جا پہنچا اور صرف دو تین قدم کا فاصلہ رہ گیا تو مالکانِ درخت نے آ کر حضور میں عرض کی کہ قبلہ عالم وہ دو نو درخت ہم نے آپ کی نذر کر دیے۔ حضور نے بکمالِ خندہ پیشانی پنجابی میں فرمایا "موئی ہوئی لیلیٰ میاں مجنوں دے ارواح" اور دعائے

خیر کی۔ لوگوں نے صبح جاکر دیکھا تو دریا کا زور ادھر سے ہٹ گیا تھا اور درخت اور باقی زمین بالکل محفوظ تھی ؎

تو طالب مولیٰ بھی تو مرشدِ والا بھی
قابو میں ترے دنیا بس میں ترے عقبیٰ بھی
مائل ہے زبردستی ہر گاؤں ہر اک بستی
انسان کی کیا ہستی، کہنے میں ہیں دریا بھی

خواب میں مشکل حل ہو گئی:

جناب محمد عبدالوہاب صاحب اہل مد نکاح خواناں مظفر گڑھ سے روایت ہے کہ اتفاقیہ منشی غلام یوسف ہیڈ کانسٹیبل پولیس خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ جو میاں محمد اشرف صاحب مرحوم سکنہ موضع لنڈ پور ڈاک خانہ کالا کے پوتے ہیں میرے پاس تشریف لائے۔ دوران گفتگو میں حضرت قبلہ عالم خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر کرتے ہوئے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ دسمبر ۱۹۰۶ء میں میں ٹمن ضلع اٹک کے تھانے میں بعہدہ ہیڈ کانسٹیبل پولیس مامور تھا۔ ایک دفعہ اونٹوں کی چوری ہو گئی اور میں نے اپنی رپورٹ میں اونٹوں کو آوارہ شدہ لکھ دیا اس پر کپتان صاحب ناراض ہو گئے اور لکھا کہ رپورٹ غلط ہے کیوں نہ تمہارا تنزل کر دیا جائے۔ اس موضع کے قریب میرا شریعت میں ایک بزرگ فقیر احمد صاحب خلیفہ حضرت تونسوی علیہ الرحمۃ مقیم تھے ان کی خدمت میں جاکر میں نے یہ ماجرا بیان کیا اور اپنے سلسلۂ بیعت سے آگاہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تو لاکھ مرتبہ یَاحَافِظُ پڑھ اور جب حاکم کے سامنے جانا ہو تو سات مرتبہ یَاسَتَّارُ پڑھ کر اپنے چہرہ پر دم کر لینا اور یہ خیال کرنا کہ دائیں طرف حضرت رسالت مآب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور

بائیں جانب حضرت خواجہ غریب نواز سید غلام حیدر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ موجود ہیں اور جو وظائف حضرت صاحب نے بتائے ہیں۔ وہ برابر پڑھتے رہنا۔ ناغہ نہ کرنا۔ اس واقعہ کو کوئی دو مہینے گذرے تھے کہ اونٹ مل گئے اور ملزم بھی گرفتار ہو گئے حالانکہ کوئی اُمید اُن کے ملنے کی نہ تھی۔ ملزموں کو سزائے قید ہو گئی مگر وہ کاغذات جن پر کپتان صاحب نے میرے خلاف حکم دیا تھا زیر تجویز رہے اور میرا نہایت سختی کے ساتھ جواب لیا گیا۔ میں نہایت پریشان خاطر تھا۔ ایک رات وظیفہ پڑھتے پڑھتے سو گیا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں گویا جلال پور شریف میں موجود ہوں اور حضرت صاحب خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ اس مکان میں رونق افروز ہیں جہاں اب آنحضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مزار شریف ہے اور صحن میں وہی بزرگ فقیر احمد صاحبؒ ایک ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ میں نے ان کی پرواہ نہ کی بلکہ سیدھا حضرت صاحبؒ کے پاس چلا گیا۔ حضرت نے مجھ سے خیریت دریافت فرمائی۔ پھر خود وضو فرمایا اور مجھے بیعت کیا اور پانچ تسبیحیں درود شریف کی وظیفہ فرمائیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اب تم کو قیامت تک کوئی شخص نہ ستائے گا۔

میں حضرت صاحب علیہ الرحمتہ سے رخصت ہو کر واپس آیا تو دیکھا کہ وہ بزرگ ہنوز اُسی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے اب بھی ان کی پروا نہ کی اور باہر کی طرف چلنے لگا کہ ان بزرگ صاحب نے آواز دے کر مجھے بلایا اور پوچھا کیا بیعت ہو گئی؟ میں نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے میری پیٹھ ٹھونکی اور فرمایا کہ جس کے پیر حیدرؒ شاہ ہوں اس کو کیا ڈر ہے۔ پیٹھ ٹھونکنے سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اسی دن صبح تمام کاغذات شکایت داخل دفتر ہو گئے اور بات رفع دفع

ہو گئی ؎

بھلا کیوں کر نہ ایسے پیر کا دل پر اثر بیٹھے	کہیں آؤ نہ جاؤ بات بن جاتی ہے گھر بیٹھے

تماشا دیکھنا ہو جس کو شاہی و گدائی کا

وہ ان کے خادموں کی ٹولیوں میں آن کر بیٹھے

حقیقت میں اسے کہتے ہیں اندازِ مسیحائی :

مولوی حکیم اللہ دین صاحب ساکن ملک وال نے جو خاکسار راقم الکتاب کے ہمراہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جا رہے تھے۔ اثنائے سفر میں حسب ذیل واقعات، حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان فرمائے :

۱۔ میں ضلع پورینہ علاقہ بنگال کی ایک ریاست میں بطور طبیب سرکاری ملازم تھا کئی سال کے بعد حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ بوقتِ رخصت خیال آیا کہ میں اس قدر دور دراز علاقے میں جا رہا ہوں۔ وہاں حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ مجھے کس طرح مدد پہنچائیں گے۔ میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ حضور میرے وسوسے سے واقف ہو گئے اور فرمانے لگے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار

جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

ہم دور نہیں ہوتے صرف گردن جھکانے کی دیر ہوتی ہے اور موجود ہو جاتے ہیں۔ خیر میں رخصت ہو کر بنگال چلا گیا۔ وہاں دورانِ سر کے عارضہ میں بیمار ہو گیا۔ گیارہ بارہ روز تک سخت پریشان رہا۔ بہتیرے علاج کیے مگر افاقہ نہ ہوا اور نہ حضور قبلہ عالم علیہ الرحمۃ کا خیال آیا۔ ایک روز میں درد سے نہایت

بے چین اور مغموم تھا کہ میرے منہ سے بے ساختہ یہ شعر نکل گیا ؎

خبر لے اے مسیحا تو کہاں ہے

تیرا بیمارِ فرقت نیم جاں ہے

خیال کا آنا تھا کہ میں جس کمرہ میں لیٹا ہوا تھا اس کے دروازے سے عالمِ بیداری میں حضور کو دوپٹے کا آنچل شانوں پر لٹکائے تسبیح در دست اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ تشریف ارزانی فرماتے ہی حضور ممدوح نے کچھ پڑھ کر دم فرمایا میں حیران و ششدر رہ گیا۔ اتنے میں آپ باہر تشریف لے گئے۔ میں اُٹھا لیکن مجھ کو آپ کی پشت نظر آئی اور پھر آپ غائب ہو گئے۔ اس کے بعد درد معًا کافور ہو گیا ؎

ان کے بیمار تڑپ کر جو صدا دیتے ہیں ہر مرض کی وہ محبت سے دوا دیتے ہیں

اللہ اللہ رے رُتبہ ترے بیماروں کا ملک الموت بھی پیغامِ شفا دیتے ہیں

نامرادانِ محبت کسی قابل ہی نہیں بات بگڑی ہوئی سرکار بنا دیتے ہیں

جو اثر ان کی دعا میں ہے وہ اوروں میں کہاں

یوں تو سب پیر مریدوں کو دعا دیتے ہیں

انتہائے کشف :

۲۔ ایک آدمی روز میرے پاس آیا کرتا تھا اور عرض کیا کرتا تھا کہ میری نسبت ایک جگہ ہو گئی تھی مگر اب لڑکی والے انکار کرتے ہیں۔ میرے ساتھ چل کر حضور سے دُعا کرا دیجیے۔ ایک مدت تک تو میں ٹالتا رہا مگر اس کے اصرار سے مجبور ہو کر آخر ایک دن اُسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ حضور میں جا کر ہم دونوں بیٹھے

ہی تھے کہ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ ع

مردیت آزما دانگہ زن کن

میں نے یہ سنا تو دنگ رہ گیا اور پھر اس کی درخواست پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی کچھ دیر وہاں ٹھیر کر میں اس آدمی کے ساتھ باہر آیا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا تو نامرد ہے۔ اس نے سر جھکا کر تسلیم کیا اور پوچھا یہ راز آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔ میں نے کہا حضور نے اشارۃً ہماری دلی خواہش کا فیصلہ درخواست سے پہلے کر دیا۔

سلسلہ شریف کی کرامت :

۳۔ مولوی عموماً بداعتقاد ہوتے ہیں اور بزرگانِ طریقت پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ جب تک مشاہدۂ عینی سے ان کو تسکینِ قلبی حاصل نہ ہو۔ ان کے احکام کی متابعت نہیں کرتے۔ یہی حال میرا بھی تھا کہ عرصۂ دراز تک میرا خیال کسی بزرگ کی نسبت راسخ نہ ہوا حالاں کہ خواجہ الہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی میں اکثر سفر میں رہا لیکن جب تک حضور سے بیعت نہ کی بزرگوں کی عقیدت دل میں پیدا نہ ہوئی اس پر بھی یہ حال تھا کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے کئی دفعہ عربی سلسلہ شریف پڑھنے کا حکم دیا مگر میں اس حکم کو ٹالتا رہا اور میرے دل میں یہ وسوسہ جما رہا کہ سلسلہ پڑھنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا کافی ہے جب کبھی حاضری کا اتفاق ہوتا۔ حضور دریافت فرماتے اور میں صاف صاف عرض کر دیتا کہ میں نے کبھی سلسلہ شریف نہیں پڑھا۔ یہ سن کر آپ پھر پڑھنے کی تاکید فرماتے۔

ایک دفعہ مجھے خیال آیا کہ حضور کے حکم کی تعمیل تو کر دوں کیا حرج ہے۔ چنانچہ

اپنی مسجد میں بوقت چاشت سلسلہ شریف پڑھنا شروع کیا۔ دفعتاً بزرگانِ کرام جوق جوق اندر آنے لگے اور میرے پاس بیٹھنے لگے اور تو میں کسی بزرگ کو پہچان نہ سکا مگر حضرت خواجہ تونسوی علیہ الرحمۃ کی تصویر میں نے دیکھی تھی۔ جب وہ میرے قریب آکر بیٹھے تو میں تعظیماً اُٹھ کھڑا ہوا لیکن سب حضرات آنکھوں سے اوجھل اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں نے اس کو حضور کی کرامت سمجھا اور اس دن سے آج تک کبھی سلسلہ شریف کے وظیفے کو نہیں چھوڑا ؎

پڑھتے ہی دور ہو گیا زنگ دلِ کثیف کا
ہے یہ عجیب سلسلہ، سلسلہ شریف کا

علمِ شریعت مقدم ہے یا پیرِ طریقت:

جناب مولوی محمد بخش صاحب ساکن گوڑہا ضلع گجرات راوی ہیں کہ ایک شخص مسمی میاں ابراہیم صاحب حیدری کو ایک عجیب واقعہ درپیش ہوا وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز مسجد گلگوان واقعہ قصبہ بھیرہ میں ایک اجنبی شخص فروکش تھا جب رات کو طلبائے مقیم مسجد اپنی اپنی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے تو مجھ میں اور اس نووارد میں مکالمہ ہونے لگا۔ وہ کہتا تھا تحصیل علمِ شریعت مقدم ہے میں کہتا تھا بیعت پیرِ طریقت ضروری ہے۔ بحث بہت بڑھ گئی لیکن آخر اُس نووارد نے مجھے ہرا دیا اور خاموش کر دیا۔ میرا قلب اس کے کلام سے متاثر معلوم ہوا اور میں سوچنے لگا کہ واقعی پیر کی خدمت میں حاضر ہونے سے تحصیل علم شریعت بہتر اور ضروری ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو میرے دل سے وہ تمام ذوق و شوق جو ذکر و اذکار سے پیدا ہوتا تھا جاتا رہا اور عقیدت مندی جو حضور کی نسبت تھی وہ بھی معدوم ہو چلی میں نے

دل میں ٹھان لی کہ اب کبھی جلال پور شریف نہ جاؤں گا اور جو وقت وہاں جانے آنے میں صرف ہوتا ہے وہ تحصیلِ علم میں صرف کروں گا۔

جب دن گذر گیا اور رات آئی تو میں نے نمازِ عشا ادا کی اور دعا و حاجات کے لیے ہاتھ اُٹھائے پھر سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ دوزخ موجود ہے، اور پلصراط اس پر نصب ہے۔ آگ کے شعلے پورے زور کے ساتھ بھڑک رہے ہیں۔ تمام مخلوقات نفسی نفسی پکار رہی ہے۔ جب میں نے یہ نظارہ دیکھا تو مارے خوف کے چیخیں مارنے لگا اور فریاد کرنے لگا لیکن کوئی فریاد رس نہ ملا۔ آخر حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا تصور دل میں جمایا اور فریاد رسی چاہی۔ فی الفور حضور علیہ الرحمۃ نے اپنے دیدار فرحت آثار سے تسکین بخشی اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب اس وقت اس منکرِ طریقت سے مدد کیوں نہیں مانگتے جس کے آپ مقلد ہیں۔ میں بہت گڑگڑایا عجز و انکسار کا وسیلہ درمیان میں لایا۔ میری منت و سماجت سے حضرت قبلہؒ نے رحم فرمایا اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دوزخ سے پار کر دیا۔ اب میں ایسی فرحت انگیز اور مسرت خیز جگہ پر تھا کہ وہاں جاتے ہی مشام دل و دماغ معطر ہو گیا اور آنکھ کھل گئی بے اختیار کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ منہ سے نکل گیا۔ نمازِ فجر ادا کی اور عقیدۂ سابقہ سے تائب ہو کر علی الصباح جلال پور شریف کی طرف چل نکلا۔ سعادت قدم بوسی حاصل کی۔ اثنائے گفتگو میں چند کلمات اشارۃً آپ کی زبان فیض ترجمان سے ایسے نکلے کہ میرے خیالات برگشتہ صحیح ہو گئے اور اُن پر یقین کی ایک ایسی روشنی پڑی کہ تمام شکوک یک لخت رفع ہو گئے ۔

بجز مرشد کوئی اس علم کو سمجھا نہیں سکتا سمجھ میں اس طرح علم شریعت آ نہیں سکتا
طریقت اور شریعت میں جو ہے اک فرق نازک سا کوئی دکھلا نہیں سکتا، کوئی بتلا نہیں سکتا
ہُوا جس کو پسند آئی گلستانِ طریقت کی
وہ بُلبُل چھوڑ کر اس باغ کو پھر جا نہیں سکتا

انقلابِ خیالات :

مولائے موصوف راوی ہیں کہ میاں محمد الدین ولد میاں علی محمد ساکن مونگ ضلع گجرات نے راقم کے روبرو بیان کیا کہ ابتدا میں جب میں نے حضور کی بیعت حاصل کی تو شوق و محبت سے دل لبریز ہو گیا لیکن بعد چندے میرے دل میں کچھ خطرات پیدا ہو گئے اور ارادہ ہوا کہ حضرت صاحب قبلہ کی بیعت سے دست بردار ہو کر مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت میں داخل ہو جاؤں اور ان کو مسیح موعود تسلیم کر لوں۔ ارادہ سفر مضبوط ہو گیا لیکن رات کو سویا تو خواب میں حضرت قبلۂ عالم جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ بجسم لطیف تشریف لائے اور مجھ سے زجر و توبیخ کرنے لگے۔ میرے دل میں نورِ ایمان کا ایسا جلوہ چمکا دیا کہ تمام وساوس و خطرات جو پیدا ہو گئے تھے دور ہو گئے اور میں نے صبح اُٹھ کر اپنے بُرے ارادہ سے توبہ کر لی ۔

ہر پیر زمانے میں تو بس پیر ہوا ایسا جو سب کی خبر رکھے خبر گیر ہوا ایسا
با دقر کرے صاحبِ توقیر ہوا ایسا دل سب کا رکھے ہاتھ میں دلگیر ہوا ایسا
لِلّٰہ خبر لیجیے یا پیر ہماری
بن جائے یہ بگڑی ہوئی تقدیر ہماری

ذہن کھل گیا :

مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ میں نے میاں ابراہیم صاحب کی زبانی سنا ہے کہ ایک طالب مسمّٰی عبداللہ طلبِ علم میں مصروف ہوا لیکن اس کا حافظہ نہایت کمزور تھا اور اتنا کند ذہن تھا کہ جو کچھ پڑھتا بھول جاتا۔ آخر تنگ آکر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوا اور اپنی کند ذہنی کا حال بیان کیا۔ حضرت غریب نواز علیہ الرحمۃ نے دعائے خیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ عبداللہ جاؤ۔ کوشش کرو۔ اللہ کامیاب کرے گا۔ جب وہ طالب علم حضور سے رخصت ہوکر موضع نور پور ضلع شاہ پور میں مولوی صاحب کے پاس بغرضِ استفادہ حاضر ہوا تو پہلے ہی روز اس کی بد ذہنی اور ضعیف الدماغی جاتی رہی۔ کتبِ فقہ شروع کر دی گئیں۔ رفتہ رفتہ شرح وقایہ کی نوبت ہوگئی۔ جب سبق شروع ہوا تو دیباچے ہی میں عبداللہ نے مولوی صاحب سے چند ایسے لاینحل سوالات دریافت کیے کہ مولوی صاحب دنگ رہ گئے اور اپنی کم فہمی کا اقرار کر کے عبداللہ کی تعلیم سے مجبوراً دست بردار ہو گئے ؎

ملا کسی کی عنایت سے وہ دماغ مجھے حصولِ علم سے حاصل ہوا فراغ مجھے
جو دستگیر ہوا ہاتھ پیر و مرشد کا
تو راہِ علم کا ملنے لگا سراغ مجھے

اژدہا مار ڈالا :

سیّد احمد شاہ صاحب ساکن گوڑہا ضلع گجرات راوی ہیں کہ :

جب میں نے حضرت سے بیعتِ طریقت حاصل کی تو حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذکر جہر کیا کیجیے۔ میں نے ترتیب دریافت کی۔ حضور نے ترتیب ذکر جہر

کی تعلیم دی۔ وہاں سے رخصت ہو کر موضع ڈھیٹی بر لبِ دریائے جہلم سکونت اختیار کی۔

اس زمانے میں یہاں سانپ بکثرت پائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ آدھی رات کو جب میں ذکرِ جہر میں مشغول تھا۔ ایک اژدہا نمودار ہوا اور سامنے آکر ٹھہر گیا۔ وہ دم بدم کھڑا ہو جاتا تھا۔ اس طرح گرتے پڑتے مجھ سے بہت قریب ہو گیا۔ میں گھبرایا اور حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا تصور کرنے لگا اور ذکر جاری رکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ گویا حضرت قبلۂ عالم بہ نفسِ نفیس موجود ہیں اور سانپ کی گردن پکڑ کر اسے دور پھینک رہے ہیں۔ بخیر میں بدستور ذکر و فکر میں مصروف رہا۔ صبح ہوئی نمازِ فجر ادا کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ خیال کیا کہ اب اژدہا کو دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ گیا اور دیکھا تو ایک نہایت مہیب الصورت اژدہا پڑا پایا جو نیم مردہ تھا۔ یہاں سے قریب ہی ایک شخص مسمٰی مالی جو ہمارا پیر بھائی تھا، کاشتکاری کر رہا تھا۔ میں نے اس کو بلایا اس نے لکڑی سے اس کو مار ڈالا۔

کوئی جہاں سے پکارے وہیں وہ ہیں موجود ضرورت ان کو نہیں ہے بلانے جانے کی
شکست دیو کر دیں، اژدہے کو زیر کریں
یہ خاص شان ہے سادات کے گھرانے کی

دردِ قولنج جاتا رہا:

۲۔ ایک مرتبہ میں مرضِ قولنج میں گرفتار ہو گیا۔ ہر چند علاج کیا گیا لیکن افاقہ نہ ہوا آخر مجبور ہو کر حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص کو بغرضِ عرضِ حال روانہ کیا۔ وہ پہنچا میرا سارا ماجرا سنایا۔ حضور نے فرمایا احمد شاہ کو کوئی بیماری نہیں ہے۔ اس

شخص نے عرض کی کہ قبلۂ عالم میں تو انہیں سخت بیمار چھوڑ کر آیا ہوں۔ یہ سُن کر آپ نے اپنا دستِ مبارک اُٹھایا اور انگلی سے اشارہ فرما کر کہا کہ جاؤ ان شاءاللہ بیماری چلی جائیگی وہ شخص رخصت ہو کر عصر کے وقت گھر پہنچا تو میں بالکل تندرست تھا عین اسی وقت جب کہ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے دعائے خیر فرمائی تھی۔ میرے پیٹ سے ایک سخت آواز پیدا ہوئی اور مجھے محسوس ہوا کہ کوئی ہاتھ میری آنتوں کے خم اور پیچ اُتار رہا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے شفائے کلی حاصل ہو گئی۔ یہ ہاتھ یقیناً حضرت صاحب ہی کا تھا جو باطن میں کارگر ہوا۔

سورج کی رفتار روک دی :

۴۔ ایک روز میں آستانِ عالی سے رخصت ہوا تو آفتاب قریب الغروب تھا اور میں اس پس و پیش میں تھا کہ سورج تو یہیں غروب ہوا جاتا ہے گھر پہنچتے پہنچتے بہت رات ہو جائے گی۔ جنگل کا راستہ ہے کس طرح پہنچوں گا۔ حضور نے اس خیال کو معلوم کر لیا اور مجھ سے فرمایا آپ بے خوف و خطر چلے جائیں۔ سُورج غروب ہوتے ہی گھر پہنچ جائیں گے۔ میں حسب الحکم چل پڑا۔ لب دریا پہنچا تو کشتی تیار تھی اور سورج وہیں موجود تھا۔ کشتی کنارے پر پہنچی تو بھی سورج اسی جگہ تھا۔ دل میں خیال آیا کہ شاید اب غروب ہو جائے گا لیکن حضرت کا فرمان تسلی بخش تھا۔ پھر چل پڑا جب مضافاتِ منزلِ مقصود میں داخل ہوا اُس وقت بھی سورج اُسی مقام پر ٹھیرا ہوا تھا اور جب عین صحنِ سکونت میں قدم رکھا تو نمازِ مغرب کا وقت شروع ہو گیا۔ سبحان اللہ تعالیٰ ؎

انگلی کے اک اشارے سے دردِ جگر گیا — دیکھا اُٹھا کے آنکھ تو سورج ٹھہر گیا
جن کی نظر میں تھا اثرِ برقِ کیمیا — وہ لوگ کیا ہوئے وہ زمانہ کدھر گیا

خواب میں عقدہ کشائی :

جناب بابو محمد امین صاحب گڈس کلرک کراچی فرماتے ہیں کہ مارچ ۱۹۱۶ء میں جب کہ میں خاص بہاؤالدین اسٹیشن پر ملازم تھا۔ ایڈیٹر صاحب رسالہ صوفی سے رسالہ برزخ لے کر اس کا مطالعہ کیا۔ بمجرد مطالعہ میرے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگے اور میں رجا سے کوسوں دور ہو کر بیم کے پھندے میں پھنس گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ میری نجات ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اس خیال نے طبیعت کو بے حد بے چین کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک شب بعد نمازِ عشاء رات کو تین بجے تک نیند نہ آئی۔ آخر کار اسی فکر و تردد میں آنکھ لگ گئی۔ خواب میں حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرع پڑھنے لگے۔ ع

برصراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

بس یہ سنتے ہی آنکھ کھل گئی طبیعت خوش تھی اور یہ شعر زبان پر جاری تھا کہ ؎

مِری بندگی سے مِرے جرم افزوں
ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

سلبِ خنازیر :

جناب سید میر حسین صاحب ساکن کھوتیاں تحصیل چکوال سے روایت ہے کہ ایک عورت مرضِ خنازیر میں مبتلا تھی۔ اس کی گردن اور سینہ دونوں خراب ہو چکے تھے۔ مرض کی شدت تھی اور مریضہ اپنی زندگی سے بیزار تھی۔ میں نے اس کی حالت حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی حضور میں عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اکتالیس مرتبہ الحمد شریف پانی پر دم کر کے مریضہ کو پلا دو لیکن اس طرح کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

کا آخری میم الحمد کے لام سے ملا کر پڑھا جائے یعنی مِلحَمدُ لِلّٰہِ۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور مریضہ کو خدا نے شفائے عاجل عطا فرمائی۔ اب بارہ چودہ سال ہو چکے ہیں وہ بالکل تندرست ہے۔ میں نے حضور سے کہا کہ ایک کتاب میں یہ ترکیب درج ہے مگر اس میں لکھا ہے کہ "وَلَا الضَّآلِّیْنَ" کے بعد تین مرتبہ "اٰمِیْنَ" کہنا چاہیے آپ نے فرمایا کچھ ضرورت نہیں۔ فائدہ تو صرف تعمیلِ حکم شیخ میں ہے ؎

نہ کچھ تاثیر نسخے میں نہ کچھ صحت دوا میں ہے
جو کچھ ہے کامیابی وہ فقط حکمِ خدا میں ہے
عقیدہ چاہیے ہر لفظ اپنا کام کرتا ہے
حصولِ مُدعا کا راز مرشد کی دعا میں ہے

عدول حکمی کی سزا مل گئی "توشہ حقہ نوش نہ کھائیں":

یہی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک عرس کے موقع پر ہم بہت سے پیر بھائی جمع تھے میاں فضل مہتمم دیوان خانہ و مہمان سرائے اور سید غلام شاہ صاحب خلیفہ کی موجودگی میں حافظ اللہ دین صاحب آئے اور کہا کہ جو شخص حقہ پیتا ہے وہ الگ بیٹھ جائے کیوں کہ ہمیں توشہ خواجگان چشت تقسیم کرنا ہے اور حضور کا فرمان ہے کہ کوئی حقہ نوش توشہ نہ کھائے۔ بجز دسنے اس علاج کے کچھ لوگ اٹھ کر چلے گئے اور کچھ بیٹھے رہے حافظ اللہ دین صاحب فرمانے لگے کہ جو آدمی باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے حقہ نوشوں کو ہم خود علیحدہ کیے دیتے ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم (رحمۃ اللہ علیہ) کے فیض صحبت سے اتنی صفائی قلب تو ہمیں بھی حاصل ہو گئی ہے کہ تمباکو پینے والوں کو ہم بھی پہچان لیتے ہیں چنانچہ انہوں نے گوندل بار کے ایک جٹ سے کہا کہ تم یہاں سے اٹھ جاؤ۔ وہ کہنے

لگا میں حقہ تو ضرور پیتا ہوں مگر توشہ نہ چھوڑوں گا اس لیے اُٹھ نہیں سکتا تم بے شک حضرت قبلۂ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو اطلاع دے دو۔ یہ سُن کر حافظ صاحب خاموش ہو گئے اور حلوا توشے کا حصہ رسدی اُسے بھی تقسیم کر دیا۔ سب کی نظر اس ضدی شخص کی طرف لگی ہوئی تھی۔ جب اُسے نوالہ ہاتھ میں لے کر منہ میں رکھنا چاہا تو فوراً اس کا ہاتھ کانپنے لگا اور سر اور سارے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ نوالہ ہاتھ کا ہاتھ میں رہ گیا۔ سب لوگ روئی اور توشے کا حلوا کھاتے رہے اور وہ دم بخود بیٹھا رہا۔ حافظ صاحب نے اس سے پوچھا کہ بھائی کیا حال ہے۔ تم نے توشہ کیوں نہیں کھایا ؟ وہ بہت شرمسار ہوا۔ اور کہنے لگا میں نے آج سے حقہ چھوڑا۔ اب تمام عمر اس کو منہ نہ لگاؤں گا ؎

عزت کی فکر اگر ہے تو پھر ایک کام کر   مرشد کے حکم کا ادب و احترام کر
مِلتا ہے خاص خاص کو بار اس جناب میں
یا ابتلائے عام ہو یا ترکِ عام کر

پھانسی کا حکم منسوخ :

صاحب موصوفتہ الصدر راوی ہیں کہ ایک دفعہ میں اور سید زمان شاہ صاحب معہ چند دیگر پیر بھائیوں کے ہمسفر تھے۔ رات کو موضع جنوٹ میں جو ٹلہ پہاڑ کے غرب میں واقعہ ہے ٹھہر گئے۔ صبح چلے تو ایک اجنبی شخص مسمی عزیز خاں ہمارے ساتھ ہو لیا چوں کہ بارش ہو چکی تھی جنوٹ کے قریب نالے میں بٹھا کر نالے سے پار کر دیا۔ دوسرے لوگ خود چلے گئے۔ پانی تین فٹ گہرا اور سرد تھا۔ نالہ پار کرنے کے بعد وہ شخص کہنے لگا کہ تم دونوں سید اور حضرت قبلۂ عالم خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ

جلال پوری) کے مرید ہو۔ حضور میں عرض کرنا کہ میرا ہمشیر زادہ دوست محمد ایک خون کے قصاص میں حوالات میں بند ہے۔ عدالت سشن سے اس کے لیے پھانسی کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اپیل دائر ہے خدا اس کو اس مصیبت سے نجات دے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ میں دوست محمد ملزم کی والدہ کو لے کر کل خود بھی بغرضِ حصولِ دُعا حاضر ہوں گا۔

دوسرے روز وہ شخص معہ اپنی ہمشیرہ کے حاضرِ حضور ہوا اور اپنی مصیبت کی کہانی حضور کو سنائی اور حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور بڑی دیر تک دست بدعا رہے۔ سب کو مجرم کی بریّت کا یقین ہو گیا۔ پیر بھائیوں نے اس کی والدہ کو مبارک باد دی کہ قبلہ عالمؒ نے خاص توجہ اور شفقتِ بزرگانہ کے ساتھ دُعا فرمائی ہے۔ تمہارا لڑکا ضرور بری ہو جائے گا۔ چناں چہ چند ہی روز گذرے تھے کہ دوست محمد الزام قتل سے بری ہو گیا اور حاضرِ دربار ہو کر سلکِ غلامی میں داخل ہوا ؎

ولیوں کی دعائیں بھی کہیں جاتی ہیں خالی حضرتؒ کی توجہ نے مری جان بچالی

دارین میں سب اس کی مرادیں ہوئی پوری
جس نے مرے مرشد مرے آقا سے دُعا لی

طاعون بھاگ گیا:

راوئ موصوف فرماتے ہیں کہ جب ضلع راولپنڈی میں طاعون کی شدت تھی تو میں حاضر خدمتِ اقدس ہوا اور التماس کی کہ حضور موضع آہدی تحصیل گوجر خاں میں طاعون بڑے زور سے نمودار ہے۔ لوگ مجھے بھی از روئے اعتقاد وہاں لے گئے تھے بندہ نے دم درود بہت کچھ کیا لیکن طاعون کا زور کم نہیں ہوا۔ کوئی دعا یا دوا ارشاد فرمایئے

تاکہ مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ صرف خدا کا فضل ہی اس کا علاج ہے۔ درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ایک لاکھ مرتبہ پڑھا جائے تو یہ مرض دور ہو جائے گا (ترکیب یہ ہے کہ چند متدین اور متشرع آدمی اس درود شریف کو پاک مکان میں صاف ستھرے کپڑے پہن کر عطر گلاب اور دوسری خوشبوئیں استعمال کر کے پڑھیں۔ دورانِ تلاوت میں کسی سے کلام نہ کریں اور زیتون کی تسبیح پر پڑھیں۔ ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے کے بعد جو دُعا مانگی جائے گی۔ قبول ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ) اسی طرح استغفار یعنی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے سے بھی یہی اثر ہو گا۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے رخصت ہو کر میں پھر موضع آہدی میں آگیا اور حسب الارشاد تعمیلِ حکم کی۔ ایک ہفتہ نہیں گذرا تھا کہ طاعون اس موضع سے بالکل جاتا رہا۔

بہت اچھا نکتہ مجھ کو مرشد نے بتایا ہے درود اُن پر جو بھیجے گا مرادیں دل کی پائیگا

تلاوت میں درودِ پاک کی مصروف جو ہو گا
مرض اس کو زمانے میں پھر کوئی ستائے گا

خالی مٹکے پانی سے لبریز :

صاحب مذکور الصدر کا بیان ہے کہ موسمِ سرما میں ایک دفعہ ساری رات موسلا دھار بارش رہی۔ میں اور سید حسین شاہ صاحب خلیفۂ مجاز لاہوری ایک ہی جگہ آستانِ مبارک پر مقیم تھے۔ سردی شدت سے پڑی۔ نماز صبح کے لیے مسجد میں پانی تلاش

کیا مگر کہیں نہ ملا۔ لنگر خانے میں ڈھونڈا اور دوسرے مقامات پر دیکھا مگر کہیں پانی کا پتہ نہ چلا۔ وقت تنگ تھا اور بارش تھوڑی تھوڑی ہو رہی تھی حضرت قبلۂ عالم رحمتہ اللہ علیہ نماز صبح سے فارغ ہو کر اکیلے تشریف فرما تھے اور مسبعات کا ذکر فرما رہے تھے بہ اقتضائے عمر میں بلا اجازت اندر چلا گیا۔ نماز کے قضا ہونے کے خیال سے دل بہت بیقرار تھا حضور کے سامنے پہنچا تو آپ نے تبسم فرما کر پوچھا "کیا تلاش کر رہے ہو"۔

میں نے عرض کی حضور پانی کہیں نہیں ملتا اور میں نے اور حسین شاہ صاحب نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے سخت تردد ہے، پانی کے گھڑے خالی پڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا جا کر دیکھو پانی ضرور ہو گا۔ میں نے عرض کی کہ قبلہ دو مرتبہ سب گھڑے دیکھ چکا ہوں۔ فرمایا پھر دیکھو ضرور پانی ملے گا۔ عرض کی قبلہ میں تو پہلے ہی دیکھ چکا ہوں۔ فرمایا تم دیکھو تو سہی۔

میں واپس آیا پہلا گھڑا دیکھا تو پانی سے لبریز پایا۔ ہم دونوں نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ ہم وضو کر رہے تھے کہ ایک درویش آیا اور کہنے لگا پانی کہاں سے لیا۔ میں تو سب مٹکے دیکھ چکا ہوں کسی میں ایک بوند پانی کی نہ تھی۔ میں نے سارا معاملہ کہہ سنایا اور وہ درویش سن کر خاموش ہو رہا ؎

نعمتِ شوق سے لبریز وہ کر دیتے ہیں　　دل کا پیمانہ خالی یونہی بھر دیتے ہیں

صاف کہہ دیتے ہیں ہوتی ہیں جو باتیں معلوم

دینے والے یونہی دنیا کی خبر دیتے ہیں

اَلنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ :

بروایت سید صاحب ممدوح مروی ہے کہ ایک دن ایک درویش حضور میں عرض کرنے لگا کہ لنگر شریف کے باغ کے آس پاس کیکر (ببول) کے درخت بکثرت ہیں

اور بہت بڑے بڑے ہیں جو باغ کے پودوں کو پھیلنے نہیں دیتے۔ میرے پاس ایک دوا ہے یہ اگر کسی درخت کی جڑ میں ڈال دی جاتی ہے تو وہ درخت خشک ہو جاتا ہے۔ حکم ہو تو ان درختوں کی جڑوں میں وہ دوا ڈال دوں۔

حضور نے فرمایا توبہ، توبہ، توبہ۔ یہ کام مسلمانوں کا نہیں ظالموں کا ہے۔ اَلنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ یَسۡجُدَانِ یہ سب درخت خدا کا ذکر کرتے ہیں اور جاندار ہیں۔ جاندار کو مارنا سخت گناہ ہے۔ پھر ایسی بات نہ کہنا۔ وہ درویش سخت شرمندہ ہوا۔

حضور کی توجہ سے حاکم ضلع دورہ پر آیا۔ درختوں کو دیکھ کر خود ہی کہنے لگا کہ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے باغ کے لیے باعثِ نقصان ہیں۔ ان کو نیلام کر دو۔ چنانچہ وہ درخت نیلام ہو گئے اور حضرت صاحبزادہ سید محمد مظفر شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے لنگر کی سوختنی لکڑی کے کام کے لیے ان کو خرید کر کٹوا لیا۔

آپ بیتی

میری ترقی کا راز اور حضور علیہ الرحمۃ کی کرامت

عجیب ہے حشم خواجہ غریبؒ نواز بلند ہے علم خواجہ غریبؒ نواز

میں خود جہان میں موجود ہوں بقید حیات

نمونۂ کرمِ خواجۂ غریبؒ نواز

راقم الحروف (خاکسار محمد الدین ایڈیٹر رسالہ صوفی) دراصل موضع مہوٹہ کلاں تحصیل گجرات کا باشندہ ہے۔ یہ موضع دریائے چناب کے کنارے پر واقع ہے اور

تین مرتبہ بقضائے الٰہی دریا بُردہ ہو چکا ہے۔ میرے آبائی مکانات بھی دریا بُردہ ہو چکے ہیں اور سارا خاندان سراسیمگی کے عالم میں سرگرداں اور بے خانماں مارا مارا پھرتا تھا نہ کہیں رہنے کا ٹھکانہ تھا، نہ کوئی سببِ معاش۔ گردشِ فلک نے خراب و خستہ بنا رکھا تھا۔ آخر میں نے جلال پور جٹاں میں عارضی سکونت اختیار کر لی۔ پشمینے کی تجارت اور دواسازی کا کام ہاتھ میں لیا۔ پہلے تو اس کاروبار میں معقول فائدہ ہوا مگر پھر بعض حصہ داروں کی سازش اور کارکنوں کی دراز دستیوں سے چار ہزار روپے کا خسارہ بیٹھا۔ اس نقصان نے میری کمرِ ہمت کو اور بھی توڑ دیا ؎

گردشِ گردوں نے اس درجہ پریشاں کر دیا
کر کے آوارہ مجھے سرور بیاباں کر دیا

اشکِ پیہم نے مجھے دریا بداماں کر دیا
روتے روتے آ گیا طوفان سیل چشم میں

قسمتِ برگشتہ نے کیا کیا مجھے چکمے دیے
بے سروسامانیوں کا میرے ساماں کر دیا

انہیں ایامِ مصیبت میں میری ناتجربہ کاری اور نوعمری کے باعث مجھ پر ایک مقدمہ قائم ہو گیا۔ ادھر تو قرضے کا بارِ عظیم، اُدھر مقدمے کا ناقابلِ برداشت خرچ نیز تلاشِ معاش کی فکر، غرض کہ میں ایسا دل برداشتہ ہوا کہ زندگی دوبھر معلوم ہونے لگی ؎

کہیں دنیا میں غریبوں کا سہارا نہ رہا
صبر کیا کیجیے، جب صبر کا یارا نہ رہا

نہ مکان، نہ زمین، نہ تجارت، نہ ملازمت، نہ شکم پُری کا کوئی ذریعہ۔ اس حالتِ مایوسی میں جب کہ سب طرف سے رشتۂ امید منقطع ہو چکا تھا، رب الارباب کو میری

مظلومانہ اور غریبانہ حالت پر رحم آ گیا اور میرے دل میں خود بخود ایک خیال پیدا ہوا جس نے میری رہنمائی کی۔ میں اپنے والد بزرگوار کے مرشد و ہادی حضرت مولانا خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ مقدس کی طرف پیادہ پا اور ننگے پاؤں چل کھڑا ہوا۔ اس وقت مسندِ خلافت پر حضرت خواجہ محمد الدین رحمۃ اللہ علیہ رونق افروز تھے ایک قصیدہ ان کی مدحت میں بھی لکھا جس کا ایک مصرعہ جو مجھے اب تک یاد ہے یہ تھا۔ ع

لاج رکھ لینا کہ حضرت آپ کا ہم نام ہوں

رات کو وہاں سویا خواب میں طالع خفتہ بیدار ہوئے اور مجھے بشارت دی گئی کہ میں جلال پور شریف حاضر ہو کر اپنی دردانگیز کہانی خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کو سناؤں صبح بعد حصول دعائے خیر سیال شریف سے رخصت ہو کر عازمِ جلال پور شریف ہوا۔ راستہ میں خواجگانِ چشت کا ایک سلسلہ منظوم کیا۔ جلال پور شریف پہنچا خدمت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ میں باریاب ہوا۔ قدم بوسی کی۔ حضور قبلہ عالم کی عادت مستمرہ تھی کہ سیال شریف سے ہو کر جو شخص آتا تھا۔ آپ اس کی بے حد تعظیم و توقیر فرماتے تھے۔ میری بھی بڑی قدر افزائی کی۔ حضرت سجادہ نشین علیہ الرحمۃ اور لنگر شریف کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ آخر میں میں نے اپنی دردناک کہانی سنائی اور سلسلہ چشتیہ منظومہ[1] لطلبِ امداد پڑھ کر سنانے کی اجازت چاہی۔ حضور نے اجازت دی اور اس قدر پسند فرمایا کہ اسی وقت تین مرتبہ پڑھوایا۔ اس کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ اس کے (میرے) لیے خاص طور پر دعا کرو

[1] یہ نظم "نذرِ مسکین" کے نام سے شائع ہو چکی ہے اور ہر پیر بھائی کو مفت ارسال ہو سکتی ہے

جب ایک بار آمین ہو چکی تو پھر دعا فرمائی۔ غرض اسی طرح تین مرتبہ دُعا فرمائی ؎

جو ہیں مظلوم ان پر ان کی شفقت ایسی ہوتی ہے
توجہ اس کو کہتے ہیں، عنایت ایسی ہوتی ہے

پھر میں نے درخواست بیعت کی جو منظور ہوئی۔ حضور نے مجھے اپنے غلاموں کے سلسلے میں وابستہ کیا اور معمولی وظائف پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کی کوئی مکان یا زمین رہنے کو نہیں ہے۔ پنڈی بہاؤالدین میں رشتہ داری کا تعلق ہے فی الحال وہیں ٹھہرا ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا "خدا رحم کرے گا" ؎

ابھی ان کی زباں سے حرف لفظِ رحم نکلا تھا | کہ میری ہر مصیبت کے اندھیرے میں اجالا تھا
انہیں بھی رحم آخر آگیا سُن کر یہ افسانہ | ہماری داستانِ غم میں دُ سوا ایسی بلا کا تھا

تمازت سوزِ عصیاں کی ہوئی کافور دم بھر میں
دُعا کیا تھی نسیمِ مغفرت کا کوئی جھونکا تھا

میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اسی دن سے کایا پلٹ گئی۔ اور ہر دن پہلے دن سے اچھا ثابت ہونے لگا۔ پہلے تو رشتہ داروں کے مکان میں مقیم تھا، پھر تین روپیہ ماہوار کے کرایہ پر مکان لے کر اس میں رہائش اختیار کی اور ساڑھے چھ ایکڑ اراضی کا ایک ٹکڑا خریدا جو تین سو روپیہ کو ملا۔ حضور قبلہ عالم کی برکت سے پہلے سال پانچ سو روپیہ کی فصل پیدا ہوئی۔ پھر مکان کے لیے جگہ خریدلی۔ غرض ۱۹۰۶ء سے اب تک پندرہ سال کے عرصہ میں خدا کے فضل اور حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی دعا و توجہ کی وجہ سے اب میں اس ضلع کے رؤسا اور بڑے زمینداران میں شمار کیا جاتا ہوں ؎

مرشد کی چشم مہر و کرم چال چل گئی   پہلی ہی چال میں مری قسمت بدل گئی
جس کی کھٹک نے زندگی کی تھی مری حرام   شکرِ خدا وہ پھانس بھی دل سے نکل گئی

اس وقت خدا کا شکر ہے کہ دو ہزار بیگھے سے زیادہ اراضی ہے جو نہری ہو جانے کی وجہ سے پانچ لاکھ روپیہ سے کم مالیت کی نہیں ہے۔ گھر کا مکان سہ منزلہ ہے باہر دفتر اور مہمانوں کے لیے جو کوٹھی ہے اور صوفی منزل کے نام سے موسوم ہے اس کی تعمیر میں پچاس ہزار روپیہ لگا ہے۔

حضرت سجادہ نشین صاحب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب دام فیوضہم ودام اللہ برکاتہم کی ہمرکابی میں حج بیت اللہ شریف زیارت حرمین شریفین، دمشق، مصر، شام، بیت المقدس وغیرہ سے مشرف ہو چکا ہوں۔ رسالہ صوفی بھی حضرت خواجہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے ہندوستان کے تمام رسالوں سے زیادہ شائع ہو رہا ہے۔

میرا بڑا لڑکا محمد اسلم خاں انگلستان کی کیمبرج یونیورسٹی میں جو وہاں کی بہترین یونیورسٹی ہے۔ انڈین سول سروس کے لیے تعلیم پا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی طفیل انڈین سول سروس کے مقابلہ میں کامیاب کرے اور فائز المرام ہو کر انڈین سول سروس میں شامل ہو کر وہ اپنی قوم اور اسلام کی خدمت میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ آمین ثم آمین!

جب مرشد کامل نے دنیا میں میری دستگیری اس کشادہ دلی کے ساتھ فرمائی ہے وہ عقبیٰ میں میری امداد کیوں نہ فرمائیں گے ؎

جب دل پہ رنگ جم گئے حق الیقین کے   سب کام بن گئے مرے دنیا و دین کے

مہوٹہ کے دوسرے بے کس اور حضور علیہ الرحمتہ کی نوازش :

چودھری اللہ داد خاں بھی مہوٹہ کے ان بے کس لوگوں میں سے ایک بیکس تھے جن کے مکانات اور اراضی طغیانیٔ چناب کی نذر ہو چکے تھے۔ یہ بھی میری طرح سراسیمہ اور پریشان تھے۔ انہوں نے مجھ سے پہلے جلال پور شریف پہنچ کر حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کی اور اپنی حالتِ زار بڑے دردانگیز لہجے میں حضور کو سنائی۔ آپ نے دعا فرمائی۔ خدائے مسبب الاسباب نے یہ سبب پیدا کر دیا کہ نہر جہلم پر ایک گھوڑی ان کی منظور ہو گئی۔ پھر اس اراضی کی پیداوار سے دوسری گھوڑی اپنے دوسرے بھائی مراد علی کے لیے خریدی پھر تیسرے بھائی سردار خاں کے لیے۔ اس طرح ساڑھے چار مربع زمین ہو گئی۔

حضور کی زندگی میں یہ بکثرت جلال پور شریف حاضر ہوتے تھے اور اب بھی درگاہ شریف میں حاضری دینے کے لیے بہت زیادہ آرزومند رہتے ہیں۔ اوقاتِ عزیزہ کا بیشتر حصہ اوراد و وظائف میں صرف ہوتا ہے۔ آپ کی زمین بھلوال کے قریب چک ۵۱ میں ہے۔

ان کے موضع میں اب تک مشہور ہے کہ ان کی اراضی سے جو نسبتاً بہت اچھی اور زیادہ پیداوار ہوئی یہ حضور کی دُعا اور شغلِ اذکار و مصروفیت یادِ خدا کا طفیل ہے چار پانچ سال ہوئے بائیس ہزار روپیہ قرض لے کر آپ نے ساڑھے چار مربع زمین اور خریدی اور اب اپنے گاؤں میں سب سے زیادہ متمول ہیں۔ خدا کے فضل سے کچھ قرض بھی ادا ہو گیا ہے۔ تینوں بھائیوں کا حد درجہ کا اتفاق ہے اور یہ لوگ نہایت آرام و اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اِک میں ہی نہیں قائلِ اعجاز تمہارا ‏ اوروں کو بھی معلوم ہے انداز تمہارا
انکار ہے کیوں آپ سے ان مدعیوں کو ‏ شاید انہیں معلوم نہیں راز تمہارا

آئیے ہم اپنے ناظرین کے ساتھ مل کر حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں طلبِ امداد کے لیے ایک پرجوش التجا کریں اور ان کی مدحت کے ترانے اس طرح گائیں۔

اِلتجاء

عجب ہے چشمۂ فیض آپ کا غریب نوازؒ ‏ کہ آج عام ہے جود و سخا غریب نوازؒ
ہر اک یہاں سے ہے زلّہ ربا غریب نوازؒ ‏ نہیں کرم کی کوئی انتہا غریب نوازؒ

ادھر بھی ایک نگاہِ عطا غریب نوازؒ
سنو پکار غریبوں کی یا غریب نوازؒ

تمہارے در پہ جھولے کر مراد جاتے ہیں ‏ وہ لوگ دامنِ مقصود بھر کے لاتے ہیں
جب آپ اپنی کرم گستری دکھاتے ہیں ‏ تو خوب بیکس و مجبور فیض پاتے ہیں

ادھر بھی ایک نگاہِ عطا غریب نوازؒ
سنو پکار غریبوں کی یا غریب نوازؒ

کسی کو آپ کے الطاف سے گلہ ہی نہیں ‏ اس آستانے سے خالی کوئی پھرا ہی نہیں
جو ٹل نہ جائے ایسی کوئی بلا ہی نہیں ‏ ہمیں تو ایسا ٹھکانا کہیں ملا ہی نہیں

ادھر بھی ایک نگاہِ عطا غریب نوازؒ
سنو پکار غریبوں کی یا غریب نوازؒ

عجب غریب ہوں میں اور کچھ عجب محتاج ‏ کہ پہلے نہ تھا کبھی جس طرح ہوں اب محتاج
کھڑا انہیں کے یہاں آج بے سبب محتاج ‏ اس آستانے سے کرتا ہے کچھ طلب محتاج

ادھر بھی ایک نگاہِ عطا غریب نوازؒ
سُنو پکار غریبوں کی یا غریب نوازؒ

تمہارا چشمۂ فیضان عام ہے خواجہؒ عطائے فیض تمہارا ہی کام ہے خواجہؒ
تمہارا سارے زمانے میں نام ہے خواجہؒ یہ شعر میرا وظیفہ مدام ہے خواجہؒ

ادھر بھی ایک نگاہِ عطا غریب نوازؒ
سنو پکار غریبوں کی یا غریب نوازؒ

تمہارے در سے سبھی کامگار ہو کے گئے پیادہ آئے مگر شہسوار ہو کے گئے
شفا نصیب بہت دلفگار ہو کے گئے غریب آئے مگر مال دار ہو کے گئے

ادھر بھی ایک نگاہِ عطا غریب نوازؒ
سُنو پکار غریبوں کی یا غریب نوازؒ

کرم اک چشم کرم کے امیدوار ہیں ہم گناہگار ہیں خواجہؒ! گناہگار ہیں ہم
بہت ذلیل ہیں، مایوس شرمسار ہیں ہم پکارتے یہی دن رات بار بار ہیں ہم

ادھر بھی ایک نگاہِ عطا غریب نوازؒ
سُنو پکار غریبوں کی یا غریب نوازؒ

جلالپور کے او صاحبِ عطا خواجہؒ ہے دُور دُور تری شہرت سخا خواجہؒ
تمہارے در پہ ہے صوفی پڑا ہوا خواجہؒ اسے حصُول ہو ہر دِل کا مدعا خواجہؒ

ادھر بھی ایک نگاہِ عطا غریب نوازؒ
سُنو پکار غریبوں کی یا غریب نوازؒ

آپ وجد میں تو سب وجد میں :

موجودہ سجادہ نشینِ درگاہ حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب دام برکاتہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ صحنِ دربار میں مجلسِ سماع منعقد تھی، قوالی ہو رہی تھی، بانعت جہانی کہ تمام لوگ سکون کے ساتھ ذوقِ سماعت سے سرشار تھے کہ یکایک حضرت خواجہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک پر ایک طرح کی وجدانی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ آپ پر یہ کیفیت طاری ہونا تھی کہ اس محفل میں ہزاروں آدمی جو بیٹھے اور کھڑے تھے سب وجد میں آکر مستانہ وار جھومنے لگے اور وجدانی کیفیتیں سب کے چہروں سے نمایاں ہونے لگیں ؎

دیکھا نظر اٹھا کے جدھر آنجناب نے ارباب معرفت کو اُدھر حال آگیا
ارض و سما بھی کیف میں سب جھومنے لگے جب وجد میں وہ نیرِ اجلال آگیا

وجدانی کیفیت کا فقدان صرف ایک نظر سے :

آپ فرماتے ہیں کہ اس کے برعکس ایک مرتبہ کسی مجلس یا محفل میں مجھ پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی ممکن تھا کہ میں بیہوش ہو جاؤں مگر حضور علیہ الرحمۃ نے فوراً ایک ایسی نگاہ پر جذب سے مجھے دیکھا کہ بے خودی خود بخود دور ہو گئی اور میں جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو گیا۔ سبحان اللہ ؎

دیوانگی نے وار تو مجھ پر بہت کیا تم نے نظر ملاتے ہی ہشیار کر دیا
جو ہو چکا تھا صرف تماشائے بیخودی اس بے خبر کو تم نے خبردار کر دیا

الحمد للہ کہ حصہ دوم کراماتِ حضرت قبلہ عالم محبوب سبحانی حضرت پیر حیدر علی شاہ صاحب جلالپوری نور اللہ مرقدہٗ بوقت سعید باتمام رسید

ذکرِ حبیب

حصّہ سوم

ملفوظات

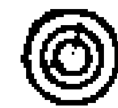
از

ملک محمّد الدین مرحوم ایڈیٹر "صوفی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملفوظاتِ حیدریؒ

بنامِ جہاندارِ جان آفریں
حکیمے سخن بر زباں آفریں



یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ جو مردانِ خدا خُدا کے قرب و وصال سے سرفراز ہوتے ہیں اُن کی باتوں میں اسرار الٰہی کی جھلک بیش از بیش پیدا ہو جاتی ہے اُن کے کلام میں صداقت اور روحانیت کی وہ شانیں نظر آتی ہیں جو دوسروں کے کلام میں نظر نہیں آتیں۔ یوں کہیئے کہ وہ نہیں بولتے بلکہ ان کی زبان میں کوئی اور بولتا ہے ۔

قم باذنی اور انا الحق کہتے ان کی کیا مجال
شمسؒ اور منصورؒ کے منہ میں زباں تُو ہی تو تھا

اُس کلام کی جو اشارۂ الٰہی سے منشائے قدرت کے مطابق اہل اللہ کے قلوب پر صادر ہو کر اُن کی زبانوں سے ادا ہوتا ہے کئی قسمیں ہیں، جن میں سے وحی اور

الہام دو بہت مشہور ہیں۔

وحی

وحی صرف اُن مقدس ہستیوں پر مقرب فرشتگان الٰہی کے ذریعہ سے نازل ہوئی جو تبلیغ نبوت و رسالت کیلیے خدا کی طرف سے دنیا میں بھیجے گئے اور اس کا سلسلہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات پر ختم ہو گیا۔

الہام

دوسری مشہور قسم الہام ہے۔

اس کی تین قسمیں ہیں:۔

الہامِ محض : الہامِ بالجذب : الہامِ بالشعر :

الہام محض صرف اہل اللہ کا حصہ ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری و باقی ہے یہ ایک کیفیت ہے جو بزرگانِ دین کے قلوب پر وارد ہوتی ہے اور اکثر ان کی زبان سے نکل جاتی ہے۔

جو بزرگ استغراق کی حالت میں بہت زیادہ منہمک رہتے ہیں یا یوں کہئے کہ جو واصلانِ خدا خدا کے قرب سے ہر وقت ممتاز ہوتے ہیں ان کی زبان سے وہ باتیں نکلتی رہتی ہیں جو وہ خدا سے سنتے ہیں۔ یا جن کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے۔

بعض اوقات یہ حالت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ متکلم کی زبان سے بجز کلام الٰہی کوئی دوسری بات نہیں نکلتی اور پھر اس کی شان یہ ہو جاتی ہے کہ ؎

گفتہ او گفتۂ اللہ بود

نعمتِ الہام بھی ہر شخص کو عنایت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک نعمتِ ممتاز ہے جو ممتاز اہلِ دل بزرگوں کو ملتی ہے۔ مکاشفہ کا درجہ الہام سے کم ہے۔ مکاشفہ میں بعض گذشتہ بعض موجود اور بعض آئندہ حالات قلب پر منکشف ہو جاتے ہیں لیکن کوئی کیفیتِ ناطق صادر نہیں ہوتی۔ مکاشفہ کا تعلق نگاہِ بصیر اور چشمِ باطن سے بھی ہے مگر الہام کی وابستگی صرف دل سے ہے اور اس کے بعد دماغ و زبان سے۔

اِلہام بالجذب

یہ الہام کی وہ نوع ہے جو صرف مجذوبوں میں پائی جاتی ہے۔ مجذوب اپنی زبان سے کبھی کچھ نہیں کہتے مگر ان کے قلوب ایک خاص مشاہدۂ حیرت سے ہر وقت حیران رہتے ہیں اور اس حیرانی میں وہ جو کچھ تماشا کرتے ہیں، قوتِ ناطقہ (جو فطرتاً نچلا بیٹھنے کی عادی نہیں ہے) اُسے زبان تک لے آتی ہے۔ متکلم کو بولنے سے مطلب ہوتا ہے۔ اس کی پروا نہیں کہ مخاطب نے سمجھا یا نہیں سمجھا۔ اکثر اوقات کوئی مخاطب بھی نہیں ہوتا مگر متکلم کی وہ ہی شان ہوتی ہے۔ ادائے مطالب، نشستِ الفاظ، ربطِ عبارت، اُن لوگوں کی بات چیت میں بالکل نہیں ہوتا مگر اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ ان کی زبان وارداتِ قلب کی ایک صحیح ترجمان ہوتی ہے اور وارداتِ قلب کا سلسلہ الہام سے ہم رشتہ و منسلک ہوتا ہے۔

الہام بالشعر

شعراء جو کچھ کہتے ہیں یہ بھی الہام کی ایک قسم ہے۔ گو اُس کا درجہ مذکورہ بالا اقسام الہام سے کم ہے لیکن اس کے الہام ماننے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ذہنی و دماغی قوتیں ادراکاتِ نفس کے ساتھ بہت کچھ کام کر سکتی ہیں اور کرتی ہیں جنہیں قوتِ ناطقہ معرضِ شہود میں لے آتی ہے۔ لیکن اس قدر سڈول ایک خاص ڈھلاؤ کے ساتھ نادر الوجود خیالات کی تنظیم۔ انسانی قوت کا نتیجہ نہیں ہے۔ شاعر وہ کہتا ہے جو دوسرے کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کی بلند خیالی اُسے عرش پر بے تکان لیے پھرتی ہے اور وہ اسرارِ الٰہی اپنے ذہن کی آنکھوں سے ملاحظہ کرتا ہے یا یہ کہ ڈھکی چھپی باتیں اس کے قلب پر صادر ہوتی ہیں اور زبانِ قلم سے نکل جاتی ہیں۔

معراج کی رات، جناب سرورِ کائنات، علیہ السلام والصلوٰۃ، جب آسمانوں کی سیر میں معروف تھے تو روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) نے آپ کو ایک خزانہ زمین دوز دکھایا جس کی کنجی انہیں کے پاس تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اس میں کیا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں وہ اشعار اور خیالات ہیں جو آپ کی امت کے شعراء کے دماغ و دل پر منزل ہوں گے اور تاقیامت ہوتے رہیں گے۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ان اشعار میں سے سرسری طور پر ایک شعر اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ معراج شریف سے واپسی کے بعد ایک روز حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو ایک قصیدہ سنایا جس میں وہ شعر بجنسہٖ موجود تھا۔

اس روایت سے اس دلیل کو زیادہ تقویت ہوگئی کہ شعرا کو بھی الہام ضرور ہوتا ہے۔ اس وقت ہمارا مطمحِ نظر صرف اولیاء اللہ کے الہام سے ہے اس لیے ہم اس بحث کو ارادۃً نظر انداز کیے دیتے ہیں۔

ملفوظات

ملفوظات ان باتوں کو کہتے ہیں جو بزرگوں کی زبانوں سے نکلتی ہیں اور معتقدین کی بیاض (NOTE BOOK) میں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ بعد وصال انہیں شائع کر دیا جاتا ہے تاکہ ان سے دوسرے لوگوں کو فیض و افادہ حاصل ہو۔ بقولِ شاعر:

حدیثہ او حدیث عنہ یطربنی هذا اذا غاب او ذاك اذ حضر

کلاهما حسن عندی اسر به ولكن احلىٰ هما ما وافق النظر

بعض بزرگوں کے ملفوظات، صرف الفاظ کا انبار ہوتے ہیں اور ان میں کچھ نہیں ہوتا۔ ان کے معتقدین ان سے چاہے جو کچھ حاصل کر لیں مگر عام لوگوں کو ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اس اعتبار سے کہ وہ بزرگوں کا کلام ہے، قابلِ صد احترام ہے لیکن ان کی اشاعت کچھ زیادہ مفید نہیں۔

بعض بزرگوں کے ملفوظات میں اس قدر خلط مبحث کیا جاتا ہے اور اپنی طرف سے اتنی لمبی چوڑی عبارتیں ان میں ملا دی جاتی ہیں کہ اصل ملفوظات میں تمیز دشوار ہو جاتی ہے ملفوظات کی یہ شان بھی قابلِ قبول نہیں۔ البتہ جن ملفوظات میں الہامات کی شانیں جھلکتی ہوں اور توعیظ و پند کا رنگ نمایاں ہو وہ ضرور مستند اور قابلِ اشاعت مانے جا سکتے ہیں۔

ملفوظاتِ حیدری، اگر سب کے سب جمع کیے جاتے تو علیحدہ ایک کتاب مبسوط کی ضرورت ہوتی لیکن ان تمام باتوں کا لحاظ کر کے اور تمام اعتراضات کو مدِ نظر رکھ کر تقدس مآب حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے وہ ارشادات قلمبند کیے جاتے ہیں جو اسناداً متعدد راویوں سے پہنچے ہیں اور جن میں الہامی رنگ بجلی کی طرح جگمگا رہا ہے دوسرے ملفوظات کی طرح "ملفوظاتِ حیدری" میں خوش طبعی اور ظرافت کا رنگ بھی آپ کو نظر نہ آئے گا بلکہ ہر ارشاد میں تقدس و فقر کا ایک درس آپ نمایاں دیکھیں گے جو قبلۂ عالم کی ذات کی طرح دنیائے ملفوظات میں ممتاز ہے۔

ہر ارشاد کے ساتھ چند مستند راویوں کا نام موجود ہے مگر محض اس لیے کہ ناظرین کی سماعت پر ایک بدمزہ بار پڑے گا۔ ہم نے جابجا اُسے بھی نظر انداز کر دیا ہے جن لوگوں کی زبانی یہ ملفوظات ہم تک پہنچے ہیں ان کے نام مجموعی طور پر یہاں درج کیے جاتے ہیں

اور پہلے چند نام درج کرنے کے بعد اس سلسلہ کو چھوڑ دیا ہے۔

ابوالبرکات حضرت مولانا سیّد محمد فضل شاہ صاحب سجّادہ نشین درگاہ جلال پور شریف دام اقبالہٗ و اجلالہٗ۔ سیّد غلام شاہ صاحب خلیفہ آنحضرت خواجہ صاحبؒ۔ حافظ سراج الدین صاحب مخدوم نقل نویس مظفر گڑھ۔ منشی نعمت خاں صاحب انسپکٹر پولیس۔ مولوی فتح محمد صاحب راولپنڈی۔ سیّد محمد شاہ صاحب خلیفہ مجاز حضرت خواجہ غریب نوازؒ۔ شیخ نور الدین صاحب تاجر چرم گوجرانوالہ۔ مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی ڈنگوی۔ سید میر حسین صاحب ساکن کھوتیاں۔ مولوی غلام رسول صاحب آنگوی۔ ماسٹر محمد حسین صاحب انسپکٹر ڈاک خانہ جات

برکت علی خاں صاحب صادق۔ صوفی محمد بخش وزیر آبادی۔ صوفی نور عالم صاحب لونڈپوری مصنف نغمات المحبوب وغیرہ وغیرہ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

آغازِ ملفوظات

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ حضرت بابا شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ایک دن کسی شہر کے پاس سے گذرے۔ اس شہر میں آپ کا مرید رہتا تھا اُسے اطلاع دی کہ آکر ملاقات کرے وہ بے چارہ تنگ دست تھا خالی ہاتھ حاضر ہونے سے شرماتا اور اپنی بیوی سے اس بات کا ذکر کیا۔ اس نیک بخت نے اپنا دوپٹہ اُتار دیا کہ اُسے بیچکر جو کچھ ملے لے آؤ۔ خوش اعتقاد مرید دوپٹہ لے گیا اور بیچ کر تھوڑے سے جو لے آیا آدھے جو پسوا کر روٹی پکوائی اور آدھے جو بطور دانہ گھوڑے کے لیے رکھ لیے۔ کچھ بغیر نمک مرچ کا بتھوے کا ساگ پکوایا اور یہ سب سامان لے کر دونوں میاں بی بی حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بابا صاحبؒ کا لنگر ہمیشہ ان کا خاص لنگری تقسیم کیا کرتا تھا۔ مگر اُس دن آپنے اپنے دستِ مبارک سے وہ کھانا سب کو تقسیم کیا اور اس راسخ الاعتقاد مرید کے لیے جناب باری میں دُعا کی کہ قیامت تک اس کی نسل میں کوئی تنگدست نہ رہے ۔

[1] از رسالہ صوفی جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۲۔

کنارے رکھ دیا جاتا ہے ہر تحفہ امیروں کا
فقیروں کو پسند آتا ہے نذرانہ فقیروں کا

ایکؒ روز ارشاد ہوا کہ خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ کے دیوان میں جہاں ساقی کا لفظ آیا ہے اُس سے "پیر روشن ضمیر" مراد ہے۔ حافظ صاحبؒ کا کلام بجز اہلِ منزل کے کوئی دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ چنانچہ دیوان مذکور کی سات شرحیں مشہور ہیں۔ جو علماء نے اپنے اپنے قیاس سے تدوین فرمائی ہیں مگر مقصد اصلی کو کوئی نہیں پہنچا۔ پھر حضرت قبلۂ عالمؒ نے حافظ صاحبؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

فرمایا کہ عوام کو کیا معلوم ہے کہ یہاں جرس سے کیا مراد ہے۔ اہلِ منزل کو اپنے دل سے آوازِ جرس آتی ہے اور منزلِ جاناں سے دل مراد ہے جو شخص اس منزل تک نہ پہنچا ہو وہ ان اشعار کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔

بعض علماء نے دیوان حافظؒ پر یہ اعتراض کیا کہ اس کے ابتدا میں خدا کی حمد اور نبی کی نعت نہیں ہے لیکن ان کو کیا معلوم کہ حافظؒ نے ساقی کے لفظ سے تمام مطالب حاصل کر لیے ہیں ؎

الا یا ایھا الساقی ادر کاساً وناولہا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

لہ رسالہ صوفی ستمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۸

جس کو ساقی کے رُخ پر تنویر کا عشق حاصل ہو گیا۔ اُسے دوسرا خیال دل میں لانے کی کیا ضرورت ہے۔

ایک[1] مرتبہ ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت علیل تھی۔ حضرت بابا صاحبؒ کو حکم ہوا کہ عطار کی دکان سے جا کر نسخہ بندھوا لائیں۔ آپ بیٹھے نسخہ بندھوا رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ ایک بزرگ پالکی میں سوار ہو کر آ رہے ہیں اور منادی ان کے آگے آگے ندا کر رہا ہے کہ جو ان کی زیارت کرے گا، بہشتی ہو گا۔ لوگ جوق جوق زیارت کو جا رہے تھے لیکن بابا صاحب نے التفات بھی نہ کی۔ بلکہ جب پالکی نزدیک آئی تو دکان کے اندر گھس گئے۔ ہر چند لوگوں نے اصرار کیا مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ جب پالکی گذر گئی تو آپ نسخہ لے کر خدمتِ پیر میں حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ دیر کی کیا وجہ ہے۔ جواب میں کل واقعہ عرض کر دیا۔ فرمایا فریدؒ کیا تمہیں بہشت کی ضرورت نہ تھی کہ زیارت نہ کی۔ عرض کی غریب نوازؒ ڈرتا تھا کہ زیارت کر کے بہشتی ہو جاؤں اور حضور کا مقام خدا جانے کہاں ہو اور اس طرح قیامت کے دن شرفِ قدم بوسی سے محروم رہ جاؤں۔ میرے لیے بہشت وہ جگہ ہے جہاں حضور کی ہمنشینی کی نعمت حاصل ہو ورنہ ایسا بہشت جہاں دیدِ یار سے محرومی ہو دوزخ سے کم نہیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ یہ سُن کر کمال محظوظ ہوئے اور جوش میں آ کر فرمایا:

"فرید اس کی زیارت کرنے سے لوگ صرف آج کے دن بہشتی ہوتے

---

[1] بروایت ماسٹر محمد حسین صاحب انسپکٹر ڈاک خانہ جات ۱۲

ہیں تمہارے دروازہ سے قیامت تک جو گذر جائے گا وہ بہشتی ہو گا۔

فیض اپنا عام تو نے پیرِ چشتی کر دیا
ڈال دی جس پر نظر اس کو بہشتی کر دیا

ارشاد[۱] ہوا کہ ایک ولی اللہ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے صاحبزادے بارادۂ حج روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک صاحبِ باطن سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے وطن دریافت کر کے ان ولی اللہ کا حال پوچھا۔ جب معلوم کیا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور یہ ان کے صاحبزادے ہیں اور بعزمِ حج جا رہے ہیں تو فرمایا بابا وہاں جا کر کیا کرو گے۔ وہ تو مٹی اور پتھر کا گھر ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے پہلے اس اصلی خانۂ خدا کو (یعنی جسم اور دل کو) جو اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور خوب صورت روزنوں سے آراستہ کیا ہے آباد کرو اور خیالِ غیر سے محفوظ رکھو۔

تیرے گھر سے ہے غرض کعبہ کی پھر تخصیص کیوں
میرے سجدوں کو میسّر کیا حریمِ دل نہیں

ارشاد[۲] فرمایا کہ ایک روز شیخ شبلی علیہ الرحمۃ ریش مبارک پر مہندی لگائے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص ملا۔ اس نے اپنے گدھے کی دم میں مہندی لگا رکھی تھی۔ اس نے شیخ سے سوال کیا کہ اے شبلی میرے گدھے کی دم کا رنگ اچھا ہے یا تمہاری داڑھی کا۔ آپ نے فرمایا کہ موقع آئے گا تو جواب دوں گا۔ کچھ عرصہ کے

[۱،۲] بروایت ماسٹر محمد حسین صاحب بی اے انسپکٹر ڈاکخانہ جات وزیر آباد ۱۲ منہ

بعد شیخ کا وصال ہوگیا جب لوگ جنازہ لیے جا رہے تھے تو وہی شخص راستے میں مل گیا۔ جنازہ کے پاس جاکر کہنے لگا کہ میرے سوال کا جواب ہنوز باقی ہے۔ اب اس کے بعد جواب کا کون سا موقع ہوگا۔ آپ نے فوراً اُٹھ کر فرمایا کہ اب میری ریش کی رنگت بہتر ہے اس لیے کہ خداوندِ عالم نے میرا خاتمہ بالخیر کر دیا ہے ؎

اعتبار اپنی بزرگی کا نہ کرنے والے
ہائے کیا لوگ تھے اللہ سے ڈرنے والے

ایک[1] روز ارشاد فرمایا کہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بادشاہ وقت بیمار ہوا اور حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ دُعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کسی مومن سے پانی دم کرا کے پیو۔ بادشاہ نے تمام علماء، فقہا، صلحاء اور حفاظ سے پانی دم کرا کے پیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ناچار چارپائی اٹھوا کر آپ کی خدمت میں روانہ ہوا آپ مع درویشوں کے خرقۂ مبارک سے جوئیں نکال رہے تھے۔ ایک درویش بادشاہ کو آتے دیکھ کر مسکرایا۔ جب آپ کو اس کے ہنسنے کی وجہ معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا میرا خیال تھا کہ تم نے کوئی جوں پکڑی ہے (گویا اولیاء اللہ کی نظر میں بادشاہوں کی وقعت جوں کے برابر بھی نہیں ہوتی) جب بادشاہ نے آکر عرضِ حال کیا تو آپ نے خود پانی دم کر کے پلایا۔ بادشاہ اچھا ہوگیا۔ آپ نے فرمایا میں مومن تو نہیں ہوں مگر دس روز تک مومنوں کی صحبت میں رہا ہوں یعنی اثنائے سفر میں ایک مرتبہ میں نے چار قلندر ایک نشیبی مقام پر بیٹھے ہوئے دیکھے۔ میں بھی ان کے پاس جا بیٹھا۔ وہ بالکل

---

[1] بروایت ماسٹر محمد حسین صاحب بی اے انسپکٹر ڈاک خانہ جات ۱۲

خاموش تھے اور اُن کا یہ معمول تھا کہ روز باری باری سے ایک آدمی جاتا اور درختوں کے پتے جمع کر کے اُبال لاتا۔ سب تھوڑا تھوڑا کھا لیتے۔ پانچویں روز کوئی نہ گیا۔ میں نے سمجھا کہ میری باری ہے۔ چنانچہ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ مجھے ان کی صحبت میں دس روز گزر گئے۔ یکایک سخت بارش ہوئی اور اس جگہ پانی چڑھنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ پانی منہ تک آ گیا اور ہم کو ڈوبنے کا اندیشہ ہوا مگر وہ مردانِ خدا اپنی جگہ سے نہ ہلے اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ الٰہی کیا اب ہم ڈوب جائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی فوراً پانی نایاب ہو گیا۔ اس پر قلندر کہنے لگے کہ ہم میں سے کون ہے جس نے کارخانۂ قدرت میں دخل دیا۔ معلوم ہونے پر انہوں نے اظہارِ رنج کیا اور مجھ سے کہا کہ جاؤ تم ہماری صحبت کے قابل نہیں ہو۔ جس نے پانی کو یہ طغیانی بخشی تھی کیا وہ خود نہیں دیکھ رہا تھا کہ ہم ڈوب رہے ہیں۔ تمہیں اس سے بھی زیادہ فکر تھی۔ میں نے صرف دس روز ان مومنوں کی صحبت حاصل کی ہے اور اسی کی یہ تاثیر ہے ؎

متوکل جو ہوا، فقر کا ضامن ہے وہ ہی
اسے جس بات کا ارمان ہو، ممکن ہے وہ ہی

اس کو مومن نہیں کہتے جسے ہو فکر اپنی
ہو جو راضی برضا، اصل میں مومن ہے وہ ہی

ارشاد ہوا[1] کہ ایک روز خاندان نقشبندیہ کے ایک بزرگ بارادۂ حج روانہ ہوئے راستہ میں ایک جگہ کسی جنگل میں مقام کیا۔ پاس ہی ایک فقیر کا جھونپڑا تھا۔ اس جھونپڑے سے ایک درویش باہر نکلا اور اس نقشبندی بزرگ کا جاہ و حشم دیکھ کر خیال کرنے لگا کہ میرے پیر میں اس قدر جاہ و حشم نہیں۔ اس کا کیا باعث ہے۔ نقشبندی بزرگ

[1] بروایت ماسٹر محمد حسین بی۔ اے انسپکٹر ڈاک خانہ جات ۱۲

نے نورِ باطن سے دریافت کر کے فرمایا کہ میرا درجہ نوازش ہے اور تمہارے پیر کا درجہ گذارش ہے۔ درویش کو یہ بات ناگوار گذری اور اپنے پیر کی خدمت میں جا کر کل ماجرا عرض کیا۔ وہ خاموش ہو رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نقشبندی بزرگ کے دل میں جنگل کی سیر کا شوق پیدا ہوا۔ پھرتے پھرتے اُسی فقیر کے جھونپڑے پر پہنچے۔ اشتیاق ملاقات ہوا مگر کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ اندر جانے کی جراٴت نہ ہوئی۔ کچھ دیر دم بخود کھڑے رہے۔ یکا یک دیکھا کہ کعبہ اس جھونپڑے کا طواف کر رہا ہے۔ ابھی ان کی حیرت ختم نہ ہوئی تھی کہ درویش نے صدا دی۔ فرمائیے اب کس کا درجہ گذارش ہے اور کس کا نوازش ہے۔ جس چیز کے طواف کو آپ منزلیں طے کر کے جا رہے ہیں وہ اس عاجز کا طواف کرنے کے لیے خود یہاں موجود ہے ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ایک[1] روز صبر کی فضیلت کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کہ اپنی والدہ کو میری طرف سے نکاح کا پیغام دو۔ آپ نے فرمایا کہ آپ اس جگہ تشریف رکھیں میں جا کر عرض کیے دیتا ہوں اندر آئے۔ والدہٴ مکرمہ کی خدمت میں عرض کی۔ انہوں نے بڑے تحمل سے فرمایا کہ مجھے منظور نہیں۔ جب آپ تشریف لائے تو دیکھا کہ اُس شخص کا سر جسم سے الگ پڑا ہوا ہے۔ آپ عالم تحیر میں ہوئے۔ غیب سے ندا آئی یہ اس کی گستاخی کی سزا ہے۔ تم نے اس کو صبر سے برداشت

[1] بروایت ماسٹر محمد حسین بی۔ اے انسپکٹر ڈاکخانہ جات ۱۲

کیا۔ تمہاری والدہ نے برداشت کیا اور تمہارے صبر کی تلوار اس کا گلا کاٹ گئی ہے

بشر کو صبر نہیں ورنہ مثل سچ ہے
کہ چپ کی داد غفور الرحیم دیتا ہے

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجۂ اجمیری قدس سرہ العزیز دہلی تشریف لائے۔ خواجہ قطب الدین علیہ الرحمۃ تمام مریدوں کے ساتھ استقبالِ شیخ کے لیے شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ سے بھی چلنے کے لیے کہا۔ آپ نے عذر خواہی کی۔ جب خواجہ صاحب کے ساتھ واپس آئے اور بابا صاحب کے حجرے کے پاس سے گذرے تو خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ غریب نوازؒ فریدؒ اسی حجرے میں ہے اگر اجازت ہو تو اسے بھی اطلاع دے دوں تاکہ قدمبوس ہو لے۔ آپ نے اجازت دی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت باباصاحبؒ حجرہ سے باہر تشریف لائے مگر دست بستہ اور خاموش اپنے شیخ (حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ) کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ تھوڑے سکوت کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فریدؒ خواجہ غریب نواز تشریف فرما ہیں قدمبوسی کرو۔ آپ نے بڑھ کر اپنے شیخ کی قدم بوسی کر لی اور پھر بدستور کھڑے ہو گئے۔ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف التفات نہ کی۔ خواجہ قطب الدین علیہ الرحمۃ نے مکرر سہ کرر کہا مگر آپ نے پھر بھی ویسا ہی کیا۔ آپ بہت پریشان اور خائف

---

[1] رسالہ صوفی دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ نمبر ۲۵۔

ہوئے مگر حضرت خواجہ بزرگ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھ کر اپنا دستِ شفقت حضرت بابا صاحب کی پشتِ مبارک پر پھیرا اور فرمایا شاباش فریدؒ۔ واقعی تم فرید فرد ہو ؎

پیر کے آگے کسی پر بھی نظر جمتی نہیں
کم سے کم اہلِ وفا کا اعتقاد اتنا تو ہو

ایک[لے] شخص نے دریافت کیا کہ غریب نواز پیر کے نام کا ورد کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ فرمایا یہ محبت پر منحصر و مبنی ہے ورنہ کوئی پیر تو کہتا نہیں کہ میرے نام کا ورد کرو۔ مکرر عرض کی کہ غریب نواز اکثر لوگ اس امر کو کفر سے منسوب کرتے ہو۔ ارشاد ہوا اگر پیر کا نام لینے سے کافر ہوتا ہے تو ہونے دو۔ پھر مندرجہ ذیل شعر زبانِ مبارک پر جاری ہوا ؎

عشق را با کافری خویشی بود
کافری خود مغز درویشی بود

ایک[ٹے] دفعہ مجلس میں مجذوب اور مست فقیروں کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت قبلۂ عالم نے ارشاد فرمایا کہ مرید کو ان لوگوں سے احتراز لازم ہے۔ کیوں کہ یہ ہمیشہ اہلِ سلوک سے برسرِ پرخاش رہتے ہیں مگر عہدہ برآ نہیں ہو سکتے کیوں کہ سالک مثل بادشاہ کے ہوتا ہے جس کے قبضے میں بے انتہا لشکر و سپاہ ہوتے ہیں اور مجذوب کی مثال ایک قوی ہیکل اور شہ زور پہلوان کی ہے جو بادشاہ کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا

لے ٹے رسالہ صوفی دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ نمبر ۲۵ بروایت ماسٹر محمد حسین ۱۲

خواجہ تونسوی علیہ الرحمتہ کا ایک مرید ایک گاؤں سے اکثر قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا کرتا تھا راستے میں ایک مست کا مقام تھا وہ راستے میں تمام فیض جذب کر لیتا تھا۔ اس وجہ سے وہ غریب عجیب مصیبت میں گرفتار تھا۔ ایک بار اس نے وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا مگر اس طرف بھی اُسے موجود پایا۔ جب حاضرِ خدمت ہوا تو خواجہ علیہ الرحمتہ نے فرمایا اے درویش تجھے اتنے عرصے سے ایک مست تنگ کر رہا ہے مگر تو نے اس امر کا تذکرہ تک نہ کیا۔ اس نے عرض کی غریب نواز خوف کی وجہ سے عرض نہ کر سکا ارشاد ہوا کہ اب اُسی راستے سے جانا۔ جب رخصت حاصل کر کے واپس ہوا تو دیکھا کہ وہ مست اپنے مقام پر ماہئ بے آب کی طرح لوٹ رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہی منت و زاری شروع کی کہ خدا کے لیے واپس جاؤ اور اپنے شیخ سے عرض کرو کہ میری جان تو جاتی ہے برائے خدا اتنا کرم کریں کہ ایمان ضائع نہ ہو۔ درویش کو اس کی حالت پر رحم آیا۔ واپس ہو کر خدمت میں حاضر ہوا آپ نے دیکھتے ہی فرمایا ارے تو اس مست کی سفارش لے کر تو نہیں آیا۔ دست بستہ کل حال عرض کیا فرمایا ابھی واپس جا ورنہ تیرا ابھی وہ ہی حال ہو گا جو اس کا ہوا ہے۔ اتنے وار میں نے اس کے برداشت کیے۔ اب وہ ایک وار رو پہلے کا بھی جھیلے۔ واپس جا کر دیکھا تو وہ مست مردہ پڑا تھا ؎

تم اک نگاہِ غضب سے بپا کرو محشر
تمہارے وار بھلا کوئی جھیل سکتا ہے

ایک[1] بار ارشاد ہوا کہ حضرت خواجہ تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک پیر مرد

---

[1] ماسٹر محمد حسین صاحب بی۔ اے انسپکٹر ڈاک خانہ جات ۱۲

حاضر ہوا اور آہستہ آہستہ تھوڑی سی گفتگو کر کے رخصت ہو گیا۔ خادموں نے دریافت کیا۔ فرمایا یہ ابلیس تھا۔ کہتا تھا کہ آپ مقبولِ خدا ہیں دُعا فرمائیں کہ خداوند کریم میرا قصور معاف کر دے۔ میں نے اس کو صلاح دی تھی کہ اب بھی آدم علیہ السلام کی قبر پر سجدہ کرے۔ خداوند کریم غفور الرحیم ہے معاف کر دے گا میں بھی بارگاہ رب العزت میں عرض کروں گا مگر اس کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی اور کہنے لگا کہ اب مجھ سے ایسی شرمندگی نہیں اُٹھائی جاتی کہ جس کے روبرو سجدہ نہ کیا اس کی قبر پر جا کر سر جھکاؤں ؎

کیا بُری چیز ہے ضد بھی، رکھے محفوظ خُدا
چھوڑ دے ضد کو تو ابلیس فرشتہ ہو جائے

ایک[1] مرتبہ ایک شخص نے عرض کی کہ غریب نواز مولنا روم فرماتے ہیں ؎

اہلِ دنیا چوں سگِ دیوانہ اند ۔۔۔ دور شو زیشاں کہ بس بیگانہ اند
اہل دنیا چہ مہین و چہ کہیں ۔۔۔ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ

تو حضور دنیادار تو بڑے بڑے فقیر اور اہل اللہ بھی ہوتے ہیں اور غنی بھی۔ تو معاذاللہ کیا سب اس ذیل میں داخل ہیں۔ اس میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب سچ فرماتے ہیں۔ ان کی مراد ایسے دنیاداروں سے ہے جو خدا کی یاد سے غافل ہوں۔ اور ہر وقت دنیا کی الفت میں مصروف رہیں۔ مولنا خود ارشاد فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا، از خدا غافل بُدن ۔۔۔ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

---

[1] ابوالبرکات حضرت صاحب سجادہ نشین جلال پور شریف ۱۲

یعنی دنیا دار اُسے نہیں کہتے جس کے پاس دولت ہو یا اس کے اولاد یا عورت ہو بلکہ دنیا دار وہ ہے جو عبادتِ الٰہی میں تکاہل اور تساہل کرے اور ہر وقت طلبِ زر میں سرگرداں رہے ایک اور جگہ مولٰینا فرماتے ہیں ؎

مال را اگر بہر حق باشی حمول　　　نعم مالٌ صالحٌ خواندش رسولؐ
آب در کشتی زوالِ کشتی ست　　　آب اندر زیر کشتی پشتی ست

یعنی جو مال خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ بقولِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بہت اچھا ہے۔ اس لیے اس کا تصرف اچھا ہے۔ اگر پانی کشتی کے بیچ میں جا پڑے تو کشتی کے زوال کا باعث ہوگا اور کشتی کے باہر یا اس کے نیچے ہو تو اس کا حافظ اور اُسے ڈوبنے سے بچائے گا۔ اسی طرح اگر مال بھی جمع کیا جائے تو آدمی کے زوال کا باعث بن کر اس کی کشتی ڈبو دیتا ہے اور اس میں بغض و حسد کی آگ سلگا دیتا ہے اور اگر مال خدا کے نام پر خرچ کیا جائے تو انسان کا محافظ اور مددگار ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

اَلسَّخِیُّ حَبِیْبُ اللّٰہِ وَلَوْ کَانَ　　　سخی خدا کا دوست ہے خواہ وہ فاسق ہی
فَاسِقًا وَالْبَخِیْلُ عَدُوُّ اللّٰہِ　　　کیوں نہ ہو اور بخیل خدا کا دشمن ہے
وَلَوْ کَانَ زَاھِدًا۔　　　چاہے وہ زاہد ہی کیوں نہ ہو۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور غوث بہاؤالحق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب منزلیں فقر کی طے کیں تو ان کو خیال آیا کہ بیعت کرنی سنت ہے اور بیعت سے محروم رہنا امرِ ناموزوں، حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

تو اے بے پیر تا پیرت نباشد
ہوائے معصیت دل می خراشد

یعنی اے بے پیر جب تک تو کسی کامل پیر کی بیعت کا شرف حاصل نہ کرے گا اس وقت تک گناہ کبیرہ غالب آتے رہیں گے اور دل پر ان کا غبار جمع ہوتا رہے گا۔ اس لیے مناسب ہے کہ کسی پیرِ کامل کو تلاش کر کے شرفِ بیعت حاصل کیا جائے۔ یہ سوچا اور توکل بخدا چل نکلے۔ لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس زمانے میں شیخ شہاب الدین رضی اللہ عنہ بڑے صاحب کمال بزرگ ہیں جن کی نظیر ملنی محال ہے۔ ان حضرات کو ان کی نیازمندی کا اشتیاق ہوا اور بغداد شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب بغداد شریف کے قریب پہنچے تو اونٹوں، بیلوں، بھینسوں اور بھیڑوں کے گلّے چرتے نظر آئے جن کے گلوں میں سنہری جھالریں پڑی ہوئی تھیں اور کاندھوں پر کمخواب اور اطلس کے گدے پڑے تھے۔ تعجب سے پوچھا کہ یہ سب کس کی ملک ہیں۔ جواب ملا کہ یہ شیخ شہاب الدین رضی اللہ عنہ کی ملک ہیں۔ اُن کے دل میں خیال گذرا کہ جب شیخ ایسے دنیا دار ہیں تو فقر کا بوجھ کس طرح اُٹھالیا۔ ہر وقت ان کا خیال دنیا داری میں مستغرق رہتا ہوگا۔ آگے چل کر کیا دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی منقش عمارتیں اور عمدہ عمدہ باغات ہیں جیسے نہ کبھی دیکھے تھے نہ سُنے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی شیخ صاحب کے بنوائے ہوئے ہیں اور انہیں کے تصرف میں ہیں۔ اب تو یہ حضرت سخت بے اعتقاد ہوئے۔ خاص کر حضرت شہباز قلندر کو اتنی بے اعتقادی ہوئی کہ واپس جانے لگے مگر پھر دل میں خیال پیدا ہوا کہ شیخ صاحب کو دیکھ تو لیں۔

جس وقت شیخ صاحب کے دروازہ پر پہنچے خادم نے جا کر عرض کی کہ اس وضع اور

اس شکل اور اس نام کے تین درویش حاضری کے طالب ہیں۔ آپ نے اجازت دی۔
جب ملاقات سے فارغ ہو کر بیٹھے تو شیخ صاحب نے فرمایا صاحبان کسی کی کوئی چیز تو راستے میں گم نہیں ہوئی ہے۔ اگر کسی کی کوئی چیز راستے میں رہ گئی ہو تو بتا دے حضرت شہباز قلندرؒ نے عرض کی کہ میرا عصا سو کوس کے فاصلے پر ایک جگہ رہ گیا ہے اور وہیں پڑا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا چونکہ آپ لوگ میرے پاس آئے ہیں اس لیے میں آپ کی ہر چیز کا ذمہ دار بن گیا ہوں۔ تمہارا عصا بھی میرے ذمہ ہے۔ یہ کہا اور خادم کو حکم دیا کہ فلاں مکان کے فلاں گوشے میں ایک عصا پڑا ہوا ہے اُسے اُٹھا لاؤ۔ خادم بموجب حکم عصا لایا آپ نے وہ عصا حضرت شہباز قلندرؒ کو دیا اور پوچھا کہ کیا تمہارا عصا یہی ہے۔ آپ نے عصا پہچان لیا کہنے لگے کہ ہاں حضور یہی میرا عصا ہے جسے میں سو کوس کے فاصلے پر بھول آیا تھا۔
پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو میری امارت کے متعلق راستے میں خیال کرتے آئے ہو کہ باوجود اتنی دولت مندی کے شیخ عبادت کس طرح کرتا ہو گا تو یہ خیال دل میں نہ لائیے۔ پھر فرمایا کہ "میخ زر بر گل زدہ ام نہ کہ بر دل" یعنی میں نے دنیا کو دل میں جمع نہیں کیا ہے بلکہ مٹی پر پھینک دیا ہے۔ اچھا آرام کرو اور کھانا کھاؤ۔ شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی کہ میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیسرے روز کھاتا ہوں۔ میرے انتظار میں تمہیں تین روز روزہ رکھنا پڑے گا۔ بابا صاحبؒ نے عرض کی کہ اس سے پہلے میں نے باراں سال تک فاقہ کشی اختیار کی ہے۔ یہ تو کوئی ایسی بڑی میعاد نہیں ہے۔
جب تین روز گذر گئے تو شیخ صاحب نے حضرت بابا صاحبؒ کو بلوایا، آئے، بیٹھے

خادم سرپوش سر پر لیے حاضر ہوئے جو چاندی اور سونے کے تھے۔ پہلے ایک دسترخوان کمخواب کا بچھایا گیا۔ پھر طبق اترنے شروع ہوئے۔ اتنے سرپوش رکھے گئے کہ سارا مکان بھر گیا۔ باباصاحب نے دل میں خیال کیا کہ خدا جانے ان سرپوشوں میں کیسے کیسے کھانے اور کیسی کیسی نعمتیں ہوں گی۔ جب سرپوش اٹھائے گئے تو ہر خوان خالی تھا صرف ایک خوان میں دو روٹیاں جو کی بے نمک رکھی ہوئی تھیں۔ دونوں نے مل کر کھائیں۔ شیخ صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا چوں کہ اس مرتبہ تم نے میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا ہے اس لیے مجھ کو اس کے عوض چھ روز کا روزہ رکھنا پڑے گا۔

سچ ہے ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

ایک[1] دفعہ کسی شخص نے عرض کی کہ غریب نواز مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے جس قدر مشائخ اس زمانے میں ہیں سب دکان دار ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا مرزا صاحب سچ کہتے ہیں۔ واقعی جملہ مشائخ دکاندار ہیں لیکن دکان پر جب تک سودا نہ ہو لوگ خریداری کو کب آتے ہیں ؎

سودائیانِ عشق کی تھی بھیڑ مصر میں
حسن نقاب پوش تجلی فروش تھا

---

[1] بزبانی منشی نعمت خاں صاحب انسپکٹر پولیس۔

منشی نعمت خاں صاحب انسپکٹر پولیس راوی ہیں کہ جب میں سارجنٹ سوم تھا تو پولیس کی ملازمت سے میرا دل برداشتہ ہو گیا کیوں کہ اس محکمہ کے ہر کام میں جھوٹ بولنے اور جھوٹ لکھنے کے بغیر کام نہیں چلتا۔ میں نے ترکِ ملازمت کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مگر حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت ضروری تھی۔ رخصت لے کر حاضرِ خدمتِ اقدس ہوا یہاں ایک اور مرحلہ پیش آیا وہ یہ کہ حضرت قبلۂ عالم کے روبرو مجھے کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر میری طرف سے اور پیر بھائیوں نے میرے ارادۂ ترکِ ملازمت کا ذکر حضور کے سامنے چھیڑا اس پر قبلۂ عالم نے مجھ سے اس بات کی تصدیق چاہی میں نے عرض کی غریب نواز یہ لوگ درست کہتے ہیں۔ فی الواقع اس محکمہ کی ملازمت مجھ سے نہیں ہو سکتی اس پر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

"پچھلے زمانے میں ایک بزرگ تھے جن کو مرتبۂ حضوری حاصل تھا اور وہ روزانہ دربارِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں باریاب ہوتے تھے۔ یہ بزرگ سلطانِ وقت کی طرف سے تازیانہ لگانے پر مامور تھے۔ جس مجرم کے حق میں عدالت سزائے تازیانہ تجویز کرتی اُسے یہ بزرگ تازیانے لگایا کرتے تھے۔ ایک دن ان کو خیال ہوا کہ میں کیسی بُری خدمت کی انجام دہی پر متعین ہوں۔ اللہ رازق ہے۔ اگر میں یہ سفاکانہ کام چھوڑ دوں تو بھی وہ مجھے رزق ضرور دے گا۔ اس خیال کے دل میں پیدا ہوتے ہی آپ نے ملازمت سے استعفاء دے دیا۔ اُدھر وہ مستعفی ہوئے اُدھر حضرت سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے دربار میں شرفِ باریابی حاصل نہ ہو سکا۔ جب تین روز متواتر حضور فخرِ موجودات م کا نیاز حاصل نہ ہو سکا تو وہ بزرگ سخت حیران ہوئے اور اس غم

۱؎ زبانی منشی نعمت خاں صاحب انسپکٹر پولیس۔

میں اس قدر روئے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اس حالت میں جب کہ وہ سر بہ سجدہ زار زار رو رہے تھے ان کی آنکھ لگ گئی۔ دیکھا کہ دربارِ نبوی صلعم منعقد ہے۔ یہ بھی حسب عادت چلے گئے اور اپنی حالت عرض کی۔ حکم ہوا کہ وہ درجہ تم کو اُسی ملازمت کی بدولت عطا ہوا تھا۔ تم رحمدل تھے۔ خدا کے بندوں پر رحم کر کے ان کو نرم سزا دیتے تھے۔ تمہاری اس رحم دلی سے خوش ہو کر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے تم کو یہ درجہ عطا فرمایا تھا۔ اب تمہاری جگہ جو آدمی مقرر ہوا ہے وہ ایسا ظالم ہے کہ مخلوق خدا اس کی سنگدلی سے عاجز آگئی ہے اگر تم وہ ہی مرتبہ حضوری چاہتے ہو تو بہ نیک نیت اسی سابقہ ملازمت پر چلے جاؤ خواب سے بیدار ہو کر وہ بزرگ اپنے کیے پر نادم ہوئے اور تائب ہو کر پھر اپنی سابقہ ملازمت پر چلے آئے۔

منشی نعمت خاں صاحب کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سُنی تو ملازمت ترک کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ درویش کو چاہیے کہ جہاں گردی سے پرہیز کرے اور خدا پر توکل رکھے۔ تمثیلاً حضرت سعدیؒ کا یہ شعر پڑھ کر متوکل اور غیر متوکل کی کیفیت بیان فرمائی ؎

خداوند نعمت بحق مشتغل
پراگندہ روزی پراگندہ دل

جو لوگ صرف عبادت ہی کو زینۂ ولایت وعرفان سمجھتے ہیں انہیں یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیے ؎

عبادت کے بھروسے پر عبث ہے عمر کا کھونا
بجز فضلِ خدا ممکن نہیں ہے اولیا ہونا

علمِ معرفت کا ذکر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ طالبِ معرفت کو چاہیے کہ لوحِ دل سے خط علمِ ظاہری دھوڈالے۔ ورنہ نہ علمِ ظاہری میں کامل ہوگا نہ علم باطنی میں تمثیلاً فرمایا کہ مدرسہ کے طالب علم جب تک تختی کو پہلی عبارت سے صاف نہیں کر لیتے دوسری عبارت نہیں لکھتے اگر لکھیں بھی تو نہ پہلی عبارت پڑھی جاتی ہے اور نہ مابعد کی لکھی ہوئی سبحان اللہ! کیا خوب درسِ معرفت ہے ؎

بھول جا سب کچھ تو پھر یادِ خدا کا لطف دیکھ
معرفت کہتے ہیں اس کو، درسِ عرفان ہے یہی

ایک[1] مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اعتقاد واثق خواہ کسی چیز پر ہو جائے حصولِ مقصد کی دلیل ہے۔ جس طرح ہندو بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور ان سے اپنا مدعا حاصل کر لیتے ہیں۔ ؎

آنچہ طالب را رساند بامراد
اعتقاد است اعتقاد است اعتقاد

لیکن جو اعتقاد مریدوں کو پیر کی ذات پر کرنا چاہیے وہ بہت قلیل پایا جاتا ہے پھر فرمایا کہ ایک سوداگر نے جب حضرت پیر دستگیر غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کی شہرت

---

[1] ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین ۱۲

سی تو بغداد شریف حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضرت آپ کے ہزاروں مرید ہیں۔ مجھے بھی زمرۂ خدام میں داخل فرمائیے۔ آپ نے فرمایا بھائی مرید ہونا بہت مشکل ہے۔ تجھ میں اتنی طاقت کہاں کہ ہمارا مرید ہو۔ اس نے عرض کی کہ حضور آپکے لاکھوں مرید ہیں کیا ان سب میں میں ہی بُرا اور کمزور ہوں جو مجھے بیعت فرمانے سے احتراز ہے۔

آپ نے فرمایا اگرچہ ہمارے مرید بہت ہیں لیکن وہ سب برائے نام ہیں۔ ہمارا سچا مرید تو ایک ہی شخص ہے۔ اس نے عرض کی وہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے پیچھے پیچھے چلا آ۔ بموجب حکم وہ شخص ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک شیر نظر آیا۔ اس شخص کے دل میں سخت خوف پیدا ہوا۔ جب وہ شیر نزدیک آیا تو وہ سوداگر اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے شیر پیر صاحب سے کچھ نہ کہنا میں حاضر ہوں۔ میں اپنی جان آپ پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔ پیران پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے شیر ہم کو ایک سفر درپیش ہے اگر تو ہمیں اپنی پیٹھ پر سوار کر کے لے چلے تو خدا تجھے اجر دیگا شیر نے کہا کہ میں بحکمِ خدا صرف اسی خدمت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ اس پر سوار ہوئے اور ایک طرف چلے۔ رات کے وقت ایک شہر نظر آیا۔ جب اہل شہر نے جو آپکے مرید تھے آپ کو دیکھا تو قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہماری دعوت قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا جو شخص اس شیر کی دعوت بھی کرے گا اس کی دعوت ہم قبول کریں گے۔ لوگوں نے عرض کی کہ جس قدر دنبوں کی ضرورت ہو ہم حاضر کریں اور جو حکم ہو بجا لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا شیر دُنبے وغیرہ نہیں کھاتا جس شخص کا ایک ہی لڑکا ہو اور اس کی شادی ہونے والی ہو وہ اپنا لڑکا حاضر کرے۔ یہ شیر اس لڑکے کو کھائے گا اور ہم بھی اس شخص کی دعوت قبول کریں گے۔ لوگ متحیر ہوئے اور دل

میں کہنے لگے کہ کون ایسا سنگدل ہوگا جو اپنے اکلوتے لڑکے کو ذبح کرنے کے لیے دے دے گا۔

خیر اس رات آپ نے فاقہ کیا اور علی الصباح وہاں سے ایک سمت کو چل پڑے دوسری رات ایک اور شہر میں گذاری۔ وہاں بھی وہ ہی کل والا معاملہ پیش آیا اور وہ رات بھی فاقہ ہی میں گذاری۔

تیسرے روز ایک شہر میں وارد ہوئے۔ وہاں کے باشندے بھی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے اور قبولیتِ دعوت کے لیے عرض گذرانی۔ ان کو بھی وہ ہی جواب ملا ایک شخص نے عرض کی کہ مجھے یہ بات منظور ہے۔ میرا ایک ہی لڑکا ہے جس کی شادی عنقریب ہونے والی ہے میں ابھی گھر جاتا ہوں اور اپنی عورت سے بھی اجازت لیے آتا ہوں یہ کہا اور گھر جاکر تمام ماجرا اپنی عورت سے بیان کیا۔ وہ عورت بولی کہ زہے قسمت کہ ہماری دعوت پیر صاحب منظور فرمائیں۔ صرف یہی نہیں اگر ہماری اپنی جانیں بھی قبول فرمائیں تو حاضر ہیں۔ جلدی جاکر آپ کو اپنے گھر لے آؤ۔ اس نے جاکر عرض کی۔ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔ جب کھانا پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارا وعدہ ہے کہ اپنے شیر کو کھلا کر کھانا کھائیں گے۔ انہوں نے فوراً اپنا لڑکا حاضر کیا اور شیر کے آگے ڈال دیا۔ شیر نے فوراً اس کے اعضا جدا جدا کر دیے۔

تمام شہر میں غل ہوگیا کہ پیر صاحب نے ایسا نوجوان لڑکا شیر کی نذر کر دیا اور خونِ ناحق اپنے سر لیا۔ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوداگر سے فرمایا کہ دیکھو مریدی اور اعتقاد ایسا ہوتا ہے۔ اب ہمیں بھی لازم ہے کہ اپنی پیری کا حق ادا کریں۔ فوراً مقتول کی ہڈیاں جمع کر کے ان پر اپنی ردائے مبارک ڈال دی اور سربسجدہ ہوئے۔ ابھی سجدہ

سے سر نہ اُٹھایا تھا کہ وہ زندہ ہو گیا۔ ہر طرف سے صدائے آفرین و تحسین بلند ہوئی۔ اور لوگوں کا اعتقاد واثق ہو گیا۔ پھر آپ نے اس سوداگر سے فرمایا کہ اگر تو بھی ایسا مرید بنے اور ایسا ہی اعتقاد رکھے تو تجھے بیعت کر سکتا ہوں۔ اس نے عرض کی کہ جب پیر ایسا کامل ہے تو اس کا مرید بن جانے میں کیا خوف ہے۔ اسی وقت شرفِ بیعت سے بہرہ ور ہو گیا ؎

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

ایک[1] دفعہ ایک شخص نے عرض کی کہ قبلۂ عالم یہ کیا بات ہے کہ عموماً جب کوئی معزز آدمی کسی فقیر کے پاس جاتا ہے تو اس کی مہمانداری میں زیادہ توجہ کی جاتی ہے اس کے برخلاف جب کوئی غریب آدمی آتا ہے تو اس کی طرف چنداں التفات نہیں ہوتی۔ حضرت قبلۂ عالم نے ارشاد فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے "اَنْزِلُوا النَّاسَ عَلٰی مَنَازِلِهِمْ" یعنی لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق منزلوں پر اتارو مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کی جیسی حیثیت ہو اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو اور ویسی ہی اس کی عزت کرو۔ پھر فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم ادھم بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت چھوڑ کر فقر اختیار کیا تو توکل بخدا چل پڑے۔ جب ایک جنگل میں ان کا گذر ہوا تو دیکھا کہ ایک فقیر خدا کی عبادت میں مصروف ہے۔ آپ بھی اس خیال سے کہ یہ جگہ آبادی سے دور ہے اور رفاقت کے لیے ایک فقیر موجود ہے اس کے

---

[1] از سید محمد فضل شاہ صاحب سلمہ ربہٗ سجادہ نشین۔

پاس بیٹھ گئے۔ اس فقیر نے ان کو للکارا اور کہا کہ اسی وقت یہاں سے چلا جا کہیں تیری شامت اعمال سے میری عبادت میں خلل نہ پڑے۔ میرے لیے روزانہ غیب سے کھانا آتا ہے جس سے میرا گذر بھی بمشکل ہوتا ہے تو یہاں رہا تو بھوکا پیاسا مر جائیگا آپ شکستہ دل ہو کر اُٹھے اور دوسری جگہ توکل بخدا جا بیٹھے اور دل میں خیال کیا کہ جس خداوند کریم نے مجھ سے بادشاہت ترک کرائی ہے وہ سب کا رازق مطلق ہے۔ کیا اس کو شرم نہ آئے گی کہ میں بھوکا مر جاؤں۔ یہ بات دل میں ٹھان کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ اُس عابد کے لیے حسب معمول روٹی اور پیاز غیب سے اتری اور آپ کے پاس خوانہائے زریں اترنے شروع ہوئے۔ کسی میں حلوا تھا کسی میں چاول کسی میں گوشت، کسی میں قیمہ، کسی میں کباب، کسی میں کوفتے۔ الغرض جو نعمتیں آپ بادشاہی میں کھاتے تھے اُن سے کئی حصے بڑھ کر انعام ہوئیں۔ آپ نے بھوک کے موافق کھا لیا اور باقی ماندہ چیزیں اس عابد کو پیش کیں اور کہا کہ اگر بھوک ہیں نوش تناول فرمائیے۔ عابد نے یہ حال دیکھا تو حسد کی آگ میں جل گیا اور سخت پیچ و تاب کھا کر سجدہ میں گرا۔ خداوند کریم سے عرض کرنے لگا کہ میں چالیس سال سے تیری عبادت کر رہا ہوں اور یہ آدمی نوجوان ہے اس نے اتنی عبادت کب کی ہوگی۔ بھوک کے صدمے میری طرح کیا اٹھائے ہوں گے۔ تعجب ہے کہ میری عبادت کے صلے میں صرف روٹی اور پیاز اور اس کے لیے دنیا بھر کی نعمتیں۔

بارگاہِ الٰہی سے خطاب ہوا کہ تو اپنی اصلیت دیکھ۔ تو ایک غریب کسان تھا اور روٹی پیاز پر گذارہ کرتا تھا اور یہ ایک بادشاہِ وقت تھا ہزاروں کھانے اس کے دسترخوان پر چنے جاتے تھے۔ تجھے تیری خوراک ملتی ہے، اُسے اس کی خوراک ملا

کرے گی۔ دوسرے تو ایک غریب آدمی تھا۔ جب تو نے کوئی ذریعۂ معاش نہ دیکھا تو میرے در پر آ پڑا اور وہ بادشاہ صاحبِ خدم و حشم تھا۔ اس نے بادشاہی چھوڑ کر گدائی اختیار کی ہے ؎

ما دروں را بنگریم و حال را
ما بروں را ننگریم و قال را

ایک روز ارشاد ہوا کہ کوٹ مٹھن میں حضرت خواجہ عاقل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے کامل بزرگ گذرے ہیں ان کو درجۂ فنا فی الرسول حاصل تھا۔ آپ کا یہ حال تھا کہ جب حجرہ سے ادائے نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تو ایک ابر کا ٹکڑا آپ پر سایہ کر لیتا۔ جب عوام الناس میں اس بات کا چرچا ہونے لگا تو آپ نے حجرہ سے لے کر مسجد تک جس قدر جگہ تھی پٹوا دی تاکہ راز پوشیدہ رہے۔ یہاں حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے پاس کوئی قیمتی چیز ہو تو وہ اُسے ضرور حفاظت سے رکھتا ہے۔ مانگنے والوں کو نہیں دیتا۔ اس زمانے میں جو لوگ ظاہری تکلفات اور بناوٹیں دکھاتے ہیں وہ دروغ گو اور جھوٹے مدعی ہیں ؎

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند
آں را کہ خبر شد، خبرش باز نیامد

جس چیز میں خوشبو ہے اس کی مہک خود بخود دماغ کو معطر کر دیتی ہے کیوں کہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" فنا فی الرسول سے فنا فی اللہ کا درجہ حاصل

---

[1] از سید محمد شاہ صاحب لدھیانوی ۱۲

ہوتا ہے جس میں ساری مخلوقات نظر آتی ہے اور طالب اپنی ہستی کو خدا سمجھنے لگتا ہے اس کے بعد بقا باللہ کا درجہ ہے جہاں انسانیت نہیں رہتی اور وہ مصداق "د الفقر اذا تمّ فھو اللہ" بندہ واصل بحق ہو جاتا ہے ؎

چھپایا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں

ایک روز ارشاد ہوا کہ فقیر کا گلہ کرنے سے اُس کے مراتب کی ترقی ہوتی ہے اوّل تو اس کا نفس عاجز ہوتا ہے دوسرے اس کا فخر ٹوٹتا ہے۔ تیسرے خداوند اس کو عیوب سے بری کرتا ہے۔ یہاں آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ شیخ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ مہار شریف حاضر ہوئے۔ بعد زیارتِ روضہ مطہرہ، آپ قضائے حاجت کی غرض سے گاؤں کی حد سے باہر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک کنوئیں پر زمینداروں کا بڑا مجمع دیکھا جہاں حقہ نوشی سے مجلس گرم تھی اور حضرت قبلہ عالم مہاروی کی غیبت ہو رہی تھی۔ حضرت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ جب کنوئیں پر بیٹھ کر وضو فرما چکے تو ان میں سے ایک شخص نے آپ کا نام اور مقام پوچھا اور آپ نے فرمایا کہ میں [1] روضہ شریف کی زیارت کے لیے ساہی وال ضلع شاہ پور سے آیا ہوں۔ یہ سُن کر وہ لوگ آتش حسد میں جل گئے اور کہنے لگے کہ میاں یہاں آ کر تمہیں کیا حاصل ہوا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے جواب میں فرمایا کہ ہزارہا لوگ یہاں آتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں مجھے بھی شوق دامنگیر ہوا اور چلا آیا۔ ان لوگوں نے سلسلہ کلام جاری بدستور رکھتے ہوئے کہا کہ،

---

[1] از سید محمد شاہ صاحب لودھیانوی۔

ایک اور تعجب کی بات سُنو کہ نواب بہاول خاں والیٔ بہاول پور نے چاندی کے طاق بنواکر اس پر سونے کے پھول جڑوائے ہیں جو روضے کے دروازے پر لگائے جائیں گے ان میں ایک عمر رسیدہ شخص بیٹھا تھا جو آتشِ حسد سے بالکل کباب ہو رہا تھا۔ کہنے لگا یار و دُعا کرو کہ میں ان طاقوں کے لگائے جانے سے پہلے مر جاؤں اور روضہ کی یہ زینت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں۔

بعدہٗ حضرت قبلہ عالم نے حضرت خواجہ تونسوی علیہ الرحمۃ کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ آپ کے محلہ میں ایک غریب آدمی رہتا تھا۔ آپ نے اس کے حالِ زار پر رحم فرما کر لنگر میں ایک روٹی اس کے لیے مقرر کر دی۔ وہ شخص ہر اجنبی اور نووارد کے پاس حضرت قبلہ عالم کی شکایت کرتا، مریدوں کے دل میں وسوسہ ڈالتا اور لوگوں کو بد اعتقاد کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا خادمانِ لنگر نے تنگ آکر حضرت کی خدمت میں اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے قاسمِ لنگر کو طلب فرما کر حکم دیا کہ آج سے اس شخص کو لنگر سے دو روٹیاں دی جائیں۔ اس حکم کے سننے سے لنگر کے درویشوں کو سخت غصہ آیا۔ سب نے عرض کی کہ حضرت ہم اس شخص کی غیبت سے سخت عاجز آگئے ہیں۔ یہ ہر یگانے اور بیگانے کو بہکاتا رہتا ہے اور آپ اس کی پرورش زیادہ کرتے جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ؎

ہر کہ مارا یار نبود ایزد او را یار باد   ہر کہ مارا رنج بدہد راحتش بسیار باد
آنکہ اندر راہِ ما خارے نہد از دشمنی   یا الٰہی گلشن او دائما بے خار باد

ایک دن وہ شخص اپنی عادت کے مطابق اپنے گھر بیٹھا ہوا حضرت کی شان میں نامعقول کلمات کہہ رہا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ کم بخت ایک عرصہ سے تو حضرت صاحب کا نمک خوار ہے۔ وہ تیری پرورش فرماتے ہیں اور تو ایسا نمک حرام ہے کہ ہمیشہ اُن

کی شان میں گستاخی کرتا رہتا ہے۔ اس تنبیہ سے وہ شرمسار اور اپنے کیفرِ کردار پر نادم ہو کر تائب ہوا۔ حضرت کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے لانگری طلب فرما کر ایک روٹی کم کر دینے کا حکم دیا۔ حاضرین کو اس سے تعجب ہوا۔ اس پر حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک وہ ہمارا کام کرتا رہا، ہم مزدوری دیتے رہے۔ اب چوں کہ اس نے ہمارا کام چھوڑ دیا۔ ہم نے بھی مزدوری بند کر دی۔

یہ حکایت بیان فرما کر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ جس آدمی کو عزت اور کمال عطا فرمائے اس کے مراتب پر حسد کرنا اللہ تعالیٰ سے حسد کرتا ہے ؎

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست
کہ از مصیبت آں جز بمرگ نتواں رست

ایک[۱] روز ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کو بعد اجازت پیر کا یہ حکم ملا کہ آپ اپنے گاؤں میں نہ رہیں۔ وہاں کے باشندے سخت ہیں۔ متلاشیانِ ہدایت کو تکلیف دیں گے۔ تمہاری جگہ تونسہ ہے وہاں قیام کرو۔ تونسہ شریف کے ایک معمر بزرگ کی زبانی معلوم ہوا کہ جس مقام پر حضرت کا مزار پُر انوار ہے وہاں تمام بستی کا مویشی خانہ تھا۔ ایک دن ایک برہنہ تن فقیر نے وہاں آ کر مویشیوں کو اُٹھا دیا اور جھاڑو سے وہ جگہ صاف کر کے اس کی حد بندی کر دی۔ تونسہ شریف کا وہ بزرگ جس نے یہ حکایت بیان کی اُس فقیر کی خورد و نوش کے لیے کچھ نہ کچھ لے جاتا تھا۔ ایک دن اس نے پوچھا کہ آپ نے مویشیوں کو یہاں سے کیوں نکال دیا۔ فقیر نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے

[۱] از سید غلام شاہ صاحب ساکن پیرہ شریف۔

کہ یہ جگہ غوث کی ہے۔ اس کی عزت کرو۔ کچھ مدت کے بعد جب حضرت صاحبؒ تشریف لائے تو وہ فقیر کہیں غائب ہو گیا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سرکنڈوں کی ایک جھونپڑی بنالی اور اس میں عبادت کرنے لگے۔ جب اس علاقہ کا رئیس الف خاں سلسلہ غلامی میں داخل ہوا تو اس نے حضرت صاحبؒ کی اجازت سے ایک مکان بنوادیا۔ جب آپ کا فیض عام ہو گیا اور لوگ جوق جوق شرفِ بیعت سے مشرف ہونے لگے تو نواب بہاول خاں والئ ریاست بہاول پور بھی سلسلۂ خدام میں داخل ہوئے اور تعمیرِ مسجد کے لیے چند ہزار روپیہ خدمتِ اقدس میں بھیجے۔ حضرت صاحبؒ نے وہ روپیہ حسبِ دستور لنگر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ جو بچا وہ مسکینوں اور محتاجوں کو بانٹ دیا۔ پھر دوبارہ روپیہ بھیجے۔ وہ بھی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ غرض کہ کئی بار یہ معاملہ ہوا۔ آخر الامر کسی نے نواب صاحب سے کہا کہ آپ صاحب زادہ اللہ بخش صاحبؒ کو روپیہ بھیجیں تاکہ وہ مسجد تعمیر کرادیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صاحب زادہ صاحب نے اس روپیہ سے اینٹ، پتھر، چونہ، سُرخی، لکڑی اور دیگر عمارتی سامان منگوا کر جمع کر دیا۔ جب حضرت صاحبؒ ادائے نماز کو تشریف لائے تو سامان کے انبار ملاحظہ فرما کر استفسار فرمایا کہ یہ کس لیے ہے۔ خدام نے عرض کی کہ نواب صاحب نے اب کی دفعہ تعمیرِ مسجد کے لیے روپیہ براہِ راست صاحب زادہ صاحب کے پاس بھیجا تھا اور انہوں نے یہ سامان جمع کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا "واہ او بھیڑ بلاجے میرے کول گھل دوں تے کتنیاں مسجداں تیار کرا دیندا"۔ یعنی کاش وہ بدنصیب میرے پاس روپیہ بھیجتا تو میں بھوکوں، پیاسوں اور محتاجوں میں روپیہ تقسیم کر کے اس کے واسطے کئی مسجدیں قائم کرا دیتا بعد وصال حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ روضۂ مقدس کی تعمیر شروع ہوئی۔ جو

دیوار بنائی جاتی وہ گر جاتی۔ خادمانِ دربار کو سخت تشویش ہوتی تھی۔ رات کو الف خاں ہر درویش کو خواب میں نظر آتے کہ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں جس نے میرا تعمیر کردہ مکان گرایا اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اسی موقعہ پر حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ تونسہ شریف لے گئے۔ صاحبزادہ اللہ بخش صاحبؒ نے تمام ماجرا آپ سے بیان کیا اور فرمایا کہ آپ حضرت خواجہ صاحبؒ کے قائم مقام ہیں۔ عرض کر کے وجہ دریافت فرمائیں۔ حضرت مولانا سیالویؒ نے رات کو عرض کی تو حضرت قبلۂ عالم تونسوی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ جس بات سے الف خاں راضی ہو وہ ہی کرو۔ آپ نے دوبارہ عرض کی پھر بھی وہ ہی حکم ملا۔ تیسری مرتبہ درخواست کرنے پر آپ نے فرمایا کہ الف خاں والے مکان کی چھت بدستور اٹھالو اور سامنے دوسرا مکان تیار کر کے اس پر رکھ دو اور پھر روضہ کی تعمیر شروع کرو۔ جب ایسا کیا گیا تو پھر دیوار نہیں گری اور روضہ شریف مکمل ہو گیا۔

یہاں حضرت غریب نوازؒ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ صاحبزادہ اللہ بخش صاحبؒ تونسوی نے اس مکان کو ایسا آراستہ کیا جس کی نظیر روئے زمین پر مشکل سے ملتی ہے۔ سبحان اللہ جانشین ہو تو ایسا ہو ؎

مکیں جیسا ہو ویسا ہی مکاں بھی چاہیے اس کو
دلِ پر آرزو میں وہ تمنا بن کے بیٹھے ہیں

ایک[۱] دفعہ آپ کی حضور میں محبت الٰہی کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ وعلیٰ

---

[۱] از ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین سلمہ ربہٗ۔

نبینا الصلوٰۃ والسلام کوہِ طور پر تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بڑے دولت مند اور غنی صاحبِ اولاد سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس کے سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کوہِ طور کی طرف خداوند کریم سے ہمکلام ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ اس نے عرض کی کہ آپ براہِ نوازش بارگاہِ خداوندی میں میری طرف سے باادب عرض کیجیے کہ فلاں شخص عرض گذار ہے اسے اپنی دوستی اور محبّت میں قبول فرما اور کیفِ عشق سے مدہوش سرشار رکھ۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں اُس شخص کی درخواست گذرانی۔ ارشاد ہوا اُس سے کہہ دو کہ ہم نے تجھے اپنی محبّت میں مقبول و منظور کیا۔ تجھے بھی لازم ہے کہ ہماری دوستی میں ثابت قدم رہے اور تکالیف دنیوی سے نہ گھبرائے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام نے حکمِ ایزدی سے اس شخص کو اطلاع دی۔ وہ دل میں بہت خوش ہوا۔ پھُولا نہ سمایا اور خیال کیا کہ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اُسی اثنا میں ایک غلام دوڑا ہوا اور سر نوچتا ہوا آیا اور فریاد فریاد پکار کر کہنے لگا کہ ایک شیر نے جو جنگل کی طرف سے شہر میں آیا، آپ کے تمام مویشی گھوڑے، بیل بھینس الغرض سب جانور مار ڈالے ہیں۔ اس نے دل سے مشورہ کیا کہ خداوند کریم کی محبت کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا بلکہ وہ تو ایسا عدیم المثل اور عظیم الشان ہے جس سے دوستی کرنا بہت دشوار ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

خیر جو ہوا سو ہوا۔ گذشتہ را صلوٰۃ آیندہ را احتیاط۔ اب یہ کام محبت کا نہیں کہ اس کے افعال کی ناشکری کی جائے اور "ضرب الحبیب زبیب" کی خلاف ورزی

اختیار کی جائے۔ الشکر والحمد للہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ معلوم ہوا اُس کے گھر میں آگ لگ گئی۔ غریب بدحواس اور پریشان ہو کر گھر کی طرف دوڑا تو پتہ لگا کہ گھر کا تمام اسباب اور اثاثہ معہ عورت اور بچوں کے جل کر خاکستر ہو گیا ہے اور ایک تنکا بھی باقی نہیں بچا ہے۔ سخت مجبور ہو کر اپنے پُرانے دوستوں، رفیقوں، مونسوں اور غم گساروں کے گھر کی طرف چلا کہ شاید میری خستہ حالی پر کسی کو رحم آجائے اور میرے لیے کوئی صورت تسکین کی نکل آئے لیکن اس کی حالت سب کو معلوم ہو چکی تھی کہ یہ اب نادار اور مفلس ہو گیا ہے اور اس کے پاس ایک پائی بھی نہیں رہی۔ کسی نے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ بیگانہ وار اُسے اپنے پاس سے الگ کر دیا اور بے وفا بن گئے۔ وہ نا اُمید ہو کر چلا آیا اور بھیک کے ٹکڑوں پر بسر کرنے لگا۔ آخر بیمار ہو گیا اور جذام اس پر ایسا غالب ہوا کہ اس کے تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ ہر شخص اُس سے نفرت کرنے لگا۔ کوئی اس کے پاس سے نہ گذرتا نہ اُسے اپنے پاس آنے دیتا لیکن اس ہمتِ مردانہ پر آفرین و تحسین ہے کہ اس نے کبھی اُف تک نہ کی۔ صبر کے ساتھ تکالیف کو جھیلتا تھا تاکہ بے صبروں اور ناشکر گذاروں میں اس کا شمار نہ ہو اور وہ خدا کی دوستی و محبت سے خارج نہ ہو جائے۔

ایک روز کوچہ میں بیٹھا تھا کہ غل ہوا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کا مست ہاتھی چھوٹ گیا ہے۔ جو شخص اس کے سامنے آتا ہے وہ اُسی کو چیر ڈالتا ہے۔ ہاتھی بالکل قریب آ گیا دوکاندار دوکانوں میں چھپنے لگے۔ یہ غریب بھی خوف کے مارے ایک دوکان میں گھس گیا۔ چونکہ یہ کریہہ منظر اور بدصورت تھا۔ دوکاندار نے

نفرت کر کے دھکا دیا اور وہ مستِ محبتِ الٰہی باہر آگرا۔ گرتے ہی ہاتھی نے سونڈ سے اُٹھا کر دو ٹکڑے کر دیے۔

بعد چندے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کے دل میں خیال گذرا کہ اس عاشق الٰہی کا حال دریافت کرنا چاہیے اور اس کی خبر لینی چاہیے جسے خداوند کریم جل جلالہ و عم نوالہٗ نے اپنی دوستی میں قبول فرمایا تھا۔ جا کر تلاش کیا تو اس پر جو کچھ گذرا تھا لوگوں نے کہہ سنایا۔ یہ سُن کر آپ کو بے حد صدمہ ہوا لیکن بمصداق ''فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ'' دم نہ مارا کہ کہیں خداوند کریم کی ناراضگی کا باعث نہ ہو۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عالی شان باغ ہے جس کی چار دیواری مرصع اور منقش جواہرات سے جگمگا رہی ہے۔ اندر جا کر دیکھا تو باغ ایک بے نظیر و لاثانی مقام ہے ''لا عین رأت ولا اذن سمعت'' آدمی کی عقل اس کی حقیقت سمجھنے میں دنگ تھی۔ خدا کی قدرت نظر آ رہی تھی۔ آگے بڑھے تو جواہرات کا ایک تخت نظر آیا جس پر وہ عاشقِ الٰہی اور مستِ محبتِ خداوندی جس نے دنیا کی تکالیف بہ خندہ پیشانی برداشت کی تھیں بیٹھا ہوا زار زار رو رہا تھا۔ آپ کو دیکھا تو تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور قدموں پر گر کر رونے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ خدا نے تجھ پر اس قدر اکرام فرمایا ہے اور ایسا لاثانی باغ رہنے کو دیا ہے پھر تیری گریہ و زاری کا کیا سبب ہے اور یہاں تجھے کیا تکلیف ہے۔ تجھے تو ان انعامات کے بعد خدا کا شکر کرنا چاہیے۔

وہ شخص عرض کرنے لگا کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں بجا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جس وقت مجھے ہاتھی نے دو ٹکڑے کیا تھا بعد نکلنے روح کے مجھے خداوند کریم نے اپنے

دیدارِ پُر انوار سے مشرف فرمایا تھا اور اس دیدار کی ایسی حلاوت نصیب ہوئی تھی جس کا اندازہ محال بلکہ ناممکن ہے۔ اب اگرچہ خداوند کریم نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ مجھے جنت عطا فرمائی ہے لیکن کہاں جنت اور کہاں اس کا دیدار ؏

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اب میں رو رو کر بار بار خداوند کریم سے التجا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پھر مجھے دُنیا میں واپس بھیجے اور ویسے ہی اولاد و جاہ و منازل بخشے اور پھر سب جل کر خاکستر ہو جائیں پھر میرے جسم میں کیڑے پڑیں اور ہاتھی مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تاکہ مجھے خدائے رحیم و کریم کا دیدار دوبارہ میسّر ہو۔ اور میں اس کی حلاوت کے مزے لوٹوں۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ محبتِ الٰہی کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ "ذٰلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم" ؎

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نشد تختۂ بر کنار

؎ اس عشق میں کسی کا اجارہ نہیں ہے داغ
پروردگار جس کو یہ نعمت عطا کرے

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک[1] مرتبہ حاضرینِ بارگاہ میں سے ایک شخص نے عرض کی کہ جو لوگ خداوند کریم کی عبادت کرتے ہیں اور ہر وقت اس سے خائف رہتے ہیں وہ طرح طرح کی دنیوی تکالیف میں کیوں مبتلا رہتے ہیں اور شہرتِ عامہ انہیں کیوں حاصل نہیں ہوتی۔ برخلاف اُن کے جو لوگ ہر وقت عیشِ دنیوی میں مصروف رہتے ہیں اور اطاعتِ الٰہی سے روگرداں رہتے ہیں نیز جھوٹے دعاوی دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں ان پر کوئی سختی اور مصیبت نازل نہیں ہوتی اور مخلوقِ خدا ان کی طرف کھنچتی چلی آتی ہے جیسا کہ آج کل بعض مذاہبِ باطلہ کے دعویداروں کو دیکھا گیا ہے جو مخلوق کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں مگر فروغ یاب ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ حضور پُرنور علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں کئی راز پوشیدہ ہیں۔ اول یہ کہ جو چیز نقارے کی طرح اندر سے خالی ہو گی اس کی آواز دور تک سنائی دے گی اور جو چیز اندر سے ٹھوس ہے اس کی آواز سماعت نواز نہ ہوگی۔ اسی طرح جس آدمی میں کوئی کمال نہیں ہوتا بلکہ اس کا دل یادِ الٰہی سے غافل اور اس کا جسم انوار تجلیاتِ ایزدی سے بے بہرہ ہوتا ہے اور وہ نقارے کی مانند خالی ہوتا ہے تو اس کا شہرہ دور دور تک پہنچ جاتا ہے برخلاف اس کے جس کا دل انوارِ الٰہی سے معمور ہوگا اور تلطفاتِ الٰہی اس پر مستولی ہوں گے تو اس کی آواز بہ نسبت جھوٹے مدعی کے بہت کم سنائی دے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سچا اور راست گو ہوگا تو وہ مریدوں کو روزہ نماز حج وزکوٰۃ نماز کی تعلیم دے گا فحش اور لغو بیانی سے روکے گا۔ بہتان لگانے سے اور عیب جوئی سے منع کرے گا چوری سے باز رکھے گا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے

[1] از ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین ۱۲

کا درس دے گا۔ یہ دیکھ کر لوگ اس کی بیعت سے کہ نجاتِ ابدی کا وسیلہ ہے گریز کریں گے اور جب مذاہبِ باطلہ کا کوئی رہبر انہیں حکم دے گا کہ نماز صرف ایک ہی کافی ہے، روزہ ایک ہی بہت ہے۔ زکوٰۃ دینا فرض نہیں۔ حج کو جانا ضروری نہیں۔ شراب خوری اور فحش گوئی مباح نہیں۔ چوری کرنا ثواب میں داخل ہے۔ پھر قرآن شریف کی تاویلیں کرے گا اور کہے گا کہ (نعوذ باللہ) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھ میں قرآن شریف کے معنی نہ آئے۔ صرف میں ہی قرآن شریف کے معنوں سے واقف ہوں تو جاہل اور بے سمجھ لوگ اُسے خدا رسیدہ اور شرعی حدود سے متجاوز سمجھ کر اس کی اطاعت کرنے لگیں گے اور خسر الدنیا والآخرہ کا بدنما دھبہ اپنے اعمال میں لیں گے۔ آجکل اس قسم کے جھوٹے مدعی بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ خداوند کریم مومنین کو ان کے شر سے بچائے۔ آمین

تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل وہ جو عالمِ آخرت اور عالمِ ظاہری دونوں میں کامیاب رہیں۔ اس قسم کے انسان بہت کم ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ کہ جن کو عالمِ ظاہری میں طرح طرح کی تکالیف اور صدمات کا سامنا ہو اور آخرت میں ہمیشہ نعماتِ الٰہی سے بہرہ ور ہوں۔ اس قسم میں چار گروہ ہیں:

۱۔ انبیاء علیہم السلام و اصحابِ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔
۲۔ اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
۳۔ صلحائے کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔
۴۔ علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

تیسرے وہ کہ جو عالمِ ظاہری میں بہ آرام و آسائش اور عالمِ آخرت میں مبتلائے

عذاب رہیں بائی مذاہب باطلہ اوران کے پیروانہیں لوگوں میں داخل ہیں ؎

یہ جہاں آخرت کی کھیتی ہے

جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا

ایک روز صوفیائے کرام کے اخلاق وعادات کے متعلق تذکرہ ہو رہا تھا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ عموماً حضرات صوفیا کی یہ عادت بتائی جاتی ہے کہ "مل گئی تو روزی نہیں تو روزہ" یعنی ان کو کچھ مل جاتا ہے تو بارگاہِ الٰہی میں شکر بجالاتے ہیں۔ اور کچھ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں لیکن بنظرِ غور دیکھا جائے تو یہ امر باعثِ فضیلت نہیں کیونکہ یہ عادت تو کتوں کی بھی ہے۔ اگر انہیں ان کا آقا کھانے کے لیے کچھ ڈال دے تو روکھا سوکھا ٹکڑا یا ہڈی جو کچھ ہو بصد شکریہ قبول کر لیتے ہیں اور اگر آقا کچھ نہیں دیتا تو بھی اس کا آستانہ چھوڑ کر کہیں نہیں جاتے۔ اسی کے دروازہ پر صبر وتوکل کے ساتھ پڑے رہتے ہیں۔ اگر صرف یہی عادت باعثِ فضیلت ہے تو کُتے بطریقِ ادنیٰ فضائل سے متحلّٰی قرار دیے جا سکتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم جوادنیٰ منزل پر ہوں ان کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اگر انہیں کچھ نہ ملے تو شکر کرتے ہیں اور جو کچھ مل جاتا ہے تو ایثار کرتے ہیں۔ بقول شخصے مصرع ؎ "آنکہ مرادِ خاطرِ یاران بمصالح خود مقدم دارد" حضور کے اس ارشاد میں قرآن شریف کی آیت "ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" کی تفسیر مضمر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو

لہ زبانی شیخ نورالدین صاحب تاجر چرم گوجرانوالہ۔

(اپنے بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں ؎

نیم نانے گر خورد مردِ خدا
بذلِ درویشاں کند نیمے دگر

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ شاہپور اور سیال شریف کے راستے میں حضرت یوسف شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک دور سے نظر آتا ہے۔ آپ ایسے صاحب کمال تھے کہ ایک دن کوئی چور آپ کی گھوڑی چرانے کے لیے آیا۔ جب اگلی رسّی کھولتا تھا تو پچھلی رسّی بندھ جاتی تھی اور پچھلی رسی کھولتا تو اگلی بندھ جاتی۔ اسی طرح ساری رات گذر گئی۔ صبح آپ اُس چور کے پاس تشریف لے گئے اور ایک نگاہِ لطف سے اُسے قطب بنا دیا ؎

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کہتے ہیں کہ آپ نے اپنا روضہ اپنی زندگی ہی میں تعمیر کرا لیا تھا۔ ایک معمار کو بلا کر آپ نے خدمتِ تعمیر پر مامور فرمایا اور ارشاد کیا کہ میرا روضہ میرے پیر کے روضے کے نمونے پر بنایا جائے۔ اُس نے کہا کہ اگر کسی طرح کی غلطی یا فروگذاشت ہو جائے تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا آنکھیں بند کر لینا اس روضہ کی زیارت ہو جائے گی۔ چنانچہ اسی طرح سے آپ کا روضہ مکمل ہو گیا۔

---

[1] از شیخ نورالدین صاحب تاجر چرم گوجرانوالہ۔

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ ایک سوداگر کی عورت حاملہ تھی۔ جب وہ بغرضِ تجارت سفر کو جانے لگا تو دعا کی یا الٰہی جو امانت اس عورت کے پیٹ میں ہے اسے میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ تو اس کا حافظ ہے۔ سوداگر کے چلے جانے کے بعد وہ عورت دردِ زہ کی تکلیف سے مر گئی۔ کچھ مدت کے بعد وہ سوداگر واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ مکان ویران پڑا ہے۔ جب رات کو مکان کی چھت پر سونے لگا تو کیا دیکھتا ہے کہ قبرستان میں ایک چراغ روشن ہے۔ لوگوں سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ جس دن سے تمہاری بیوی کا انتقال ہوا ہے۔ یہ چراغ اسی طرح روشن رہتا ہے۔ جب کوئی شخص دریافتِ حال کے لیے پاس جاتا ہے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ جب سب لوگ سو گئے تو وہ سوداگر اپنی بیوی کی قبر کے پاس گیا۔ دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور لڑکا کھیل رہا ہے اسی وقت اس کے کانوں میں غیب سے ایک صدا آئی کہ جو امانت تو نے ہمارے سپرد کی تھی اسے سنبھال لے۔ اگر تو اپنی عورت کو بھی ہمارے حوالے کر دیتا تو آج یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ سبحان اللہ ۔

حفاظت میں خدا کی دیدیا جس نے امانت کو
خدا کے ہاتھ بڑھ جاتے ہیں خود اسکی حفاظت کو

ایک[2] روز ارشاد ہوا کہ ایک جگہ پر استقامت اور قناعت صرف خاندانِ اہلِ چشت میں باقی ہے ورنہ تمام مشائخ سیر و سفر میں پھرتے رہتے ہیں۔ اگر وہ مخلوق کی فیض رسانی کے لیے سفر کریں تو چنداں مضائقہ نہیں لیکن جب حصولِ دولت

---

[1] از صوفی رسالہ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ نمبر ۲۵ [2] از ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین دام برکاتہم

دنیا مدِ نظر ہو تو سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں۔ چلنے پھرنے والے پیر اگرچہ سونا، چاندی اور نقد و جنس کے بے شمار صندوق جمع کر لیتے ہیں۔ لیکن اُن کے مال میں برکت نام کو بھی نہیں ہوتی۔ درویش جو پابندِ استقامت نہیں ایک طالب ہے مگر خام۔ کیوں کہ بغیر حصولِ استقامت منزلِ کمال کو پہنچنا ایک امیدِ موہوم اور خیالِ باطل ہے۔ "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" جن اولیائے کرام نے سفر کیے۔ انہوں نے حصولِ درجات کے ابتدائی منازل میں سفر کیے۔ جب بیعتِ شیخ کر کے مطمئن ہوئے تو ایک جگہ کے ہو گئے کیوں کہ سو سال کی عبادت اور سفر سے بھی حرصِ دنیوی دل سے دور نہیں ہوتی اور جب مرشدِ کامل کی صحبت ایک گھڑی بھر کے لیے بھی حاصل ہو گئی تو پھر قانع ہو گیا ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ایک[1] دن کسی مرید نے عرض کی کہ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے تمام اہلِ دُنیا کو ملعون کہا ہے اور کسی میں امتیاز نہیں رکھا۔ فرماتے ہیں ؎

اہلِ دنیا چہ کہین و چہ مہین
لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن

نیز آپ نے فرمایا ہے کہ ؎

مال را کز بہرِ حق باشی حمول   نعم مالٌ صالحٌ خواندش رسولؐ

---

[1] ابوالبرکات حضرت سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین دام برکاتہم۔

آب در کشتی زوالِ کشتی است ‏ ‏ ‏ ‏ آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

اس پر حضرت خواجہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرما کر حضرت لال شہباز قلندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت غوث بہاء الحق قدس سرہ اور حضرت شیخ شہاب الدین رضی اللہ عنہ کی ملاقات کا ذکر فرما کر فرمایا (پورا تذکرہ کہیں پہلے درج ہو چکا ہے) کہ دل کو لذاتِ نفسانی سے پاک رکھنے کا نام قناعت ہے ؎

ترکِ دنیا گیر تا سلطاں شوی
ورنہ ہمچوں چرخ سرگرداں شوی

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ اگلے وقتوں میں کوئی شخص بارادۂ حج گھر سے چلا اور دورانِ سفر میں حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت کدہ پر ٹھہرا، آپ نے پوچھا تو کہاں سے آیا ہے اس نے عرض کی کہ حضرت فلاں شہر سے آ رہا ہوں۔ آپ نے پوچھا اس شہر کے فلاں ولی کو جانتا ہے۔ کہنے لگا میں ان کا لڑکا ہوں۔ آپ نے فرمایا حج کو کیوں جاتا ہے جواب دیا کہ وہ خانۂ خدا ہے۔ اس کی زیارت فرض ہے۔ ارشاد فرمایا کہ خانۂ خدا تو تمہارا دل ہے جسے خود خدا نے بنایا ہے اس کی زیارت کرو اور غیر خدا کو اس میں دخل نہ دو کعبہ میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو خلیلؑ ابن آذر کی تعمیر کردہ عمارت ہے ؎

دل گذرگاہِ جلیلِ اکبر است
کعبہ بنگاہِ خلیلِ آذر است

---

[1] ابوالبرکات حضرت سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین سلمہ ربہٗ۔

کعبہ کی زیارت سے تجھے کچھ فائدہ نہ ہوگا وہ تو تمام عالم کی گذرگاہ ہے۔ واپس جا اور اپنے دل کی حفاظت کر اس طرح کہ اس میں ماسوا کا خیال بھی نہ آسکے۔ جوان کو آپ کے کلام سے تسکین ہوئی اور واپس چلا گیا ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی جس آدمی کو سو سال کی اطاعت اور متعدد حج ہائے بیت اللہ شریف سے جمعیت خاطر اور اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہوتی۔ بسا اوقات خاصانِ خدا کی ایک گھڑی کی صحبت سے یہ سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔ اکثر لوگ ہزار ہا روپیہ خرچ کر کے حج کرتے ہیں لیکن پھر بھی طمع نفسانی میں گرفتار رہتے ہیں۔ اس کے لیے سب سے اوّل کام دل کی نگہداشت ہے۔ جب دل پر قابو ہو گیا، حج اکبر کا ثواب مِل گیا ؎

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں
کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

ایک[1] دن بھیرہ کے ایک مولوی صاحب نے جو حضور میں حاضر تھے۔ بعض پیر بھائیوں کو زمین بوسی کرتے دیکھا تو از روئے طعن کہا کہ یہ لوگ جو پیروں کو سجدہ کرتے ہیں کافر ہو جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عالم فقیرانہ لباس میں تونسہ شریف میں رہتا تھا اور آستانہ روضہ شریف کو بوسے دیا کرتا تھا اور دونوں رخسارے سنگِ در پر ملتا تھا۔ ایک اور عالم نے یہ حال دیکھ کر اس سے کہا کہ غیر خدا کو سجدہ کرنا کفر ہے تو اس کام سے باز آ۔ یہ سُن کر اُس دیوانہ محبت عالم نے یہ آیت پڑھی وَاِذْ قُلْنَا

[1] صوفی اگست ۱۹۱۱ء صفحہ نمبر ۲۸۔

للملئکۃ اسجدوا لادم فسجدوا" اور خود آستانۂ روضۂ مقدسہ پر سجدہ میں گر پڑا اور پھر اُٹھ کر انگشتِ سبابہ سے اشارہ دوسرے عالم کی طرف کیا اور کہا "الا ابلیس"، اسی طرح چند مرتبہ کیا پھر آپ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ سجدہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سجدہ عبادت جس میں پیشانی کو زمین پر رکھا جاتا ہے اور یہ صرف خدا کے لیے مخصوص ہے۔ دوسرا سجدہ تحیۃ، جو بادشاہ اسلام ماں باپ استاد اور پیر کے لیے جائز ہے اور یہ صرف زمین بوسی اور رخساروں کو زمین پر ملنے سے ادا ہوتا ہے۔ سجدہ تحیت اصل میں سجدہ نہیں ہے کیوں کہ زمین پر ماتھے اور ناک کے رگڑنے کا نام سجدہ ہے۔ اس کو خاک بوسی یا زمین بوسی کہتے ہیں۔

اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ جبہ سائی سے
تو سنگِ آستانِ کعبہ جا ملتا جبینوں میں

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ عشق و توحید کا جتنا ذوق و شوق بلھا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔ اتنا پنجاب میں بہت کم لوگوں کو ملا ہے۔ یہ بات ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن بلھے شاہ صاحبؒ سے اپنے پیر و مرشد کے صاحب زادے کی کچھ بے ادبی ہو گئی جس کی وجہ سے ان کی حالت قبض ہو گئی اور ذوق و شوق جاتا رہا کلام میں تاثیر نام کو نہ رہی۔ ایک مدت تک اسی حال میں سراسیمہ اور حیران و پریشان پھرتے رہے۔ اظہارِ عجز و نیاز میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر مطلب حاصل نہ ہوا۔ اس موقعہ پر فرماتے ہیں ؎

---

[1] مولوی نور عالم صاحب لنڈپوری۔

گھونگٹ اوہلے نہ لُک سوہنیاں میں مشتاق دیدار دیاں
ایتھے اوتھے دوہیں جہانی میں باندی دلبر یار دیاں
بازی مفت دکاندی جاندی رل ماہیا جند اینویں جاندی
اِک دم ہجر نہیں میں سہندی میں بُلبل اِس گلزار دیاں

الغرض جب صدمۂ ہجر برداشت کرنے کی آپ میں طاقت نہ رہی تو قوالوں کے ایک طائفہ کے ساتھ آپ پیر کی خدمت میں پہنچے اور یہ دردانگیز کافی پڑھی ؎

ہتھی ڈھلک پئی میرے چرخیدی متھوں کیتا نہ جاوے   ہن دن چڑھیا کد ہووے میں نوں پیارا منہ وکھلاوے
ترکلے نوں ول پے پے جاندے کون لوہار سدھاوے

جب مُرشد نے یہ بات سُنی فرمایا مٹھا اے ـ عرض کی نہیں سرکار بھلا اے ـ مرشد نے دریافت کیا کہ یہ قبض کس طرح واقع ہوا ـ عرض کی راز کی بات ایک نامحرم سے کہہ دی اگرچہ بات حق تھی مگر اس کی شانِ بے نیازی سے بعید تھی ـ

پھر واسا کی اشنائیدا   ڈر لگدا بے پروائیدا
ابراہیم چخہ وچہ پائیو   بھٹھ سلیماں نوں جھکائیو
یونس مچھلی توں نگلائیو   پھڑ یوسف مصر وکائیدا
پھر واسا کی آشنائی دا
ذکریا سر کروت چلائیو   صابر دے تن کیڑے پائیو
صنعاں گل زنار پوائیو   کتے الٹا پوش لہائیدا
پھر واسا کی آشنائیدا

اس کے بعد آپ نے تجدید بیعت کی اور مرشد کی توجہ سے آپ کا قصور معاف

ہوا۔ اس پر جامے میں پھولے نہ سمائے اور کہنے لگے ۔

مُرلی باج اُٹھی ہُن گھاناں سُن کے بھل گیا سب باتاں
بُلھا شوہ ہُن ہیں برلائی جدہ کی مُرلی کاہنتہ بجائی
باوری ہو تساں ول آئی کھوجی کتول دست براتاں
مُرلی باج اُٹھی ہن گھاناں سُن کے بھل گیا سب باناں

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ اگر نذرِ معینہ سے ایک دانہ بھی خیانت کیا جائے تو نذر ادا نہیں ہوتی۔ بعض لوگ نذر کو خود بھی کھاتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلاتے ہیں۔ اگر وجہ پوچھی جائے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اس میں اپنا حصہ زیادہ ڈال دیا تھا لیکن زور آوروں کے مال میں شرکت کرنے سے کیا مطلب ہے یعنی ایسا نہ کرنا چاہیے۔

ایک[2] روز ارشاد ہوا کہ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کو جذبۂ عشق رسول اللہ صلعم میں یہاں تک کمال حاصل ہوا کہ سفرِ مدینہ منورہ میں پہلو کے بل لوٹتے ہوئے گئے تاکہ عاشق اور دوسرے لوگوں میں فرق ظاہر ہو۔ آخر جنگل کی جلتی ہوئی ریت اور ببول کے کانٹوں سے آپ کا بدن مجروح و سوختہ ہو گیا اور آپ فرمانے لگے ؎

ما را بجفا کشتہ پشیماں شدہ باشی
خونِ دلِ ما ریختہ حیراں شدہ باشی

---

[1] حضرت بُلھے شاہ علیہ الرحمۃ کی کافیاں ہائیں دفتر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات (پنجاب) سے طلب فرمائیے ۳۰۲ رسالہ صوفی اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ نمبر ۳۵۔

اسی وقت حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے جناب علی کرم اللہ وجہہ نے جواب ارشاد فرمایا ؎

درکشمکش خارِ مغیلانِ رہِ دوست
از آمدنِ کعبہ پشیماں شدہ باشی

اس میں یہ رمز تھی کہ آپ کعبہ سے مدینہ منورہ کی زیارت کو نہیں گئے بلکہ کعبہ شریف ہی سے گھر واپس چلے آئے اور پھر گھر سے سیدھے مدینہ منورہ زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لے گئے کیوں کہ محبوب کی زیارت بحیلۂ حج ادا کرنے کو آپ نے بے ادبی خیال فرمایا تھا۔ اللہ اللہ۔

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ ایک خدا رسیدہ شخص دنیا کے لوگوں سے تنگ آکر کسی پہاڑ میں چھپ کر یادِ خدا میں مصروف رہنے لگا۔ جب روزہ افطار کرنے کا وقت ہوتا تو کسی پاس کے گاؤں میں جاکر حاجتِ نفس پوری کر لیتا۔ ایک دن حسبِ معمول اس نے کسی کے مکان پر جاکر آواز دی صاحبِ خانہ اندر سے نکلا سوال سُنا اور تین روٹیاں اس کے حوالے کیں۔ درویش روٹیاں لے کر رخصت ہوا تو مالکِ مکان کا ایک کُتا بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ درویش نے ایک روٹی کتے کے آگے ڈال دی مگر وہ کھاکر بھی اس نے درویش کا پیچھا نہ چھوڑا۔ درویش نے دوسری روٹی بھی کُتے کو دے دی مگر اس نے پھر بھی تعاقب نہ چھوڑا۔ تیسری روٹی بھی فقیر نے کُتے کے آگے پھینک دی اور کہا اے بے صبر اب تو واپس جا۔ کیا تیرا مالک تجھے کچھ کھانے کو نہیں دیتا جو تو

[1] از صوفی نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ نمبر ۳۰

دوسروں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔ خدا نے کُتے کو طاقتِ گویائی عطا فرمائی اور وہ بولا کہ اے فقیر تو مجھ سے زیادہ بے صبر ہے کہ مالکِ حقیقی کے دروازہ کو چھوڑ کر ایک نامحرم کے پاس آیا ہے۔ میں ایک کمینہ کُتا ہوں۔ جس دن سے اپنے مالک کے گھر آیا ہوں اس کے مال اور گھر کی پاسبانی کرتا ہوں۔ اب بوڑھا ضعیف اور بیکار ہو گیا ہوں تو بھی کسی اور کے گھر نہیں جاتا۔ تو باوجود اس یقین کے کہ تیرا مالک کریم ہے اوروں کے پاس روٹی کے چند لقموں کے لیے آتا ہے۔ شرم کر اور آئندہ تائب ہو۔ درویش نے توبہ کی اور چلا گیا۔

ہر کہ بر خود درِ سوال کشاد — تا نہ میرد نیازمند بود
آز بگذار و بادشاہی کن — گردنِ بے طمع بلند بود

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ ایک بادشاہ اور ایک وزیر میں علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے متعلق بحث چھڑ گئی۔ بادشاہ علمائے دین کو خرقہ پوش فقرا پر فضیلت دیتا تھا اور وزیر کی رائے اس کے خلاف تھی۔ آخر الامر دونوں نے یہ تجویز کی کہ ایک دن علماء اور فقراء کی دعوت کر کے اس جھگڑے کا فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ دونوں طبقوں کو دعوت دی گئی۔ علیحدہ علیحدہ مکانوں میں ان کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ پہلے علماء سے دریافت کیا گیا کہ آپ میں سب سے اچھا اور فاضل شخص کون ہے؟ ہر ایک نے فی نفسہٖ اپنی قابلیت، علمیت اور فضیلت کی داستان چھیڑ دی اور خود کو اوروں سے بہتر و برتر ثابت کرنا چاہا۔ پھر درویشوں کی باری آئی مگر ان میں سے ہر ایک نے

[1] از صوفی نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ نمبر ۴۰

اپنی کسرِ نفسی کا اظہار کیا اور دوسروں کی عظمت و فضیلت بیان کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ ایسی ترکیب سے باندھ دیے جائیں کہ کوئی شخص اپنے منہ تک لقمہ نہ لے جا سکے۔ گروہ فقراء نے ایک دوسرے کے منہ میں نوالہ دے کر پیٹ بھر لیا مگر علماء اپنی خودی اور تکبّر کی وجہ سے بھوکے رہے ۔

نہ بیند مدعی جز خویشتن را   کہ دارد پردۂ پندار در پیش
گرت چشمِ خدا بینی ببخشد   نہ بینی ہیچ کس عاجز تر از خویش

ایک روز ارشاد ہوا کہ ایک شخص شاہی ملازم تھا۔ اثنائے ملازمت میں ہمیشہ دیانت دار اور نیک بخت رہا۔ اُسے شوقِ درویشی پیدا ہوا۔ ملازمت چھوڑ کر ایک شیخِ وقت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجاہدہ اور ظاہری صلاحیت کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد ہی خلافت عطا ہو گئی اور ایک بڑے بارونق شہر میں اقامت کی اجازت مل گئی خلیفہ صاحب، اتقا، ورع، پاکیزگی و طہارت میں بہت مشہور تھے۔ لنگر بھی جاری کر دیا گیا۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی لیکن امتحاناً جو مشکلات ابتداءً پیش آیا کرتی ہیں۔ وہ خلیفہ صاحب کو بھی پیش آئیں۔ آمدنی کم تھی اور خرچ زیادہ۔ آخر روپیہ قرض لینا پڑا قرض وقت پر ادا نہ ہوا تو قرضداروں نے تقاضے شروع کر دیے۔ اہل و عیال کی غور پرداخت اور ان کی تربیت و پرورش کا خیال علیحدہ تھا جو آسودگی ملازمت میں حاصل تھی اس کا عشرِ عشیر بھی اب حاصل نہ رہا اور خود بدولت اس شعر کے مصداق بن گئے کہ ۔

شب چو عقد نماز بر بندم
چہ خورد بامداد فرزندم

یہ واقعات امتحانی تھے جیسے کہ درویشوں کو عموماً اور مشائخ کو خصوصاً پیش آتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ان تمام نفسانی مشکلات پر غالب آکر درجۂ کمال حاصل کر لیتے ہیں اگر خلیفہ صاحب بھی اس وقت استقامت کا جوہر دکھاتے اور "الاستقامت فوق الکرامۃ" کا نمونہ بن جاتے تو تمام مشکلیں حل ہو جاتیں اور دنیا ان کے پیچھے سایہ کی طرح پھرتی۔ جس لنگر کا انہوں نے بیڑا اُٹھایا تھا اس کا چلانے والا اور ضروریات کا بہم پہنچانے والا تو خدائے رازقِ مطلق تھا جس کی مخلوق کے لیے لنگر جاری کیا گیا تھا۔ مخلوق کی روزی لنگر میں بھیجنے کا ذمہ خود ذاتِ باری تعالیٰ کا تھا۔ خلیفہ صاحب تو محض لانگری تھے مگر خلیفہ صاحب نے اس راز کو نہ سمجھا اور استقامت کو چھوڑ کر تبدیلِ مکان کے لیے مرشد کی خدمت میں درخواست کر بیٹھے۔ شیخ صاحب نے کچھ دنوں تو ٹالا لیکن متواتر تقاضوں کے بعد نقل مکان کی اجازت دے دی۔ خلیفہ صاحب دوسری جگہ چلے گئے لیکن عدم استقامت کی وجہ سے وہاں بھی جس قسم کی فتوحات کے آرزومند تھے حاصل نہ ہوئیں اور پھر پہلی جگہ واپس آنا پڑا۔ غرض کہیں جم کر نہ بیٹھے اور فضیلتِ استقامت کو جو اعلیٰ ترین درسِ درویشی تھا حاصل نہ کر سکے اس کا نتیجہ جو کچھ ملنا چاہیے تھا وہ خلیفہ صاحب کو بھی ملا۔ نہ دنیوی رجوعات ہوئی اور نہ دینی کمال حاصل ہوا۔ جو برادرانِ طریقت ان کے بعد بیعتِ شیخ سے مشرف ہوئے تھے وہ عزتِ دارین میں بڑھ گئے غرضیکہ استقامت درویشی کی جڑ ہے۔ جب جڑ ہی مضبوط نہ ہو گی تو درختِ درویشی کی پائیداری معدوم ہو گی۔

درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

فقیر درویش کے لیے طریقِ استقامت پر چلنا خطراتِ جسمانی ہوا جس نفسانی سے

بچاتا ہے ؎

ہے گذرگاہِ طلب میں احتیاج احتیاط
یہ وہ منزل ہے ابھی جس کی حدیں کامل نہیں

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ مولوی احمد دین صاحب ایک دن حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت صاحب نے فرمایا مولوی صاحب کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو واصل بخدا کر دیا جائے۔ عرض کی قبلہ ازیں چہ بہتر۔ حکم دیا اچھا بیوی کو طلاق دے دو۔ مولوی صاحب نے فوراً طلاق نامہ لکھ کر پیش کر دیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب کو چند کتابیں پڑھنے کا حکم دیا۔ جب وہ تمام ہو گئیں تو ایک دن دریائے رحمت جوش میں آگیا۔ فرمایا مولوی صاحب پھر آپ نے عرض نہ کی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ غلام کا کام تعمیلِ ارشاد تھا۔ آئندہ جو حضور کی مرضی۔ چنانچہ ایک ہی نظرِ فیض اثر میں مولوی صاحب کا کام بنا دیا۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں اس نئے خلیفہ کو وہ عروج حاصل ہوا کہ ہر طرف سے لوگوں کی آمد و رفت بکثرت شروع ہو گئی۔ لنگر جاری ہو گیا۔ کھانا ایک وقت گوشت اور ایک وقت چاول ملنے لگا اور لوگوں کی حاجتیں خاطر خواہ پوری ہونے لگیں۔ حاسدوں نے حضرت صاحبؒ کی خدمت میں شکایت کی کہ یا حضرت مولوی صاحب کا لنگر حضور کے لنگر سے بڑھ گیا ہے۔ وہاں لوگوں کی حاجتیں بھی جلد پوری ہو جاتی ہیں اس لیے ہماری دال روٹی کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر بیٹا لائق ہو تو اس میں باپ کی عزت ہے۔ ع

---

[1] صوفی۔ دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۷۔

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

ایک[1] روز حضرت قبلۂ عالم خواجہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ مثنوی معنوی کے مضامین اعلیٰ اور دقیق کا ذکر فرماتے تھے کہ چونکہ یہ کتاب دراصل "ہست قرآن در زبانِ پہلوی" کی مصداق ہے اس لیے اس کے سمجھنے کے لیے علمِ قرآن وحدیث کے علاوہ اصولِ تصوّف سے واقفیت عامہ اور قواعد تصوف کا عامل ہونا ضروری ہے اور مطالعہ کے لیے غور و فکر عمیق کے ساتھ کچھ مدت بھی درکار ہے۔ ہمارے حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کے ہر شش دفاتر عرصہ بارہ سال میں مطالعہ کیے ہیں اور سب کا خلاصہ مطلب پیر کی خدمت واطاعت سمجھا ہے ؎

چوں تو ذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسولؐ

یعنی پیر بمنزلہ معلّم یا حکیم روحانی کے لیے ہے جس کے اعمال وافعال اور حرکات وسکنات سے شریعت کے قالب سے گذر کر اور منازلِ طریقت کو طے کر کے طالبِ معرفت و حقیقت کی معراج پر پہنچ جاتا ہے اور رضا و تسلیم کے تفرج گاہ میں سیر کرتا ہے ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

---

[1] صوفی کرم الٰہی ڈنگوی۔

ایک دفعہ حضور خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے فیضانِ تعلیم کا ذکر ہو رہا تھا حضور قبلۂ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بغیر تعلیم و فیض مرشد فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور شعر مندرجہ ذیل پڑھا ؎

ہیچ بر چیزے ز خود قادر نشد
ہیچ آہن خود بخود خنجر نشد

فیض باطنی کا ذکر فرماتے ہوئے حضور قبلۂ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشہور حکایت مولانا روم علیہ الرحمۃ کی مریدی کی بیان فرمائی کہ مولانا روم فاضل اجل تھے اور حکومت کی طرف سے قاضی تھے اور حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ علم ظاہری سے عاری۔ ایک دن حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مولانا رومؒ کے پاس سے گذرے۔ کتابوں کے ڈھیر دیکھے۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ مولانا نے جواب دیا کہ یہ علوم معقول و منقول کی کتابیں ہیں۔ تم بے علم ہو۔ تم کو اس قیل و قال سے کیا تعلق ہے۔ حضرت شمس تبریزؒ نے وہ تمام کتابیں مسجد کے حوض میں ڈال دیں۔ مولاناؒ چلانے لگے کہ افسوس یہ کیا کیا۔ اس قدر نایاب اور قیمتی کتابیں ضائع ہو گئیں۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کے اضطراب کو دیکھ کر حوض میں ہاتھ ڈال دیا اور تمام کتابیں صحیح و سالم باہر نکال لیں۔ اب تو مولانا بہت حیرت زدہ ہوئے اور پوچھا کہ یہ کیا ماجرا تھا۔ حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ذوق و حال ہے۔ تم کو اس سے کیا تعلق۔ مولانا پر حیرانی چھا گئی اور دلی عقیدت مندی سے مرید راسخ الاعتقاد ہو گئے اور پیر کے فیضِ تعلیم سے اس قدر کمالِ روحانی پیدا کیا کہ آج اسلامی دنیا میں صوفیائے کرام آپ کے کلام معجز نظام کے دلدادہ اور فریفتہ ہیں اس سے بہتر اور

لے صوفی کرم الٰہی ڈنگوی

عمدہ کوئی کتاب دنیائے تصوف میں آج تک تصنیف نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔

یہ کتاب فلسفہ تصوف کی جان ہے۔ کسی پیر کامل سے بیعت اور علم تصوف سے واقفیت ہو تو مثنوی مولانا رومؒ سے اچھا رفیق اور استاد نہیں مل سکتا۔

حضرتؒ قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت قبلہ خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ ملتان میں حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مرشد حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ کی قبر ہے غلط ہے۔ آپ کے مزار کا نشان کہیں نہیں ملتا۔

نوٹ: اُس وقت خیال گذرا تھا کہ حضور کا ارشاد عام روایت کے مطابق نہیں۔ عام طور پر بھی مشہور ہے کہ مولانا روم کے مرشد حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف ملتان میں ہے اور لوگوں نے بچشم خود وہاں مزار شریف کی زیارت کی ہے لیکن حضور پُر نور کے ارشاد کی صداقت اس طرح ہو گئی کہ مسلم یونیورسٹی کے چندہ کے لیے ہز ہائینس سر آغا خاں کا مسلم کمیونٹی میں شہرہ ہوا اور ہر مسلمان کو سر آغا خاں کے نسب نامے کی تلاش ہوئی تو اخباروں میں ان کا نسب نامہ چھپا۔ اُس سے معلوم ہوا کہ شمسؒ ملتانی آغا خاں صاحب کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ تمام نسب نامے پر غور کرنے کے بعد اور ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب کے شیعہ اسماعیلیہ ہونے

ے صوفی کرم الٰہی ڈنگوی

سے یقین ہو گیا کہ جس بزرگ شمسؒ کی قبر ملتان میں ہے وہ شیعہ اسماعیلیہ تھے اور اس فرقہ کے پیر و عقاید کے لحاظ سے مولانا رومؒ اور دیگر حضرات صوفیہ کے عقیدے کے موافق نہیں ہیں۔ عہد مولانا روم میں فرقہ شیعہ اسماعیلیہ اہل سنت والجماعت کے جن میں سے حضرات صوفیائے کرام اور خود مولانا روم گذرے سخت مخالفانہ روش رکھتا تھا۔ اس لیے مولانا رومؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ بنی فاطمہ شیعہ اسماعیلیہ میں سے نہیں ہیں اور ان کی قبر حسب الارشاد حضور قبلہ عالم جلال پوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملتان میں نہیں ہے)۔

آپ[1] نے ارشاد فرمایا کہ مولانا روم گو قاضی سلطان تھے اور بکثرت آمدنی رکھتے تھے مگر خواجہ شمس تبریز رضی اللہ عنہ کے مرید ہوتے ہی سب تعلقات چھوڑ بیٹھے۔ آمدنی بند ہو گئی اور متعلقین کو عسرت لاحق ہوئی۔ مولانا رومؒ کے صاحبزادے نے ارادہ کیا کہ، چونکہ حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے میرے باپ کو بگاڑا ہے اور ہمارے خاندان کو مفلس کر دیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انہیں قتل کر کے مولانا کو ان کے پنجے سے چھڑایا جائے۔ شاید حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مولانا کی حالتِ سابقہ عود کر آئے اور خاندان کی عزت و حرمت بدستور سابق برقرار رہے۔ فرزند مولانا رومؒ نے یہ ارادہ کر کے چند اوباشوں کی معیت میں اس خلوت گاہ کو جا گھیرا جہاں حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ حقائق روحانی کا ورد کر رہے تھے

---

[1] صوفی کرم الٰہی ڈنگوی۔

اور تعلیم تصوف کا درس ہو رہا تھا۔ فرزند مولانا نے خلوت کے باہر کھڑے ہو کر بے ادبانہ الفاظ میں حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کو مخاطب کیا اور باہر نکلنے کے لیے کہا وہ عارف باللہ فوراً نکل آئے۔ قاتلوں نے تلواروں کے وار کرنے شروع کر دیے مگر چند قطرات خون کے سوا قاتل و مقتول کے لاشوں کا کچھ نشان نہ ملا۔ ایسی حالت میں قبر کس کی بنائی جاتی۔ حضرت خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بالکل بجا تھا۔ مولانا رومؒ نے خود اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

فتنہ و آشوب و خونریزی مجو
بیش ازیں از شمس تبریزی مگو

جب[1] کبھی رفع مشکلات و مصائب کے لیے درخواست کی گئی تو بعد دُعا ارشاد فرمایا کہ جو وظائف مقررہ ہیں وہ ہرگز ناغہ نہ ہوں۔ مداومت وظائف سے مشکلات حل ہو جاتی ہیں، مصائب کٹتے ہیں چراغ روح روشن ہوتا ہے۔ بزرگان سلسلہ سے خاص نسبت پیدا ہوتی ہے اور روحانی امداد پہنچتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وظیفہ "مسبعات عشر" دشمنوں سے نجات پانے کے لیے مجرب وظیفہ ہے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ایک شخص "مسبعات عشر" کا عامل تھا لیکن جہاں جہاں "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" ابتدا میں پڑھنی چاہیے تھی وہاں نہ پڑھتا تھا اور اس وظیفہ کو کبھی اس نے ناغہ نہیں کیا تھا۔ ایک دن جنگل میں جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں نے آگھیرا۔ مال و اسباب لوٹ لیا اور جان لینے کے درپے ہوئے۔ دفعتاً چند سوار شمشیر بکف وہاں وارد ہوئے ڈاکوؤں کو فوراً بھگا دیا

[1] صوفی کرم الٰہی ڈنگوی

اور مسافر کو معہ مال و اسباب بچا لیا۔ وہ جملہ سوار بے سر تھے کسی کے جسم پر سر نہ تھا۔ مسافر متعجب تھا کہ یہ کیا اسرار ہے۔ بے سر سواروں نے کہا کہ ہم "مسبعات عشر" ہیں جو تیری مدد کو آئے ہیں۔ چوں کہ تو بغیر بسم اللہ کے یہ وظیفہ پڑھا کرتا تھا اس لیے ہم بے سر ہیں۔ یہ رجال الغیب تھے جو "مسبعات عشر" کے اثر سے متوجہ امداد مسافر ہوئے اور اُس کو غارت گروں سے صاف بچا لیا۔

ایک شخص نے حضور قبلۂ عالم سے تصور کے بارہ میں پوچھا کہ بعض اس کو شرک کہتے ہیں حضور نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ وہ مجبور ہیں۔ اس راستے سے ناواقف ہیں تصور کا عمل کسی مردِ کامل کے ذریعہ سے کرتے تو اس کے فوائد سے واقف ہوتے اور شرک و توحید کے مسئلہ سے علم حاصل کرتے۔ تصوّر خیالات کی یک سوئی کیلیے ایک آلہ ہے جس کا تصوّر کیا جاتا ہے اس کو محبُوب کے درجہ میں سمجھا جاتا ہے۔ اور ہیت کی صفات اس میں اعتقاد نہیں کی جاتیں جو خاصۂ ذاتِ الٰہی ہیں۔ صرف ایک خیال و تصور سے شرک کس طرح بن سکتا ہے۔ عام طور پر لوگ اگرچہ باقاعدہ طور پر تصور نہیں کرتے اور اس کو تصور صوفیانہ نہیں کہہ سکتے تاہم انسان بقول،

ع آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال

عالمِ تصور خیال میں انسان، حیوانات، مکانات، اشجار، بحر و بر وغیرہ کا خواب یا بیداری میں کچھ نہ کچھ تصور کر ہی لیتا ہے تو کیا وہ مشرک ہو جاتا ہے؟ اگر یہ شرک ہے تو کوئی انسان اس شرک سے بچ نہیں سکتا۔ پس تصور جو روحانی فضائل کے حصول کا

سلہ صوفی کرم الٰہی ڈنگوی

ایک سبق ہے۔ اس کو شرک کہنا درست نہیں ہے ؎

تصورات کی محفل میں کر تلاش اس کو
تحیرات کی دنیا میں کیوں بھٹکتا ہے[1]

ایک دن کسی نے فقیر کے معنی پوچھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فقیر کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس کے بارہ میں حدیث "الفقر فخری" وارد ہے یعنی ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خود فخر کرتی ہے۔ یہی فقر ہے کہ جملہ سلاسل مشائخ میں مروج ہے بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ اسی فقر کے دلدادہ اور آرزومند تھے اور یہی راہِ حق ہے جو بغیر اتباعِ سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم حاصل نہیں ہو سکتی۔ ظاہر میں قرآن کریم اور حدیث شریف کی پابندی اور باطن میں مشاغل روحانی سے صفائی باطن کا نام فقر ہے اور یہ گروہ قلیل ہے۔ خدائے تعالیٰ انہیں لوگوں کے متعلق فرماتا ہے "و قلیل من عبادی الشکور" دوسرا گروہ فقرا کا وہ ہے جو محض گداگری اور فقر و فاقے میں مبتلا ہوتا ہے۔ شکم پروری کے لیے کاسۂ گدائی لیے پھرتے ہیں۔ فضیلت صبر و شکر نہیں رکھتے اور عبادی الشکور میں داخل نہیں ہوتے ایسے فقرا کے بارہ میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے "الفقر سواد الوجہ فی الدارین" کہا ہے یعنی فقر گدایانہ دونوں جہان کی رسوائی ہے۔ دنیا میں بہ سبب گداگری و افلاس کے ذلیل اور آخرت میں صبر و شکر اور زہد و قناعت سے عاری ہونے کی وجہ سے مایوس و ناکام۔ ایسے فقر ذلیل کو حقیقی فقر سے کوئی نسبت نہیں ہے ؎

---

[1] از صوفی کرم الٰہی ڈنگوی

کہیں فقیر کا دستِ سوال بڑھتا ہے
فقیر وہ ہے جسے حاجتِ سوال نہیں

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ طالبِ صادق کو بمصداق یک درگیر و محکم گیر با استقامت ایک کا ہو کر رہنا چاہیے ورنہ کامیابی ممکن نہیں۔ بلبل کی طرح آوارگی اچھی نہیں کہ جہاں شگفتہ پھول دیکھا وہیں جا بیٹھی ؎

وفاداری مجواز بلبلاں چشم
کہ ہر روز سے بدیگر گل سرائیند

طالب جہاں بیٹھے وہیں اپنی ذات کو طلب میں فنا کر دے تاکہ محبوبِ حقیقی کا وصل حاصل ہو ؎

اے مرغِ سحر عشق زپروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شدو آواز نیامد

ایک[2] روز حکیم ہادی حسین صاحب دولت پوری نے عرض کی کہ مشائخ متقدمین کا یہ دستور تھا کہ بعض لوگوں کو جو بہ ارادۂ بیعت اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کسی اور شیخ کی طرف رہنمائی فرماتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ تیرا حصہ فلاں بزرگ کے پاس ہے۔ آج کل کے پیر ایسا نہیں کرتے اور جتنے لوگ ان کے پاس آتے ہیں سب کو بیعت کر لیتے ہیں۔ حضرت محبوبِ سُبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کام

[1،2] از مولوی غلام رسول صاحب کلرک دفتر صوفی۔

قسمت پر منحصر ہے۔ اس زمانہ میں بھی ایک آدمی حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے دوسری جگہ بھیج دیا۔ اسی طرح پشاور سے ایک ضعیف العمر شخص بارادہ بیعت آیا۔ آپ نے فرمایا کہ تیری عمر اس قدر تکلیف برداشت کر کے یہاں تک آنے کے قابل نہ تھی۔ پشاور ہی میں فلاں بزرگ موجود ہیں ان سے بیعت کرلے۔ آپ نے فرمایا کہ ارادتِ شیخ ارادۂ ایزدی کے تابع ہے۔ جہاں خدا کی مرضی نہ ہو وہاں شیخ کا خیال بھی نہیں ہوتا اور موانع بیش از بیش پیش آجاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کسی بزرگ کے انتقال کا وقت قریب ہوا۔ خدام نے دریافت کیا کہ آپ کے بعد سجادہ نشین کون ہوگا جو خلقِ خدا کو تعلیم و تلقین کرے گا۔ اس بزرگ نے کہا کہ میں مختار نہیں کہ کسی کو اپنی جگہ بٹھادوں لیکن مجھ کو یہ ایما ہوا ہے کہ کوئی بُت پرست میری جگہ بیٹھے گا۔ یہ کہا اور وہ بزرگ جان بحق تسلیم ہوئے۔ بعد ازاں ایک گبر رقص کرتا اور کلمہ شریف پڑھتا ہوا وہاں آیا اور سجادہ پر بیٹھ گیا اور اس طرح تلقین شروع کی کہ گویا وہ پہلے ہی سے عارف تھا۔ پھر فرمایا کہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ حضرت محبوبِ الٰہی کی ذات پر عاشق تھے اور وہ بھی ان پر جان و دل سے فدا تھے۔ وقت وفات حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ موجود نہ تھے۔ حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امیر حاضر ہے؟ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے عرض کی نصیر حاضر ہے چونکہ آپ کی مرضی نہ تھی خاموش ہو گئے۔ دو تین مرتبہ آپ نے پھر پوچھا امیر حاضر ہے؟ جواب ملا نصیر حاضر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نظام الدینؒ تو امیر کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نصیر کو اُسی وقت خرقۂ خلافت حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیا۔

دلم خواہد کہ پرّد سوئے یاراں ۔۔۔ دوالِ من بدستِ باز داراں

ایک[1] روز ارشاد ہوا کہ حضرت سرمد علیہ الرحمۃ کو اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ نے غلط فہمی سے قتل کرا دیا۔ آپ ہمیشہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر فرماتے تھے۔ بادشاہ اور قاضی نے کہا کہ اس سے آگے بھی کہیے۔ آپ نے فرمایا اس سے آگے کچھ نہیں۔ چند مرتبہ اصرار ہوا مگر سرمدؒ اپنی ضد پر قائم رہے۔ اس لیے بحکم بادشاہ سے قتل کیے گئے۔ قتل کے بعد حضرت سرمدؒ شہید کے سرِ مبارک سے آواز آئی ؎

سر در قدم یار فدا شد چہ بجا شد

ایں بارِ گراں بود ادا شد چہ بجا شد

پھر آپ کے جسم مبارک نے "کلمہ لا الٰہ الا اللہ" اور سر نے "محمدؐ رسول اللہ" کا ورد شروع کیا۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ اور قاضی حیران، خائف اور شرمسار ہوئے۔

پھر[2] فرمایا کہ حضرت منصور شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی عالمانِ وقت نے غلطی سے دار پر کھچوا دیا۔ کسی کو ان کی منزل کا علم نہ تھا کہ ان کو اس حال سے آگاہ کرتا۔ حضرت شبلیؒ بھی صوفی وقت تھے اس وقت شاید منزلِ منصورؒ سے بے خبر ہوں۔ وہ تو گروہ مشائخ سے تھے۔ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام پر بھی ایسا وقت آتا ہے جس کی نسبت حضرت رسول مقبول صلعم (روحی فداہ) فرماتے ہیں۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل مولانا سعدی رحمۃ اللہ علیہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسبت فرماتے ہیں ؎

کسے پرسید زاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خردمند

---

[1] ۲۱۱ ازمولوی غلام رسول ساکن کالو دالی ضلع گجرات۔

زمصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا درچاہ کنعانش نہ دیدی

بگفت احوال مابرق جہانست
دمے پیدا و دیگر دم نہانست

گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

اگر درویش بریک حال ماندے
سر دست از دو عالم برفشاندے

پھر[1] فرمایا کہ ایک دیوانہ بالکل برہنہ گدھے پر سوار حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ مراقبہ میں سرنگوں بیٹھے ہوئے تھے۔ دیوانے نے کہا نیچے کس کو دیکھتے ہو میں تو یہ کھڑا ہوں۔ آپ نے آنکھ اُٹھا کر اس کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ گدھے سے اُتر آیا۔ کپڑے پہنے، بدن ڈھکا، نماز پڑھی اور اپنے گدھے کو لے کر چلا گیا۔ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دیوانہ بھی منزلِ منصورؒ میں تھا لیکن اب ہوش میں آگیا۔ اگر منصورؒ بھی ہمارے زمانے میں ہوتا تو ہرگز سولی پر نہ چڑھایا جاتا۔

ایک[1] روز عبداللہ درویش کی طرف منہ کر کے حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ عبداللہ بھی ایک دفعہ ایک عورت پر عاشق ہو گیا تھا۔ عورت نے پوچھا تو کون ہے۔ عبداللہ نے کہا میں تیرا عاشق ہوں۔ اس نے کہا مجھے کیا دیکھتا ہے میرے پیچھے میری ہمشیرہ آرہی ہے جو مجھ سے کئی درجہ زیادہ حسین ہے۔ اُسے دیکھ عبداللہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس عورت نے زور سے اس کے مُنہ پر ایک طمانچہ

---

[1] از مولوی غلام رسول ساکن کالووالی ضلع گجرات۔

مارا اور کہا میرے عشق کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر دوسروں کی طرف دیکھتا ہے۔ عبداللہ شرمندہ ہوا۔ پھر فرمایا کہ یہ بلبل کا عشق ہے جہاں پھول کھلا ہوا دیکھا اڑ کر وہیں جا بیٹھی۔ اسی وجہ سے اس کا عشق ناقص خیال کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ پروانہ جب شمع کے پاس آتا ہے تو بدوں حصول مرتبۂ فنا فی العشق اور بغیر اپنی جان فدا کیے نہیں جاتا ؎

بلبل و پروانہ میں ہے فرق اے اہلِ نظر
وہ تڑپ کر رہ گئی اور یہ تڑپ کر مر گیا

ایک[1] دن حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کے استغراق کا تذکرہ تھا۔ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ آخری ایام میں آپ کے استغراق کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ ایک درویش نماز کے وقت پہلے آپ کو وضو کراتا۔ پھر نماز کی نیت اور تعداد رکعت بتاتا اور آہستہ آہستہ نماز کے الفاظ پڑھتا جاتا۔ اس حال میں ایک دن میاں روشن دین آ گئے پوچھا کون ہے۔ عرض کی روشن دین ہوں۔ پوچھا کون روشن دین کہا وہ ہی جو ہر وقت حاضرِ خدمت رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں تو تو وہ ہی روشن دین ہے مگر میں وہ شمس الدین نہ رہا ؎

ہر کوئی راہ طلب میں ٹھوکریں کھاتا رہا
آپ جس کو مل گئے وہ آپ سے جاتا رہا

ایک دن نیک لوگوں اور صالحین کا ذکر تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں ایک

[1] از مولوی غلام رسول کالو والی ضلع گجرات

درویش رہتا تھا جسے عرصۂ دراز تک حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی تھی وہ اکثر رات کو میرے پاؤں دابا کرتا تھا اور جب کبھی میں تھک جاتا یا کسی اور وجہ سے میری طبیعت ناساز ہوتی تو اس مردِ صالح کے پاؤں دابنے سے معاً آرام حاصل ہو جاتا۔ ایک دن اس شخص نے رات کو پاؤں داب کر تونسہ شریف جانے کی اجازت چاہی۔ میں نے کہا وہاں جا کر کیا کرو گے یہیں رہو۔ مگر اس نے اصرار کیا تو میں نے اجازت دے دی۔ بعد ختم اوراد و وظائف صبح تڑکے وہ شخص آیا۔ میں نے پوچھا تم گئے نہیں۔ کہنے لگا، رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ صاحب تونسوی اور حضرت خواجہ صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں پتھر کی پٹڑی پر تشریف فرما ہیں۔ دریافت کیا تو جواب ملا کہ ہم لوگ یہیں جلال پور شریف میں مقیم ہیں۔ اس لیے میں نے تونسہ شریف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا

ایک روز[1] حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے عرض کی کہ غریب نواز سید غلام شاہ ہر نوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت جو مشہور ہے کہ آپکے پاس "سندان" چل کر آ گئی تھی۔ کیا یہ واقعہ درست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ واقعہ صحیح ہے۔ یہ بات خود شاہ صاحب سے دریافت کیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اس میں میری کوئی کرامت نہیں صرف حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا تصور کیا تھوڑی دیر میں سندان نے حرکت کی اور میرے قدموں میں آ گئی۔ پھر حضور نے ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحب کو تصور میں کمال حاصل تھا۔ یہاں تک کہ رفع حاجت کیلئے وقت آپ کو منہ پر پردہ ڈ...

[1] از جناب ماسٹر محمد حسین صاحب انسپکٹر ڈاک خانہ جات سب ڈویژنل جہلم

ضرورت ہوتی تھی ؎

تصور ہے عجب شے ، جب کہ من حیث التصور ہو
چلے آتے ہیں لاکھوں کوس سے سرکار خلوت میں

ایک روز ارشاد ہوا کہ سائل کا سوال حتی الامکان رد نہ کرنا چاہیے جب توفیق اس کی مطلب براری کر دینی چاہیے۔ گو بعض سوالی ضدی ہوتے ہیں اور بے حد تنگ کرتے ہیں تاہم حتی الوسع سائل کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے حضرت بابا فرید الحق والدین کی خدمت میں چار فقیر قلندر صورت حاضر ہوئے اور گستاخانہ طریقہ سے مکلف کھانے کا مطالبہ کیا۔ حضرت بابا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جو ماحضر لنگر میں موجود ہے اُسی پر اکتفا کیجیے۔ شام کو حسب خواہش پُر تکلف کھانے تیار کرا دیے جائیں گے مگر وہ لوگ سختی کے ساتھ مُصر ہوئے اور جب کسی طرح اپنی ضد سے باز نہ آئے تو حضرت بابا صاحب نے ارشاد فرمایا کہ کل جنگل میں جو مردار کھایا تھا وہ بھول گئے ہو جو مکلف کھانوں کے لیے اس قدر اصرار کرتے ہو۔ یہ سُن کر وہ فقیر بہت نادم ہوئے اور معافی مانگی۔

آپؒ نے فرمایا کہ بعض اوقات سائل کی صورت میں خدائے تعالیٰ بھی اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ چنانچہ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کسی درویش کا ذکر کیا کہ اُن کی خدمت میں چار درویش آئے۔ آپ نماز میں مشغول تھے نو وارد

لکھ؎ از جناب ماسٹر محمد حسین صاحب انسپکٹر ڈاک خانہ جات سب ڈویژن جہلم ۱۲

درویش کمرہ کا تمام اسباب اور سامان سمیٹ کر گٹھڑیاں باندھ کرلے گئے۔ حاضرین نے ان سے تعرض کرنا چاہا مگر آپ نے نماز سے فارغ ہو کر منع فرمایا اور خاموش ہو رہے تیسرے روز وہ لوگ بدستور گٹھڑیاں واپس لے آئے اور سب اسباب چھوڑ گئے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح درویشوں کے صبر اور حوصلے کی آزمائش کی جاتی ہے

ایک[1] روز توکل کے متعلق ذکر فرماتے ہوئے ایک مردِ متوکل کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے تھے اور گھر والوں کو تنگی معاش کی شکایت تھی حتیٰ کہ فاقہ کشی کی نوبت پہنچی۔ ایک روز گھر والوں کے اصرار سے تلاش معاش میں نکلے۔ کنارِ دریا پر جا کر خیال کیا کہ اس قدر عمر تو خدا کی مزدوری میں صرف کی۔ اب کسی غیر کے دروازے پر جاؤں تو حیف ہے چلو آج بھی اسی کی مزدوری کریں۔ یہ سوچ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ شام ہوئی۔ گھر واپس آئے۔ اہلِ خانہ کے استفسار پر یہ بہانہ کر دیا کہ جس کی مزدوری کی ہے اُس نے کل مزدوری دینے کا وعدہ کیا ہے دوسرے روز پھر جا کر بدستور سابق تمام دن عبادتِ الٰہی میں صرف کیا۔ شام کو خالی ہاتھ گھر آئے اور وہی بہانہ کر کے وقت ٹالا۔

تیسرے روز بھی ایسا ہی ہوا مگر شام کو واپسی کے وقت یہ صاحب توکل بزرگ سخت حیران تھے کہ دو روز تو حیلہ سازی سے کام چل گیا۔ آج بڑی مشکل ہو گی اس لیے کنارِ دریا سے کچھ ریت کپڑے میں باندھ لی اور گھر آئے۔ اندر پہنچے تو دیکھا کہ گھر والے خوشی خوشی کھانا پکانے میں مصروف ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک شخص آکر کچھ

[1] از جناب ماسٹر محمد حسین صاحب انسپکٹر ڈاک خانہ جات سب ڈویژن جہلم

نقدی دے گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ تمہارا شوہر ہمارے یہاں مزدوری کرتا ہے۔ یہ اس کا معاوضہ ہے بلکہ کئی دن کی مزدوری پیشگی دے گیا ہے وہ درویش خدا کا شکر کرنے لگا۔ ریت کی جو گٹھڑی آٹے کے بہانے سے رکھی ہوئی تھی۔ باہر پھینکنے کے لیے کھولی تو اس میں بھی بجائے ریت کے زرِ خالص نکلا۔ سُبحان اللہ ؎

خدا خود میر ساماں است اربابِ توکّل را

ایک مرتبہ ایک پیر بھائی نے اجمیر شریف کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا کہ عجب بارونق دربار ہے کہ وہاں ہر فردِ بشر "معین معین" پکارتا ہے حتّٰی کہ جاروب کش مہتر بھی گلیوں میں صبح کے وقت معین معین ہی کہتے پھرتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ تصرف اولیاء اللہ اور ہیبتِ الٰہی ہے ؎

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ایں کرامتہائے صاحب دلق نیست

ایک مرتبہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ توکل کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ کام کرے اور اس کا ثمرہ حق تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ کام پر بھروسہ نہ کرے۔ یہ توکل شریعت ہے۔ دوم تمام تعلقات سے دل کو فارغ کر کے حق تعالیٰ سے مشغول ہو۔ حتّٰی کہ واصل ہو جائے۔ یہ توکل طریقت ہے۔ سوم اپنی وہمی ہستی کو بالکل مٹا دے کہ سوائے ذات کے کوئی شے باقی نہ رہے اور ہر جگہ ہر حال میں وہ ہی وہ نظر آئے۔ یہ توکل حقیقت ہے۔

لے ۲ از سنر محمد حسین مذکور ۱۲

نیز[۱] ارشاد فرمایا کہ صوفیوں کی کاشتکاری اہلِ دنیا کے طریقوں کے خلاف ہوتی ہے اہلِ دنیا مال اور غلہ کی فراہمی کے لیے کاشتکاری کرتے ہیں مگر صوفی ملامت کے سبب سے کرتے ہیں تاکہ اہلِ دنیا کے نزدیک دنیاداروں میں شمار ہوں۔

ایک[۲] شخص نے عرض کی کہ ملازمت کی کوئی صورت نہیں۔ دعا فرمائیے۔ عیال کی معاش سے تنگ ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اکثر لوگ ملازمت کا سودا سر میں رکھتے ہیں اور ملازمت کو رزق کا وسیلہ سمجھتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ خالقِ مطلق نے لوگوں کا رزق اپنے ذمے لیا ہے اور اُن کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے (وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا)۔ مگر عالمِ اسباب میں چارہ لازمی ہے (مطلب یہ ہے کہ مشاغل روزی پیدائش کی اصلی غایت اور عبادتِ الٰہی میں حارج نہ ہوں۔

پھر[۳] ارشاد فرمایا کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دردِ چشم لاحق ہوا۔ بارگاہِ الٰہی میں مناجات کی کہ الٰہی صحتِ چشم کے لیے کچھ ارشاد فرما۔ حکم ہوا کسی طبیب سے دوا پوچھ۔ عرض کی خداوندا تیرے سوا میں کسی کو حکیم نہیں جانتا۔ ارشاد ہوا یہ درست ہے مگر دنیا عالمِ اسباب ہے۔ جو کوئی اسبابِ دنیا کے مطابق عمل پیرا ہوتا ہے میں اپنی عادت کے موافق اس کا کام کر دیتا ہوں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی طبیب کا علاج کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صحت عنایت فرمائی۔

۱تا۳ از ماسٹر محمد حسین صاحب مذکور

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ توکل صوفیائے کرام کے لیے فرض ہے سالک کو لازم ہے کہ ہر حال میں توکل کرے اور رزق کا مدار پیشے پر نہ سمجھے۔

ارشاد ہوا[۱] پیر وہ ہے جو مرید کو غنائے قلبی بخشے اور حُبِ دنیا سے مستغنی کر کے محبتِ الٰہی میں مستغرق کر دے نہ کہ محبتِ دنیا میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو مردار سے تعبیر کیا ہے اور دوستانِ خدا نے بھی اس سے پرہیز کیا ہے۔ اصطلاحِ صوفیہ میں پیر وہ ہے جس کا دل اوصافِ مذمومہ سے پاک ہو اور اوصافِ حمیدہ سے منور۔ پیر کی متابعت ہر حال میں لازم ہے

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

سالک کو چاہیے کہ اوصافِ باطن کے حصول میں سعی کرے۔ ظاہر کچھ بھی ہو۔ درویشی لباسِ ظاہری پر موقوف نہیں ہے

حاجت بہ کلاہ ترکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

ایک[۲] شخص نے سوال کیا کہ لباسِ ظاہری میں متابعتِ پیر کی ضرورت ہے یا نہیں ارشاد فرمایا متابعت بہتر ہے مگر ضروری متابعت افعال، اقوال اور اشغالِ پیر کی ہے۔

۱و۲ از ماسٹر محمد حسین صاحب مذکور

حضرتؒ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت فرمایا کہ ایک دفعہ جمعہ کے دن بعد غسل ملازم آپ کی خدمت میں بلا سنجاف کی ٹوپی لایا۔ حضور نے واپس کر دی کہ یہ میرے پیر کی سنت کے خلاف ہے مغزی دار ٹوپی لاؤ۔

ارشادؒ فرمایا فنا فی الشیخ یہ ہے کہ صورت پیر میں ایسا محو ہو کہ اپنی حرکات و سکنات سے بے خبر ہو جائے بلکہ پیر اور مرید کی صورت ایک ہو جائے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ اگر مرید کو کوئی حاجت در پیش ہو تو پیر کی خدمت میں عرض کرے یا نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ مرید صادق کو اظہار حال کی ضرورت نہیں۔ پیر کی مدد خود بخود شامل حال ہوتی ہے ؎

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دست او جز قبضۂ اللہ نیست

ارشادؒ فرمایا مرید کو لازم ہے کہ تصور شیخ کرے تاکہ صورتِ حقیقی اس سے جلوہ گر ہو۔ اگر طالب خدا ہے تو پیر کی صورت کا عاشق ہو تاکہ ذاتِ حق جلوہ نمائی کرے ؎

گر بجوئی ذاتِ حق را صورتِ مرشد ببیں
عاشقے شو ذاتِ حق را اندراں روشن ببیں

جب صوفی کو پیر کا تصورِ کامل حاصل ہو جاتا ہے تو پھر وہ کسی گناہ پر قادر نہیں ہو

اؔ ازماسٹر محمد حسین صاحب مذکور ۱۲

سکتا۔ نیز رفعِ خطرات کے لیے تصورِ شیخ نافع ہے ؎

تصورِ شیخ ہی کا رہبرِ راہِ طریقت ہے
فنا ہو شیخ میں یہ زندگی جانِ محبت ہے

ارشاد ہوا مرید کے لیے جو کچھ ہے پیر کی ذات ہے۔ جب پیر کا دیدار حاصل ہو گیا تو دوسروں کی طرف التفات کرنا بھی بےغیرتی ہے۔

خداوند کریم ہر گناہ کو معاف کر دے گا مگر شرک کو معاف نہ کرے گا۔ خدا کے رسول بھی شرکتِ اغیار کے مخالف تھے۔ آپ نے فرمایا ہے جو دوسروں کی صحبت کو تیری صحبت پر اور اوروں کی محبت کو تیری محبت پر ترجیح دے۔ وہ تیرا دوست نہیں اس کی محبت سے کنارہ کش ہو۔ جو مرید اپنے پیر طریقت کے سوا کسی کا دم بھرے وہ مرید نہیں کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے جب آدمی اپنے معشوق و مطلوب میں کسی غیر کی شرکت گوارا نہیں کر سکتا۔ جب ایک شیر نہیں چاہتا کہ اس کے جنگل میں دوسرا شیر آئے تو ایک پیر کی غیرت اس امر کو کس طرح گوارہ کر سکتی ہے کہ اس کی محبت میں کوئی دوسرا شریک کیا جائے ؎

طالبِ کُل ہو کے فوت الکل کی محرومی نہ لے
ایک کا ہو جا تو پھر سب کچھ ترا ہو جائے گا

ایک روز ارشاد ہوا کہ جب تک تصورِ شیخ قلبِ مرید میں متحقق نہ ہو، منزل فنا فی الشیخ کا حاصل ہونا ناممکنات سے ہے۔ درجۂ فنا فی الرسول و فنا فی اللہ کے

حصول کا پہلا زینہ منزلِ فنا فی الشیخ ہے۔ جب تک تصورِ شیخ کامل نہ ہو قدم آگے نہیں چلتا حاضرین میں سے کسی نے عرض کی کہ حضور جب تک دل سے تصورات اور اوہام زائل نہ ہوں فنا فی اللہ کس طرح متحقق ہو سکتی ہے کیوں کہ جب کوئی بادشاہ کسی ملک میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوتا ہے تو اس ملک کو درہم و برہم کر دیتا ہے اور وہاں کے معززین کو ذلیل کر دیتا ہے۔ خداوند کریم خود ارشاد فرماتا ہے۔ ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اَعِزَّةَ اهلها اذلة۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تصورات وہمی بھی شیطانی وسوسہ سے پیدا ہوتے ہیں اور چوں کہ شیطان کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ جناب رسولِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شبیہہ یا صورتِ شیخ سے مشابہ ہو سکے پس یہ دونوں تصور عین مشاہدۂ حق ہیں جیسے نقش حباب جو پانی سے پیدا ہوتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر پانی میں مل جاتا ہے اُس کی نسبت یہ وہم نہیں ہوتا کہ پانی اور شے ہے اور حباب اور شے، البتہ اس قدر فرق ضرور ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے ایک شکل پانی سے نمودار ہو جاتی ہے ورنہ وہ ہی پانی ہے اور وہ ہی حباب ہے

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملکِ سلیمانی

ایک روز ارشاد ہوا کہ حضرت صاحبزادہ محمد الدین صاحب سیالوی نے ایک بار حضرت شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی کہ یہ بات جو لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے بارہ

سال کے بعد ایک غرق شدہ کشتی کو مع مسافروں کے صحیح و سالم نکال لیا تھا یہ ممکنات سے ہے یا نہیں حضور نے دریافت فرمایا کہ بارہ سال کا عرصہ زیادہ ہوتا ہے یا سو سال کا۔ کیا تم نے قرآن شریف میں حضرت عزیرؑ کا قصہ نہیں پڑھا جس کا ذکر سورہ بقرہ کے رکوع ۳۵ میں آیا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ بخت نصر شہنشاہ شام بیت المقدس میں آگ لگا کر اور شہر کو اجاڑ کر بنی اسرائیل کو پکڑ کر لے گیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام اس ویرانی کے وقت بیت المقدس سے گذرے اور تعجب سے کہنے لگے کہ یہ شہر کس طرح آباد ہو گا۔ ع

ایسے اجڑے بھی کبھی بستے ہیں

اللہ تعالیٰ کو انہیں اپنا نمونۂ قدرت دکھانا منظور تھا۔ اسی جگہ ان کی روح قبض ہوئی سو برس تک مرے پڑے رہے۔ نوشک فارسی نے بیت المقدس کو پھر آباد کیا اور حضرت عزیر علیہ السلام زندہ کیے گئے۔ ان کا گدھا بھی ان کی نظروں کے سامنے زندہ کیا گیا۔ خدا نے ان کے کھانے پینے کی حفاظت کی یعنی وہ کھانا جو قبل از قبض روح ان کے پاس تھا۔ بُسا تک نہیں۔ عزیر علیہ السلام کو صرف اسی قدر حیرت تھی کہ خدا خلافِ عادت قدرتوں کو کس طرح نافذ کرتا ہے۔ خدا نے زندہ کر کے ان سے پوچھا کہ تم اس حالت میں کتنی مدت رہے ہو گے۔ عرض کی ایک دن یا اس سے بھی کم فرمایا نہیں بلکہ تم سو برس تک اسی حالت میں رہے ہو۔ اب اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ کوئی بُسی تک نہیں ہے اور اپنے گدھے کی طرف بھی نظر کرو جس پر تم سوار تھے۔ اتنے دنوں تک مردہ رکھنے اور پھر جلا دینے سے مقصود یہ ہے کہ تم لوگوں کے لیے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنائیں اور گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کرو کہ ہم کیسے ان کو جوڑ کر ان کا ڈھانچ بنا کھڑا کرتے ہیں اور پھر ان پر گوشت

چڑھاتے ہیں۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام پر قدرتِ الٰہی کا یہ کرشمہ ظاہر ہوا تو کہنے لگے۔ ان اللہ علی کل شئ قدیر۔

حضرت صاحبزادہ محمد الدین صاحب نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے مگر کشتی کا معاملہ تو حضرت پیرانِ پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ پیر صاحب علیہ الرحمۃ صاحب منزل بقا باللہ تھے۔ جو بزرگ اس مقام تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں وہ اوصافِ الٰہی سے متصف ہو جاتے ہیں۔ صورتِ بشری کا ایک پردہ درمیان حائل رہ جاتا ہے ورنہ ہر ایک فعل جو ان سے سرزد ہوتا ہے اس میں وہ اختیاراتِ ربانی سے مختار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (سورۂ انفال پارہ ۹ رکوع ۲) یعنی اے محمد جب تم نے کنکر پھینکے تو تم نے کنکر نہیں پھینکے تھے بلکہ اللہ نے کنکر پھینکے تھے۔ یہ جنگِ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ جب شدتِ جنگ ہوئی تو حضرت نے ایک مٹھی کنکریوں کی لشکر کفار کی طرف پھینکی اور ارشاد فرمایا کہ تم پر پریشانی غالب ہو۔

حکیم بن خزام کا قول ہے کہ ہم فوجِ قریش کی طرف سے بہت سرگرمی سے لڑ رہے تھے کہ ہمیں سنگریزے گرتے ہی آسمان سے ایسی آواز آئی کہ گویا پتھر کسی طشت میں گر رہے ہیں کہ یکایک ہمارے پڑوں کو شکست ہوئی اور پیچھے ہٹنے شروع ہوئے۔ غرض خداوند کریم سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ کنکریاں اور سنگریزے پیغمبر کے ہاتھ سے نہیں پھینکے گئے بلکہ وہ خود ہم نے پھینکے تھے۔ حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

مارمیت از رمیت گفت حق ۔۔۔ کارِ حق بر کارہا دارد سبق
ما چو تیرانیم پرّان از قضا ۔۔۔ ما کمان و تیر اندازش خدا

ایک روز محبوبانِ الٰہی کی کرامت کا ذکر تھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے محبوبوں کا سوال ردّ نہیں فرماتا چنانچہ بابا صاحب حضرت فریدالدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کو کئی مردے زندہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ایک دن ایک مرید معتقد آپکے پاس حاضر ہوا۔ اس کے چہرہ سے ملال کے آثار برس رہے تھے۔ آپنے دریافت فرمایا کہ خلافِ معمول آج غمگین کیوں ہے۔ پہلے تو جب آتا تھا بخندہ پیشانی آتا تھا۔ اس نے عرض کی حضور اپنے ایک برادرِ عزیز کو حالتِ نزع میں چھوڑ آیا ہوں جب اس کی جانکنی مجھ سے نہ دیکھی گئی تو حضور کی خدمت میں بھاگا ہوا چلا آیا۔ آپنے یہ سنتے ہی فرمایا کہ جا تیرا بھائی اچھا ہو گیا۔ وہ شخص اپنے گھر واپس آیا دیکھتا کیا ہے کہ اس کا بھائی پہلے کی طرح تندرست اپنی قوت سے بیٹھا ہوا ہے اور روٹی کھا رہا ہے گویا کبھی بیمار ہی نہ تھا۔

وہ شخص بہت حیران ہوا اور بابا صاحبؒ کی خدمت میں آکر سب حال سنایا اور کہا کہ میرے بھائی کے جینے کی امید بالکل منقطع ہو گئی تھی مگر اب وہ بالکل تندرست ہے گویا بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ آپنے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ فریدؒ کئی مرتبہ مرا اور کئی مرتبہ زندہ ہوا ہے۔ پس اگر اس نے ایک دفعہ مردے کو جلا دیا تو کیا تعجب ہے

؎ یہ مرگِ عشق بھی اک معجزہ ہے اک کرامت ہے
جو تجھ پر جان دیتے ہیں وہ مُردوں کو جلاتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ حضرت باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت غوث بہاؤ الحق رحمۃ اللہ علیہ میں باہم ارتباط بے حد تھا۔ دونوں رشتے دار بھی تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ باباصاحبؒ ملتان تشریف لے گئے۔ غوث صاحبؒ کے پاس ایک کنیز تھی جو بہت زیادہ خوب صورت تھی اور جس سے آپ کو محبت تھی لیکن آپ نے بنظرِ باطن لوحِ محفوظ پر دیکھا تھا کہ وہ کنیز شقی ازلی ہے اور داغِ شقاوت اس کی پیشانی پر ثبت ہو چکا ہے اس کی شقاوت دور کرنے کے لیے ہر چند بارگاہِ الٰہی میں دُعا مانگی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ آخر اس کنیز کو آپ نے باباصاحبؒ کے پاس بھیجا کہ بھائی فریدالدین آئے ہوئے ہیں ان کے وضو کے لیے پانی لے جاؤ۔ کنیز نے کہا کہ میں نامحرم کے سامنے کس طرح جاؤں۔ مبادا وہ مجھ پر مبتلا ہو جائیں۔ فرمایا کہ وہ فقیر ہیں تیری طرف التفات نہ کریں گے۔ کنیز پانی لے گئی اور تمام پانی آپکے ہاتھوں پر بہا آئی۔ باباصاحبؒ اس کے منہ کی طرف دیکھتے رہے۔ کنیز چیں بہ جبیں ہو کر واپس آگئی اور کہنے لگی دیکھیے میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ مجھ پر فریفتہ ہو جائیں گے فرمایا دوسری صراحی پانی کی لے جاؤ۔ وہ لائی اور پھر ہاتھوں پر تمام پانی لنڈھا کر چلی گئی۔ حضرت غوث صاحبؒ نے فرمایا کہ تیسری صراحی اور لے جاؤ۔ وہ لے گئی جب تک آدھی صراحی کا پانی ختم ہوا حضرت باباصاحبؒ اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اس کے بعد آدھی صراحی سے وضو تمام کیا اور اس کے چہرہ پر جو داغِ شقاوت تھا، مٹا دیا۔ اب کنیز واپس آئی تو تمام واقعات بیان کیے۔ حضرت غوث بہاؤ الحق رحمۃ اللہ علیہ نے بنظرِ باطن دیکھا تو داغِ شقاوت کا پتہ بھی نہ تھا۔ خدا سے عرض کی کہ مجھے تو تُو نے غوث کا مرتبہ دیا اور فریدؒ کو قطب کا۔ میں نے ہر چند کوشش اور دعا کی مگر

اس کی بدبختی کا نشان زائل نہ ہوا اور اس شخص نے صرف ایک نظر سے لوحِ محفوظ کی تحریر مٹا دی حالاں کہ درجہ میں وہ مجھ سے کمتر ہے، الہام ہوا کہ بے شک ہم نے تم کو غوث کا مرتبہ دیا ہے لیکن اجابتِ دُعا کا وعدہ نہیں کیا ہے اور فریدؒ سے ہم نے وعدہ کر لیا ہے کہ تو جو چاہے گا، وہ ہی ہو جائے گا۔ سُبحان اللہ ؎

تجھے معلوم ہے حالِ نظر اہلِ نظر　　لوحِ محفوظ کی تحریر مٹا دیتے ہیں
قوتِ خاص حقیقت میں انہیں حاصل ہے　　اک نظر ڈال کے مُردوں کو جلا دیتے ہیں

بعد ازاں حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زہد کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ حضرت بابا صاحبؒ کو الہام ہوا کہ میرا عشق ایک بلا ہے تم اسے اُٹھا سکتے ہو؟ بابا صاحب نے عرض کی کہ الٰہی اگر تیری توفیق شاملِ حال ہوئی تو کیا مشکل ہے۔ پس خدا کے حکم سے ایک ہوا چلی جو اس قدر گرم تھی کہ آپ کا تمام گوشت اور پوست گل گیا اور زمین پر گر پڑے پھر صرف ہڈیاں اور رگیں آپ کے جسمِ مُبارک میں رہ گئیں۔ اس کے بعد ایک اور ہوا چلی۔ کنکریاں اور سنگریزے زمین سے اُڑتے تھے اور آپ کی ہڈیوں اور رگوں میں جا پڑتے تھے مگر اللہ رے استقامت کہ پائے استقلال کو لغزش نہ ہوئی پس دوسری مرتبہ الہام ہوا کہ اے فریدؒ آفرین ہے، تو نے ہمارے عشق کا بار خوب اُٹھایا ؎

عشق بازی طفل بازی نیست اے دل سرباز
زانکہ گوئے عشق نتواں زد بچوگانِ ہوس

آپ نے فرمایا کہ جب فقیر کو درجہ معشوقی و محبوبی حاصل ہو جاتا ہے تو وہ جو کچھ خدا سے مانگتا ہے مِل جاتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ حضرت پیران پیر دستگیر شیخ عبد القادر محی الدین جیلانی کی بھی ایسی بہت سی کرامتیں ہیں چناں چہ ایک شخص کے لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں۔ کوئی لڑکا نہ تھا جب اس کی عورت حاملہ ہوئی تو لڑکی ہی پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ بیس لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ شوہر اس عورت سے بیزار ہو گیا اور کہا چلی جا۔ میری طرف سے تجھے جواب ہے میں اس قدر بچوں کے لیے روٹی کہاں سے لاؤں۔ وہ غریب عورت پیر صاحبؒ کی خدمت میں روتی چلاتی حاضر ہوئی اور کہنے لگی حضور دُعا فرمائیں کہ ان لڑکیوں کو خدا موت دے تاکہ مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا خدائے تعالیٰ ان کی جان لینے ہی پر قادر ہے اس پر قادر نہیں ہے کہ ان سب کو لڑکا بنا دے۔ آپ کی زبان سے الفاظ نکلے ہی تھے کہ وہ سب لڑکیاں لڑکے ہو گئیں ؎

زبانِ اہلِ دل میں خاص اک ہوتی ہے قوت بھی
بدل دیتے ہیں قسمت بھی، بدل جاتی ہے فطرت بھی

ارشاد ہوا کہ حضرت منصور علیہ الرحمۃ کو جب قید کر کے جیل خانے میں بھیج دیا گیا اور حکم ہوا کہ دوسرے دن ان کو سولی دی جائے تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جیل خانے پہنچے۔ دیکھا کہ قید خانہ خالی پڑا ہوا ہے۔ لوہے کی زنجیریں اِدھر اُدھر بکھری پڑی ہیں

اور حضرت منصورؒ تنہا قید خانے میں بیٹھے ہوئے ہیں پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا فرمایا چوں کہ میں نے خدا ہونے کا دعوی کیا تھا اس لیے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور وہ سب بھاگ گئے۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے پوچھا کہ پھر آپ بھی کیوں نہ بھاگ گئے فرمایا کہ واہ شبلیؒ! کیا اسی عقل کے برتے پر مجھے نصیحت کرتے تھے۔ بھلا خدا کہیں بندوں کے خوف سے بھاگا کرتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ حضرت شبلیؒ دیکھ رہے تھے کہ قید خانے کی دیواریں ٹوٹ گئی ہیں اور قیدی باہر بھاگ رہے ہیں مگر انہیں کوئی دیکھ اور پہچان نہیں سکتا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ بعض خدا کے محبوب خاص و عام کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں حضرت خضر علیہ السلام ایک جنگل سے گذرے۔ دیکھا کہ ایک شعلۂ نور زمین سے آسمان کی طرف جا رہا ہے۔ آپ اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ معلوم کیا کہ ایک درویش نماز میں مصروف ہے۔ انتظار کیا کہ جب وہ نماز سے فارغ ہو تو اس سے گفتگو کریں۔ درویش نے جب سلام پھیرا تو پھر نماز شروع کر دی۔ خضر علیہ السلام نے کہا اے درویش میں تیری ملاقات کے لیے کھڑا ہوا ہوں اور تو میری طرف التفات بھی نہیں کرتا۔ میں خلقت میں تجھے شہرت دوں گا کہ اس صفت کا ایک درویش فلاں جگہ موجود ہے لوگ تیرے درپے ہوں گے اور خدا کی عبادت سے تجھے باز رکھیں گے جواب دیا کہ میں انہیں تمہارا پتہ بتا دوں گا کہ خضر یہ ہے۔ یہ کہا اور نظر سے غائب ہو گیا۔ حضرت خضرؑ کو بڑی حسرت ہوئی کہ ایک خدا کا محبوب بندہ ملا تھا۔ افسوس وہ بھی

ہاتھ سے گیا۔ایک مدت تک اس کی تلاش میں سرگرم رہے کہ شاید پھر کہیں نظر آجائے اتفاقاً پھر دیکھا کہ شعلۂ نور آسمان کی طرف جا رہا ہے اس کے پاس پہنچے دیکھا کہ ایک ضعیفہ سو رہی ہے، واقعہ سابق یاد تھا۔جگا نہ سکے کہ شاید یہ بھی خفا ہو جائے اور اس درویش کی طرح ہاتھ سے جائے پھر ارادہ کیا کہ جگائیں۔عتاب الٰہی ہوا کہ اے خضرؑ خبردار۔ادب کرو۔میرے محبوب میری غیرت میں مستور ہیں۔انہیں بیدار نہ کرو کہ مجھے غیرت آتی ہے۔ ع

بلے سلطانِ معشوقان غیور است

حکم الٰہی ہوا کہ ہم نے اپنے محبوبوں کو نظرِ اغیار سے پوشیدہ رکھا ہے ان کا ادب کرو اور کچھ نہ کہو۔حضرت خضر علیہ السلام نے عرض کی کہ الٰہی کیا کوئی تیرے محبوبوں میں سے ظاہر نہیں ہے۔ارشاد ہوا ہاں۔ایک ہمارا محبوب سید عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) مشہور ہے۔پس خضر علیہ السلام حضرت پیر صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے خضرؑ جس علم کے متعلق تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔کیا اس علم کے متعلق مجھ سے گفتگو کرنے آئے ہو۔خضر علیہ السلام یہ سنتے ہی خاموش ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے ؎

رسم دنیائے تحیر خامشی ہے خامشی
ہے یہاں دستور جو بولا وہ ہی مارا گیا

ایک روز اعتقادِ مرشد کے متعلق تذکرہ تھا۔آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ

شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ ایک عالم شخص خدمتِ شیخ میں گیا اور تنگی معاش کی شکایت کی۔ شیخ نے فرمایا کہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ پڑھا کرو۔ وہ چلا گیا اور اسم یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ پڑھتا رہا۔ مدت معہود میں اُسے کوئی نفع نہ پہنچا بلکہ عسرت کچھ اور بڑھ گئی۔ پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اب تو تنگی اور بھی بڑھ گئی۔ شیخ نے پوچھا کیا پڑھا تھا کہا "یاحی یاقیوم"۔ فرمایا تو نے ہمارا حکم نہ مانا بلکہ صحیح اور غلط کے چکر میں پڑ گیا۔ یہ اُسی کا نتیجہ ہے۔ پھر جا اور جو کچھ ہم نے بتایا ہے وہ ہی پڑھ۔ وہ شخص محجوب ہو کر واپس آیا اور جو الفاظ شیخ نے بتائے تھے اُنہیں کا وظیفہ پڑھا۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں فراغ دست ہو گیا۔ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جو کچھ ہے پیر ہے، پیر ہے، پیر ہے ؎

پیر ہے جو کچھ ہے دنیا میں مریدوں کے لیے
پیروی کر پیر کی، تجھ کو خدا مل جائے گا

ارشاد ہوا کہ جس کی عمر تیس برس سے کم ہو، ذکرِ جہر اُسے نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لیے کہ اُس کے جسم میں جوانی کی حرارت ہوتی ہے جس میں حرارتِ ذکر شامل ہو جاتی ہے۔ مادہ رقیق ہو کر پیشاب کے راستے بہنے لگتا ہے اور اُسے بیکار کر دیتا ہے۔ تیس برس کی عمر کے بعد اعضا سرد ہو جاتے ہیں اور پھر حرارتِ ذکر نقصان نہیں کرتی بلکہ فائدہ پہنچاتی ہے۔

ایک دن میاں محمد اشرف نے حضور میں عرض کی کہ میں نے ایک شخص محمد شاہ نامی

کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا جو خاندان نقشبندیہ میں بیعت ہے لیکن اُسے حصول ملازمت سے کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ یعنی وہ ایک بات ایسی کہہ دیتا ہے کہ تمام خلقت پریشان ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ؎

زمینِ شور سنبل بر نیارد
در و تخمِ عمل ضائع مگرداں

پھر آپ نے فرمایا کہ اس طرح ایک چودھری فلاں گاؤں کا رہنے والا جو حج کر آیا ہے ہمارے ایک پیر بھائی کو طعنے دیا کرتا تھا کہ تم ہر سال اپنے پیر کی خدمت میں جاتے ہو مگر تمہیں کچھ فیض نہیں پہنچتا۔ اُس شخص نے کیا اچھا جواب دیا کہ ہمارے پیر کا فیض مثل بارش ہے مگر نقص ہمیں میں ہے۔ بارش ہر زمین پر ایک سی ہوتی ہے مگر زمین کا کوئی حصہ پانی سے لبریز ہو جاتا ہے، کوئی تر ہو کر رہ جاتا ہے اور کوئی بالکل خشک۔ اگر تمہاری طبیعت میں کبر و غرور نہ ہوتا تو تمہیں بھی حج کرنے سے کوئی فیض ضرور پہنچتا لیکن غرورِ طبیعت کے سبب سے تم خدا کے گھر سے بھی خالی پھرے حالانکہ خدا کا گھر پیر کے گھر سے چند حصے بہتر ہے ؎

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود
چوں بیاید ہنوز خر باشد

پھر ارشاد ہوا کہ ایک شخص حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا رہا تھا۔ اثنائے سفر میں موضع تلہ کی ایک مسجد میں ٹھیرا اور گوشہ نشین ہوا۔

وہاں مولوی غلام نبی صاحب کے ایک خلیفہ مریدوں کو حلقے میں بٹھا کر توجہ ڈال رہے تھے خلیفہ صاحب نے اس رہ گیر سے پوچھا تم کہاں جاؤ گے اس نے کہا سیال شریف تو کہنے لگے کہ مولوی صاحب کی بیعت اختیار کرو اس لیے کہ یہ مثل سمندر ہیں اور مشائخ مثلِ دریا ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا۔ میں نے سنا ہے کہ سمندر کا پانی کھارا ہوتا ہے، وہ نہ پیا جاتا ہے نہ اس سے پیاس بجھتی ہے بلکہ نقصان کرتا ہے اور دریا کا پانی میٹھا ہوتا ہے جس سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں خلیفہ صاحب یہ جواب لاجواب سن کر متحیر رہ گئے۔

ایک دن مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب نے دریافت کیا کہ غریب نواز مفتی صاحب کہتے ہیں کہ تیس سال کے بعد مرید بے شبہ خلافت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پیر کو چاہیے کہ اسے تیس برس کے بعد خرقۂ خلافت پہنا دے۔ ارشاد فرمایا کہ ان کی نظر علوم ظاہری تک محدود ہے۔ تصوف کی کتابوں میں جو لکھا ہوا ہے کہ "الصوفی بعد الثلثین بارد" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو سالک صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ تیس برس چلتا رہے اُسے تبرید حاصل ہو جاتی ہے یعنی اس کی آگ سرد ہو جاتی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے جو مفتی صاحب نے سمجھا یا۔ تمہیں یاد ہو گا حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں، "جدال سعدی با مدعی" لکھی ہے۔ حضرت سعدی فرماتے تھے "الفقر سواد الوجہ فی الدارین" اور وہ کہتا تھا "الفقر فخری والفقر منی" اس کے متعلق سمجھنے والوں کو ضرورتِ امتیاز ہے۔ پہلے فقر سے مراد گرسنگی اور فاقہ کشی ہے اور دوسرے فقر سے وہ فقر مراد ہے جس میں معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی

ہے۔حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں حدیثوں کا فرق گلستان میں دکھایا ہے۔

اسی ذکر میں حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے صبر و محنت کا ذکر آ گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ خواجہ صاحبؒ موصوف ابتدائے عمر میں حضرت مولانا صاحب مکھڈوی سے علومِ ظاہری کی تعلیم حاصل کرتے تھے مگر روٹی مانگنے کبھی شہر میں نہ جاتے تھے چونکہ درویشوں کی عادت اکثر کاہلی اور حسد کی ہوتی ہے جو کچھ روٹی کے ٹکڑے شہر سے مانگ کر لاتے تھے اس میں سے خواجہ صاحب کو کچھ نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ درویش دورہ کرنے نہیں جاتا۔جب خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کو زیادہ بھوک لگتی تو آپ دریا کے کنارے تشریف لے جاتے، وہاں سبزی فروش ترکاریاں دھویا کرتے تھے اور کچھ شلجم کے پتے وغیرہ رہ جاتے تھے وہ کھا لیتے اور کسی پر یہ بات ظاہر نہ فرماتے مگر مشک کی خوشبو کبھی چھپی نہیں رہتی۔ رفتہ رفتہ مولانا صاحب کو خبر ہو گئی کہ یہ درویش بہت صابر ہے۔ مولوی صاحب امیر کبیر تھے۔جب اصلی حقیقت معلوم ہو گئی تو ان کی دوامی عادت ہو گئی کہ جب تک حضرت خواجہ صاحب تشریف نہ لاتے آپ بھی کھانا نہ کھاتے۔ خواجہ صاحب نہ آتے تو انہیں طلب کیا جاتا تھا۔ جب وہ آ جاتے تو پھر ایک چارپائی پر بیٹھ کر کھانا کھایا جاتا۔ یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہو گئی اور وہاں کے باشندوں کو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتقاد ہو گیا۔

جب حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو اپنے گھر سے چل کر دوسرے روز تونسہ شریف میں پہنچتے تھے۔ سیال شریف اور تونسہ شریف میں سو کروہ کا فاصلہ ہے۔ ساری رات سفر کرتے اور دوسرے دن حصول نیاز کرتے۔ چالیس برس تک متواتر اسی طرح آئے اور گئے۔ عام راستے پر نہ چلتے تھے۔ کبھی کسی سے روٹی وغیرہ نہ مانگتے تھے آپ کے جلدی جلدی، اور روز روز اور بکثرت آنے جانے سے ایک دوسری سڑک بن گئی تھی چالیس برس کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت ملا اور آپ نے ہزاروں لاکھوں کو فیضیاب کیا۔ پھر فرمایا کہ جو چیز محنت سے حاصل ہوتی ہے وہ بہت پائیدار ہوتی ہے۔

ایک روز ارشاد ہوا ایک شخص نے غوث زمان حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ اولیاء متقدمین تو ایک نگاہ سے منور کر دیا کرتے مگر آپ بہت سی تکالیف کے بعد مستفیض فرماتے ہیں اس کا کیا سبب ہے فرمایا کہ ہمارے خاندان کی مثال کسانوں کی محنت کشی کی مانند ہے جو حصولِ گندم کے لیے محنت کرتے ہیں اور دوسرے خاندانوں کی مثال خربوزہ بونے اور حاصل کرنے کی مانند ہے کہ متقدم الذکر دیرپا ہوتی اور مؤخر الذکر پادر ہوا۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ آج کل فقرا کی عزت کم ہوگئی ہے۔ سجادہ نشینوں نے فقر کو ارزاں کر دیا ہے۔ حصولِ شہرت کے لیے ہر کسی کو خلافت دے دیتے ہیں تاکہ ان کا نام مشہور ہو۔ خلیفہ وہ ہو سکتا ہے جو خلافِ عادت کام کرنے لگے

جب اس کے کام خلافِ عادتِ سابقہ ہونے لگتے ہیں تو وہ خلافت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ نہ اس میں تیس برس کی قید ہے نہ چالیس کی۔

بزرگی بعقل است نہ بہ سال
توانگری بدل است نہ بہ مال

ایک روز ارشاد ہوا کہ بُلھا شاہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے پہلے جب اپنے پیر کی خدمت میں بغرض بیعت گئے تو ان کے پیر سبزی فروش تھے دیکھا کہ تمباکو کے پودے ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگا رہے ہیں۔ بُلھا شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں وہم ہوا کہ یہ شخص تو قائم شدہ چیز کو اُکھاڑ رہا ہے ہمیں اس سے کیا حاصل ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی واپس چلے۔ پیر صاحب ولیٔ کامل تھے۔ نورِ باطن سے سمجھ گئے آواز دی اور فرمایا ؎

بلھیا رب دا کی پاناں
ایدروں پٹناں اودھر لاناں

آپ نے فرمایا اس میں اشارہ تھا کہ جو ایک سمت کو چھوڑ کر دوسری سمت اختیار کرتا ہے۔ خدا کو پالیتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کی کہ غریب نواز میں نے سُنا ہے کہ ایک عورت حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ میرے کوئی لڑکا نہیں ہے۔ دُعا کیجیے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ آواز آئی کہ

اس عورت کی قسمت میں لوحِ محفوظ پر کوئی لڑکا لکھا ہوا نہیں ہے۔ پھر عرض کی پھر یہی آواز آئی غرض کہ سات مرتبہ اسی طرح عرض اور دعا کی مگر منظور نہ ہوئی حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے نازِ محبوبی اختیار کیا اور کہنے لگے کہ اگر ہماری دُعا منظور نہیں ہوتی تو ہمیں اس گلیمِ فقر کی کیا ضرورت ہے یہ کہا اور ایک بُت خانے میں چلے گئے۔ پھر رُوحِ جنابِ رسولِ مقبول علیہ السلام آئی اور کہا کہ اے عثمان ایسا نہ چاہیے۔ آپ باہر چلے آئے اور پھر آپ کی دُعا قبول بھی ہو گئی"۔

خواجہ غریب نواز جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکایت اس طرح نہیں ہے بلکہ یوں ہے کہ:۔

ایک بڑا سخی بادشاہ تھا۔ ایک دن اُسے خیال آیا کہ دنیا فانی ہے یہ دولتِ شاہی میرے کس کام کی ہے۔ مرنے کے بعد کسی دوسرے کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ یہ سوچ کر ایک مکان تیار کرنے کا حکم دیا اور اس میں چار دروازے بنوائے جب تیار ہو گیا تو اس میں چاندی سونے کے ڈھیر لگا دیے اور خود تخت پر بیٹھ کر حکم دیا کہ یہ تمام خزانہ مساکین کو خیرات کر دو۔ اتفاقاً ایک صاحبِ دل درویش کا وہاں گذر ہوا۔ نورِ باطن سے معلوم کیا اور کہا کہ یہ بادشاہ بڑا سخی ہے مگر دولتِ ایمان سے محروم ہے۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو اس درویش سے حصولِ کامل ایمان کے لیے طالبِ دُعا ہوا۔ درویش نے کہا کہ مجھے اتنی طاقت نہیں ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا حال عرض کر۔ بادشاہ خواجہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں آیا۔ تمام حال بیان کیا۔ آپ نے درگاہِ الٰہی میں نعمتِ ایمان کے لیے درخواست کی۔ ہاتف نے آواز دی کہ اس کی قسمت میں ایمان نہیں ہے۔ پھر عرض کی اے پروردگار میں چاہتا ہوں کہ

یہ میرے گھر سے خالی اور محروم نہ جائے۔ ندا آئی کہ اے میرے محبوب روزِ ازل سے اس کی قسمت میں دولتِ ایمان نہیں لکھی گئی۔ پھر مکرر سہ کرر عرض کی مگر دُعا قبول نہ ہوئی۔ دریافت کیا کہ الٰہی ایمان مجھ میں بھی ہے یا نہیں، ارشاد ہوا ہاں تم ولی کامل ہو تمہارا ایمان بھی کامل ہے۔ عرض کی یارب میرا ایمان اس سائل کو دے دے۔ میں تجھے یاد کرتا ہوں پھر مسجد میں یاد کروں یا مندر میں۔ غرض تو تیری یاد سے ہے۔ ایسا ہی ہوا کہ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کا ایمان اس بادشاہ کو دے دیا گیا اور حضرت اپنا کمبل اس کے کندھوں پر ڈال کر بُت خانے کی طرف تشریف لے گئے۔ ایک ہی رات کے بعد حق تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ میرا محبوب سخت رنج میں ہے اس سے کہہ دو کہ ہم نے تمہیں از سرِ نو خلعتِ ایمان سے سرفراز فرمایا اور پہلے سے زیادہ منظور و مقبول کیا۔

اس وقت ایک شخص نے کہا کہ حضور خدا کو اپنے محبوبوں سے بھی غیرت آتی ہے آپ نے اُسے منع کیا اور کہا پھر کبھی ایسا سخت لفظ نہ کہنا۔ محبوبانِ الٰہی کے لیے لفظِ آزمائش بولا جاتا ہے۔ غیرت بہت بُرا لفظ ہے۔ غیرتِ الٰہی باغیانِ الٰہی پر ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اثنائے جنگ میں ایک دفعہ جناب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو محاربۂ عظیم درپیش ہوا اور کفار حد سے زیادہ گرتے اور مرنے لگے۔ حق تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ارشاد فرمایا کہ جب میں اپنی جباری و قہاری

پر آتا ہوں تو پھر کسی کو نہیں پہچانتا۔ اب میری شانِ جباری جوش پر ہے تم بھی مقتولین کی صفوں میں لیٹ جاؤ تاکہ تم بھی مقتول گنے جاؤ۔ تو یہ غیرت نہ تھی بلکہ آزمائش تھی۔ لفظِ غیرت کا استعمال اس موقعہ پر کبھی نہ کرنا چاہیے۔

ایک مرتبہ مولوی سید نیک عالم شاہ صاحب نے عرض کی حضور اس شعر کے کیا معنی ہیں ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

آپ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا کہ اصل میں یہاں مراد اعتقاد سے ہے اس لیے کہ دلوں کا جذب کرنا خدا کا کام ہے یعنی جب خدائے تعالیٰ کسی کے دل کو مرشد کی طرف جذب نہیں کرتا اس کا اعتقاد اس رہبر کے حق میں درست و راست نہیں ہوتا یہی تہی دستی کا سبب ہو جاتا ہے چاہے وہ مرشد رہبرِ کامل کیوں نہ ہو اور جس کی قسمت یاوری کرتی ہے اور وہ مرشد کے پاس آکر معتقد ہو جاتا ہے تو اپنے اعتقاد کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے ؎

نامراداں را رساند بامراد
اعتقاد است اعتقاد است اعتقاد

آپ نے اعتقاد و فہمید کا فرق بیان فرمایا کہ ایک شخص کا اعتقاد ہے کہ اگر قسمت میں نہیں ہے تو رہبرِ کامل سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ مجھے پیر ہر شے سے بہتر ہے۔ پس یہ سمجھنے کا فرق ہے ؎

ہر روٹھے گور پھیر مناوے گور روٹھے نہیں ٹھور
بھیکا وہ نرکور ہیں جو گور کو جانیں اور

اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم تونسہ شریف میں تھے اور ایک گلی میں عورتیں کسی کی شادی کی تقریب میں گا رہی تھیں ع

"گوری نوں ونگاں چڑھاوے یار"

ہماری مجلس میں ایک عالم بھی موجود تھے کہنے لگے کہ ان عورتوں کو اس بیہودہ گوئی سے کیا فائدہ اور بہت خفا ہوئے۔ میں نے کہا یہ کچھ بے ہودگی نہیں ہے وہ تو درود شریف پڑھ رہی ہیں پوچھا کہ یہ درود کیونکر ہو گیا۔ میں نے کہا گوری سے مراد حضرت سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ ہیں۔ اس لیے کہ درحقیقت گوری وہ ہے جس کا رنگ خود بھی سرخ و سفید ہو اور جو دوسروں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ سکے جو دوسروں کو سفید اور روشن نہ بنا سکے وہ گوری نہیں ہے۔ غرض کہ "گوری" اسم مجازی نہیں ہے۔ ونگاں سے مُراد وہ زیور ہے جسے ہندی میں "چوڑا" کہتے ہیں۔

چناں چہ یہ بات مشہور ہے کہ فلاں کو بہت چوڑے میسر ہیں یعنی اس کے ہاتھ بہت دولت آگئی ہے اور یہاں چوڑے سے مراد درود شریف ہے جس کے معنی رحمت کے ہیں "یار" سے مراد حق تعالیٰ ہے پس اس فقرہ کے معنی یہ ہوئے کہ:

"اے اللہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما"

اس مردِ عالم نے یہ تاویل سُنی تو دنگ رہ گیا اور کہنے لگا کہ ہم نے علم بے فائدہ پڑھا

اور عمر ضائع کی ؎

نگاہِ فکر سے دیکھ اے معلم سادہ لفظوں کو
کہ ہر نقطہ ہے اک خورشید اسرارِ الٰہی کا

ایک روز مراتب پیر و مرید کے متعلق گفت گو تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور مرید کے چار درجے ہیں:

پہلے درجہ میں مرید مثل میت ہوتا ہے اور مرشد مانند غسال۔ میت کو کوئی اختیار نہیں ہوتا نہ کوئی حرکت ہوتی ہے۔ غسال جس طرح چاہتا ہے اُسے اپنے حسب مرضی دھوتا ہے اور غسل دیتا ہے جس طرف سے چاہتا ہے اس کے جسم کو اُٹھالیتا ہے جہاں چاہتا ہے پانی ڈال دیتا ہے۔ غرضکہ طہارت بذمہ غسال ہوتی ہے۔

دوسرے درجہ میں مرید مثل بچے کے ہوتا ہے اور پیر مثل مادر مہربان۔ بچے کا بھروسہ اور دار و مدار تمام ماں پر ہوتا ہے اور اسے کسی دوسرے کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ میت کے برخلاف روز نجاست و بول ماں کے بدن پر کرتا ہے اور ماں اُسے دھوتی ہے۔ وہ میت کے برخلاف نشست و شو کے وقت روتا بھی ہے اور اگر وہ کسی تکلیف سے روتا ہے تو اس کی دوا وغیرہ بھی ماں کے علم و تشخیص پر موقوف ہوتی ہے جو دوا دیتی ہے۔ ماں چونکہ ابتدا سے اس کے حال سے واقف ہوتی ہے اس لیے اگر تمام دنیا کے حکماء بھی جمع ہوجائیں تو اس کی طرح اس بچہ کے مرض کی تشخیص نہیں کر سکتے۔ بچہ جب عالمِ خواب میں روتا ہے یا اس کے بھوک لگتی ہے تو دودھ کے جوش سے ماں کو خبر ہوجاتی ہے اور وہ اسے دودھ پلا کر سیر کر دیتی ہے۔

تیسرے درجہ میں مرید مثل مریض ہوتا ہے اور مرشد مثل حکیم۔ حکیم کو مریض کے حق میں ہمیشہ دو باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ایک تو پرہیز اشیائے مخالف سے دوسرے اپنے علم کے مطابق دوا دینا۔ بیمار کے حق میں جو تدبیر نفع پہنچانے والی نظر آتی ہے وہ کی جاتی ہے۔ (اس جگہ کسی نے پوچھا کہ حضور اگر دو چیزیں مریض کے لیے مفید ہوں۔ ان میں سے ایک افضل ہو اور ایک ناقص، جیسے لعاب جو اور سکنجبین۔ دونوں دافع صفرا ہیں اور قوت بخشی میں حکیم لعاب جو دیتا ہے اور سکنجبین لعاب سے افضل ہے تو مریض سکنجبین حکیم سے طلب کرے یا نہ کرے۔ فرمایا کہ سکنجبین کی خاصیت ہے کہ وہ ریزش بڑھا دیتی ہے۔ مریض کے حق میں مفید نہیں ہوتی)۔

چوتھے درجہ میں مرید مثل امیر اور آقا کے ہوتا ہے اور مرشد مثل خادم کے۔ جو جگہ دھونے کے لیے کہتا ہے مرشد وہی دھوتا ہے اور جہاں پانی ڈالنے کا اشارہ کرتا ہے وہیں ڈالتا ہے۔ اُس کے کہنے سے زیادہ کوئی کام نہیں کرتا۔ (چونکہ اس درجہ میں پہنچ کر مرید صاحب اختیار ہوتا ہے اس لیے پیر اس کے تمام کاموں کو اپنے ذمہ نہیں لیتا۔ جتنا وہ کہتا ہے اتنا ہی کام کرتا ہے)

ایک روز ارشاد ہوا کہ دو مرید اپنے مرشد کی خدمت میں چلے۔ ایک نے راستے سے مسواک لے لی۔ جب خدمت شیخ میں پہنچے تو ایک نے سو روپیہ نذر کیے اور دوسرے نے وہی مسواک۔ لنگر تقسیم ہونے کا وقت ہوا تو کھانا بھی ان دونوں کو تفاوت سے ملا۔ یعنی جس نے سو روپیہ دیے تھے اُسے زیادہ اچھا اور بہتر کھانا دیا گیا۔ اُس دوسرے مرید نے اپنے دل میں کہا کہ مرید میں بھی ہوں اور یہ بھی۔ مجھے تو خشک روٹی

دی اور اُسے اچھے کھانے ۔ شیخ نے نورِ فراست سے یہ بات معلوم کرلی اور کہا کہ تفاوت تم لوگوں میں ہے مجھ میں نہیں ۔ تو نے راستے سے ایک مسواک اُٹھالی اور سب مجھے نذر کی ۔ دوسرا شخص نجار ہے ۔ دو برس کے بعد آیا ہے ۔ روز اپنی مزدوری میں سے دو تین پیسے ہمارے لیے الگ رکھ لیتا تھا ۔ جب سو روپیہ ہو گئے تو نذر کر دیے مگر اتنے عرصہ تک اپنے ہر کام اور ہر حال میں ہمارا خیال اس نے ضرور رکھا ۔ اب ہم اس کا اتنا بھی لحاظ نہ رکھیں ۔ جتنا تو نے ہمیں یاد کیا ہم نے بھی تجھے یاد کرلیا ۔

(معلوم ہوا کہ اعتقاد مرید میں کمی ہو سکتی ہے ۔ عطائے پیر میں نہیں ہو سکتی)

ارشاد ہوا کہ قناعت کم کھانے اور پہننے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو نفس کے حق میں بخیلی ہے ۔ قناعت یہ ہے کہ امرِ حق کی پیروی کرے اور نہی سے پرہیز کرے نفس اور خواہشوں کے کہے میں نہ آئے ۔ عَزَّ مَنْ قَنَعَ وَ ذَلَّ مَنْ طَمَعَ سے یہی مراد ہے یعنی جس نے قناعت کی اس نے عزت پائی اور جس نے طمع کی وہ ذلیل و خوار ہوا ۔ جب بندہ صبر و قناعت میں مستحکم ہو جاتا ہے تو درگاہِ الٰہی میں منظور کر لیا جاتا ہے ۔ فرشتوں کو حکم ہوتا ہے ۔ ساتوں آسمانوں پر منادی کر دیں کہ یہ بندہ ہماری درگاہ میں مقبول ہے ۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اب زمین پر جا کر ندا کریں تا کہ اہلِ دل ہر جانب سے آ کر اس کی زیارت کریں ۔ جو لوگ اس ندائے غیب کو نہیں سنتے وہ اس بندۂ مقبول کی زیارت سے محروم رہتے ہیں ؎

شیر نر بوسد بلبها پائے مردِ قانعے
مادہ سگ خاید بدنداں پائے مردِ ہر درے

ارشاد ہوا کہ درویش کو چاہیے کہ جلالِ الٰہی سے خائف رہے اور اس کے فضل سے امید رکھے۔

الایمان بین الخوف و الرجاء۔ — ایمان خوف اور امید کے بین بین ہے۔

خدائے تعالیٰ بے نیاز ہے۔ کبھی بیگانوں کو دوست بنا لیتا ہے ؎

گہ آرد خلیلے زبت خانۂ
کند آشنائی بہ بیگانۂ

اور کبھی یگانوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے ؎

ہکسے حرف یگانے کولوں بیگانہ ہو جاندا — ہکسے نقطے مجرم تھیندا محرم سو درمیاندا
مجرم محرم ہکو صورت ہیں مراں اس ہادے — مت اوہ نکتہ مجرم والا محرم دے سر آوے

ارشاد ہوا کہ ہر کمال کو اندیشۂ زوال ہے اور ہر زوال کو امیدِ کمال۔ پھر فرمایا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ یعنی ہر تکلیف کے بعد آرام کی اُمید ہے۔ یہ واقعات قضائے الٰہی سے ہیں جو ہر شخص پر وارد ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ واقعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جنگِ اُحد میں وارد ہوا تھا کہ ان کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا اور اصحابِ کبار میں تفرقہ پڑ گیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر لٹا دیا اور تھوڑی دیر بعد پھر سوار کر دیا۔ پوچھا کہ اے جبرائیل علیہ السلام اس میں کیا حکمت تھی۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اس وقت اُسی حال میں قائم رہتے تو حادثہ تھا

الٰہی آپ پر بھی وارد ہو جاتا لیکن جب آپ مقتولین میں سو گئے تو وقت نکل گیا۔ عجز و انکسار عصمت و رحمت کا وسیلہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بندہ جو کچھ اپنے اختیار و تدبیر سے کرتا ہے وہ وسوسہ ہے ؎

یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ چوں خواندہٗ

پس چرا در وسوسہ در ماندہٗ

بندہ کو کیا خبر کہ کوئی کام اس کے حق میں مفید ہے یا مضر۔ جب حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی طالبِ دُعا ہوتا تھا تو آپ فرماتے تھے۔

"تیکو میکو اللہ آپے والوں کرے"

ارشاد ہوا کہ بندہ نقشِ حباب کے مانند ہے۔ جہاں سے پیدا ہوا ہے پھر وہیں جانا پڑے گا اس لیے کہ حباب گو تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ ہوتا ہے مگر سرکش ہو جاتا ہے اور اپنی ہستی کا دم بھرنے لگتا ہے لیکن پھر پانی میں گم ہو جاتا ہے۔ پھول جب تک شاخ میں قائم رہتا ہے وہ اس کی ہستی ہوتی ہے اور جب شاخ سے ٹوٹتا ہے تو یہ اس کی فنا ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خدمتِ مرشد میں رہ چوں برگِ گُل ہمراہ قند

فیضِ صحبت کب ملے جبتک نہ ملیے ٹوٹ ٹوٹ

فرمایا کہ پھول پہلے شاخِ ہستی سے ٹوٹتا ہے پھر اس کے پتے جدا کیے جاتے ہیں پھر ان پتوں کو قند میں ملا کر ملتے ہیں۔ پھر چالیس روز تک دھوپ میں رکھتے ہیں

جو اس کا چلہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر کوئی انہیں قند سے جدا نہیں کر سکتا۔ دورنگی اُٹھ جاتی ہے اور اسم وصفت دونوں مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح رابطۂ یگانگی پیدا ہو جاتا ہے۔ فنافی الشیخ اور فنافی الرسول یہی ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو جو اس کی بشریت کے عادات اوصاف کا مرکز ہے تبدیل کر دے اور اس کی عادتوں میں سے کوئی عادت باقی نہ رہے ؎

بندگی اور حق پرستی کچھ نہ ہونا ہے نیاز
کچھ نہ ہونے کے سوا اور حق پرستی کچھ نہیں

پھر فرمایا کہ دریا اگرچہ بے بہا ہے تاہم ممکن نہیں کہ وہ اپنے طریقۂ روانی کو بدل سکے۔ اسی طرح یہ بہت ہی مشکل ہے کہ انسان اپنی خودی اور عادات میں تبدیلی کرلے حدیث شریف ہے اَلْعَادَۃُ لَا یَرُدُّ اِلَّا بِالْمَوْتِ، اس کی موت یہی ہے کہ وہ اپنی عادت سے پھر جائے۔ پھر اس وقت اگرچہ وہ دوسروں کی نگاہوں میں اپنی شکل وہستی سابقہ پر نظر آتا ہے لیکن وہ زبانِ حال سے خود کہنے لگتا ہے

میں ہو یا تن ہور تن مینوں کون پچھانے ؎

اسی طرح لوہا ہے کہ جب اس کو آگ میں پگھلاتے ہیں اور نرم کر دیتے ہیں پھر اُسے کوٹتے ہیں تو اس سے جو چیز چاہتے ہیں بنا لیتے ہیں۔ اگر ٹھنڈے لوہے کو کوٹیں تو اُس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو۔

ایک روز ارشاد ہوا بندہ کو چاہئے کہ اپنے تمام کام خدا کے سپرد کر دے اس لیے

کہ خدا اپنے بندوں کے کام خود بہتری کے ساتھ انجام دیتا ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔ امن و آرام صرف تسلیم میں ہے ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

سعی کی زحمتیں نہ لے فکرِ حصولِ کار سے
کام سب اپنے چھوڑ دے قبضۂ کارساز میں

ایک روز کسی نے عرض کی کہ حضور متاخرین کی کتابیں جو تصوف میں لکھی گئی ہیں جب ایک بار دیکھ لی جاتی ہیں تو پھر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا مگر متقدمین کی کتابیں جتنی مرتبہ دیکھی جاتی ہیں اتنی ہی مرتبہ نیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ متقدمین کی باتیں دیدہ ہیں نہ کہ شنیدہ۔ شنیدہ باتوں کی مثال یہ ہے کہ روزہ دار غسل کرے، یا کلیاں کرے، یا کپڑا تر کرکے جسم پر ملے تو اس کی پیاس نہیں بجھ سکتی وہ بدستور پانی کا محتاج رہے گا اور جو خود محتاج ہوگا۔ دوسروں کو بے احتیاج کس طرح کر سکے گا۔ ہاں شنید دید کا باعث ہوتی ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار شود

جس نے وصال کا آبِ صاف پی لیا اس کی تشنگی جاتی رہی پھر اُسے مطالعۂ کتب کی ضرورت نہیں۔

ارشاد ہوا کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں دو درویش آئے اور کہنے لگے ہمیں ایک مسئلہ میں اختلاف ہے فیصلہ کر دیجیے۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان المشائخ اور ایک اور درویش کو بھیجا کہ ان کا فیصلہ کر دو۔ پس وہ دونوں درویش ادب اور نرمی کے ساتھ باہم گفتگو کرتے رہے جس سے جوش و تعصب کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔ ایک بولا کہ میں نے ان کی خدمت میں یوں عرض کیا، دوسرا بولا میں نے یوں کہا۔ بس دو باتوں میں ان کا فیصلہ ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔ یہ دونوں درویش بابا صاحبؒ کی خدمت میں واپس آئے اور پوچھا کہ یہ فرشتے تھے یا انسان۔ فرمایا یہ صوفی تھے تعلیمِ ادب کے لیے تمہارے پاس آئے تھے ؎

خموش اے دل بھری محفل میں چلاّنا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

آپ نے ارشاد فرمایا صوفی وہ ہے کہ جوش و تعصب کا اثر اس کے چہرہ سے ظاہر نہ ہو اور اس کے گلے کی رگیں نہ پھولیں یعنی ہر بات میں نفس اور طبیعت مغلوب رہیں۔

ارشاد ہوا کہ جسے نعمتِ فقر مل گئی اگر اس نے صبر و شکر کے ساتھ اس کی حفاظت کی تو اس میں زیادتی ہو گی اور اعتقاد قوی ہوتا چلا جائے گا اور جس نے اپنی نعمت کو برباد کر دیا اور دوسروں کے دروازے کھٹکھٹانے لگا اُسے کوئی کچھ نہ دے گا ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اس لیے کہ بیٹا وراثتِ پدری میں حصّہ گیر ہو سکتا ہے نہ یہ کہ جہاں مال و دولت کا انبار دیکھے وہیں زبردستی کرنے لگے۔

ایک دن ارشاد ہوا شیطان کا کام ہے کہ نفع دنیا کے فریب میں مبتلا کر دیتا ہے اور غلط راستے دکھا کر انسان کو لغزش میں ڈال دیتا ہے۔ پھر نہ دین رہتا ہے نہ دنیا ملتی ہے اور جب دین کی نعمت زائل ہو گئی تو دنیا کیا کام آ سکتی ہے ؎

ملک دنیا را بقائے نیست انتم غافلون

جہد کن تا تو نہ مانی در صفِ لا یعلمون

اسی موقع پر ارشاد فرمایا کہ بہت سے خاندان، جنہوں نے شیاطین کا راستہ بند نہ کیا، خراب ویران اور برباد ہو گئے۔ ان کی تمام شان و عزت میں فرق و زوال آ گیا جیسا کہ شاہ صاحب زرد چھپّر والا کا خاندان بہت ہی بڑا خاندان تھا۔ پختہ مکانات کوسوں تک بنے ہوئے بے شمار عمارتیں اور شتر خانے موجود تھے۔ پردہ کا یہ حال تھا کہ حقیقی بھائی ایک دوسرے کے گھر نہیں جاتے تھے، روضۂ شریف نہایت عالی شان تھا، ہر قسم کی عزت اور بزرگی بے حد و نہایت تھی۔ پس یہ لوگ دوسروں کے کہنے سننے میں آ گئے۔ جائیداد کی وجہ سے بھائیوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ ایک دوسرے پر دعویٰ کر بیٹھے، وکلاء وغیرہ کا خرچ حد سے بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ جائیداد گرو ہو گئی۔ قرض بڑھ گیا۔ قرضداروں سے منہ چھپانے لگے۔ غرضیکہ زوالِ نعمت لاحق ہوا اور وہ تمام عزت و شان نابود ہو گئی

ارشاد ہوا کہ ایسا ہی حال ایک اپنے برادرِ طریقت کا ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب سیالوی کی جیسی خدمت اس نے کی کسی نے نہ کی ہو گی۔ سیال شریف میں بنگلے بنوائے، ایک عجیب باغ لگوایا۔ ہر سال دس بارہ مانی غلہ لنگر شریف میں بھیجتا رہتا تھا۔ سرائے کی عمارت شروع کرائی تھی۔ خرچ کی ضرورت ہوئی تو یہاں آیا۔ کسی بنیے نے اس کو قرض نہ دیا۔ دو روز تک ہماری مسجد میں پریشان پڑا رہا۔ آخر اپنی عورت کا زیور گرو رکھ کے روپے لیے اور سرائے کی عمارت پوری کی۔

حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت سجادہ نشین صاحب سے اس کا رسوخ بڑھ گیا۔ چھوٹے صاحب زادہ صاحب کو گمان ہوا کہ یہ شخص کہیں ہم بھائیوں بھائیوں میں فساد برپا نہ کر دے۔ اس سے بیزار ہو گئے۔ ہر چند اس نے عاجزی اور منت وزاری کی اور تین سو روپیہ نذر بھی دیے لیکن ان کا خیال نہ بدلا۔ جب چھوٹے صاحبزادے اسے کوئی خط لکھتے تو سطروں پر ایک خط کھینچ دیتے تھے جس سے نشانِ رنجش ظاہر ہوتا تھا۔ آخر شخص مذکور کہیں سفر میں مر گیا۔ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی قبر کس ویرانے میں ہے تاکہ کوئی اس پر فاتحہ تو پڑھ دے۔

زکوٰۃ کبریتِ احمر کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ایک مکان اور ایک وقت اس کے لیے درکار ہے۔ غسل با طہارتِ کامل اور با مسواک واحتیاط کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ غسل کرتے اور پڑھتے وقت کوئی دیکھ لے۔ سارے جسم کے لیے صرف ایک چادر کافی ہے۔ تین گز کی جانماز، پانچ گز کا صافہ ہونا چاہیے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ یہ بھی از قسم احرام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ احرام حاجیوں کے احرام پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ جو فوائد اس

احرام میں حاصل ہوتے ہیں وہ اس میں حاصل نہیں ہوتے۔ پھر جس کے وضو میں کوئی خلل نہیں پڑتا اُسے بڑی لذت حاصل ہوتی ہے۔

ایک روز حافظ دین محمد صاحب ڈرہالوی کے اوصاف بیان فرماتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ حافظ صاحب کہتے تھے "میں آٹھ برس حضرت خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا ہوں۔ اس زمانے میں آپ کے جسم مبارک کو صاف کرتا اور مالش کرتا تھا۔ وہاں ہر کام پر ایک فقیر مقرر تھا۔ چنانچہ ایک صرف تہ بند پاک کیا کرتا تھا۔ خلل بول کی وجہ سے حضرت صاحبؒ ہر نماز کے وقت نیا دُھلا ہوا تہبند استعمال فرماتے تھے۔ اس آٹھ سال کے زمانے میں میری گذارش صرف یہی تھی کہ، "عشق کا ایک قطرہ عنایت کر دیجیے" ایک دن حضرت صاحبؒ خوش تھے میں نے پھر عرض کی۔ فرمایا میرے پاس آؤ۔ میں قریب پہنچا۔ آپ نے میرا کان پکڑ کر کھینچا اور زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا "تھی ویسی" یعنی تو عاشق ہو جائے گا"

آپ نے فرمایا کہ حافظ صاحب موصوف جب ہمیں سوتا دیکھتے تو کہتے کہ خیریت ہے اور بدن ملنے لگتے۔ پھر کہتے کہ ان دونوں ہاتھوں کو ایک خواجہ بزرگ کا جسم ملنے کا شرف حاصل ہے کیا ان کی برکت سے کسل رفع نہ ہوگا۔ ایسا ہی ہوتا۔ ان کے مالش کرنے سے بدن چست ہو جاتا۔ ان کی عادت تھی کہ تجارت کے بہانے سے جابجا پھرتے رہتے تھے۔ چونکہ انہیں حضرت خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے اذکار بے حد یاد تھے اس لیے ہم اُن سے کہتے کہ آپ یہیں رہا کریں کہیں جایا نہ کریں۔ وہ کہتے کہ ہماری طبیعت ایک جگہ نہیں لگتی۔ ایک دفعہ سفر کا ارادہ کیا۔ ہم نے منع کیا

مگر نہ مانتے۔ دوسرے دن خود آئے اور کہنے لگے کہ اب ہم سفر کو نہ جائیں گے۔ ہم نے خواب دیکھا ہے کہ حضرت صاحبؒ تونسوی اور حضرت خواجہ سیالوی علیہ الرحمۃ یہاں ان پتھروں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ہم سے پوچھتے ہیں تو یہاں کب آیا ہے ہم نے کہا ہم تو یہیں رہتے ہیں۔ فرمایا کہ اچھا یہیں آرام کرو۔ پھر ہم نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں تو فرمایا کہ یہی جگہ ہماری بھی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ہم نے از روئے ادب ان دونوں پتھروں کو بنیادِ مسجد میں چھپا دیا ہے تاکہ کوئی اور ان پر نہ بیٹھے۔ حافظ صاحب موصوف نے ایک مدّت کے بعد سفرِ حج کا ارادہ کیا۔ ہم نے کہا کہ حضرت صاحبؒ کی اجازت کے بغیر حج کے لیے جانا مناسب نہیں۔ پس وہ تونسہ شریف پہنچے۔ وہاں جاکر ارادۂ حج ان کے دل سے نکل گیا۔ جب تونسہ شریف سے لوٹے تو خوشاب پہنچے وہاں بیمار ہوئے اور مر گئے۔ بڑے نیک مرد اور حضرت صاحب قدس سرّہ کے سچے عاشق تھے۔

ارشاد ہوا کہ مولوی احمد الدین تونسوی خلیفہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو استغراق بدرجۂ کمال تھا اور گانا بھی سنتے تھے اور وحدانیت مشہود کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی ادنیٰ عورت بھی سامنے آتی تو آپ تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ایک دن مولوی صاحب کے مکان پر لڑکے غزلیں گا رہے تھے اور ان کے مریدوں میں سے ایک نواب صاحب بھی اس مجلس میں حاضر تھے۔ حاسدوں نے اس بات کی شکایت کی۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے پوچھا کیا ہے کہ مولوی صاحب کے مکان پر شریعت

کی بے حرمتی ہوتی ہے کہ لڑکے رباب پر غزلیں گاتے ہیں۔ پس حضرت خواجہ صاحب تونسوی علیہ الرحمۃ کو غیرت آئی اور آپ کی زبان سے یہ کلمے نکل گئے۔

"مولوی اندھا تھی گیا و نواب پگلا تھی گیا"

یعنی مولوی اندھا ہو گیا اور نواب دیوانہ ہو گیا۔ ادھر تو یہ کلمات حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی زبان سے نکلے اُدھر مولوی صاحب نابینا اور نواب صاحب دیوانے ہو گئے لباس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا لیکن اور کسی قسم کے نقصانات سے محفوظ رہے البتہ یاغستانی مخلوقات کی رجوعات کم ہو گئی اور لنگر موقوف ہو گیا۔ تاہم ان کے مرنے کے بعد یاغستانی اب تک تونسہ شریف میں آکر اُن کا عرس کرتے ہیں۔

ارشاد ہوا درویش کو چاہیے کہ مجرد رہے اور حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ درویش اور سپاہی کو کمر بستہ سونا چاہیے۔ سپاہی جب ہتھیار بدن سے جدا کر کے سوئے گا تو غنیم کو اس پر قابو پانے کا موقعہ مل جائے گا اور ہلاک کر ڈالے گا۔ اسی طرح اگر درویش کمر کھول دے گا اور برہنہ مباشرت میں مشغول ہو گا تو دشمن اس پر قوی ہو جائے گا اور پھر بڑی کوششوں کے بعد اپنی حالت سابقہ پر لوٹ سکے گا۔

ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت صاحب درویشوں کا نکاح پسند نہیں فرماتے تھے جو درویش وہاں مقیم تھے وہ سب مجرد تھے۔ ایک درویش تھا مھدی اُس نے اس قدر ریاضت و مجاہدہ کیا تھا کہ بارہ برس تک کھانا نہ کھایا تھا جنگل میں دستخوں

کے پتے کھاتا تھا، ایک غار میں چھ مہینے کا چلہ کرتا تھا۔ اتفاقاً رئیسِ شہر کی لڑکی اس پر عاشق ہوگئی اور پیچھے پڑ گئی۔ مہدی نے امتحاناً اس سے کہا کہ اپنے سر کے بال کاٹ ڈال، منہ سیاہ کر اور میرے ساتھ چلی آ۔ اس لڑکی نے ایسا ہی کیا۔ مہدی نے کہا میں کھانا نہیں کھاتا ہوں اگر تو نے مانگا تو کہاں سے لاؤں گا۔ لڑکی نے کھانا بھی ترک کر دیا۔ چھ مہینے تک کچھ نہ کھایا۔ اب درویش کو اطمینان ہو گیا کہ ہم دونوں جہاں کہیں جائیں گے بے کھائے پیئے رہ سکیں گے۔ اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ جب حضرت صاحب کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا "سوہرا (کمینہ) تمام عمر روزہ رکھا اور عصر کے وقت توڑ ڈالا۔"

آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نکاح نہیں کیا تھا مگر جب آپ کی ریش مبارک سفید ہو گئی تو ان کی والدہ ماجدہ نے حضرت خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت مانگی اور کہا کہ میرا ایک اکلوتا لڑکا ہے مگر اُسے شادی کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ میں بڑھیا ہو گئی ہوں۔ بغیر عورت کے گھر ویران ہے۔ مہمانوں کی خدمت بغیر عورت کے نہیں ہو سکتی۔ پس حضرت خواجہ صاحبؒ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے شادی کی۔ پھر جب وہ فوت ہو گئیں تو لوگوں نے نکاحِ ثانی کا تقاضا کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے پہلی شادی بھی اپنی خوشی سے نہ کی تھی۔ حضرت صاحب کے حکم و اجازت سے کی تھی۔ اب بھی ہمیں خواہش نہیں ہے۔

ایک روز قاضی دین محمد صاحب نے عرض کی کہ میرا بھائی سیّد میر دانتوں کے درد میں مبتلا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز نفل پڑھے اور اس کا ثواب حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح کو بخشے تو درد دور ہو جاتا ہے۔ میاں محمد اشرف نے کہا کہ میں نے تمام عمر بہ نماز پڑھی ہے رہیرے سب دانت ٹوٹ گئے ہیں لیکن کبھی مجھے درد دندان کی شکایت نہیں ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جُبّہ مبارک حضرت عمر اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم کو دیا اور فرمایا کہ قرن میں اویس نامی ایک شخص ہے اُسے تلاش کر کے یہ جبہ دے دینا اور میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ جُبّہ پہن کر آمرزشِ اُمت کے لیے دُعائے خیر کرے۔ بعد وفات سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ یہ دونوں حضرات ولایتِ یمن میں پہنچے اور باشندگان قرن سے اویس کا نام ونشان پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ اس نام کا یہاں ایک دیوانہ ہے جو امرائے قرن کے اونٹ وادیوں میں چرایا کرتا ہے لیکن کسی سے بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ دونوں اصحاب اس وادی میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک شخص کنارِ آب نماز میں مصروف ہے اور اونٹ اس کے ارد گرد چر رہے ہیں۔ اس کے پاس پہنچے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سلام کیا۔ اُس نے سلام کا جواب دیا اور پھر نماز میں مشغول ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد یہ لوگ بولے کہ اے مردِ خدا ہم لوگ اصحابِ رسول ؐ سے ہیں، تیری ملاقات کو آئے ہیں۔ اویسؓ نے کہا میں نے تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا ہے۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ گیا تھا۔ وہاں نبی صلعم سے ملاقات نہ ہو سکی، میری ماں نے دیر کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ محرومِ نیاز چلا آیا۔ اپنے تمام دانت دکھائے جو ٹوٹے ہوئے تھے۔ کہنے لگا کہ

مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کونسا دندان مبارک شہید ہوا ہے اس لیے میں نے اپنے تمام دانت توڑ ڈالے۔ تمہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درستی کا دعویٰ ہے پھر تم نے یہ سنت ادا کیوں نہ کی؟ پھر کہا اچھا کوئی اور نشان دکھاؤ۔ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جُبّہ مبارک اس کے سامنے رکھ دیا اور دُعائے آمرزش اُمت کا پیام جو جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اُسے سُنایا۔ پس جناب اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ جُبّہ مبارک پہن لیا اور سر بسجدہ ہو کر دعا کی۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہمارے لیے بھی دُعا کیجیے۔ فرمایا دُعائے نماز میں تم بھی شامل ہو۔ پھر جبّہ مُبارک آتار دیا۔

آپ نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ جو شخص دو رکعت نمازِ نفل کا ثواب ان کی روح کو پہنچاتا ہے دانتوں کے درد سے محفوظ رہتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ جا کر واپس آ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ تم لوگوں میں سے کسی نے اس شکل وصورت کا آدمی مدینے میں دیکھا ہے۔ لوگوں نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جس کسی نے اسے دیکھ لیا ہو گا وہ بخشا جائے گا اور اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے مقبولِ خدا اور مردِ عاشق مزاج تھے۔ ان کے بہت سے اشعار مقبول ہیں اور یہ رباعی تو ان کی بہت ہی منظور و مقبول ہے ؎

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

جب کبھی پڑھتے تھے بار بار جناب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے حکم ہوتا تھا کہ خوب کہا ہے، پھر پڑھو۔ فرمایا کہ وہ صورت پرست تھے۔ جہاں کہیں کوئی خوبصورت لڑکا نظر آتا اس پر عاشق ہو جاتے لیکن اپنا چہرہ برقعہ میں پوشیدہ رکھتے تھے۔ ایک دن حضرت غوث بہاؤ الحق رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے ملتان تشریف لائے۔ غوث صاحبؒ نے آنے کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے میں نے سُنا ہے آپ کا نواسہ بہت خوب صورت ہے اس کے دیدار کے لیے آیا ہوں۔ پس غوث صاحبؒ نے اپنے نواسہ کو فہمائش کی کہ اپنا منہ اس درویش سے چھپائے رکھنا۔ جب وہ خواہش دیدار کریں تو کہنا کہ پہلے تم اپنی صورت دکھاؤ پھر ہم دکھائیں گے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے کہا ایک جگہ خالی کر دو، کی گئی اور آپنے برقعہ چہرہ سے ہٹا لیا لوگوں نے دیکھا کہ رخسارہ کا گوشت گل گیا ہے اور پانی کے دو چشمے آنکھوں سے جاری ہیں اور ہڈیوں میں ایک وحشت ناک صورت نظر آ رہی ہے۔ غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ان کی صورت دیکھ کر ایک حالت طاری ہو گئی۔ کھڑے ہو گئے اور چلانے لگے کہ میں نے آج ایک عاشقِ خدا کا منہ دیکھا ہے جو شخص بارہ دن تک میرا منہ دیکھ لے گا آتشِ دوزخ اس پر حرام ہو جائے گی ؎

نگاہیں مرتعش، لب پر فغاں اور آنکھ میں آنسو
تمہارے چاہنے والوں کی صورت ایسی ہوتی ہے

ایک روز ارشاد ہوا کہ یہ شعر کس قدر اچھا ہے ۔

نسبتِ خود بسگت کردم وبس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

آپ نے فرمایا کہ جب حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بغرضِ سلام حاضر ہوتے تو جوابِ سلام بہ آواز آپ کو ملتا تھا جسے سب سنتے تھے۔ پھر جب رخصت کے وقت روضۂ مطہرہ پر جاتے تو یہ بیت فرماتے ۔

سیدی مرجعی و مولائی
بسفر میروم چہ فرمائی

اس کا جواب آپ کو روضۂ شریف سے اس طرح ملتا ۔

بسفر رفتنت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی

آخری رخصت کے وقت یہ مصرعِ آخری جواب میں نہیں سُنا گیا۔ آپ حجِ بیت اللہ شریف کے طفیل میں کبھی زیارتِ مدینہ منورہ نہ فرماتے تھے بلکہ حج سے واپس گھر آتے تھے اور مدینہ منورہ کی زیارت کو پھر گھر سے جاتے تھے اس لیے کہ کسی دوسری ضرورت کے تحت میں زیارت محجوب کرنے سے خلوصِ عشق نہیں رہتا۔

ارشاد ہوا کہ سید جلال بخاری جب مدینہ منورہ پہنچے تو ساکنانِ حرم نے پوچھا کہ آپ کون ہیں فرمایا میں سیّد ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ سیّد کا رنگ سُرخ و سفید ہوتا ہے سیاہ نہیں ہوتا۔ بعد تکرار آپ نے فرمایا کہ مجھے کچھ خبر نہیں مگر لوگ مجھے سیّد کہتے ہیں

خادمانِ روضہ نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ جب تک آپ کے سید ہونے کی گواہی روضہ شریف سے نہ سُن لیں گے ہم آپ کو نہ چھوڑیں گے۔ پس حضرت سید جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ روضہ مبارک پر پہنچے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں سچا ہوں تو مجھے ان لوگوں کے ہاتھ سے رہائی دیجیے اور اگر جھوٹا ہوں متنبہ کیجیے تاکہ پھر کبھی سید ہونے کا دعویٰ نہ کروں۔ روضۂ انور سے ندا آئی کہ یہ مرد میری اولاد سے ہے اور سید ہے۔ جس کسی کے کان میں یہ آواز پہنچی ذوق و شوق سے بے ہوش ہوگیا پھر تو سب لوگ مرید و مطیع ہونے لگے اور سید جلال رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے رُخصت ہوئے۔

ایک مدت کے بعد پھر مدینہ شریف میں گذر ہوا تو خادمانِ حرم حسبِ سابق ان کے پیچھے پڑ گئے کہ وہ ہی ندا پھر سنوا دیجیے۔ آپنے عذر کیا کہ شاید مجھ سے کوئی گناہ ہوگیا ہو اور پھر اس خطاب سے میں مشرف نہ ہوسکوں اور اس طرح عظمتِ سابقہ بھی ہاتھ سے جاتے مگر لوگوں نے نہ مانا۔ آخر آپ نے التجا کی اور بدستورِ سابق پھر اُسی خطاب سے مشرف ہوئے۔

ایک دن ارشاد ہوا کہ جو فنا فی اللہ کا دعوے دار ہو اور اس کا قدم طریق شیخ پر ثابت نہ ہو تو اس کی کچھ اصل نہیں۔ اس لیے کہ جو شخص اوپر چڑھتا ہے اس کا پایۂ زیریں مضبوط ہونا چاہیے۔ بکھنوال کے فتا نامی ایک درویش نے عرض کی کہ ایک شیعہ سید نے آپ کے متعلق شکایت کی۔ میں نے ہر چند اُسے منع کیا مگر نہ مانا۔ آخر میں نے ایک لکڑی اس کی گردن پر رسید کی۔ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ

جلال پوری نے فرمایا کہ تمہیں کچھ نہ کہنا چاہیے تھا اس لیے کہ وہ ہر شخص جو دوسرے کو برا کہتا ہے خود بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔

حدیث شریف ہے کہ اَلْاِنْسَانُ مِرْاٰۃُ الرَّحْمٰنِ یعنی انسان خدائے تعالیٰ کا آئینہ ہے اور آئینہ کی خاصیت ہے کہ اس میں ہر شکل بحالہ نظر آتی ہے۔ اگر کُتّے کے سامنے رکھ دیا جائے تو وہ اپنی شکل اس میں دیکھے گا اور چلّائے گا حالانکہ کتے کو آدمی کی صورت آئینہ میں نظر نہیں آتی۔ غرضیکہ آئینہ میں ہر کوئی اپنی صورت دیکھتا ہے۔ پھر فرمایا کہ فقیر اگر بدی اور ملامت پر صبر کرے تو اس کے حق میں تعریف سے بہتر ہے اس لیے کہ تعریف سے نفس مغرور ہوتا ہے اور ملامت سے اندوہگیں۔ بجز صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ خود خدائے تعالیٰ اور اس کے پیغمبر بھی ملامت سے نہ بچ سکے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مَا نَجَا اللّٰہُ وَالرَّسُوْلُ مَعًا ۔۔۔ مِنْ لِسَانِ الْوَرٰی فَکَیْفَ اَنَا

قِیْلَ اِنَّ الْاِلٰہَ ذُوْ وَلَدٍ ۔۔۔ قِیْلَ اِنَّ الرَّسُوْلَ قَدْ کَھَنَا

ترجمہ:۔ خدا اور رسولؐ زبانِ خلق سے نہ بچ سکے تو ہم کون ہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ خدا صاحبِ اولاد ہے اور کہتے ہیں کہ تحقیق رسولؐ ساحر ہے حقیقتِ حال یہ نہیں ہے مگر اس میں حکمت یہ ہے کہ ان کا درجہ آخرت میں کم نہ ہو ؎

بزہد و توبہ از عذاب بتواں رست

ولے از زبانِ مردم نتواں رست

یعنی زہد اور توبہ کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارا پانا ممکن ہے لیکن لوگوں کی زبان سے

چھٹکارا پانا مشکل ۔

پھر فرمایا کہ ایک دن ابوجہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت موجود تھے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ جناب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ایک آفتاب ہیں کہ موجودات کا ذرّہ ذرّہ عرش سے تحت الثریٰ تک آپ کے نور سے فیضیاب اور بہرہ مند ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو بھی سچ کہتا ہے۔ حاضرین نے عرض کی کہ حضور دونوں کے کلام ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر آپ نے دونوں کو سچ کہہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آئینہ ہوں اور جیسی جس کی صورت ہوتی ہے ویسا ہی اُسے دکھائی دیتا ہوں۔ ابوجہل نے اپنی صورت مجھ میں دیکھی اور اپنی تعریف کی۔ صدّیقؓ نے اپنی صورت مشاہدہ کی اور اس کی تعریف کرنے لگا۔ پس دونوں نے سچ کہا۔ میں جھوٹا کسے کہوں ۔

پھر فرمایا کہ یہ بدگوئی اور ملامت ابتدا سے چلی آتی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جہاں پھول ہے وہاں کانٹا ہے اور جہاں خزانہ ہے وہاں سانپ ہے ؎

بلائے خمار است در عیشِ مُل

سلحدار خار است بر شاہِ گُل

جو فقیر ملامت سے محفوظ ہو سمجھ لو کہ اس کے فقر میں ابھی نقص باقی ہے۔ ایک عالم تصدیعت سے کسی درویش کی خدمت میں گیا۔ راستے میں ہر شخص سے اس درویش کی تعریف سنتا تھا

اُسے سخت تعجب تھا کہ ملامت بھی تو فقیر کے لیے لازمی ہے مگر کوئی اس درویش کی بُرائی نہیں کرتا۔ جب قریب پہنچا تو بھی سوائے تعریف کے اور کچھ نہ سُنا۔ ناچار لوٹ پڑا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہاں گیا تھا کہا فلاں درویش کے پاس گیا تھا اس نے کہا وہ مردِ فقیر نہیں ہے اور طرح طرح کی مذمتیں کیں۔ یہ سُنا تو وہ عالم پھر اس درویش کے پاس حاضر ہوا اور بیعت کر لی۔

ارشاد فرمایا حضرت خواجہ صاحب تونسوی علیہ الرحمۃ نے اپنے ملفوظات میں ارشاد فرمایا ہے ؎

ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
ہر کہ اودر راہِ ما خارے نہد از دشمنی ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

ایک روز آپ وظائف میں مشغول تھے کہ عباس خاں درویش اور مراد بخش پراچہ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بقالوں کی ایک ایک رقم ادا کر دی گئی مگر فلاں شخص کے حساب میں مغالطہ ہے۔ یہ قرض حضرت قبلۂ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کا تھا آپ نے فرمایا ہوش رکھنا چاہیے کہ اس وقت جس سے ہو سکے فرق نہ رہنے دے پھر فرمایا کہ بندہ کے مقدر میں حفاظتِ ظاہری ہے لیکن دلوں کی کدورت کون صاف کرے۔ اسی لیے شریعت کو مقدم رکھا ہے کہ اگر معاملاتِ ظاہری صاف نہ ہوئے تو صفائی باطن کسی کام کی نہیں۔

ایک روز ایک شخص جو جلال پور شریف کا رہنے والا تھا آپ کی خدمت میں

حاضر ہوا اور خوشامد اور چاپلوسی کی باتیں کرنے لگا۔ شاید اس کا دل اندر سے صاف نہ تھا، آپ مسکرائے اور مواعظ و نصائح فرمانے لگے۔ ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کی ہزیمت کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مخالفت رکھتے ہیں۔ دوسری قومیں باہم متفق ہوتی ہیں۔ اتفاق ایک ایسی چیز ہے کہ طرفِ ثانی کو ہزیمت دے دیتا ہے فِی الْجَمَاعَۃِ بَرَکَۃٌ۔ ظاہری معاملات میں بھی اتفاق سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے خونریزیاں بھی اتفاقِ قوم کے سبب سے چھپ جاتی ہیں اور مقدمات کا سُراغ نہیں لگتا ؎

دو دل یک شود بشکند کوہ را
پراگندگی آرد انبوہ را

کسی نے پوچھا حضور اس کی کیا وجہ ہے کہ دوسری قومیں اتفاق رکھتی ہیں اور مسلمان اس نعمت سے محروم ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خطرہ ہمیشہ پاکیزگی کو ہوتا ہے یعنی جو چیز کہ پاک ہے اس میں نقصان کا خطرہ ہے اور اس کی نگہداشت مشکل ہے مطلب یہ ہے کہ اسلام چونکہ ایک پاک مذہب ہے اس لیے ہر جانب سے اُسے نقصان کا خطرہ ہے۔ پلید کو پلید سے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ پھر مسکرا کر فرمایا ؎

گر آبِ چاہِ نصرانی نہ پاکست
جہودے مُردہ می شویم چہ باکست

فرمایا کہ تمام خطرات اور نقصانات صحبتِ بد سے پیدا ہوتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ۔۔۔ پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

اور جو شخص بُرائی کی طرف رہ نما ہو وہ بھی شیطان ہے۔ چاہے انسان کی صحبت میں کیوں نہ ہو اور یہ دنیا والے ایک دوسرے کے شیطان ہیں ؎

اہلِ دنیا چوں سگِ دیوانہ اند ۔۔۔ دُور شو زیشاں کہ بس بیگانہ اند
اہل دنیا چہ کہین وچہ مہیں ۔۔۔ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن

پھر فرمایا کہ شیطان میں بھی یہ قدرت ہے کہ انسانی شکل میں رہزنی کرے لیکن جو شخص بزرگوں کی صحبت حاصل کرتا ہے وہ اس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک عالم تھا جو اُن سے شرف بیعت رکھتا تھا۔ ایک دن راستے میں ایک مردِ وجیہ عصا ہاتھ میں لیے ہوئے، سبز کپڑے پہنے ہوئے اُن سے ملا اور پوچھا کہاں جاتے ہو جواب دیا۔ خدمتِ شیخ میں جا رہا ہوں۔ وہ بولا کہ مجھے تم سے کچھ کام ہے چند مسئلے ہیں جو کسی سے حل نہیں ہو سکے ہیں تم انہیں حل کر دو۔ مردِ عالم نے کہا بتاؤ۔ اس نے چند ادق مسئلے بیان کیے جنہیں خدا کے فضل سے اس عالم نے حل کر دیا۔ اس کے بعد وہ شخص کہنے لگا کہ حقیقت میں تم ایسے عالم ہو کہ تمام دنیا کے علماء کو تمہارے علم سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تم باوجود اس قدر علم کے اس قدر سبک خیال ہو اور ایسے شخص کے پاس جاتے ہو جس میں اتنا علم نہیں ہے اس عالم نے سوچا کہ کہیں یہ وسوسہ شیطانی تو نہیں ہے۔ یہ سوچ کر لاحول پڑھی۔ وہ شخص کچھ دور ہٹ گیا پھر لاحول پڑھی پھر کچھ اور دور ہٹ گیا۔ تیسری مرتبہ لاحول پڑھی تو بالکل غائب ہو گیا۔ جب وہ

خدمتِ شیخ میں پہنچے تو تمام ماجرا بیان کیا۔ شیخ نے کہا عصمت نے تیری یاری کی اور تو ہماری صحبت کی وجہ سے اس کے اثر سے بچ گیا اور اسے بھگا دیا ورنہ علمِ ظاہری کی مدد سے کوئی اس کو دور نہیں کر سکتا۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

ایک روز ارشاد ہوا کہ پیرانِ پیر صاحبؒ کو آسمانِ چہارم پر ایک نور نظر آیا۔ سمجھے کہ یہ نورِ الٰہی ہے اسے سجدہ کرنا چاہیے مگر پھر سوچنے لگے کہ کہیں یہ وسوسہ شیطانی نہ ہو۔ لاحول پڑھی۔ نور چھپ گیا اور ایک آواز آئی کہ تیری تقدیر بلند تھی، بچ گیا ورنہ چار سو اولیائے کامل کو میں نے اس مقام میں کافر کر دیا ہے۔ حضور غریب نوازؒ نے فرمایا کہ خدا جس کو ہدایت کرتا ہے وہ بزرگوں کی برکت سے محفوظ رہتا ہے۔ آپ یہاں تک پہنچے تھے کہ ایک شخص بولا اور کہنے لگا کہ بغیر علم کے ان خطرات سے نجات پانا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ عالم مثل چرواہے کے ہوتے ہیں جو گلّے کو کھینوں یا خطرناک مقاموں سے بچا لیتے ہیں۔ آپ نے اس کی تردید کی اور فرمایا یہ بھی تو ممکن ہے کہ چرواہا سو جائے اور گلّہ کو بھیڑیا پھاڑ کھائے یا چرواہا گلّے کو تلخ پانی کی طرف مائل کرے اور میٹھے اور مفید پانی سے ہٹا دے اور پھر اُسے گلّے کی ہلاکت کا سبب معلوم نہ ہو۔ فرمایا کہ یہ گلّہ بانی عالم ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر قوم اور ہر فرقہ کا ایک گلّہ بان ہوتا ہے حدیث شریف میں ہے کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ چنانچہ والدین اپنی اولاد کے گلّہ بان ہیں لیکن اگر وہ اپنی اولاد کو گمراہی میں ڈالیں یا ایسے کام

میں لگا دیں جس سے حقوقِ الٰہی میں نقصان پیدا ہو یا ان کے سبب سے نماز روزے میں فرق آئے پس ان کے کہنے پر عمل کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے چاہے وہ رنجیدہ خاطر نہ ہو جائیں پھر فرمایا کہ والدین اولاد میں اگرچہ بہت زیادہ یکجائی رہتی ہے لیکن وہ ایک دوسرے کو مدد نہیں پہنچا سکتے یہاں تک کہ کسی کا درد سر بھی دور نہیں کر سکتے اور اگر اس جہان میں کچھ مدد پہنچا بھی سکتے ہیں تو اس جہان میں (عقبیٰ میں) کچھ بھی مدد نہیں پہنچا سکتے۔

پھر ارشاد ہوا کہ عشق و محبت ایسی چیز ہے کہ ذاتِ حق اور ذاتِ پیر کے علاوہ کسی دوسری ذات پر راست نہیں آتا یہاں تک کہ ماں باپ پر بھی عشق بغیر اللہ اور پیر کے وبال ہو جاتا ہے اور والدین کی ذات پر بھی درست نہیں آتا چنانچہ ارشادِ باری ہے:-

لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔	اے وہ لوگو! جو خدا اور اس کے رسول کے گرویدہ ہو اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ کفر سے ایمان کے مقابلے میں محبت کریں۔ اگر تم میں سے کوئی انہیں دوست بنائے گا تو وہ زیاں کاروں میں سے ہے

پھر فرمایا کہ خدا اور پیر دونوں جہان میں دوست اور مددگار ہوتے ہیں۔ وہ بجز مرید کی خیر خواہی کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ والدین کا حق اگرچہ بزرگ ہے لیکن ان پر عاشق ہونا مناسب نہیں ہے اور ان کے حقوق بے شک زیادہ ہیں اسی لیے دو رکعت نفل ترتیب دیے گئے ہیں کہ جو شخص دو رکعتیں حق الوالدین کی پڑھ لے گا وہ ان کے حقوق سے بری ہو جائے گا۔

میاں محمد مظفر ولد میاں محمد اشرف لونڈپوری نے نفل حقوق الوالدین کے پڑھنے اور وقت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ آیۃ الکرسی اور سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنی چاہیے اور یہ دوگانہ اشراق کے نفلوں میں ہے۔ افضل وقت یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب کے قریب پڑھا جائے لیکن جس درویش کو وظائف پڑھنے ہوں وہ بعد وظائف پڑھ سکتا ہے۔ اس کے بعد شخص مذکور نے پھر سوال کیا کہ جب علم نہ ہوگا تو ہدایت کس طرح حاصل کر سکے گا۔ آپ نے فرمایا ہدایت بہر صورت بہتر ہے علم ہو یا نہ ہو۔ اگر ہدایت نہ ہوگی تو علم کسی کام نہ آئے گا بلکہ موجب وبال ہو جائیگا۔ اس لیے کہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ زیادتی علم سے بجائے ہدایت خطرات اور فاسد خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر جو بے علم ہوتا ہے وہ ان سے محفوظ رہتا ہے اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَهْلُ الْجَنَّةِ بُلْهٌ یعنی جنت والے سادہ ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ ایک عالم کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ خدا جو چاہتا ہے، کرتا ہے،

اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے "یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ"
یہ سوچ کر احکام فرائض کو بے فائدہ اور کتب سماوی کو فضول سمجھ کر ترک کر دیا۔ عالموں
نے اس سے بحث کی تو ان سے مغلوب نہ ہوا۔ ایک بزرگ کے سامنے یہ ماجرا بیان
کیا گیا۔ حکم دیا کہ علماء اور امراء کی ایک مجلس منعقد کرو اور مجھے اس میں بلاؤ۔ پس صدرِ
مجلس نے بعد قیامِ مجلس اس بزرگ کو بلایا۔ اس نے مجلس میں آنے سے تاخیر کر دی۔
جب آئے تو وہ عالم مذکور بہت جھنجھلایا کہ آپ نے صاحبِ امر کی اطاعت سے کیوں
اغماض کیا۔ وہ بزرگ بولے کہ معاف کیجیے میں خدا کی قدرت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔
میرے صومعہ میں ایک بہت بڑا دریا جاری تھا، اس کے کنارہ پر ایک درخت پیدا
ہوا اور گھڑی بھر میں بہت زیادہ بلند اور بڑا ہو گیا۔ ناگہاں اس سے کشتی پیدا ہوئی
اور بے ملاح دریا میں خود بخود ہر جانب پھرنے لگی۔ اس عالم کو اور بھی غصہ آیا اور کہنے
لگا آخر آپ اس قدر جھوٹ کیوں بول رہے ہیں۔ اس بزرگ نے کہا، کیا خدا اس پر
قادر نہیں ہے۔ وہ عالم بولا کہ قادر ضرور ہے مگر مسبب الاسباب ہے جو باتیں آپ
نے اس وقت کہیں ان سب کو کسی سبب کے ساتھ ظاہر کر سکتا ہے۔

وہ بزرگ کہنے لگے کہ جب تم خدا کو مسبب الاسباب جانتے ہو تو شریعت
پیغمبر، نماز، روزہ اور دیگر احکام سے جو اس کے افعال واسباب ہیں منحرف اور
منکر کیوں ہوتے ہو۔ اس لیے کہ یہ سب مثل کشتی کے ہیں جو گمراہی کے دریا سے
لوگوں کو نکالتے ہیں۔

وہ عالم کہنے لگا کہ بے شک یہ بات صحیح ہے اور لاجواب ہوا۔ اسی وقت
ایک شخص نے تلوار سے اس کی گردن اڑا دی کہ مبادا اس کے بعد پھر گمراہ ہو جائے اور

کافر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہدایت علم پر منحصر نہیں ہے یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ درویش کو چاہیے کہ ہر وقت اپنے نفس کو ملامت اور سرزنش کرتا رہے تاکہ وہ ذلیل وخوار نظر آنے لگے ؎

ملامت صیقل زنگار عشق است
ملامت شحنۂ بازار عشق است

پھر فرمایا ملامت ایسی چیز ہے کہ کوئی اس پر صبر نہیں کر سکتا مگر شاہ صاحب پیر ترچھتر والا کو میں نے سنا ہے کہ وہ بڑے صاحب کمال تھے۔ اگر کوئی کہتا کہ فلاں شخص نے آپ کی شکایت کی ہے تو آپ فرماتے مجھے اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ مجھے بدی کے ساتھ یاد کرے گا اور شکایت کرنے والے کی بے حد تعریف کرتے کہنے والے سے کہتے کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ جب شاکی کو اس امر کی اطلاع ملتی تو وہ عذر کرتا اور مرید ہو جاتا۔ اس طرح شاہ صاحب مخلوقِ الٰہی کو اپنی طرف کھینچتے تھے اور مطیع بنا لیتے تھے۔

پھر ارشاد ہوا کہ فقیری چار چیزوں میں ہے:

۱۔ قِلَّتُ الطَّعَامِ
۲۔ قِلَّةُ الْمَنَامِ
۳۔ قِلَّةُ الْکَلَامِ

۴۔ قِلّۃُ الصحبۃ مع الانام

اور اسبابِ ظاہری فقر کے منافی نہیں ہوتے۔ بعض اولیاء انبیاء ایسے ہوئے ہیں جن کے مال واسباب کا کچھ حساب نہ تھا۔ چنانچہ نقل ہے کہ حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کا ایک پرانا کرتا تین سو روپیہ میں ہدیہ ہوا تھا۔

ایک دفعہ ہنگامۂ عرس میں میاں محمد اشرف کی چھتری کوئی چرا کر لے گیا۔ انہوں نے از روئے خوش طبعی عرض کی کہ بعض فقرائے نے کشف وکرامت کے زور سے انگوٹھی چرانے والے چور کا پتہ لگا لیا ہے۔ میں بھی منتظر ہوں کہ چور میری چھتری بھی واپس دے جائے۔ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہنسے اور فرمایا کہ وہ لوگ صاحبِ کشف تھے جو چور کو راستے سے واپس لے آئے۔ اگر ہمیں بھی کشف ہوتا تو چور واپس آجاتا۔ میاں محمد اشرف نے عرض کی کہ مجھ میں قوتِ کشف نہیں ہے لیکن یہاں میں حضور کو صاحبِ کشف سمجھتا ہوں حضور نے فرمایا میں حیران ہوں ان فقیروں سے جو پوشیدہ خبریں ظاہر کر دیتے ہیں شاید انہیں پوشیدہ حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ حضور اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض کو پوشیدہ حالات معلوم ہوتے ہیں اور بعض کو نہیں، فرمایا اس میں حکمت ہے۔

شاعروں کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا کہ شعر کہنا بھی امدادِ غیبی سے تعلق رکھتا ہے کبھی تو فوراً طبیعت رواں ہو جاتی ہے اور کبھی مصرع میں بہت سا وقت گذر جاتا ہے۔ مصنف شاہنامہ فردوسی جس کے اشعار مشکل ہیں، ایک مدت اس مصرع پر

انکار رہا۔ ؎

بفرمود شہ اسپ را زین کنند

دوسرا مصرع اس کی زبان پر نہ آتا تھا، اس کی لڑکی نے اس کو بار بار سُنا تو دوسرا مصرع یوں لگا دیا ؎

دُم اندر دُم نائے زریں کنند

ایک دن ارشاد فرمایا کہ درود مستغاث کی زکوٰۃ کے زمانے میں روزہ رکھنا چاہیے وقت اور مکان ایک ہونا چاہیے، مسور کی دال اور گوشت نہ کھائے کہ ان چیزوں سے حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ لہسن اور پیاز کو ترک کر دینا چاہیے کہ ان کی بُو ناگوار ہوتی ہے۔ درود مستغاث پہلے روز ایک مرتبہ پڑھے۔ گیارہ دن تک ایک ایک بڑھاتا جائے پھر کمی کرے اور اکیسویں روز ختم کر دے۔ میاں امیر بخش ملتانی نے عرض کی کہ میں درود شریف میں لفظ "سیدنا" زیادہ کر لیتا ہوں۔ یعنی یوں پڑھتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

فرمایا اس کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ اس درود شریف کی سند یہی ہے کہ صرف بلا سیدنا پڑھا جائے اور جس چیز کی سند ہوتی ہے اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہوتی اور اس درود شریف کو خضری کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جب یہ درود پڑھا جائے تو اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدھے کاندھے کی جانب حاضر و ناظر سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ نظر سے انہیں دیکھنا ممکن نہ ہو۔ اس لیے کہ خدا کو بھی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا، لیکن وہ ہر جگہ ہر حال میں ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔

ارشاد ہوا مرید کی توبہ اس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ وہ توبۃ النصوح کرے
الحدیث اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ جس گناہ سے اس نے توبہ کی ہے
پھر اس کی خواہش اس کے دل میں پیدا نہ ہو۔ آپ نے فرمایا میں نے ملفوظات میں دیکھا ہے
علامت قبولیت توبہ کی یہ ہے کہ جب توبہ کرنے والا خاک کی مٹھی بھرے تو اس کے
ہاتھ میں سونا ہو جائے۔

میاں عمر دین نے عرض کی کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے ایک دن کچھ
عورتیں دف بجاتی اور شعر گاتی حضرت سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے حجرہ
مبارک کی طرف سے گذریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وجد ہوا۔ فوراً جبریل علیہ
السلام نازل ہوئے اور کہا خبردار یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اپنی جگہ سے جنبش
نہ کھائیے گا ورنہ آسمان زمین پر گر پڑے گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ بادشاہ دارا جب
لڑائی میں مقتول ہوا اور سکندر اپنی ران پر اس کا سر رکھ کر بیٹھا تو نزع کے وقت
اس نے کہا ؎

مجنباں مرا تا نہ جنبد زمین

یعنی مجھے حرکت نہ دے ایسا نہ ہو کہ زمین ہلنے لگے۔ پس جب دنیا کے بادشاہ
کا ایسا حوصلہ اور ایسی دلیری تھی تو جو سلطانِ کونین ہو اس میں کہاں تک یہ قوت
نہ ہوگی۔

ایک دن ارشاد ہوا کہ جس وقت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی

رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کی ملاقات کو تشریف لے گئے تو ان کے سامنے کھانا لایا گیا۔ فرمایا نمک کہاں ہے۔ بے نمک یعنی بغیر سرود میں کھانا نہیں کھاتا ہوں۔ ایک شخص پرانا چنگ اٹھالایا اور بجانے لگا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حالت طاری ہوئی۔ آپ کا جسم مبارک گداز پذیر ہوا اور چادر کے نیچے پانی مثل چشمہ نظر آنے لگا۔ اس وقت جناب غوث الاعظم قدس سرہ العزیز اپنے دونوں ہاتھ جانبِ آسمان بلند کیے ہوئے تھے۔ جب خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ حالتِ اصلی پر آگئے۔ مصاحبین نے حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہاتھ بلند کرنے کی حقیقت دریافت کی۔ فرمایا کہ ولی کامل جب وجد میں آتا ہے تو آسمان بھی ہلنے لگتا ہے۔ میں اس وقت اس اندیشہ میں تھا کہ کہیں آسمان نہ گر پڑے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حالتِ سماع میں وصال فرمایا ہے۔ قوال جب اس مصرع کو پڑھتے تھے۔ ؎

"کشتگانِ خنجر تسلیم را"

تو جان جسم سے نکل جاتی تھی۔ پھر جب دوسرا مصرع پڑھتے تھے ؎

"ہر زماں از غیب جانے دیگر است

تو آپ پھر زندہ ہو جاتے تھے۔ آخر بتقدیرِ الٰہی قوال دوسرا مصرع بھول گئے اور خواجہ قطب صاحبؒ شہید ہو گئے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ میاں محمد اسمٰعیلؒ لاہوری جو میاں وڈا کے نام سے مشہور ہیں ہمیشہ درویش ان سے ملتجی رہتے تھے کہ انہیں اولیاء اللہ کی زیارت کرا دیں

ایک دن ایک قلندر دو کُتّے کے پلّے بغل میں دبائے اور بھنگ گھوٹنے کی لکڑی ہاتھ میں لیے مسجد میں چلا آیا اور کہنے لگا میاں وڈا کہاں ہے۔ وہ اس کی آواز سن کر باہر نکلے تو کہنے لگا بھنگ لا دیجیے۔ میاں صاحب نے جلدی سے بھنگ پیش کردی۔ پی اور چلا گیا۔ درویشوں نے پوچھا کہ یہ کون تھا۔ فرمایا یہ قلندر کہتا ہے کہ میں خدا کا ولی ہوں۔ درویشوں نے کہا معاذ اللہ کہیں اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں۔ دوسرے دن ایک شخص مسجد کے پاس سے چنگ بجاتا ہوا نکلا۔ وہ چنگ بجاتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا ع

مجھے قبول نہیں ہے مجھے قبول نہیں ہے

میاں صاحب نے فرمایا جب خصم بلاتا ہے تو قبول کیوں نہیں کرتا۔ درویشوں نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ فرمایا یہ بھی کہتا ہے کہ میں خدا کا ولی ہوں۔ درویش کہنے لگے سبحان اللہ جو شخص نا مشروع ہوتا ہے وہ ہی ولی ہونے کا دعوے دار ہے۔ چند روز کے بعد ایک شخص بصورت متقی مسجد میں آیا اور کہا دو درویش میرے ہمراہ کر دیجیے تاکہ ایک میت کی تجہیز و تکفین کرکے نماز جنازہ پڑھا دیں۔ دو درویش ساتھ کر دیے وہ شخص آگے آگے روانہ ہوا۔ جب مکان کی دہلیز پر پہنچا تو درویشوں سے کہا کہ میں اندر جاتا ہوں تم ذرا دیر میں آنا۔ تھوڑی دیر بعد یہ بھی اندر پہنچے۔ دیکھا کہ وہ شخص تختے پر لیٹا ہوا ہے اور مرا پڑا ہے۔ میت کا تمام سامان، کفن، خوشبو، صابن، غسالوں کا محنتانہ سب تختے پر رکھا ہوا ہے۔ درویشوں کو یقین آگیا کہ یہ شخص ضرور کوئی ولی اللہ تھا۔ تجہیز و تکفین کی اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ پھر تمام واقعہ میاں صاحب کے سامنے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص وہ ہی قلندر ہے جو ایک دن بھنگ پی

گیا تھا اور دوسرے دن چنگ بجاتا ہوا نکلا تھا۔

میاں عمر دین نے دریافت کیا کہ حضور کیا حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں اب بھی لنگر جاری ہے۔ آپ نے فرمایا دو لنگر جاری ہیں۔ ایک زمین ہے جو فقرا کے لیے خریدی گئی تھی اس کے غلہ اور آمدنی سے فقرا کا خرچ چلتا ہے دوم سلطان روم نے بھی وہاں لنگر جاری رکھا ہے۔ میاں مذکور نے پھر کہا کہ ان کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ مثلاً ڈوبی ہوئی کشتی کا بارہ برس کے بعد معہ آدمیوں کے نکلنا اور اس زمانے میں بھی ان کی بکریوں کو جو پیر صاحب کی نذر کی گئی تھیں۔ مہاراجہ جموں کے شیروں نے نہ کھایا بلکہ سونگھ کر چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا صحیح ہے۔ اُس بڑھیا عورت کی اولاد اب تک بغداد شریف میں موجود ہے اور بہت مال دار ہے

حضرت سجادہ نشین درگاہ شریف تونسہ کی کرامتوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ انہوں نے پختہ عمارتیں اثنائے سفر میں بنوادی ہیں۔ چنانچہ مہار شریف اور پاک پٹن شریف کے راستوں میں اپنے ہی بنوائے ہوئے مکانات میں لوگ مقیم ہوتے ہیں اور لنگر کے اسباب سے لدے ہوئے اونٹ اپنے ساتھ رکھتے ہیں ان کے مرید جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں اپنی املاک ان پر فدا کرتے ہیں اور ان پر مفتون ہیں۔ مہار شریف پہنچنے سے پہلے دعوت کے لیے جلانے کی لکڑیوں کے انبار اور غلے سے بھرے ہوئے اونٹ بھیج دیتے ہیں۔ چناں چہ امسال مہدی خاں مرحوم کے رشتہ داروں نے بکریاں اور دودھ دینے والی گائیں، لکڑیوں کے انبار، آٹا

اور دوسری ضروری چیزیں اپنے پہنچنے سے پہلے پاک پٹن شریف بھیج دی ہیں اور ان کی طرف سے یہ دعوت ہمیشہ پہلے ہوتی ہے۔ جب تک مہدی خان زندہ تھے، دس من گھی ہر سال تونسہ شریف کی نذر کرتے تھے جواب بھی مقرر ہے۔ لنگر کے درویش ہر ملک میں گھی وغیرہ خریدنے کے لیے مقرر ہیں، اُن سب کو تنخواہ ملتی ہے بعض مویشیوں کی پاسبانی کرتے ہیں۔ بعض لنگر کا گودام خریدتے ہیں۔ بعض متفرق کاموں پر مامور ہیں اس لیے وہاں کا کارخانہ بہت بڑا ہے یہاں تک کہ موذن کو بھی تنخواہ ملتی ہے اور امام اور معمار و مزدور وغیرہ تونسہ شریف کا روزانہ خرچ تخمیناً پانچ سو روپیہ روزانہ شمار کیا جاتا ہے اور عمارت کسی طرح ختم نہیں ہو چکتی۔ روز ایک نئی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ اس لیے دور و نزدیک کے مرید اپنے وطن سے مع آل و عیال ہجرت کر کے تونسہ شریف میں مدتوں مقیم رہتے ہیں اور اپنے اسباب وغیرہ کے ساتھ مقررہ حویلیوں میں ٹھہرتے ہیں۔ وہاں کے مکانات عجیب ہیں اور بے نظیر ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک مکان میں داخل ہو تو ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ پر چلا جائے گا اور راستہ بھول جائے گا۔ اُسے یہ خبر نہیں رہتی کہ وہ کونسے دروازہ سے داخل ہوا تھا اور کونسے دروازہ سے باہر آیا ہے۔ ایک دن میں تمام مکانات کی سیر بھی نہیں ہو سکتی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک مرد خاص اولاد حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغداد سے اس ملک میں آیا تھا۔ ہر علم کا عالم اور ہر فن کا کامل تھا۔ فقہ، حدیث تفسیر اور شاستر وغیرہ علوم میں اسے درک حاصل تھا۔ ہر علم کی بحث میں ہر گروہ پر

غالب آجاتا تھا۔ برہمن اور پنڈت جو شاستر کے استاد تھے وہ سب اس کے آگے سرنگوں ہوکر خدمت گذار ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے حقہ بھر کر اُسے دیتے تھے اور علمائے اسلام نے بھی اس کے آگے سرِ تسلیم جُھکا دیا تھا۔

چناں چہ سارنگی اور طنبورے کی آواز سننا اس کے نزدیک مسجد میں جائز تھا جب کوئی بحث کرتا تو وہ کہتا کہ نمازِ صوری مسجد میں جائز ہے تو معنوی نماز جائز کیوں نہیں ہے۔ تمام علماء کو عاجز کر دیا تھا اور صفائے باطن اس کو اس درجہ حاصل تھا کہ جس شہر میں پہنچتا اس شہر کی تمام مخلوق چھوٹے اور بڑے بغیر بُلائے اس کے استقبال کو شہر سے نکل آتے۔ وہ مخلوق کا دل صفائے باطن سے جذب کر کے اپنی طرف کھینچتا تھا اور اپنے وجود کی صفائی بمجاہدۂ ظاہر اس قدر رکھتا تھا کہ دولاب چاہ کے درمیان تختے پر لیٹ کر لوٹوں کا پانی منہ سے کھینچتا تھا اور نیچے کی راہ سے باہر بہا دیتا تھا یعنی پانی نادوان کی طرح اس کے اندر سے جاری ہوتا تھا۔

اتفاقاً اس کا گذر تونسہ شریف میں ہوا۔ حضرت صاحبؒ کے متعلق فرمایا کہ یہ مرد وجودی ہے۔ حضرت صاحبؒ سے لوگوں نے عرض کی کہ ایک شخص ایسا ایسا آیا تھا اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ اُس کے بعد امیر نے علماء کو اس کے مباحثہ کے لیے جمع کیا۔ اثنائے بحث میں معلوم ہوا کہ وہ کسی سے مغلوب نہیں ہوتا۔ افغانی قوم کے ایک عالم نے ایک تپانچہ اس کے منہ پر مارا۔ اس نے ہر چند کہا کہ میں مسافر ہوں لیکن سب اس کو مارنے اور نکالنے میں مشغول ہو گئے۔ بعد ازاں جہاں کہیں گیا گمنامی پائی اور اس کی عزت وعظمت سب جاتی رہی۔ اُس کے بعد ایک دن سیال شریف آیا اور حضرت صاحبؒ سے ملاقات کی۔ ایک الگ مکان اُس

کے رہنے کے لیے دے دیا گیا۔ پس وہ قوت و ہمتِ باطنی سے حضرت صاحبؒ کے جذب کرنے میں مصروف ہوا لیکن ہرگز ہرگز کوئی نشان اور خبر اسے نہ ملی۔

جس وقت کہ وہ وجود حضرت صاحبؒ پر اپنی ہمت اور توجہ صرف کر رہا تھا حضرت صاحبؒ کے ایک دوشِ مبارک کو قدرے حرکت ہوئی اس کے بعد وہ شخص خود بخود قدموں میں آگرا۔ سجدہ میں گر پڑا۔ ڈاڑھی مونڈلی اور عذر خواہی کرنے لگا کہ میں نے اپنی اس ہمت سے کسی بنی نوعِ انسان کو بلا کشش وجذب کسی ملک میں نہیں چھوڑا۔ لیکن یہاں میں نے اپنی تمام ہمت صرف کر دی اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ آپ کا مقام کہاں ہے۔ اس وقت مولوی فضل الدین صاحب چاچڑاں والے بعیت وارادت کے لیے حضور میں حاضر تھے۔ جب اس شخص نے حضرت صاحب کو سجدہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ اے مرد کافر ہوتا ہے سجدہ نہ کر۔ وہ خاموش اپنے مکان کو چلا گیا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت آپ نے بھی اُسے منع نہیں کیا کہ یہ کارِ غیر مشروع ہے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے پہلے میں نے یہ کب کہا تھا کہ ڈاڑھی مونڈے۔ وہ کام بھی اس نے خود ہی کیا اور یہ بھی۔ پھر مولوی صاحب مذکور کہنے لگے کہ میں بارادۂ بیعت آیا تھا لیکن اب میرا عقیدہ درست نہیں رہا۔ حضرت صاحب نے فرمایا یہ تمہاری مرضی ہے بیعت کرو یا نہ کرو مگر اس مرد کے سامنے نہ جانا کہ تم اہلِ علم ہو اور وہ اہلِ خدا ہے اور بیباک، مبادا تمہیں ذلیل کرے۔ اس لیے کہ تم نے اس کی تکفیر کا حکم لگا دیا ہے۔ مولوی صاحب چپ چاپ چل دیے۔ نہ معلوم ہمارے لحاظ سے کچھ نہ کہا یا کسی اور سبب سے۔ آپ نے فرمایا کہ قضارا مولوی صاحب اس وقت اس کے مکان ہی کی طرف ہو کر نکلے۔ وہ غصہ میں تھا۔ مولوی صاحب نے

گفتگو کرنے لگا۔ تقریر یا اور حدیثیں جو اس کو یاد تھیں۔ روانی کے ساتھ سنانے لگا۔ مولوی صاحب کے ہوش اُڑ گئے اور طاقتِ جواب مسلوب ہو گئی۔ آخر اس کے سامنے سرِ تسلیم جھکا دیا۔ یہاں تک کہ وہ جہاں کہیں جاتا تھا مولوی صاحب بھی اس کے پیچھے لگے پھرتے تھے اور شاید کلمہ "انت الحق" بھی کہتے تھے، وہ کہتا تھا مولوی صاحب ہوش کی باتیں کرو۔ کافر ہوئے جاتے ہو۔ غرض یہ کہ مولوی صاحب کو ہوش نہ تھا کہ اس سے پیچھا چھڑاتے اور وہ مردِ بغدادی کہتا تھا کہ میں تمام ملک میں پھرا ہوں اور ہر انسان کو مطیع و مغلوب کیا ہے لیکن حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ایک لفظ گستاخی کا کہہ دیا تو میری تمام عزت و عظمت خاک میں مِل گئی اور بے حد خواری و رسوائی اُٹھانی پڑی۔ پس یہاں آکر میں نے اپنی تمام ہمت صرف کر دی اور شرمندہ ہوا داڑھی بھی مونڈ لی کہ شرمندگی کا نتیجہ بھی یہی تھا تم میرا پیچھا چھوڑو اور اُن سے (حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے) عذر خواہی کرو اس لیے کہ تم نے گستاخی کی ہے۔ پس مولوی صاحب حضرت صاحبؒ کی خدمت میں آئے اور بیعت کی لیکن جب تک جیسے ہوش میں نہ آئے اور بجز نماز کوئی وظیفہ بھی نہ پڑھ سکے

پھر ارشاد ہوا کہ وہ مردِ بغدادی خاص اولاد حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ انگریزوں نے بہانے اور چاپلوسی کر کے اُسے اس ملک سے روانہ کر دیا۔

ایک روز بہت سے لوگ حاضرِ مجلس تھے کہ میاں عمر دین آئے۔ جوش کی حالت ان پر مستولی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ سے مستانہ وار گفتگو

کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ خدائے تعالیٰ بھی عبادت کرتا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کیا کہتے ہو۔ کیا خدا نماز پڑھتا ہے۔ فرمایا کہ وہ مقدس اور بے نیاز ہے لیکن بندہ کی عبادت بھی اُسی سے ہے اس لیے کہ خدا کی صفاتِ کاملہ اپنی کلیت واطلاق کی وجہ سے جمیع صفاتِ انسانیہ کی جامع ہے۔ اس طرح اس کی صفتیں صفاتِ انسان کے ضمن میں عین صفاتِ انسان ہو گئیں مثلاً حیات، علم، ارادت، قدرت، سماعت، بصارت اور کلام، اور اس کی تمام صفات کے بالجملہ ایک صفت یہ ہے کہ اوج کلیت و اطلاق سے تنزل کر کے جزئیت کے انحطاط میں تجلی کی ورنہ دیکھتے ہو کہ بعض انسانوں کے کان ہوتے ہیں لیکن شنوائی نہیں ہوتی آنکھ ہوتی ہے مگر بصارت نہیں ہوتی زبان ہوتی ہے مگر کلام نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ سب اسباب ہیں اور خدائے تعالیٰ سمیع ہے مگر بغیر کانوں کے۔ بصیر ہے مگر بغیر آنکھوں کے۔ متکلم ہے مگر بغیر زبان کے۔ پس بندہ کا فعل و قدرت اس کی صورت پر ظہورِ الٰہی کی وجہ سے ہے نہ کہ ان کی وجہ سے۔ اس سے پہلے فرمایا تھا کہ بجائے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" اَنَا بِکَ نَعْبُدُ وَاَنَا بِکَ نَسْتَعِیْنُ" بھی جائز سمجھتے ہیں۔

پھر میاں عمر دین نے کہا کہ خدا آگے پیچھے اوپر نیچے ہر جگہ اور ہر طرف موجود ہے تو پھر دعا کے لیے ہاتھ آسمان کی طرف کیوں اُٹھائے جاتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ خدا آسمان پر ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ تمام تعینات، جہات اور اشارات سے منزہ و مبرا ہے۔ اس کے لیے کوئی مقام اور جگہ مخصوص نہیں کی جا سکتی مگر کوئی جگہ اس کے تصرف سے بھی خالی نہیں ہے۔ دُعا کے لیے آسمان کی طرف جو ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نزولِ رحمت آسمان سے ہوتا ہے

اور کتب انبیاء نیز قرآن مجید آسمان سے نازل ہوئے ہیں اور پھر عرش و کرسی، لوحِ محفوظ، بہشت، ارواح اور فرشتے بھی سب آسمانوں پر ہیں۔ صرف نیچے زمین ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بھی آسمان پہ ہوئی ہے۔ میاں عمر دین نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہمارے وجود کی مانند نہ تھا ؏

ہمہ دیدہ گشتہ چو نرگس نقش

فرمایا کہ وجود رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مثل آنکھ کے تھا کہ آپ ہمہ تن جمالِ حق کا مشاہدہ فرماتے تھے اور اس جہان میں بھی آگے پیچھے ایک سا دیکھتے تھے۔

پھر میاں عمر دین نے پوچھا کہ پیغمبروں کی تمام کتابیں خدا کا کلام تھیں پس ان کتابوں کو کیوں منسوخ کر دیا گیا اور قرآن شریف کا حکم کیوں باقی ہے۔ حضور پُرنور علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ حکم کرنا بادشاہ کا کام ہے۔ وقتاً فوقتاً جو کچھ مصلحت مخلوق کے مناسب سمجھتا ہے حکم کرتا ہے اور قرآن شریف کے باقی رہنے کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک خاتم الانبیاء تھی اور ان کی کتاب (قرآن شریف) بھی تمام پہلی آسمانی کتابوں کا ناسخ تھا پس جب ان نبیوں کی نبوت ختم ہو گئی تو ان کی کتابوں کے اجراء کا حکم بھی منسوخ ہو گیا بلکہ قرآن شریف بھی اپنی ذات کی حد میں ناسخ و منسوخ ہے اور اس کی تمام آیتوں پر حکم جاری نہیں ہے۔

اس موقع پر ایک شخص نے کہا خدا فرماتا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا یعنی جو کچھ ہم منسوخ کر دیتے ہیں قرآن کی آیتوں

میں سے یا بھلا دیتے ہیں دلوں سے تو اس آیتِ منسوخہ سے بہتر آیت لے آتے ہیں یا مانند اُس کے۔ پس میاں صاحب نے بنظرِ جوش اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ تُو نے خدا کو دیکھا ہے؟

حضورِ پُر نور حضرت خواجہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف سے جواباً ارشاد فرمایا کہ وجودِ انسانی میں تین سو ساٹھ اعضا ہیں اور کوئی جگہ روح کے لیے معین نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے۔ درآں حالیکہ کوئی عضو اُس کے تصرف سے خالی نہیں ہے اگر ایک عضو زخمی ہوتا ہے تو تمام بدن بے آرام ہو جاتا ہے اور کسی نے نہیں دیکھا ہے کہ روح کہاں ہے بلکہ وہ تمام وجود پر محیط ہے اور اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔

میاں صاحب نے کہا میں نے لکھا دیکھا ہے کہ بعض اولیاء اللہ نے خدا کو خواب میں دیکھا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہاں بزرگوں نے لکھا ہے مگر یہ کام بہت مشکل ہے اس لیے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک نے ایک نور مشاہدہ کیا سمجھے کہ یہ خدا کا نور ہے ارادہ کیا کہ سجدہ کریں مگر پھر بحکم شریعت لاحول پڑھی وہ نور غائب ہو گیا اور آواز آئی کہ عصمت نے مددگاری کی ورنہ چار سو اولیائے کامل کو میں نے اس مقام پر کافر بنا دیا ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک عابد تھا جو تمام عمر اپنے گرجے میں عبادت کرتا رہا تھا اور ایک فاسق تھا جس نے تمام عمر فسق و فجور

میں صرف کی تھی۔ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس عابد کے پاس آئے اور بیٹھ گئے۔ اُس فاسق نے جب دیکھا کہ عابد کو صحبت پیغمبر نصیب ہے تو توبہ کرنے لگا اور طلب گارِ آمرزش ہوا۔ سوچا کہ میں گناہوں کی وجہ سے نیکوں کے قرب سے محروم ہوں۔ اور کہنے لگا کہ الٰہی مجھے بھی نیکوں کے ساتھ بہشت میں لے جانا۔ اس وقت اس عابد کی نظر اس فاسق پر جا پڑی اور شیطان نے اس کو تعجب میں ڈال دیا کہ یہ فاسق ہمارے پاس کیوں کھڑا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ یا حضرت دعا کیجیے یہ کم نصیب آخرت میں ہمارے ساتھ نہ ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی ہم نے دونوں کی دُعا قبول کی۔ اُس بدکار شخص نے توبہ کر کے مغفرت چاہی ہے اس لیے ہم نے اُسے بہشت میں جگہ دی اور اس عابد نے اس سے دور رہنا چاہا ہے اس لیے ہم نے اس کو دوزخ دیا۔ غرض یہ ہے کہ وسوسہ عجب کاملین کو بھی ہوتا ہے اور خواب میں خدا کا دیکھنا امر یقینی نہیں ہے۔

پھر میاں عمر دین نے کہا کہ حضرت پیرانِ پیر دستگیر شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی قدس سرہ العزیز کی کرامتیں تمام اولیاء سے برتر و بیشتر صادر ہوئی ہیں۔ کیا اب بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ حضور نے مردان علی شاہ سے اشارہ کیا اور فرمایا کہ شہر جموں میں وہ شیروں کا قصہ کس طرح ہوا ہے؟ مردان علی شاہ نے کہا کہ میں نے سُنا ہے مہاراجہ کے پیادے شیروں کے لیے ہر گاؤں سے بکریاں پکڑ کر زبردستی لے آتے تھے۔ ایک دن گلے سے ایک موٹی سی بکری پکڑی۔ بکری والے نے فریاد کی کہ یہ بکری میں نے پیر صاحب کو نذر کر دی ہے اس کو نہ لو۔ لیکن مہاراجہ

کے پیاہی نہ مانتے اور زبردستی اس بکری کو بھی لے گئے۔ جب اس بکری کو شیر کے پنجرے میں داخل کیا تو شیر اسے سونگھ کر علیحدہ ہو گیا۔ مہاراجہ صاحب اس روز سے مسلمانوں کی زیادہ حمایت کرتے ہیں اور مسلمان بہت دلیر ہو گئے ہیں۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا اسی وجہ سے جب تک راجہ زندہ رہے ان کے اقبال میں فرق نہ آسکا۔

فرمایا کہ مہاراجہ مسلمان رئیسوں کے ساتھ جو اس کی مجلس میں بیٹھتے تھے اکثر مذاق کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ لحمِ خنزیر بہت اچھا ہوتا ہے۔ بہت سے امراض میں مفید ہے۔ پس غیرتِ اسلام کی وجہ سے ایک دن حکیم نورالدین صاحب بھیروی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ عرصہ ہو گیا حضور کی بیماری کسی دوا سے نہیں جاتی۔ اگر بے ادبی معاف ہو تو عرض کرتا ہوں کہ بچہ "گاؤ کا گوشت اُس مرض کے لیے بے حد مفید پڑے گا۔ مہاراجہ نے یہ بات سنی تو فوراً اُٹھ کر چلا گیا اور کچہری برخاست کر دی۔

ایک روز ایک مجمع کثیر حاضرِ خدمت تھا کہ ایک سادہ لوح شخص ملک بار کے دیہات سے حاضر ہوا بیٹھا اور کہنے لگا کہ میں بھی "حضور کا ہاتھ پکڑنے آیا ہوں" حضور نے تبسم فرمایا کہ میں تو اپنا ہاتھ بہت پہلے دے چکا ہوں۔ اہلِ مجلس نے اس کو سمجھایا کہ یوں کہو "میں اپنا ہاتھ دینے آیا ہوں" پس جب اس نے یہ کہا تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ وضو کر کے آجاؤ۔ پھر حضور نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی مہتر شاہ یوسف علیہ الرحمتہ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ "میں بھی مرشد بننے کے لیے آیا ہوں" شاہ یوسف علیہ الرحمتہ نے پوچھا کہ مرید بننے آیا ہے یا مرشد۔ مہتر نے پوچھا کہ ان دونوں میں سے کونسی بات بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا مرشد ہونا بہتر ہے۔ وہ کہنے

لگا کہ بس تو میں وہ ہی بات چاہتا ہوں جو بہتر ہے پس شاہ یوسف علیہ الرحمۃ نے اس کے حال پر توجہ کی۔ اس کا کام ہو گیا۔ چنانچہ وہ مہتر ولی کامل ہو گیا اور اس کا روضہ عالی شان بنا ہوا ہے۔

کسی گاؤں کا ایک امام قدم بوس ہوا اور کہنے لگا کہ حضور گاؤں کے آدمیوں نے میرے لڑکے کو بہت مارا ہے اور مجھے بھی گالیاں دی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو اہل دنیا کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دنیا مثال سایہ کے ہے۔ جب کوئی سایہ کی طرف منہ کرتا ہے تو سایہ آگے بھاگتا ہے اور اگر سایہ کی طرف پشت کرتا ہے تو سایہ اس کی طرف آتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اگر دنیا کو ترک کر دو تو دنیا تمہاری طرف دوڑے گی اور اگر تم اس کی طرف دوڑو گے تو وہ تم سے بھاگے گی

ے
ہے حصولِ آرزو کی وجہ ترکِ آرزو
میں نے دنیا چھوڑ دی تو مل گئی دنیا مجھے

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک مرید اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ تین کبوتر آگے پیچھے ہوا میں اڑتے ہوئے نظر آئے۔ شیخ نے مرید سے پوچھا تم جانتے ہو کہ یہ کبوتر کون ہیں۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا یہ کبوتر جو سب سے آگے ہے فقیر ہے جو چلا جاتا ہے۔ درمیان میں جو کبوتر ہے وہ دنیا ہے جو فقیر کے پیچھے لپکی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ سب سے پیچھے والا کبوتر اہلِ دنیا ہیں جو دنیا کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ پس یوں

سمجھ لو کہ فقیر دنیا سے بھاگتا ہے اور دنیا دنیا والوں سے۔

منشی غلام قادر ساکن شہر سیالکوٹ سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز عشق کے بعد یہ دُعا ستر مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یَا شَفِیْقُ یَا رَفِیْقُ نَجِّنِیْ مِنْ کُلِّ ضِیْقٍ۔ اور درودِ مستغاث وسلسلہ قلمی کو پڑھا کرو اس لیے کہ مطبوعہ درودِ مستغاث میں سند سے کچھ زیادہ لکھا ہوا ہے۔ سند وہ ہے جو سینہ بسینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا چلا آرہا ہے۔ چنانچہ تہجد کی سند یہ ہے کہ پہلی رکعت میں بعد سورت فاتحہ آیۃ الکرسی پڑھے دوسری میں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ اور پھر ہر رکعت میں دس رکعتوں تک ایک مرتبہ سورہ اخلاص پڑھا جائے تاکہ پچپن (۵۵) مرتبہ ہو جائے۔

پھر فرمایا جو وظیفہ سند سے کم زیادہ پڑھا جاتا ہے وہ بجائے نفع کے نقصان پہنچاتا ہے۔ چنانچہ نماز شام کی سند تین رکعت ہے۔ اگر دو یا چار رکعت پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ مسبعات جو ایک وظیفہ بزرگ ہے، ہر خاندان میں پڑھا جاتا ہے سند اس کی یہ ہے کہ بعض آیتیں اور دعائیں مع بسم اللہ اور بعض بغیر بسم اللہ کے پڑھی جاتی ہیں۔

ایک شخص تھا جو سب کو بغیر بسم اللہ کے پڑھتا تھا (اس کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ پہلے گذر چکا ہے) غرض یہ ہے کہ مرشد جس طرح بتا دے وہ ہی سند ہے اور اسی سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ ہر شخص کتابیں دیکھ کر وظیفہ پڑھنے لگے اور مقصد تک پہنچ جائے۔ چناں چہ اب مرقع وکشکول وغیرہ کتابیں طبع ہو گئی ہیں اگر کوئی شخص بلا اجازتِ شیخ ان سے تعویذ وغیرہ لکھ کر لوگوں کو دے تو فائدہ نہیں

پہنچ سکتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ حضرت باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید ان کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ ناگاہ ایک بڑا دریا راستے میں پڑا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ "فرید فرید" کہتا ہوا میرے پیچھے پیچھے چلا آ اور حضرت باباصاحب قدس سرہ العزیز "اللہ اللہ" کہتے ہوئے چلے۔ مرید نے جب انہیں "اللہ اللہ" کہتے ہوئے سُنا تو خود بھی اللہ اللہ کہنے لگا۔ اللہ کہتے ہی دریا میں ڈوبنے لگا۔ پس جب آپ نے دیکھا کہ وہ ڈوب رہا ہے تو فرمایا کہ اے کمبخت "فرید" کہہ تاکہ خلاصی پائے۔ تو اللہ کو نہیں جانتا ہے اور وہ ناواقف کی فریاد پر مدد نہیں کرتا۔ میں اللہ کو پہچانتا ہوں اور اس لیے وہ میری مدد کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کام ارادت کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ فائدہ رساں نہیں ہوتا بلکہ نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لیے کارِ ارادت اور کارِ اجازت میں بہت فرق ہے۔ اس لیے کہ اجازت ہی سند ہے اور بغیر سند کے کوئی کام مفید نہیں ہوتا۔

پھر ارشاد ہوا کہ اگرچہ لکھا ہے اَلْعِلْمُ فِی الْکُتُبِ لَا فِی الصُّدُوْرِ یعنی علم کتابوں میں ہے سینوں میں نہیں ہے لیکن یہاں اَلْعِلْمُ فِی الصُّدُوْرِ لَا فِی الْکُتُبِ یعنی علم سینوں میں ہے کتابوں میں نہیں ہے سمجھنا چاہیے۔

ایک دن ارشاد ہوا کہ حکماء نے لکھا ہے تین شخص صحت یاب نہیں ہوتے

ایک بے توفیق، دوسرے بے یقین، تیسرے بد پرہیز۔ یہاں بے توفیق سے مراد نافرمان ہے۔ ورنہ حکیم کو علم ہے کہ ہر شخص بقدرِ توفیق دوا کرتا ہے۔ غلام قادر ایک نو مرید نے عرض کی کہ اگر مرید دنیا سے پرہیز نہ کرے تو زنگار اس کے دل سے صاف نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا خیر تجرد اہلِ تعلقات کو میسر نہیں ہوتا ؎

نمی گویم کہ از عالم جدا باش
ولے ہر جا کہ باشی با خدا باش

اس لیے کہ انبیا اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی صاحب معاملہ تھے۔ یہ پرہیز تو اس کے لیے مناسب ہے جو بالکل تعلقاتِ دنیوی سے جدا ہو جائے

غلام قادر مذکور نے پھر کہا کہ قاضی صاحب اعوان والا نے اپنے دو ایک مریدوں سے ان کی بیویوں کو طلاق دلا دی ہے اور اس لیے دوسرے لوگ ان سے متنفر ہو گئے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس کا سبب گرسنگی ہے اس لیے کہ ہر جب تک خود حکیم سیر نہ ہو جائے گا یعنی بیماری سے بے خطر نہ ہو جائے گا۔ دوسروں کو ہر چیز کھانے پینے کی اجازت دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ سیپی سمندر میں جب تک گرسنہ رہتی ہے منہ کھلا رکھتی ہے۔ پھر جب قطرۂ باراں اس میں جا پڑتا ہے تو سیر و بامقصد ہو کر قعرِ آب میں جا کر آرام کرتی ہے اور مخلوقِ خدا اس کی طلب میں غوطے لگاتی ہے اور پاتی ہے اور کبھی اپنی جان بھی دے دیتی ہے ؎

ما برائے استقامت آمدیم
نے پئے کشف و کرامت آمدیم

فرمایا کہ بعض صلحاء کے پیچھے خلقت کا بڑا ہجوم ہوتا ہے اور ان کی شہرت بہت ہوتی ہے۔ حال یہ ہے کہ جب تک فقیر کی توجہ خلقت کی طرف ہوتی ہے۔ خلقت بھی اس کے پیچھے لگی رہتی ہے اور جب وہ خلقت کی شہرت سے سیر ہو جاتا ہے یعنی کمال کو پہنچ جاتا ہے اور مستغنی ہو جاتا ہے تو اس کی تمام تر توجہ خدا کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور خلق خدا سے کوئی غرض نہیں رہتی۔ کم آئیں یا زیادہ

پھر فرمایا کہ قاضی صاحب اعوان والے یہاں تشریف لائے تھے۔ میں نے سُنا کہ وہ کسی کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے بلکہ کسی کے سامنے بھی نہیں کھاتے۔ اگر کھاتے ہیں تو قے کر دیتے ہیں۔ کھانے کا وقت آیا تو ہم نے ان سے کہا کہ یہ صرف وسوسہ ہے اسے دور کیجیے اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیے۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ یہاں ایک ہندو رہتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ اب دنیا میں کرامات نہیں رہی ہے مگر ملاقات باقی ہے یعنی کرامات تو کبھی کبھی ہوتی ہے اور ملاقات روز روز ہو سکتی ہے۔

پھر ارشاد ہوا جس کے اخلاق اچھے ہیں ملاقات اُسی کے لیے ہے اور یہی ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان ہے۔ نیک خلقی دلوں کے خوش کرنے کا نام ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آزر است — دل گذرگاہ جلیل اکبر است

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی مومنین کے دل اللہ تعالیٰ کے عرش ہیں۔

دوسری حدیث میں آیا ہے:

خلق اللہ تعالیٰ ملک سبعون الف جناح فی کل جناح سبعون الف رأس وفی کل راس سبعون الف وجہ وفی کل وجہ سبعون الف فم فی کل فم سبعون الف لسان کل لسان یستغفرون اللہ تعالیٰ سبعین الف لغات الی یوم القیٰمۃ ویکتب اللہ لہ ثواب ذلک کلہ۔	مومن کا دل خوش کرنے سے خدائے تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جس کے ستر ہزار بازو ہوتے ہیں۔ ہر بازو میں ستر ہزار سر ہوتے ہیں۔ ہر سر میں ستر ہزار چہرے ہوتے ہیں۔ ہر چہرہ میں ستر ہزار منہ ہوتے ہیں۔ ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہوتی ہیں ہر زبان (اس خوش کرنے والے کے لیے) خدا سے طلب آمرزش کرتی ہے۔ ستر ہزار اصطلاحوں میں قیامت تک اور اللہ تعالیٰ اس استغفار کا تمام ثواب اس خوش کرنے والے کے حق میں لکھ دیتا ہے۔

امیر بخش ملتانی نے عرض کیا کہ حضور میں نے کسی اخبار میں دیکھا ہے کہ نواب صاحب رام پور نے اجمیر شریف کی درگاہ کے لیے خالص سونے کا کلس بنوایا ہے پہلا سونے کا کلس جو شاہجہان بادشاہ غازی (نور اللہ مرقدہٗ) نے چڑھایا تھا وہ اتار

کر خزانے میں داخل کیا جائے گا اور نواب صاحب کا کلس اس کی جگہ لگایا جائیگا

حضورؒ نے ارشاد فرمایا کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ والئی ہندوستان ہیں جسے اللہ نیک کام کی توفیق دیتا ہے وہ کرتا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ حضور نظام والئی حیدر آباد دکن نے سنگِ مرمر سے مجلس خانہ تیار کرایا ہے۔ اس میں صرف کثیر ہوا ہے اور نذر مانی ہے کہ دروازۂ جنن کی جگہ سونے کا دروازہ لگاؤں گا۔ دروازہ جنن جو اکبر بادشاہ نے بنوایا تھا۔ وہ خزانے میں رکھ لیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سب شوق و عشق ہے لیکن حضرت خواجہ صاحب اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ عالی عجیب شان رکھتا ہے۔ وصال کے وقت حضرت خواجہ بزرگ کی پیشانی نورانی پر قدرتِ الٰہی سے یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے گئے۔ هٰذَا حَبِیْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰهِ یعنی یہ مرد خدا کا دوست ہے اس نے خدا کی محبت میں جان دی ہے، پس خواجہ صاحب کی کرامت و بزرگی پر ہر شخص کو اعتقاد ہو گیا۔

چنانچہ ملک زمان مہدی دارا پوری جو وہاں گئے تھے کہتے تھے کہ طلوع آفتاب سے غروب تک اس کثرت سے زائر آتے ہیں عموماً ہنود کہ انسان کو دروازہ سے گذرنے کی طاقت نہیں ہوتی اور ہر طرف سے شیرینی سے لبریز طشتوں کا پرتو نظر آتا ہے۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ تونسہ شریف کا قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ آتے ہیں وہ پہلے روضہ شریف کا طواف کرتے ہیں۔ پھر دوسری نیاز میں کرتے ہیں اور جوالئی روضہ شریف

میں طواف گاہ شکل کھلے ہوئے برآمدے کے ہے۔

ارشاد ہوا کہ مناقب المحبوبین میں بہت سی سندوں کے ساتھ اُستاد، والدین، بادشاہ اسلام اور پیر کے لیے سجدۂ تعظیم کرنا جائز ثابت کیا گیا ہے لیکن طریقت کے شریعت کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

چوہدری قدم الدین نمبردار نے کہا کہ سجدہ کی حرمت بتوں کے لیے آئی ہے۔ نہ کہ آدمی کے لیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں آدم خدا کا بھید ہے۔ آدمی اور بُت میں بہت فرق ہے ؎

گر نبودے سرِ حق اندر وجود
آب و گل را کے ملک کردے سجود

مسئلۂ وحدتِ وجود کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس کا ذکر اس شعر میں ہے ؎

چوں مدد پیر مرا گشت یار
نیست مرا حاجتِ آمرزگار

پھر فرمایا کہ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اس شعر کا آخری لفظ "آموزگار" ہے یا "آمرزگار"۔ آپ نے فرمایا "آمرزگار" ہے۔ عرض کی معنی اس کے کیا ہوئے۔ فرمایا ثابت کرو جو چیز ایک انسان کو دوسرے

انسان کی طرف کھینچتی ہے وہ کیا ہے۔ عرض کی وہ خدا کا کام ہے۔ آپ نے فرمایا جب کارِ الٰہی جو کشش ہے وجودِ پیر سے ظاہر ہوئی تو پھر آمرزگار کی کیا حاجت رہی اور یہی مقصود تھا جس نے وجودِ پیر سے ظاہر ہو کر بندہ کو اپنی ذات میں جذب کر لیا

ایک روز ارشاد ہوا نہ تو اعتقاد کی حد ہے نہ بے اعتقادی کی۔ دونوں کام بیحد نہایت ہیں۔ پھر فرمایا دیکھو عرس بابا صاحب حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے موقعہ پر دیہاتی آدمی ایک گھر میں چاہے ایک ہو یا دو جہاں کہیں ہوتے ہیں بے تأمل پاک پٹن شریف روانہ ہو جاتے ہیں۔ مال اور مویشی بغیر نگہبان کے چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں کچھ پروا نہیں ہوتی کہ ان کے مویشیوں کی خبر گیری کون کرے گا اور اگر کسی کو حاکم کے سامنے جانا ہوتا ہے تو ہزار طرح کے اندیشے کرنے پڑتے ہیں مراد یہ ہے کہ یہ کشش غیبی خدا کی طرف سے ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ بے تأمل کھچے چلے جاتے ہیں ؎

کششے کہ عشق دارد نہ گذاردت بدینساں
بجنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

کسی نے کہا حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ کو ایک کتاب میں لکھا ہے۔ ابتدائے ولایت انتہائے نبوت ہے اور پھر اُسی جگہ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ابتدائے نبوت انتہائے ولایت ہے۔ آخر قولِ اوّل کی تاویل کیا ہے حضور نے پوچھا کتاب میں دربارۂ تاویل کیا لکھا ہے۔ عرض کی کہ نبوت کی انتہا اس وقت ہوئی

جب کہ خداوندِ عالم نے فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ یعنی جب تک کہ تمام احکام قرآن شریف کی اوّل سے آخر تک پیروی نہ کی جائے۔ ولایت کا آغاز نہیں ہوتا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہاں مطلب کچھ اور ہے اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ یعنی شیخ اپنی قوم میں نبیِ وقت ہوتا ہے اور اس نبی یعنی شیخ کا اتباع سلوک ہے۔ دوسرا قول بھی اسی قول سے منسوب ہے۔ قدم الدین نمبردار نے تعجب سے کہا کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ حدیث ہے یا قول۔ آپ نے فرمایا حدیث ہے۔ اس لیے کہ قوم اور اُمّت کے ایک ہی معنی ہیں۔ نبی کا کام مخلوق کی رہبری ہے اور شیخ کا کام بھی راہبری ہے۔ بلکہ یہ کام بہ نسبت انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اولیاء اللہ سے زیادہ ظہور میں آتا ہے جیسے کہ حضرت خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کہ ہزارہا مخلوقِ خدا نے ان سے فیض پایا ہے جن کا کچھ شمار نہیں ہو سکتا۔

ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور میرے عقیدے کی درستی کے لیے دُعا فرمائیے۔ حضور نے دُعا فرمائی اور فرمایا کہ مسلمانوں کا ایمان بھی اعتقاد ہے جب کسی کے اعتقاد میں فرق ہوتا ہے تو پہلے وہ فقراء کی کرامات سے انکار کرتا ہے پھر پیغمبروں کے معجزوں سے اور پھر خدا کے وجود سے۔ پھر کہنے لگتا ہے کہ یہ جہان اور گردشِ آسمان ایک عادتِ مستمرہ ہے جو خود بخود جاری ہے۔

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ یعنی وہ خنّاس جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور یہ وسوسہ ایسی سخت بیماری ہے کہ

اس کا کوئی علاج نہیں مثلاً پانی جب کم ہوتا ہے تو بند ہو جاتا ہے اور جب دریا کے برابر ہو جاتا ہے تو بند نہیں ہو سکتا۔ دوسری مثال یہ ہے کہ انسان کا خون پہلے غلیظ ہوتا ہے پھر پیپ بنتا ہے، پھر گمبھیر بنتا ہے اور گوشت کھانا شروع کر دیتا ہے پھر ہڈیاں بھی کھا جاتا ہے اور جس کی عقل بہت زیادہ ہوتی ہے وہ ہی زیادہ وسوسوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا کہ آپ نے خدا کو کس طرح پہچانا۔ حالاں کہ آپ کا کوئی استاد نہ تھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے خدا کو اس طرح پہچانا کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی مرضی کے موافق کرتا ہے اور میری مرضی کے خلاف۔

ایک درویش فتح دین نامی (جو سیال شریف میں بیعت تھا) حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کی دعا کیجیے کہ بے ہوش رہوں۔ فرمایا جب تو نے دنیا کے کام چھوڑ دیے اور یادِ خدا میں مشغول ہو گیا تو مقصد بے ہوشی کی تکمیل ہو گئی۔ کہنے لگا غریب نواز میں جب گھر جاتا ہوں تو لذتِ قلب کم ہو جاتی ہے فرمایا تو گھر سے پھر روانہ ہو جایا کر۔ عاشقوں کا یہی کام ہے۔ پھر تبسّم کر کے فرمایا کہ نجم الدین نامی خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا۔ دہلی کی کسی مسجد میں درس لیا کرتا تھا۔ اُسی مسجد کے قریب ایک امیر کا مکان تھا جہاں وہ درویش بیٹھا کرتا تھا اُسی کے سامنے اس مکان کا ایک بڑا روزن تھا۔ ایک دن اُس امیر کی لڑکی نے روزنِ دیوار سے اُس درویش کو دیکھ لیا

دونوں آپس میں عاشق ہو گئے۔ وہ لڑکی روزن کے پاس آکر بیٹھ جاتی اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے۔ ایک دن اُس لڑکی نے اپنی کنیز کو بھیجا کہ فلاں درویش سے کہنا میرے سر میں درد ہے دُعا کریں۔ اس خبر کے سنتے ہی وہ درویش تونسہ شریف روانہ ہو گیا اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں عرض کی کہ میرا معشوق بیمار ہے دُعا کیجیے اور پھر دہلی واپس چلا آیا۔ ہمیشہ اس کا یہی کام رہا کہ طالبِ دُعا ہوتا، تونسہ شریف میں رات کو نہ ٹھیرتا۔

ٰ٭٭

ایک دفعہ عصر کا وقت تھا اور وہ تونسہ شریف سے باہر جا رہا تھا۔ حضرت سجادہ نشین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا کہ اس وقت کہاں جاتے ہو۔ عرض کی میرا مطلب دعائے خیر سے تھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ ہر چند روکا مگر وہ چلا گیا بعد ایک مدت کے لڑکی کے باپ کو اس بات کی اطلاع ہوئی۔ اس نے اس درویش کو شہید کروا دیا اور پوشیدہ طور پر دفن کرا دیا۔ ایک ہفتہ میں وہ لڑکی بھی چل بسی۔ اس کا جنازہ دوسری جگہ لے گئے اس لیے کہ ان کی رسم یہی تھی کہ اپنے مردہ کو ایک مقررہ جگہ دفن کرتے تھے۔ اتفاقاً موقعہ قبر پر جنازہ کھولا گیا۔ وہ درویش اس لڑکی سے ہم آغوش نظر آیا۔ بہتیر اجدا کیا مگر نہ ہوا۔ آخر جنازہ اسی طرح دفن کر دیا گیا۔
آپ نے فرمایا کہ اُسی وقت ایک مرید حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ پوچھا کہ ہمارے نجم الدین کا کیا حال ہے۔ اس مُرید نے ماجرائے شہادت و دفن تمام تر بیان کیا۔ حضرت صاحبؒ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ دہلی سے کون آیا ہے۔ ہمارے نجم الدین کا حال پھر کیسے۔ اسی طرح کچھ دیر خاموش رہ کر پھر

یہی فرماتے تھے اور وہ عرض کرتا تھا۔ آخر حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارا نجم الدین ایسا ہی تھا۔

ایک روز حضور نے غلام محمد میرپوری سے دریافت کیا کہ عبد القادر درویش میرپور میں رہتا ہے؟ عرض کی جی حضور رہتا ہے۔ پوچھا نماز پڑھتا ہے۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا اوکم بختا۔ غلام محمد نے کہا کہ ایک دن مولوی عبد اللہ صاحب نے اس سے کہا کہ اے عبد القادر جس راستے پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اولیاء اللہ چلے ہیں وہ یہی نماز ہے۔ وہ راستہ جس پر فقرا بغیر نماز کے چلتے ہیں کیا ہے۔ تو عبد القادر نے کہا کہ نماز عام لوگوں کا راستہ ہے۔ خاص لوگوں کا راستہ اور ہے۔ حضورؒ نے سن کر ارشاد فرمایا ؎

خلافِ پیمبرؐ کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پھر فرمایا کہ درجۂ مجذوب درجۂ سالک کی نسبت ہیچ ہے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مجذوب کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی لاہور جانا چاہے اور آنکھیں بند کر کے خود کو وہاں دیکھنے لگے اور سالک کی مثال یہ ہے کہ ہتھیار لے اور تمام راستہ اپنے پاؤں سے طے کرے اور راستے کی تکلیفیں اور مشقتیں اٹھا کر راستہ طے کرے۔ ع

کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسمِ منزلہا

دوسری مثال یہ ہے کہ سالک اپنے راستے میں قافلے کے ہمراہ ہوتا ہے یعنی اعانت مشائخ اس کے ساتھ ہوتی ہے اور مجذوب بے راہی میں تنہا ہوتا ہے۔ پھر جو تنہا ہے۔ وہ خطرہ میں ہے۔ فرمایا کہ عبدالقادر نفس کش آدمی تھا۔ ہمیشہ روزے رکھتا تھا اور برہنہ سر مسجد کا پانی بھرتا تھا۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ مادہ گاؤ جو حضرت قبلۂ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کی جاتی ہے۔ اس کی قیمت چھ روپیہ مقرر ہے جو بجز ان کی اولاد کے کسی کو سزاوار نہیں ہے اور دنبہ یعنی گوسفند حضرت خواجہؒ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی حال ہے طعام بیماراں اور طعام میت کے متعلق دریافت کیا گیا کہ یہ کھانا جائز ہے یا نہیں آپ نے فرمایا منع نہیں ہے۔ لیکن مردے کی قبر کے پاس یا سامنے نہ کھانا چاہیے اس لیے کہ وہ مقامِ عبرت ہے۔ مردہ کے گھر والوں کا کھانا تین روز نہ کھانا چاہیے اور اہلِ میت جو چوتھے روز کھانا کھلاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے۔

کسی نے پوچھا کہ بعض لوگ نذر معین کرتے ہیں مگر تقسیم میں کمی بیشی کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یکساں دینا چاہیے ورنہ نذر ادا نہ ہوگی اس لیے کہ نذر مذکور اب اس کی ملک نہیں رہتی کہ بعض لوگوں کا لحاظ کرکے اس میں کمی بیشی کرے۔

پھر پوچھا کہ بعض لوگ اپنے نام اور شہرت کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ " یعنی وجودِ عمل نیت پر موقوف ہے اور فرمایا کہ ریاکار کے عمل کی مثال ایسی ہے کہ جیسے نڑکہ پانی میں اُگتا ہے مگر اس سے کسی کو

کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اور نیشکر (گنے) سے قند، مصری، شکر جو چاہیں بنا سکتے ہیں
پھر فرمایا کہ ثمرہ عمل نیت پر موقوف ہے اور نیت کی مثال زمین ہے کہ زمین کی
حیثیت سے کھیتی پیدا ہوتی ہے اور پھل دیتی ہے۔

فرمایا کہ نواح کشمیر میں ایک زمین ہے جس سے زعفران پیدا ہوتی ہے اور اس پر بہار لگا رہتا ہے لیکن ہر زمین سے زعفران پیدا نہیں ہوتی بلکہ بعض زمینیں ایسی ہیں کہ ان پر سوائے کانٹوں کے اور کچھ اُگتا ہی نہیں والذی خبث لا یخرج الا نکدا۔ (اور جو زمین ناپاک اور شور ہوگئی اس میں گھاس پیدا نہیں ہوتی مگر تھوڑی) جس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

پھر ارشاد ہوا کہ "اَلنَّائِیْ کَالْقَرِیْبِ" یعنی دور مانند نزدیک کے ہے جیسے کہ نماز میں پیچھے کھڑے ہونے والے اقتدا میں آگے والوں کے برابر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خلوص نیت تقصیر عمل کو چھپا لیتا ہے۔

ایک دن نذر پیر کے متعلق ذکر تھا، حافظ اللہ دین صاحب نے ذکر کیا کہ مرید خواہ کیسا ہی تنگ دست ہو۔ اگر اس کا دل مستقیم ہے تو پیر کی نیت سے جو چاہے گا وہی مل جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ دل گذر گاہِ حق ہے۔ فرہاد نے استقامت کے ذریعہ سے پہاڑ کا دل توڑ ڈالا تھا۔ جب انسان اس حد کو پہنچ جاتا ہے تو فرشتے اس کے ساتھ معاون کار ہو جاتے ہیں۔ حافظ صاحب نے پوچھا کہ اس مصرع میں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اپنے دل سے مراد ہے یا غیر کے۔ ارشاد ہوا کہ اہلِ شریعت کے نزدیک دلِ غیر

سے مراد ہے اور طریقت والے اپنے دل سے مراد لیتے ہیں" دل ہاتھ میں لانے" سے مراد" دل میں مشاہدہ حق کا حاصل کرنا" ہے ۔

جب خدا آیا تو بندہ پھر کہاں
آفتاب آیا تو سایہ پھر کہاں

ایک روز ارشاد ہوا کہ میاں امیر بخش مرحوم بڑے سچے عاشق تھے۔ کہتے تھے کہ ایک دن میں نے نیت کی کہ جس وقت حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حضور میں جاؤں گا تو پانچ روپیہ نذر کروں گا (حالاں کہ ہر جمعہ کو وہاں پہنچتے تھے) روانگی کے وقت دو روپیہ موجود تھے۔ تین روپیہ میسر نہ آئے۔ کہنے لگے کہ حسب عادت میں اپنے بزرگ خویش کی قبر پر فاتحہ کے لیے گیا اور چار دیواری کے پتھر جو ادھر اُدھر پڑے ہوئے تھے درست کرنے لگا تو تین روپیہ تین پتھروں کے نیچے سے مل گئے۔ تینوں کے سن مختلف تھے۔ حرص کی وجہ سے اور بہت سے پتھر اُٹھائے مگر کچھ نہ ملا۔ ارشاد فرمایا کہ سُناروں کے کہنے کے مطابق ان روپیوں کی چاندی بے مثل تھی۔

فتا نامی درویش نے عرض کی کہ حضور چھ برس میں نے تنہائی میں گذارے ہیں اگر آپ کی اجازت ہو تو اب نکاح کر لوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں سے زیادہ مردوں کو گمراہ کرنے والا کوئی اور نہیں ہے زہر بھی کھانے کے بعد اثر کرتا ہے مگر یہ عورتیں ایسی زہر قاتل ہوتی ہیں کہ ایک نظر پڑتے ہی قتل کر ڈالتی ہیں ۔

در راہِ خدا کہ رہ زنانند
آں راہِ زناں ہمیں زنانند

ایک روز ارشاد فرمایا بعض اوقات فقر خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ اظہار فرشتے کرتے ہیں جس طرح مشک کی خوشبو پردہ میں بھی مہک اٹھتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بذاتہٖ اظہارِ فقر کرے تو یہ مذموم ہے۔ امیر بخش نے کہا یہ جو لوگ پابرہنہ حضور میں آتے ہیں اس میں بھی اظہارِ فقر ہے۔ فرمایا کہ یہ ادب ہے۔ اظہارِ فقر کے لیے کوئی اس قدر تکلیف نہیں برداشت کر سکتا۔ پھر فرمایا کہ اظہارِ ادب و فقر نیت پر موقوف ہے کسی نے عرض کی ادب غیب اور موجودگی میں یکساں ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ادب میں جلدی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ عزاسمہٗ جس وقت چاہتا ہے خود ادب کی تعلیم کر دیتا ہے اور اس سے عجیب و غریب افعالِ ادب صادر ہونے لگتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز کے مزار کے قریب جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے چلہ گاہ پر تشریف لے جاتے تھے تو ہتھیلیوں اور زانو کے بل چلتے تھے۔ اس خیال سے کہ میرے مرشد کے جد بھی یہاں پاؤں سے چلتے تھے میں کس طرح چلوں۔ پھر فرمایا کہ اس ادب کی کوئی حد نہیں ہے۔ چنانچہ فضل درویش جنڈوالہ کئی کروہ اس جگہ سے پیٹھ کے رُخ پر چلا تھا۔

فرمایا بعض لوگ قسم قسم کی بے ادبیاں کرتے ہیں تاکہ لوگ انہیں صاحبِ درجہ

سمجھیں۔ چنانچہ برابری کا اظہار کر کے اپنے پیرزادوں کے ساتھ چارپایوں پر سوتے ہیں

ارشاد ہوا کہ ایک بزرگ نے اپنے لڑکے کو نصیحت کی کہ جب تو حج کو جائے تو جو چیز عرب شریف میں ملے اس کا ادب کرنا اور اسے اچھا سمجھنا۔ وہ گیا اور واپس آیا۔ پوچھا عرب میں کیسی چیزیں دیکھیں۔ کہا میں وہاں کی ہر چیز کو عزیز سمجھتا تھا لیکن وہاں کے کُتے بہت ہی خراب تھے۔ اس بزرگ نے کہا پھر تجھے حج سے کوئی فائدہ نہ ہوا ؎

نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت برسگِ کوئے تو شد بے ادبی

حکیم اللہ دین ملکوالی بیان کرتے ہیں کہ ظاہری علماء کے ادب میں مجھ کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ آپ مولویوں کا بہت ادب اور تعظیم کرتے تھے اور مولوی لوگ جب آپ کو ملتے تھے اور قدم بوس ہوتے تھے تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس رخصت کے وقت بندہ بھی جب قدم بوس ہوتا تھا اور رخصت ہوتا تھا تو سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور ایک روز آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے خاندان میں تین آدمیوں کا ادب ضروری ہے۔ ایک سیّد دوسرا چشتی، تیسرا مولوی۔ ان کا ادب کرنا ضروری ہے حضرت صاحب سیالوی بھی ان تینوں کا بہت ادب کرتے ہیں۔ میں بھی ان کا ادب کرتا ہوں۔

ارشاد ہوا کسی بزرگ سے ایک لڑکے نے کہا کہ مجھے بھی راہِ فقر کی ہدایت کیجیے اس بزرگ نے لڑکے کو چلہ میں بٹھا دیا۔ بعد ازاں مجلسِ علماء میں بحث کے لیے بھیجنے لگا وہ بھی علماء کی طرح تقریریں کرتا تھا۔ پھر اس سے کہا کہ ایک چلہ اور کھینچ۔ کھینچا اور پھر کسی مجلس میں گیا تو تقریر کی وہ حالت نہ تھی۔ تیسرا چلہ اور کھینچا تو مجلسِ علماء میں تقریر نہ کر سکا اور بجز خاموشی کچھ اور نہ کہہ سکا۔ وہ بزرگ سمجھ گئے کہ اب تاثیرِ ادب اور فقر کی پوری ہو گئی (مطلب یہ ہے کہ تکمیلِ ادب اس وقت ہوتی ہے جب کوئی حرکت وجود سے سرزد نہ ہو۔

قرآن کتاباں سبھو پڑھیوں اکّ پڑھیوئی ہارن
جنہاں ہکو ہارن پڑھیا آپ ترن تے کُل نوں تارن

ایک روز خدا بخش مجذوب کچھ مانگنے کے لیے آئے۔ حضور نے انگلی کے اشارہ سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ وہ باہر بیٹھ گئے اور ذکر "سُبحَانَ اللہِ" جو ہر وقت کیا کرتے تھے، کرنے لگے (یہ مجذوب پریشان بال اور دیوانوں کی طرح جلال پور شریف سے جانبِ مغرب ایک غار میں رہا کرتے تھے) اہلِ حلقہ میں سے کوئی کہنے لگا کہ یہ اتنی روٹیاں جو لیجاتا ہے کھاتا بھی ہے یا نہیں۔ مولوی فقیر محمد نے کہا کہ کل میں نے توشہ کا حلوا اس کے منہ میں دیا تھا مگر اس نے نہ کھایا۔ خدا بخش مجذوب کہنے لگے کہ اگر نہیں دیتے ہو تو میں جاتا ہوں۔ یہ کہا اور چلے گئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا ؎

گر خوری یک لقمہ از نانِ نور
خاک ریزی بر سرِ نانِ تنور

فقیر محمد نے کہا حضور اس نے ناک اور کان کے سوراخ مٹی سے بند کر لیے ہیں آپؐ نے ارشاد فرمایا ؎

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند
گر نہ بابی سرِ حق بر من بخند

ارشاد ہوا کہ ایک جوگی نیپالی ایک مدت تک موسمِ سرما میں ٹلہ کی پہاڑی پر برہنہ پھرا کیا ہے۔ اس نے تمام دوسرے ملکوں کی سیر کی ہے۔ جب یہاں آیا تو خوب بحث و تکرار کرنے لگا۔ آخر ہم نے اس سے کہا کہ کجروی چھوڑ، سیدھا ہو، کلمہ پڑھ، اور مسلمان ہو جا۔ پھر فرمایا کہ حاجت مندوں میں سے ہر کوئی نقدی وغیرہ اس کے پاس لے جاتا ہے مگر اُسے کچھ لالچ نہیں ہے۔ جو شخص سب سے پہلے کھانا لے آتا ہے۔ اُسی کا کھانا کھا لیتا ہے۔ باقی لانے والوں کو واپس کر دیتا ہے۔ اگر دو تین روز کھانا نہ ملے تو کسی سے سوال نہیں کرتا۔

دو فقیروں کے مجاہدے اور ریاضت کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک فقیر برہنہ نے سردیوں کے جاڑے میں چھ مہینے ہمارے مسجد کے پیچھے گذار دیے تھے۔ ایک دوسرے فقیر کا ذکر فرمایا کہ اس نے ہر پیمبر کے روضے پر اور ہر نبی کی غار میں چلہ کھینچا تھا۔ اور ہر چوتھے روز روزہ افطار کرتا تھا۔ ایک سرزمین میں اس کو روزی میسر نہ ہوئی۔ پس بموجب الہام سانپ کھانے پڑے۔ اس لیے کہ اس سرزمین میں سانپ بہت تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ سانپ کا گوشت لوٹے میں روٹا کر استعمال

کرتا تھا۔ آخر یہاں آیا۔ پڑھنے کے لیے وظیفہ پوچھا اور شہر سیالکوٹ میں ایک چلے کے اندر مر گیا۔

حضرت قبلہ عالم نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ بزرگوں کے نزدیک فقیر کو ابتدائے سلوک میں کشفِ قبور اور کشفِ قلوب کی منزل بھی طے کرنی ہوتی ہے لیکن یہ دونوں کشف مذموم ہیں کیوں کہ سالک کو ان سے بہت سے خطرات میں گرفتار ہو جانے کا احتمال ہے اور بسا اوقات یہ دونوں کشف بندشِ سلوک کا باعث ہوتے ہیں۔ قبروں میں بعض آدمیوں کو دیکھتا ہے جن کے اعمال صالح تھے اور وہ قہرِ الٰہی سے معتوب و مقہور ہو رہے ہیں۔ بخلاف اس کے گنہگار خدا کے فضل و کرم سے خوشیاں منا رہے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر اکثر اعتقاد و اتباعِ اسلام و سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بزرگوں کا قول ہے کہ "کشف را کفش کن و بر سرِ نفس بزن"

ہمارے حضرت قبلۂ عالم کا درجہ اس منزل سے بہت بالا تھا اور وہاں ان خطراتِ نفس کا وہم و گمان بھی محالات سے تھا۔ آپ نے خود کبھی اپنی بزرگی جتانے کے لیے کسی کے دل کا بھید نہ بتایا۔ ہاں جب دنیا داروں نے اپنی عام عادت کے مطابق آپ کی ولایت کا امتحان لینا چاہا تو ایسی طرح ان کی بات کا جواب دے دیا کہ صرف وہی آدمی آپ کی رمز کو سمجھ سکے اور دیگر حاضرین کو اس کا پتہ نہ لگے۔

کتاب لطائف سیریہ سے آپ نے نقل بیان فرمائی کہ قبلہ عالم خواجہ نور محمد

مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک شخص حج کے لیے گیا۔ اونٹ پر سوار تھا۔ جب عرفات پر پہنچا تو وہاں حضرت قبلہ عالم علیہ الرحمۃ کو تلاش کرنے لگا اس لیے کہ اس نے سُنا تھا کہ وہ زمانۂ حج میں عرفات پر حج کے لیے آتے ہیں۔ ناگاہ اس کی نظر قبلہ عالم پر جا پڑی۔ دیکھا کہ ایک بزرگ برقعہ پوش آگے آگے جا رہے ہیں۔ وہ مرید اونٹ سے اُترا۔ قدم بوسی کی اور پوچھا کہ یہ برقعہ پوش کون بزرگ ہیں۔ فرمایا کہ یہ جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں۔ اُس مرید نے عرض کی میری طرف سے التماس کیجیے کہ مجھے بھی اپنا جمالِ جہاں آرا دکھائیں۔ وہ کہتا ہے بموجب التدعائے قبلۂ عالم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا برقعہ اُٹھا لیا۔ میں نے دیکھا کہ پیشانی مبارک آفتاب کی طرح درخشاں ہے۔ ابروئے مبارک کے بال یاقوت کی طرح چمک دار اور دندان مبارک سفید تھے۔ دوسرے آثار ایسے تھے جو حدِ بیان سے باہر ہیں۔ پھر مجھ سے قبلہ عالم نے فرمایا کہ جلدی اپنے مقام کو واپس چلا جا۔ کہ یہ مقامِ خوف ہے۔ پس میں نے قدم چومے اور اپنے اونٹ کی طرف آیا۔ تاریخ مہینہ دن اور وقت لکھ لیا۔ جب میں ہندوستان لوٹا اور موضع کچی متصل بہاولپور میں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ عالمؒ اس وقت اور اس دن ایک خاص جگہ سو رہے تھے۔

ارشاد ہوا کہ مریدانِ قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ میں سے ایک مرید کہ واصل باللہ تھا حج کے لیے گیا اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ پہنچا۔ رات کے وقت جب کہ لوگوں کو حرم شریف سے نکال کر حرم شریف کے دروازہ میں قفل لگا دیا جا رہا تھا قبلہ عالم کا یہ مرید فصیل میں چھپ گیا۔ آدھی رات کے بعد روضہ شریف کا دروازہ کھلا۔ دو

برقعہ پوش حرم میں ٹہلتے ہوئے اس شخص کے پاس آئے۔ ایک نے کہا کہ آدمی کی خوشبو آتی ہے اور لوٹ گیا۔ جب دوسرا نزدیک آیا تو یہ مرید قبلہ عالمؒ جست لگا کر اس کے قدموں میں گر پڑا۔ وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے فرمایا کہ اے شخص تیرا پیر خوش تھا۔ (یعنی حضرت قبلہ عالمؒ مہاروی) پھر فرمایا کہ جب تو واپس جائے تو ہمارا اسلام ان سے کہنا۔ جو برقعہ پوش پیکر کہ علیحدہ ہو گیا تھا۔ وہ جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں۔

اس کے بعد اسی کتاب سے ایک نقل فرمائی کہ ہر شخص کہتا ہے کہ فلاں کا لنگر جاری ہے۔ دیکھو حضرت محکم الدین سیرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لنگر کے معنی کیا لیے ہیں۔ ایک شخص ان کے لنگر کے کھانے سے سیر ہو کر بآواز بلند دعا دینے اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس لنگر کو جاری رکھے تاکہ ہم سے فقیر سیر ہوں۔ آنحضرتؒ کے گوش مبارک میں آواز پہنچی۔ جوش آگیا اور فرمایا کہ یہ کیا دعا ہے کہ لنگر کے نام سے تو نے کی۔ لنگر تو اس چیز کا نام ہے جو چلتی کشتی کو دریا میں روک دیتا ہے۔ غرض یہ کہ بندش و بخل اس راستے میں بری بات ہے۔

ارشاد ہوا فوائد الفواد میں سلطان المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے کہ ایک بزرگ کہتے تھے اوراد و اذکار اور نوافل مثل مصالح کے ہیں۔ اور ان چیزوں سے شوربا درست نہیں ہوتا۔ جب تک دیگ میں گوشت نہ ہو اور اسے شوربائے زور کہتے ہیں اور جب گوشت ہوتا ہے تو شوربا ٹھیک ہو جاتا ہے۔ گوشت مراد ترکِ دنیا سے ہے

اور ترکِ دنیا یہ نہیں ہے کہ کپڑے نہ پہنے یا کھانا نہ کھائے بلکہ ضرور پہنے اور ضرور کھائے لیکن جو کچھ سامنے آئے اُسے جمع نہ کرے اور آبِ رواں کی طرح رکھے اور ان میں سے کسی چیز کے ساتھ اپنے دل کو نہ لگائے ۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا

ہر چہ داری صرف کن در راہِ او

اس لیے کہ درویش کو مقامِ اعلیٰ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ ہر حاصل شدہ چیز کو صرف کر ڈالے اور اپنے دل کو فارغ بنا لے ۔

بہاول بخش قصاب جو خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ہے بیان کرتا تھا کہ میں چچڑاں سے روانہ ہوا راستے میں مجھے خیال آیا کہ خواجہ شمس العارفینؒ نے دنیا سے تو مجھے بے پرواہ کر دیا کہ پانچ روپیہ روزانہ مل جاتے ہیں مگر نعمتِ دین کی رسید بھی نہ دی ۔

وہ کہتا ہے کہ جب میں حضرت محبوبِ سبحانی خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملا تو آپؒ نے فرمایا بہاول بخشا : خدا نے جو کچھ دیا ہے اس پر شکر کرنا چاہیے پھر اس کی داشت کرنی چاہیے ۔ جس نے ایک پیسے کو نگاہ رکھا اس کا اعتبار زیادہ ہوا اور حق تعالیٰ اس کو دو پیسے دیتا ہے ۔ اگر دو پیسے کی نگاہداشت کرے تو تین پائے یعنی فضول صرف نہ کرے اور جو اس خصوص میں پختہ کار نہیں ہے ۔ اُسے دین کی ہوا بھی نہیں لگی ۔

وہ کہتا ہے میں نے عرض کی ایک دن ہمارے حضرت صاحبؒ نے کسی کتاب سے

ایک مسئلہ بیان فرمایا تھا کہ اس پیسے کو پہیے کی مانند بنایا ہے تاکہ رواں رہے۔ جمع کرنے کے لیے نہیں بنایا ہے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص طالب لعل تھا چھ برسوں تک جنگلوں میں لعل کا طالب رہا مگر نہ ملا۔ اس کے بعد چھ برس تک دریاؤں میں لعل تلاش کیا مگر وہاں بھی ناکام رہا۔ آخر سست اور بیکار ہو گیا۔ جب غور کیا اور اپنی ذات میں دیکھا تو جس لعل کی طلب تھی وہ لعل خود ہی تھا۔ فرمایا بہاول بخشا! جب یہ نعمت ملے تو اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ دیگ خام کی طرح جوش میں آکر باہر نہ نکال دینا چاہیے۔ میں نے عرض کی کہ دیگ بیچاری مجبور و عاجز ہے۔ کیا کرے اس کا منہ چوڑا ہے۔ چھپا نہیں سکتی۔ یہ تو پکانے والے کے اختیار میں ہے۔ جس طرح چاہے مہربانی کرے تاکہ شوربا پختہ ہو۔ فرمایا ہاں یہ سچ ہے۔

کسی نے دریافت کیا کہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے اس مصرع کے کیا معنی ہیں۔ ؎

ذکرِ خاص الخاص اندر سر بود

ارشاد فرمایا کہ مبتدی جب حبسِ نفس کرتے ہیں اور نفس کے تمام مخرج، سوراخ بینی، کان اور منہ بند کر دیتے ہیں تو آخر نفس دماغ کی طرف رجوع کرتا ہے اور دماغ میں جرس اور نے کی طرح آوازیں پیدا ہونے لگتی ہیں ؎

لب بہ بند و چشم بند و گوش بند
گر نبینی سرِ حق بر من بخند

کسی نے کہا کہ نفس بالکل بند نہیں ہوتا بلکہ مسامات کی رو سے خروج کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا اس کی مثال یہ ہے کہ جب گھر کے تمام دروازے بند کر لیے جاتے ہیں، تو دھوئیں کا نکلنا بند ہو جاتا ہے اگرچہ باریک راستوں سے تھوڑا تھوڑا نکلتا رہتا ہے مگر قلیل کے لیے معدوم کا حکم ہے یعنی النادر کالمعدوم حالانکہ آگ اس گھر میں برابر جلائی جاتی ہو۔

پھر ارشاد ہوا کہ تین سو ساٹھ رگیں جو وجودِ انسان میں ہیں اور گوشت ہڈی اور پوست حبسِ نفس کے وقت سب جداگانہ ذکر کرنے لگتے ہیں۔ ع

ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنّار نیست

اور فضیلت اس ذکر کو زبان اور ہاتھ پاؤں کے ذکر پر اس لیے ہے کہ ہر وقت لگاتار جاری رہتا ہے۔ صاحبِ ذکر کے امکان میں نہیں کہ اُسے بند کر دے۔ زبان کے ذکر میں وقفہ اور مہلت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ صاحبِ ذکرِ زبان، ذکرِ نفس سے خبردار نہیں ہوتا۔ اور نہیں جانتا کہ میرا نفس جس کی قید دخول و خروج ہر وقت میرے اختیار میں ہے کیا کام کرتا ہے حالانکہ وہ صاحبِ ذکرِ سرّ کے علم میں خود بخود ذاکر ہے۔

کیف مئے الست تھا نغمۂ نے نواز میں
ہو گیا نیستاں خموش ایک نوائے راز میں

دوسرے فقرا کی خدمت میں جانے کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا

شیر نر بو سد بہ لب ہا پائے مرد قانعے ۔۔۔ مادہ سگ خاید بدنداں پائے مرد ہر دے

پھر فرمایا "وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ" یعنی جو چیز ایک ہی جگہ میسر آجاتی ہے اس پر شکر کرنے والے بہت کم ہیں کہ آرام سے ایک جگہ بیٹھیں اور یقین کریں کہ خدائے تعالیٰ قادر ہے اگر چاہے تو یہیں سے دے دے ورنہ ہر دروازے پر جانے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا ؎

غیر کے آگے ہے مشکل ہاتھ پھیلانا مجھے
ہے جو قسمت میں وہ تو دیدے میرے مولا مجھے

ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے صدہا خلفاء ان کے وصال کے بعد ظاہر ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے زمانۂ حیات میں پوشیدہ تھے بے شک چاند میں اگرچہ بڑی روشنی ہوتی ہے تاہم آفتاب کے مقابلہ میں وہ بے نور رہتا ہے۔ ہمارے حضرتؒ کا نور بے شک بمنزلہ آفتاب تھا کہ اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔

کرم داد نامی ایک شخص ہمارے پیر بھائیوں میں سے تھا۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کے خلافِ دستور مزامیر سنتا تھا اور جہاں جاتا تھا مخلوق کو بیعت کرنا شروع کر دیتا تھا۔ اس کی خبر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دی گئی۔ جب ایک مدت کے بعد سیال شریف آکر قدم بوس ہوا تو لوگوں نے عرض کی کہ حضرت یہ وہ ہی کرم داد ہیں جو لوگوں کو بیعت کیا کرتے ہیں۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے فلاں! آفتاب کے سامنے شمعیں نہ جلا۔ اس لیے کہ وہ کبھی روشن نہ رہیں گی۔

ارشاد ہوا کہ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ تو ہر شخص پر ذکرِ عشق عام فرما دیتے تھے مگر ہمارے حضرت صاحبؒ اس قدر صاحبِ حوصلہ و حلم تھے کہ کبھی کوئی بات ظاہر نہ فرماتے تھے۔ لوگ حضرت کے چاروں طرف غل شور مچاتے رہتے تھے مگر حضرت صاحب خاموش تشریف رکھتے تھے۔ آپؒ نے کبھی گانا اور باجا نہیں سُنا۔ اب بھی یہ معمول ہے کہ مجلسِ عرس کے موقع پر ہرگز مزامیر نہیں لائے جاتے تھے۔ حالانکہ تونسہ شریف کا معمول یہ ہے کہ روز صبح کے وقت قوال مع مزامیر کے چوکی کرتے ہیں اور حضرت خواجہ تونسوی علیہ الرحمۃ کے عرس کے دن تمام قوالوں کی چوکیاں جو شاہرہ ماہانہ پر ملازم ہیں سرود نوازی کرتے ہیں۔ دراصل اولیاء اللہ کے اپنے اپنے طریق کار ہوتے ہیں گو ان کی حقیقت ایک ہوا کرتی ہے۔

ارشاد ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے صاحبِ جمال و کمال تھے جس طرح کہ جناب رسولِ کریمؐ فخر الانبیاء تھے اسی طرح آپ بھی فخر الاولیا ہوئے ہیں۔ کسی نے عرض کی میں نے مناقب المحبوبین میں لکھا دیکھا ہے کہ جب حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ دفن کے روز کسی فقیر نے ظاہر کیا کہ آج تمام اولیاء کی روحیں ان کے جنازہ پر آئی ہیں۔ حضرت غوث الاعظم محبوب سُبحانی و حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی رحمہم اللہ علیہم اجمعین آپس میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے جا رہے ہیں اور غم خواری کر رہے ہیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرما رہے ہیں کہ آج فخرِ سلسلہ چشتیان نے دار البقا کی طرف رحلت کی اور حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فخرِ چشتیاں نہیں بلکہ چاروں سلسلوں کے فخر تھے۔

حضرت خواجہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس میں کیا شک ہے اس لیے کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ چاروں سلسلوں میں مخلوقِ الٰہی کو بیعت فرماتے تھے۔ کہنے والے نے کہا میں نے اسی کتاب میں دیکھا ہے کہ لاش مبارک کو جب دفن کیا تو مہتر آدم علیہ السلام کی روح کا ہاتھ آپؒ کے سر پر تھا اور روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا اور پاؤں پر روحِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے۔ گویا ان حضرات نے اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا تھا۔ (نور اللہ مرقدہٗ وبسط اللہ برهانہٗ الی یوم القیامۃ)۔

ارشاد فرمایا کہ بیشک یہ سب کچھ صحیح ہے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی صاحبِ کمال تھے۔

پھر فرمایا کہ سجادہ نشین تونسہ شریف حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کی بھی کوئی حد نہیں۔ جب وہ مخلوقِ کثیر کے ہنگامہ میں بیٹھتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سر آسمان سے جا لگا ہے۔ عادت آپ کی اس قدر سادہ ہے کہ ہر وقت آپ کا لباس مبارک میلا سا رہتا ہے اور جو لباس پہن لیتے ہیں وہ ہرگز نہیں دُھلتا جب تک کہ ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے۔ بدن سے جدا نہیں کرتے اور زمین پر بیٹھتے ہیں۔ اگر کوئی اطلس وغیرہ کا فرش بچھا دیتا ہے تو اسے لپیٹ کر زانو کے نیچے دبا لیتے ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ درویشانِ حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ حضرتؒ کی کرامات اور برکات کا ذکرِ خیر آپس میں کر رہے تھے۔ ایک رئیس بھی وہاں موجود تھا جس کی بیعت سجادہ نشین صاحبؒ سے تھی وہ کہنے لگا کہ ہمارے حضرتؒ صاحب اپنے جدِّ بزرگوار

سے بھی فوقیت دے گئے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ سب کو اپنا محبوب دوسروں سے اچھا نظر آتا ہے۔ مریدانِ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو جھڑکا کہ ایسا نہ کہو۔ اول تو یہ کہ آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کے جدّ تھے۔ دوسرے ان کی بیعت بھی انہی سے تھی اور اپنے جدّامجد ہی سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ کہنے لگا کہ اگر مجھے وقت ملا تو ضرور جواب دوں گا۔ اتفاقاً ایک زنِ فاحشہ تھی اس کے مالک اسے قتل کرنے کے ارادہ سے اُٹھے۔ وہ مفرور ہو کر حرم خانۂ حضرت سجادہ نشین رحمۃ اللہ علیہ میں داخل ہو گئی، اس خیال سے کہ یہاں مجھے کوئی قتل نہ کرے گا۔ حضرت سجادہ نشین صاحبؒ نے عذر کیا کہ گو یہ زنِ فاحشہ ہے لیکن اس نے ہمارے گھر میں پناہ لی ہے۔ اس لیے ہماری خاطر سے اسے چھوڑ دو۔ لوگ واپس چلے گئے۔ پھر بے حیائی پر کمربستہ ہو کر دعوائے اغوائے حضرت سجادہ نشین صاحبؒ پر کر دیا۔ عدالت سے پروانۂ طلبی پہنچا۔ اس خبر سے آپ غمگین ہوئے۔ اس اثنا میں تاریخ طلبی سے پہلے اس رئیس کی ایک عرضی تونسہ شریف میں آئی۔ لکھا تھا کہ اطلاع دو ہمارے حضرت صاحبؒ کو کیا حادثہ درپیش ہے کہ چند روز سے میرا دل بہت بے قرار اور غمزدہ ہے۔ تمام واقعات اس رئیس کو لکھ کر بھیج دیے گئے۔ پس دوسری عرضی آئی کہ میں اپنی جان کو برائے خدا العوض حضرت صاحب قربان کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے کوئی یہ اطلاع دے کہ حضرت جدِّ اعلیٰ کے مریدوں میں سے کسی نے اپنی جان اپنے پیر پر فدا کی ہے۔

غرض یہ ہے کہ ہمارے سجادہ نشین صاحبؒ ایسے صاحب کمال ہیں کہ ان کے مریدان پر جان فدا کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔

اس اثناء میں عدالت میں بہت سی سفارشیں پہنچ گئیں اور عدالت آپ کو طلب نہ کرنے پر مصلحتًا مجبور ہوئی۔ آپ کی طلبی کی موقوفی کی عدالت سے اطلاع آگئی اور اسی وقت یہ خبر بھی پہنچی کہ وہ عاشق شیخ رئیس فوت ہو گیا ہے چوں کہ اس نے صدق و اخلاص کے ساتھ اپنی جان قربان کی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس کی جان کو قبول کر لیا اور حضرت سجادہ نشین صاحبؒ کے سر سے جواب دہی ٹل گئی۔ اس طرح اس رئیس کی صداقت نفس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا۔

ایک دفعہ آپؒ نے دریافت فرمایا کہ روضہ حضرت حافظ جمال رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ قبلۂ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کیسا ہے۔ میاں امیر بخش ملتانی نے جواب دیا کہ زیادہ بلند و فراخ نہیں ہے بلکہ اوسط درجہ کا بنا ہوا ہے۔ ایک قبر مہدی خاں مرحوم کے علاوہ تربت حافظ صاحبؒ کی بنی ہوئی ہے اور اس میں کوئی اور قبر نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں سپاہیوں کی طرح ہتھیار بند رہا کرتے تھے اور سوار ہوا کرتے تھے۔ اب ان کے مرید بھی اسی صورت سے جاتے ہیں اور تاریخ مقررہ پر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عرس کرتے ہیں۔ پھر حضورؒ نے دریافت فرمایا کہ حضرت غوث بہاؤ الحق رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ کیسا ہے۔ کہا کہ وہ بھی درمیانہ ہے لیکن ان کے نواسے شاہ رکن عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ بڑا عالی شان اور فراخ ہے کہ ان کی اولاد سے سو قبریں اس کے اندر بنی ہوئی ہیں۔ ان کی وفات کے دن سندھی ملتان سے آتے ہیں اور ان کا عرس کرتے ہیں اور لنگر بھی جاری ہے اور حضرت غوث صاحبؒ کے مزار پر اور شاہ رکنؒ عالم صاحب اور ان کی اولاد کے مزاروں پر جا بجا نذریں چڑھاتے ہیں۔

حضورؒ نے دریافت فرمایا کہ ان کی اولاد مہمانوں کو کھانا نہیں کھلاتی۔ میاں امیر بخش نے کہا غریب نواز معلوم ہوا ہے کہ نذریں لیتے ہیں اور سندھیوں کے لنگر سے خود بھی کھانا کھاتے ہیں۔ اس پر حضور پُر نور علیہ الرحمۃ نے تبسم فرمایا اور خاموش ہو گئے۔

علاقۂ سیون سے ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ علمائے ظواہر تصورِ شیخ سے مریدوں کو منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بُت پرستی ہے، اس کا کیا سبب ہے؟ ارشاد ہوا جسے علمِ سینہ سے خبر نہیں ہے وہ بجز انکار کے اور کیا کر سکتا ہے۔ یہ علماء اگرچہ اہلِ علم ہوتے ہیں اور لوگوں کو نصیحتیں کیا کرتے ہیں تاہم علمِ سینہ سے ان کو بہرہ نہیں ہوتا اور فرق یہ ہے کہ اہلِ علم ظاہر پہ تعلیم و اظہار واجب ہے اور فقیر کو علمِ سینہ کی پوشیدگی لازم ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ سیال شریف میں ایک عالم آیا تھا۔ وعظ و نصیحت شروع کی خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے درویشوں نے جو سب صاحبِ فضیلت تھے۔ اُسے منع کیا اور کہا کہ یہ کیا محلِ وعظ و نصیحت ہے مگر وہ عالم اپنے کام سے باز نہ آیا۔ مولوی فضل الدین صاحب سکنہ چاچڑاں والہ کو جوش آ گیا۔ کہنے لگے اے مدعی علم تُو تو الف اور بے کے معنی بھی نہیں جانتا اور یونہی نصیحتیں کرنے لگا ہے۔ غرض یہ کہ اس کو عاجز کر دیا۔ غمگین ہو کر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رونے لگا۔ ارشاد ہوا ہم بھی وہاں موجود تھے۔ دونوں فریق کا معاملہ حضور میں پیش ہوا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب اُسے اس قدر پریشان حال دیکھا تو اس کی طرف داری کرنے لگے اور فرمایا اس نے کیا بُرائی کی ہے۔ جو تم لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ مخلوق کو

وعظ و نصیحت کرنا کوئی ناجائز کام تو نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔ پھر اس کی دلجوئی فرمائی اور رخصت کر دیا۔ آپؒ نے فرمایا حضرت صاحبؒ اس قدر پردہ پوش، بہادر اور صفا کیش تھے کہ جب کبھی کسی کا غلبہ دیکھتے تھے تو ہمیشہ مغلوب کی طرف داری فرمایا کرتے تھے۔

ارشاد ہوا کہ سیال شریف میں مجروح نامی ایک درویش تھا، غلبہ عشق کی وجہ سے آگ کے تنور میں جل کر مر گیا۔ ایک دن اس نے مسجد شریف میں پیشاب پھیر دیا درویشوں نے اُسے ملامت کی کہ تو نے مسجد کو خراب کر دیا۔ کہنے لگا کہ مسجد مسلمانوں کی ماں ہے اور مائیں بچوں کی نجاست کو خود دھوڈالتی ہیں اور کسی پر اظہار راز نہیں کرتیں۔ اب کہ ماں (مسجد) نے میری پردہ پوشی کی ہے اور کچھ نہیں کہا ہے تمہارا کیا نقصان ہے جو تم میرا پردہ فاش کرتے ہو۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ درویشی ایسی پردہ پوشی ہے کہ معراج کی رات خدا تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ردا عنایت فرمائی اور فرمایا کہ جو پردہ پوشی کا وعدہ کرے اُسے دے دینا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے وقت اپنے چاروں اصحابؓ سے ان کے اعمال و کردار کے متعلق سوالات کیے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں ہر کام میں صداقت اور عبادتِ الٰہی کا خیال رکھتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میں عدل و انصاف کرتا ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں فقیروں میں سخاوت کرتا ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ میں درویشی اور پردہ پوشی اختیار کرتا ہوں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

وہ چادر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو عنایت فرمائی۔ اس لیے کہ خدا کا حکم تھا جو اس قسم کا جواب دے۔ اسی کو چادر دی جائے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے عرض کی کہ مسجد میں ایک مرد اور ایک عورت فعلِ شنیع میں مصروف ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بھیجا کہ تحقیق کریں۔ جناب علی کرم اللہ وجہہٗ نے سوچا کہ اگر میں مسجد میں نہیں جاتا ہوں تو فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہوتی ہے اور جاتا ہوں تو بندگانِ خدا کی پردہ دری ہوتی ہے۔ آخر آپؓ نے آنکھوں پر پٹی باندھلی اور ایک لکڑی ہاتھ میں لے کر اسے کھٹکھٹاتے ہوئے مسجد میں پہنچے مطلب یہ تھا کہ لکڑی کی آواز سن کر یہاں اگر کوئی ایسا شخص ہوگا تو بھاگ جائیگا۔ پھر آپؓ نے آواز دی مسجد میں کون ہے۔ کوئی آواز نہ آئی۔ واپس آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں علیؓ تم نے کسی کو مسجد میں دیکھا؟ عرض کی۔ حضور میں نے اپنی آنکھوں سے وہاں کسی کو نہیں دیکھا۔

پردہ پوشی مشربِ درویش ہے
مائلِ پردہ دری بدکیش ہے

ارشاد ہوا فی زمانہ لوگوں کا اعتقاد بہت ناقص ہوگیا ہے۔ جب ان کے کام ان کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں تو اعتقاد بھی قائم رہتا ہے اور اگر کوئی کام خلاف ہوجاتا ہے۔ تو اسی وقت اعتقاد رخصت ہوجاتا ہے۔ آج کل پیر بھی اثباتِ اعتقاد

کے لیے مریدوں کی طرف داری کرتے ہیں۔ اگر حق گوئی اختیار کریں تو غالباً کسی کا بھی اعتقاد باقی نہ رہے۔

ارشاد ہوا اعتقاد ایک ایسی چیز ہے کہ بغیر ظاہر ہوئے نہیں رہتا۔ اگرچہ اعتقاد کا دعوٰے سب کرتے ہیں مگر جب امتحان کا موقعہ آتا ہے تو اکثر ناکام رہتے ہیں۔ فرمایا یہ کام مثل گیند کے کھیل کے ہے کہ ہر شخص گیند لے جانا چاہتا ہے لیکن گیند لے جانا صرف ایک ہی شخص کی قسمت میں ہوتا ہے اور دوسرے لوگ خالی رہ جاتے ہیں ؎

عشق بازی طفل بازی نیست اے دل سرباز
زانکہ گوئے عشق نتواں زد بچوگانِ ہوس

جس کسی کا خاتمہ اعتقاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ گیند اسی کی قسمت میں ہوتی ہے

ارشاد ہوا کہ ایک بزرگ کے بہت سے مرید تھے جو سب اس کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ ایک شتر سوار آیا سلام کیا اور چلا گیا۔ مریدوں نے تعجب کیا کہ بڑا بے ادب تھا اونٹ سے نیچے بھی نہ اترا اور چلا گیا۔ اس بزرگ سے پوچھا کہ یہ کون تھا؟ فرمایا یہ بھی میرا مرید ہے۔ عرض کی بہت بیباک ہے فرمایا کہ تم جیسے ہزاروں میں وہ ایک فاضل ہے۔ مریدوں کا شک اور بھی بڑھ گیا فرمایا تم میں سے کوئی ایک اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ شیخ کو ایک حاجت درپیش ہے ایسا کیا گیا۔ جب اس نے یہ بات سنی تو کوٹھے پر کھڑے ہو کر آواز دی

کہ میں اپنی تمام جائیداد بیچنا چاہتا ہوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ سستا بیچنے اور مہنگا خریدنے میں دیر نہیں لگتی۔ غرض وہ تمام جائیداد بیچ کر اور اپنے بچوں کو ساتھ لے کر شیخ کی خدمت میں فوراً حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے ان لڑکیوں کو نہیں بیچا ہے اس لیے کہ شاید یہ کام آپ کی مرضی کے موافق نہ ہو۔ پس بزرگ موصوف نے اپنے مریدوں کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم میں سے کسی کا اعتقاد ایسا ہے؟ اور کوئی اس طرح اپنا مال و اسباب میری حاجت کے لیے قربان کر سکتا ہے۔ رب نے سر جھکا لیے۔

ارشاد ہوا اعتقاد کے معنے یہ ہیں کہ جب کوئی حکم پہنچے تو اس کی تعمیل میں دریغ نہ کرے۔ چاہے جان اور مال سب پر بن جائے۔ نہ یہ کہ اپنی غرض اور حاجت کے وقت معتقد ہو جائے اور مصیبت کے وقت منحرف۔

ارشاد ہوا کہ مشائخ کی خلافت کا حق وصی کو پہنچتا ہے، اگرچہ وہ صاحب اولاد ہوں۔ اولاد کے چھوٹے بڑے ہونے کو اس میں دخل نہیں۔ اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا پھر فرمایا کہ یہاں خانقاہ میراں شاکر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مجاور بھچو شاہ تھا اور اس کی اولاد خانقاہ کا نذرانہ لیتی تھی۔ پیر عمر شاہؒ ڈھیری والہ نے جو شاہ شاکر شاہؒ کی اولاد سے تھے دعویٰ کیا کہ خانقاہ کی آمدنی میرا حق ہے۔ حضورؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہم یہ مسئلہ کتاب میں دیکھ چکے تھے کہ خلافت کا حق دار وصی ہوتا ہے۔ پس ہم منتظر رہے کہ دیکھیں اس مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ پس عدالت نے فیصلہ لکھا کہ پیر عمر شاہ اگر خانقاہ پر آئے گا تو پچاس روپیہ جرمانہ دینے کا مستحق ہوگا۔ آمدنی خانقاہ کے مستحق مجاور ہیں۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ حضرت بابا شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جب پاکپتن شریف میں آئے تو ایک عورت کا لڑکا کھو گیا تھا۔ اس نے خدمت شریف میں آکر عرض کی کہ میرا ایک ہی لڑکا تھا وہ بھی کھو گیا، دُعا کیجئے کہ مل جائے۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مراقبہ کیا دیکھا کہ وہ لڑکا اطراف گجرات میں گائیں چرا رہا ہے ہمت باطن سے اس کا بازو پکڑا اور گھر پہنچا دیا۔ پھر عورت سے کہا کہ گھر جاؤ۔ وہ گھر گئی دیکھا تو وہ لڑکا موجود ہے۔ پھر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ پانچ کنال زمین حضور میں نذر کرتی ہوں۔ فرمایا زمین ہمارے کس کام کی ہے۔ عورت نے پھر بعد عجز کہا کہ میں نے زمین نیتِ صادق سے نذر کی ہے۔ قبول فرما لیجئے اور اس کے اجر سے مجھے محروم نہ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا تیری روزی کا ایک یہی حیلہ ہے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ خیر ہم اس شرط کو قبول کرتے ہیں کہ دونوں وقت ہمارے لنگر سے کھانا قبول کر۔

ارشاد فرمایا کہ وہ عورت اور اس کا لڑکا تمام عمر لنگر سے کھانا کھاتے رہے۔ ان دونوں کے مرنے کے بعد مدعیوں نے دعویٰ کیا کہ زمین ہماری حقیت ہے۔ اس فقیر نے اسے بجبر لے لیا ہے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ طلب ہوئے۔ فرمایا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم عدالت میں جائیں۔ طلبی پھر ہوئی۔ فرمایا ہم تو اس جگہ سے نہ ہلیں گے مگر اس گردن شکستہ سے کہو کہ جواب دعوائے خود زمین سے مانگے اور پوچھے کہ وہ کس کی مملوکہ ہے۔ آخر حاکم کو موقعہ پر آنا پڑا۔

آپ نے ایک درویش کو بھیج دیا۔ حاکم نے درویش سے کہا کہ زمین سے پوچھو اور جواب لو۔ درویش نے انکار کیا اور کہا کہ مدعی خود پوچھ لیں۔ مدعیوں نے بھی عذر کیا۔ آخر حاکم نے درویش سے التجا کی کہ وہ خود دریافت کرے۔ درویش نے

کہا اے زمین میں باباصاحب کا بھیجا ہوا ہوں خدا تعالیٰ کے حکم سے بول اور مجھے بتا کہ تو کس کی ملکیت ہے۔ جواب آیا کہ میں بیچاری پانچ کنال زمین ہوں۔ میری کیا ہستی ہے۔ مشرق سے مغرب تک تمام زمین حضرت باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملک ہے۔ حاکم نے جب یہ جواب سنا متحیر ہو گیا اور رخصت ہوا۔ ابھی اس زمین متدعویہ کی حد سے نہ گذرا تھا کہ گھوڑے سے گرا اور گردن ٹوٹ گئی (آپ نے اُسے گردن شکستہ فرمایا تھا)۔

ارشاد ہوا کہ حضرت باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ شریف اسی زمین میں ہے دیوارِ حرم اُسی پر بنی ہوئی ہے۔

فرمایا جب زمین بولی تو تمام وحوش وطیور اور غیر ذی روح جو اس زمین میں تھے یک زبان ہو کر کہنے لگے کہ ہم سب باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملک ہیں اور ان کے متبع ہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چندین ہزار خلفاء جن وانسان میں سے ہوئے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ سبحان اللہ باباصاحب بارگاہِ ایزدی میں اس قدر مقبول ہوئے کہ کوئی دوسرا ولی اللہ نہ ہو سکا۔

پھر فرمایا دیکھو اس زمانۂ ناقص میں جب کہ بارہ تیرہ سو سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گذر چکے ہیں کسی ولی سے ایسی کرامتیں ظہور میں نہیں ہوئی ہیں۔ دروازۂ بہشتی کھول دیا اور ہزاروں لوگ اب تک فیض یاب ہو رہے ہیں ؎

عجب درگاہ ہے ان کی جو سلطانِ کرامت ہیں
یہاں جو کام ہیں سرمایۂ صد گونہ حیرت ہیں!

ارشاد فرمایا کہ اکبر بادشاہ نے بارہ کروہ زمین حوائی روضہ شریف میں اخراجاتِ لنگر شریف کے لیے معافی میں دی تھی۔ بادشاہ مذکور ایک دن دروازہ بہشتی میں سے گذرنے کے لیے پہنچا۔ موجودالوقت دیوان صاحب سے کہا کہ دروازہ کھولیں۔ دیوان صاحب نے فرمایا کہ یہ دروازہ پانچویں محرم الحرام کے علاوہ کبھی نہیں کھلتا۔ ہاں اگر بہشتی دروازہ میں کہیں کوئی سوراخ ہو تو اس میں انگلی ڈال دیں۔ شاید یہ بھی دروازہ سے گذرنے کے ہم معنی ہو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا مگر ہمراہی وزیر فاسد الاعتقاد تھا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی بادشاہی کی ان لوگوں نے کچھ قدر نہ کی۔ جاگیر ضبط کر لینی چاہیے یا ان کی کوئی کرامت دیکھنی چاہیے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا مشورہ سے کہ زندہ شخص کو دم کشی کے طریقے سکھا کر چارپائی پر سُلا دیا اور لوگوں کو اس کے جنازہ پر جمع کر کے دیوان صاحبؒ کو اطلاع دی کہ جنازہ پر تشریف لاویں۔ دیوان صاحب نے ایک درویش کو بھیج دیا مگر پھر اصرار کیا گیا کہ اس مُردہ کی مغفرت کے لیے آپ ہی کا تشریف لانا مناسب ہے۔ آخر دیوان صاحب جنازہ پر پہنچے۔ کچھ دیر اس کے سامنے کھڑے رہے۔ پھر پوچھا اس کا ولی کون ہے۔ کسی نے کہا میں ہوں۔ تین مرتبہ اس سے پوچھا کہ نماز جنازہ پڑھوں اجازت دی گئی۔ آپ اجازت مانگنے اور خاموش ہو جاتے تھے مگر کوئی اس راز کو نہ سمجھا۔ آخر اجازت دی گئی اور آپؒ نے نماز جنازہ پڑھ دی۔ اس شخص کے ولیوں نے میت کے پاس جا کر اشارہ کیا کہ اُٹھ بیٹھ مگر پھر جو دیکھا تو وہ شخص واقعی مُردہ تھا۔ دیوان صاحب نے فرمایا کہ اب دفن کرنے میں حیلہ نہ کرو۔ اس لیے کہ یہ قیامت تک زندہ نہیں ہو سکتا۔ اُس کے عزیز رونے پیٹنے لگے اور منتیں کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھے اِس شخص کے جنازہ پر لائے تھے۔ تو میں نے دیکھا کہ حضرت باباصاحبؒ

جنابِ الٰہی میں دست بدُعا ہیں کہ یا اللہ میری اولاد کی پردہ پوشی کر۔ اور میں نے چند مرتبہ پس و پیش کے ساتھ اس لیے دُعا مانگی تھی کہ شاید لوگ اب بھی سمجھ جائیں اور اس مذاق سے باز آئیں تاکہ اس شخص کی مرگِ ناحق میرے ذمّہ نہ لکھی جائے اور قابضِ ارواح فرشتے کو بھی میں اس وقت وہیں دیکھ رہا تھا۔

جب یہ کرامت دیکھ لی تو وزیر نے پھر مکاری کی اور بادشاہ سے کہا ان سے کہو میں بیت اللہ شریف میں نماز پڑھوں گا۔ اگر یہ کرامت بھی ظاہر ہو جائے تو خیر ورنہ پھر جاگیر ضبط کر لی جائے۔ بادشاہ نے دیوان صاحب سے اسی طرح عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو جو سوال کرنا چاہے کر لے۔ ان شاء اللہ حضرت بابا صاحبؒ کی برکت سے پورا ہو گا۔ مجھے تیری معافی اور جاگیر کی ضرورت نہیں ہے مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تیرا عقیدہ فاسد نہ ہو۔ اس لیے کہ اگر تیرا عقیدہ فاسد ہو گیا تو تمام ملک تباہ و برباد ہو جائے گا۔

آخر دیوان صاحبؒ نے فرمایا کہ آنکھیں بند کر اور پاؤں پہ پاؤں رکھ۔ ایسا ہی کیا گیا۔ بادشاہ کیا دیکھتا ہے کہ بیت اللہ شریف میں موجود ہے۔ نماز پڑھی اور واپسی کی درخواست کی۔ دیوان صاحب نے فرمایا کہ اگر صرف نماز پڑھ کر یہاں سے چلا گیا تو تیرے وزیر کو کیونکر یقین ہو گا کہ تو نے بیت اللہ شریف میں پہنچ کر نماز ادا کی ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی کس طرح معلوم ہو گا اس لیے یہاں سے کوئی چیز اپنے ہاتھ میں اٹھا لے آخر بادشاہ نے ایک درخت کے پتّے اُٹھا لیے اور حضرت دیوان صاحبؒ کی ہمت سے پھر پاکپٹن شریف میں پہنچا۔

اتنی کرامتوں کے مشاہدہ کے بعد بھی وزیرِ بے پیر نے قرار دیا کہ روئی اور شکر

کی فصل اس جاگیر سے کم کر دی جائے۔ باقی چیزیں معاف ہیں مگر قضائے الٰہی سے یہ دونوں فصلیں اس زمین میں پیدا نہیں ہوتیں۔ اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ اجمیر شریف حضرت خواجہ ولی الہند غریب نواز علیہ الرحمۃ کے عرس شریف پر بڑی خلقت جمع ہوتی ہے اور سب کو فیض پہنچتا ہے۔

ایک عورت نے وہاں نذر مقرر کی تھی کہ اگر خدائے تعالیٰ خواجہ صاحب کی برکت سے مجھے لڑکا دے گا تو اس قدر نذر کروں گی۔ خدا نے خواجہ صاحب کی برکت سے اُسے لڑکا عنایت فرمایا۔ وہ اس لڑکے کو گود میں لیے ہوئے ادائے نذر کے لیے درگاہ شریف پر حاضر ہوئی اور ایک بزرگ کے غلافِ تربت میں اپنے لڑکے کو چھپا کر (جن کا مزار روضۂ خواجہ علیہ الرحمۃ کے باہر تھا) قضائے حاجت کے لیے چلی گئی۔ واپس آئی غلاف ہٹایا۔ دیکھا کہ لڑکا مرا پڑا ہوا ہے۔ لڑکے کو اُٹھا لیا اور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے مزارِ پُر انوار کے غلاف میں لٹا کر کہنے لگی کہ میں حصولِ فیض کے لیے یہاں آئی تھی یا نقصان اُٹھانے کے لیے۔ ابھی کچھ دیر نہ گذری تھی کہ لڑکا رونے لگا۔ عورت نے دیکھا تو زندہ ہو گیا تھا، ہنس کر گود میں اُٹھا لیا۔ اُسی رات کو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مجاور کو خواب میں حکم دیا کہ اس شخص کو مع تربت کے ہم سے دور کر دو کہ مخلوقِ الٰہی ہر جگہ سے یہاں فائدہ اور فیض کے لیے آتی ہے۔ اس شخص نے ناحق خون کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ آخر اسی وقت قبر معلومہ کھود کر معہ لاش کے وہاں سے ہٹا دی گئی اور بیرون احاطہ میت دفن کی گئی۔ اب وہاں اس قبر کا کوئی نشان نہیں ہے۔

روئے زمین کے نواب ہمیشہ اس جگہ حاضر ہو کر سلامی ہوتے ہیں اور بیشمار نذریں چڑھاتے ہیں اور ہر شخص الگ الگ عرس کرتا ہے اور لنگر پکواتا ہے۔ نواب صاحب حیدر آباد دکن نے وہاں ایک مجلس خانہ تعمیر کرایا ہے جو بہت وسیع ہے اور کئی لاکھ روپیہ اس کی تعمیر میں خرچ ہوئے ہیں۔

ایک دن ارشاد ہوا کہ ہمارے حضرت صاحب علیہ الرحمۃ نے چالیس سال تک تونسہ شریف کا سفر کیا تھا، جب گھر آتے تھے بیقرار ہو جاتے تھے اور پھر روانہ ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے قدموں سے ریگستان میں ایک نیا راستہ پیدا ہو گیا تھا۔ ایک کمبل پشمینے کا ہمیشہ پاس رہتا تھا۔ سردیوں میں رات اُسی میں کٹتی تھی اور گرمیوں میں بجائے فرش کے بچھالیا جاتا تھا۔

جب حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ مہار شریف یا پاکپٹن شریف کا سفر کرتے تو ہمارے حضرت آگے آگے تشریف لے جاتے۔ گھوڑے کا غاشیہ اور ایک آہنی رنبہ سر پر رہتا تھا۔ منزل پر پہنچ کر گھوڑے کی صفائی گھاس اور خوراک کا انتظام انہیں کے ذمہ تھا۔ یہ خدمت انجام دے کر ایک مکان میں علیحدہ مقیم رہتے یہاں تک کہ اسی کام اور اہتمام میں آپ ضعیف ہو گئے۔

ارشاد ہوا ایک روز حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم سفر مہار شریف میں بہت دوڑے آخر ایک منزل پر پہنچ کر بہت خستہ ہو گئے۔ اور ایک مسجد میں الگ جا پڑے۔ حالت ایسی تھی کہ گویا اب کوئی کام نہ ہو سکے گا۔ فجر کے

وقت میں اسی اندیشے میں تھا کہ ایک چرواہا مسجد کے سامنے سے گذرا اور کچھ دوہڑے پڑھنے لگا۔ اس کے کلام نے مجھ پر اثر کیا اور میرا کسل دور ہو گیا۔ اُٹھا کمر باندھی اور پھر آمادہ سفر ہو گیا۔

ارشاد ہوا کہ آخر عمر میں جب ہمارے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ضعیف ہو گئے تھے تو سفر مہار شریف درپیش ہوا۔ خواجہ صاحب تونسوی علیہ الرحمۃ نے لانگری سے ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب سیالوی کو سواری ضرور دی جائے۔ اتفاقاً روانگی کے وقت تمام گھوڑے اور اونٹ عالموں اور خاص خاص لوگوں میں تقسیم ہو گئے اور ہمارے حضرت صاحب موافق عادت عالم کے ساتھ پیادہ پا چلے۔ قافلہ جب مہار شریف پہنچا تو خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے لانگری کو بلایا اور پوچھا کہ مولوی سیالویؒ کو کونسی سواری دی تھی۔ عرض کی ان کے لیے کوئی سواری باقی نہ رہی تھی۔ خواجہ علیہ الرحمۃ کو جوش آگیا اور فرمانے لگے "ہے جھلا تھیویں" یعنی تو بے عقل ہو جائے۔ پس اُس نے لباس کے ٹکڑے اُڑا دیے اور بے ہوش ہو گیا۔ پھر چارپائیاں اور روٹیاں تقسیم کرنے والوں سے پوچھا کہ مولوی کو روٹی خاص لوگوں کے ساتھ دی تھی یا عوام کے ساتھ۔ اُس نے کہا عوام کے ساتھ۔ پھر ہمارے حضرت صاحبؒ کو بلایا اور سواری۔ روٹی اور چارپائی کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے آرام اور آسودگی اور حصولِ مطلب کے شکر کے سوا کوئی شکایت نہ کی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا اب اپنے گھر جاؤ اور آرام کرو۔ اُس وقت میاں محمد اشرف نے یہ شعر پڑھا ؎

دنیا شکارگاہِ گیستہ سگانِ ما　　عقبیٰ چرائے گاہِ خرانِ خرانِ ما

ارشاد فرمایا کہ یہ ابیات ایک مکتوب کا جواب ہیں جو حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت غوث بہاؤ الحق رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا۔ حضرت بابا صاحبؒ کی رباعیاں یاد نہیں رہیں۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقر و مسکینی کی حالت کو حضرت غوث بہاؤ الحق رحمۃ اللہ علیہ کی تونگری پر ترجیح دی تھی۔ اس کے جواب میں حضرت غوث علیہ الرحمۃ نے لکھا تھا ؎

دنیا شکار گاہِ کیستہ سگانِ ما　　عقبےٰ چراگاہِ خرانِ ما

جملہ بشر کواکب و افلاک انجمن　　جبریلؑ با ملائکہ از چاکران ما

کرسی و عرش گشت بزیرِ قدم نہاں　　اسلام و کفر سوز دازیں امتحان ما

بشنو تو از بہائی سخن ہائے اے فریدؒ

واللہ شان وحدت در شانِ شانِ ما

ارشاد ہوا حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی یہ حالت تھی کہ کبھی جوش میں نہ آئے اور اسی مرتبہ کی وجہ سے وہ بارگاہِ ایزدی جلّ شانہ میں مقبول تھے۔

ارشاد ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی لڑکی کو وقت نکاح ڈوبے بہا لعل دیے تھے۔ وہ ایسے تھے کہ اگر تمام روئے زمین کے خزانے دیے جائیں تو بھی ایک لعل کی قیمت ادا نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ بادشاہ ایران کو ایک لعل ملا۔ بادشاہ روم حصولِ لعل کے لیے آمادۂ جنگ ہوا۔ وہ ڈرا اور لعل روضہ مقدسہ حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نذر کر دیا۔ اب تک وہ لعل روضہ شریف میں رات کے وقت چاند کی طرح چمکتا ہے۔

اسی طرح ایک نواب کو سنگِ محک کے دو ستون سمندر میں مل گئے تھے۔ دوسرے لوگ ان کے درپے ہوئے۔ وہ بھی ڈر گیا اور ستون قلندر صاحب کی نذر کر دیے جواب بھی موجود ہیں مگر کسی کو ان کی قیمت معلوم نہیں ہے۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ ایمان بھی غیرت ہی کا نام ہے۔ جس کو غیرت زیادہ ہے اس کا ایمان بھی کامل ہے اور جس کو غیرت نہیں ہے وہ دیّوث ہے اَلدَّیُّوْثُ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ۔ فرمایا سو مجوس مل کر ایک دیوث بنتا ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرات صاحبزادگان صاحب جلال ہوتے ہیں ؏

قربِ سُلطاں آتشِ سوزاں بود

بے چارے درویشوں کی کیا مجال کہ کچھ کہہ سکیں ؎

خلافِ رائے سلطاں رائے جستن

بخونِ خویش باید دست شُستن!

اگر خادمانِ دربار کا حکم نہ بجا لائیں تو بھی عوق ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ مشائخ کا کام حلم ہے۔ جب سے مجھے حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ سے سعادتِ قدم بوسی حاصل ہوئی میں نے کبھی روئے مبارک کو سُرخ نہ دیکھا لیکن ایک مرتبہ مجھے ایک کتاب لکھنے کا حکم دیا گیا۔ میں وہ کتاب مسجد شریف میں لکھا کرتا تھا اور حضرت صاحب از راہِ لطف و کرم روز دو تین مرتبہ آ کر دیکھ جاتے تھے۔ ایک دن سیاہی دوات میں خراب تھی۔ فرمایا کہ سیاہی خراب ہو گئی ہے۔ یہ کہا اور واپس تشریف لے گئے

اتفاقاً شیخ صاحب سامنے آ گئے۔ آپ نے ان کو جھڑکا اور فرمایا کہ تم اس کام سے کیوں غافل اور بے خبر ہو۔ سیاہی خراب ہونے کی وجہ سے کتاب کی لکھائی مشکل ہو گئی ہے۔ اس روز آشفتگی کے آثار میں نے آپ کے روئے مبارک پر دیکھے تھے۔

پھر فرمایا میں نے درویشانِ دربار سے دریافت کیا کہ کبھی تم لوگوں نے بے نیازی کی باتیں حضرت صاحب کی زبان سے سُنی ہیں۔ وہ کہنے لگے شیخ صاحب کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ برسرِ اجلاس دلیرانہ گفتگو فرماتے تھے مگر حضرت خواجہ صاحبؒ کو کبھی دلیرانہ گفتگو کرتے نہیں سُنا۔

ارشاد فرمایا ایک مرتبہ درویشوں نے کہا کہ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ موسمِ گرما میں بجز تہ بند و کلاہ کوئی کپڑا آپ کے جسمِ مبارک پر نہ ہوتا تھا۔ ایک دن خادم پانی کا کوزہ طہارت کے لیے لا رہا تھا۔ آپ چوکی پر بیٹھے ہوئے سرِ مبارک کو ایک ہاتھ سے مل رہے تھے اور فرما رہے تھے یہ کمینے لوگ کہتے ہیں:۔

سر گونا مُلّاں بیٹھا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ سارے جہان دا مُل بیٹھا ہے

یعنی سارے جہان کی قیمت۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت صاحب زادہ خیر محمد تونسوی موضع پھالیہ میں مہدی خاں کے پاس آئے اور اس جلال کی وجہ سے جو ان میں موجود تھا کسی نذرانہ پر ناراض ہو گئے خان مذکور نے بہت منت سماجت کی مگر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ آخر خانِ مذکور نے ایک رسی اپنے گلے میں باندھ کر کہا کہ اگر حضور خفا ہو کر چلے گئے تو میں اس رسی کا

پھندا لگا لونگا تاکہ جان بھی آپ کے ساتھ چلی جائے۔ جب یہ حال دیکھا تو آپ راضی ہو گئے۔ رسی کا پھندا اس کے گلے سے کھول دیا لیکن رد شدہ نذرانہ کو پھر قبول نہ فرمایا۔ وہاں سے پھر جلال پور شریف کا قصد کیا۔

آپؒ نے فرمایا کہ جب صاحبزادہ موصوف یہاں (جلال پور شریف) کے قصد سے روانہ ہوئے۔ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے پوچھا صاحب زادہ صاحب جو جانب شمال گئے ہوئے ہیں، کسی کو معلوم ہے کہ اب کہاں ہیں۔ لوگوں نے عرض کی کہ اب جہدی خاں کے پاس ہیں اور وہاں سے جلال پور جائیں گے۔ فرمایا دعا کرو کہ خدا ان کو وہاں نہ لے جائے۔ وہ بے چارہ درویش ہے۔ ان کا بار نہ اُٹھا سکے گا۔ جب صاحب زادہ صاحب موصوف دریا پر پہنچے پوچھا کہ جلال پور کی زمین صاف ہے یا کوہستانی لوگوں نے عرض کی کوہستانی ہے۔ فرمایا تو پھر ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ یہ کہا اور جانب جنوب تشریف لے گئے۔

ارشاد فرمایا کہ غلام شاہ صاحب سہرن پوری جیسا تارک الدنیا دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ جو کچھ موجود ہوتا خدا کی راہ میں دے دیتے۔ ایک دفعہ بیمار ہو گئے اور بدن کے کپڑے اُتار کر سائلوں کو دے دیے۔ جب وقت نزع آیا تو ایک سائل پہنچا محمد دین درویش سے کہا کہ لحاف کے نیچے سے میرا تہ بند نکال لو اور اس سائل کو دے دو۔ درویش نے عرض کی کہ حضرت برہنہ رہ جائیں گے۔ فرمایا کہ ہم برہنہ ہی آئے تھے اور برہنہ ہی جائیں گے۔ پھر تین مرتبہ "اللہ" کہا اور جاں بحق تسلیم ہوئے انہیں غلام شاہ صاحب کے متعلق ارشاد ہوا کہ ایک مرتبہ آپ نے دو مکان عمدہ

بنوائے۔ بارش ہوئی تو قضائے الٰہی سے دونوں مکانوں کی چھتیں گر پڑیں تو اُسی وقت تمام لکڑیاں کشتی میں لدوا کر سیال شریف روانہ کر دیں۔

ارشاد ہوا ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم تونسوی علیہ الرحمۃ کے نواسے ہرن پور تشریف لائے اور شاہ صاحب کے پاس نقد کچھ موجود نہ تھا کہ نذرانہ ادا کرتے۔ چھت پر کھڑے ہو کر ندا کی کہ میں اپنی زمین کو جس قیمت پر کوئی لینا چاہے فروخت کرتا ہوں جس کے پاس روپیہ ہو لے لے۔

فرمایا شاہ صاحب مقروض تھے اور دو تین گھوڑے تجارت کے لیے خرید لیے تھے۔ دو گھوڑے اپنے چھوٹے بھائی کے پاس موضع ٹھوک میں بھیج دیے تھے اور ایک گھوڑا اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اتفاقاً وہ گھوڑا صاحبزادہ تونسویؒ کی نظر پڑ گیا پوچھا کہ یہ کس کی ملک ہے۔ شاہ صاحب نے عرض کی کہ اگر پسندِ نظر ہے تو نذر ہے۔ ؎

ہے جو حاضر اس میں حجت ہی نہیں

بعدہٗ صاحب زادہ صاحب اُن کے بھائی کے پاس موضع ٹھوک میں گئے تو انہوں نے وہ دونوں گھوڑے بھی نذر کر دیے۔

ارشاد ہوا کہ شاہ صاحب ہر پوشیدہ بات بھی ہم سے کہہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن بیان کرتے تھے کہ بچپن میں حافظ چو غطہ صاحب ہر نپوری کے ہمراہ حضرت خواجہ تونسوی علیہ الرحمۃ کا نیاز حاصل ہوا۔ وہاں حاجی بختاور نامی ایک

درویش تھا۔ جو ہر مسافر کو آستانے پر لے جاتا اور اس کی سفارش حضور میں کرتا۔ حافظ مذکور مجھے بھی اس درویش کے پاس لے گئے۔ وہ بعد نماز شام مجھے حضور میں لے کر آیا اور عرض کی غریب نواز آپ دریائے رحمت بے پایاں ہیں اور یہ لڑکا اہل بیت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ حضور اس پر نظر شفقت فرما کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیں۔ مجھے یاد ہے کہ جس وقت حضرت علیہ الرحمۃ نے میرا ہاتھ پکڑا تین باتیں مجھے محسوس ہوئیں۔ ایک اسم ذات میرے دل میں بے اختیار جاری ہو گیا۔ دوسرے میرے پیٹ میں بجائے بھوک کے پتھر کی طرح کوئی چیز سما گئی کہ اس دن کے بعد کھانے کی خواہش نہ ہوئی۔ تیسرے حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کا تصور اس قدر روشن ہوا کہ قضائے حاجت کے وقت مجھ کو شرم آیا کرتی تھی۔

ارشاد ہوا کہ شاہ صاحب موصوف سات سات روز تک کچھ نہ کھاتے تھے یہاں تک کہ ان کے سینے سے خون نکلنے لگتا تھا۔ کمر پر چادر اور پوستین کی زنبیل بغل میں دبائے مسافروں کے لیے گدائی کیا کرتے تھے۔

ارشاد ہوا کہ ایک دن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک لوہار کی دکان پر کھڑے ہوئے تھے کہ ایک پیرزادہ بڑی شان و شوکت سے وہاں آیا اور پوچھا کہ یہ آدمی کون ہے۔ لوگوں نے حسب وقت ان کی تعریف کر دی۔ وہ کہنے لگا کہ اگر فقیر ہے تو کوئی کرامت ظاہر کرے یا مجھ سے دیکھے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے وہ زنبیل سامنے کر کے کہا کہ میں تو فقیر ہوں۔ گدائی کرتا ہوں اگر تمہیں فقر کا

دعویٰ ہے تو کچھ دکھاؤ۔ پیرزادہ خاموش ہو گیا تو کہنے لگے کہ اس فقیر سے کیا چاہتے ہو کہا اس سندان کو اپنی طرف بلاؤ۔ لوہار اس پر کام کر رہا تھا کہ ناگہاں وہ اپنی جگہ سے اچھلی اور ان کے سامنے آپڑی اور پھر وہاں سے اچھل کر اپنی جگہ پر چلی گئی۔ پیرزادہ اس واقعہ سے خوف زدہ ہو گیا۔ کج بحث گفتار میں تو تیز تھا اور اب نوبت اسرار کی پہنچی تو متحیر ہو گیا اور سوچنے لگا کہ کہیں فقیر دست درازی نہ کر بیٹھے مگر وہ خود اس جگہ سے غائب ہو گئے

ارشاد ہوا کہ لوگوں نے جب اس کرامت کا راز آپ سے پوچھا فرمایا کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ صرف حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا تصرفِ تصوّر تھا۔ جس نے سندان اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر جگہ سے دور ڈال دی اور پھر اسی جگہ رکھ دی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ارواح میں قبولیت کا مادہ ہوتا ہے۔ ارواح کی ایجاد ایک ہی وقت میں ہوئی ہے مگر خدا تعالیٰ نے بعض کو بعض پر مکرم و مقبول فرمایا ہے اگرچہ بعض کو دنیا میں مؤخر پیدا کیا ہے۔ تاہم جو حالات اور کرامات ملفوظات میں دیکھے گئے ہیں ان کو دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔

ارشاد ہوا کہ اسی طرح ہمارے حضرت خواجہ شمس العارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدا میں لباس اور مزاج شاندار رکھتے تھے اور جہاں جاتے تھے خاص و عام میں مقبول و منظورِ نظر ہو جاتے تھے۔ چنانچہ قحط پڑ رہا تھا اور آپ مولوی صاحب مکھڈی

سے تعلیم حاصل کرتے تھے، مولوی صاحب بغیر ان کے کھانا نہ کھاتے تھے (یہ قصہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے)

ارشاد ہوا محمد الدین ایک پراچہ تھا جو ہفتے کے بعد ایک دن آپ کی دعوت کیا کرتا تھا ورنہ اکثر فاقہ ہی میں گذرتی تھی۔ مولوی صاحب مخدومی بھی لباس نفیس شاہانہ پہنتے تھے۔ پالکی میں بیٹھ کر تونسہ شریف جاتے تھے اور حضرت خواجہ تونسوی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے میرا بانکا آیا۔

ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ شمس العارفین رضی اللہ عنہ تونسہ شریف سے تشریف لا رہے تھے۔ ریگستان میں ایک گروہ چوروں کا ملا اور چاہا کہ دست درازی کرے۔ حضرت صاحبؒ نے ایک پتھر اُٹھا لیا۔ اُدھر چوروں نے فریاد کی اور پناہ مانگنے لگے۔ آپ نے فرمایا میں تو تنہا ہوں تم کیوں ڈرتے ہو۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں آدمی تمہارے ساتھ پتھر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر ماریں تو ہمیں بھاگنے کو جگہ نہ ملے۔

ارشاد ہوا کہ میراں سید محمدؒ ہی فاضل اجل ہوئے ہیں۔ علماء میں جب کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو فیصلہ آپ کے فتوے پر قرار پاتا تھا۔ ایک دفعہ کچھ آدمی ایک مسئلہ پوچھنے آئے۔ اتفاق سے وہ نہ ملے تو واپس چلے گئے۔ پھر ان لوگوں نے کچھ آواز سی سنی۔ واپس آئے تو دیکھا کہ میراں صاحب موجود ہیں۔ حیران ہوئے۔ وہ فرماتے

لگے کہ میں اس وقت بیت اللہ شریف میں تھا۔ نماز کے لیے تیاری ہو رہی تھی صرف تکبیر میں وقفہ تھا کہ آپ لوگوں کی حاجت برآری کے لیے ادھر چلا آیا اور وہاں بھی موجود رہوں گا۔

حکیم صاحب دولت پوری نے دریافت کیا کہ اہلِ ولایت کی کیا علامت ہے ارشاد ہوا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔	جو لوگ خدا کی راہ (جہاد) میں قتل کیے گئے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم جان نہیں سکتے (اس لیے کہ ان کا ادراک عقل کے ساتھ متصور نہیں ہے)

ارشاد فرمایا کہ خدا کی راہ میں مرنے سے مراد جہاد میں بذل و ایثار کرنا ہے۔ جہاد دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک کفار کے ساتھ اور ایک اپنے نفس کے ساتھ۔ چناں چہ جب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جہاد کفار سے لوٹے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

رَجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰى جِهَادِ الْاَكْبَرِ	ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔

محبوب کے لیے ایثار زندگی کرنے میں جو حلاوت و لطف حاصل ہوتا ہے اس کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سانپ کے سوراخ اپنی انگلیوں سے

بند کر دیتے ہیں تاکہ ان کے محبوب کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ ان کے دوسرے دوست علی کرم اللہ وجہہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو جاتے ہیں تاکہ کفار انہیں تو آپ کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ یعنی ان دونوں کو راحت و حلاوت اس میں ہے کہ اُن کی جان محبوب کی راہ میں چلی جائے ؎

سر وہ سر ہے جو فدائے درِ جاناں ہو جائے
جان وہ جان ہے جو یار پہ قرباں ہو جائے

ارشاد ہوا کہ جنگِ اُحد میں جب مومنین قتل ہونے لگے تو ایک شخص اس ارادہ سے چلا کہ کسی کو وقتِ آخر شربت پلا دے۔ وہ کہتا ہے میں نے دیکھا کہ صحابۂ کرام میں سے ایک مجروح پڑا ہے اور آخری سانس گن رہا ہے۔ اس نے مجھ سے اشارہ کیا کہ پانی مجھے پلا دے۔ جب میں اس کے پاس گیا تو دوسرے مجروح نے آواز دی کہ مجھے پلا دے۔ پہلے مجروح نے پانی نہ پیا اور کہا کہ اس کو دے دو۔ اسی طرح سات آدمیوں نے پانی مانگا۔ جب میں ساتویں شخص کے پاس گیا تو اس نے پانی مجھ سے لے لیا اور جان دے دی۔ جب میں واپس ہوا کہ ان چھ مجروحین کو پانی پلاؤں تو دیکھا کہ وہ سب جاں بحق ہو چکے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ یعنی اس چیز کا ایثار کرتے ہیں جس کی انہیں خود ضرورت ہوتی ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

کسی آدمی کے لیے کوئی چیز جاں نثاری سے زیادہ مشکل نہیں ہے اور جب جان نثار کر دی تو پھر مال و اولاد خرقہ اور کھانے کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ پھر وہ ایک جان کے معاوضہ میں حیاتِ ابدی اور قربِ سرمدی حاصل کرتے ہیں۔

مثنوی

کان للہ بودہ اندر ما مضٰے ۔۔۔ تاکہ کان اللہ لہٗ آید جزا

عشق میں گھُل کے جان دے مژدۂ صد حیات لے

ہے نئی ایک زندگی شمع کے ہر گداز میں

ارشاد ہوا کہ دنیا میں کوئی ان کے حال اور زندگانی سے خبردار نہیں ہوتا۔ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ اِلَّا اَوْلِیَائِیْ، حدیثِ قدسی یعنی میرے دوست میرے پردۂ عظمت میں پوشیدہ ہیں۔ انہیں میرے اور میرے دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ارشاد ہوا کہ ایک بزرگ سفرِ حج میں ایک دوست کے گھر مہمان ہوئے۔ میزبان کی عورت اپنی عادت کی وجہ سے آشفتہ ہوئی اور خدمتِ مہمان سے انکار کیا اور شوہر کو مار کر نیز گالیاں دے کر بے حرمت کیا۔ چوں کہ وہ مردِ خدا تھا۔ اس کی اذیت رسانی پر صبر کیا اور منت و ملائمی سے اپنی عورت سے نجات حاصل کی اور کھانا مہمان کے سامنے لا کر رکھا۔ مہمان نے کھانا کھایا اور رخصت چاہی۔ میزبان نے کہا کہ آنکھیں بند کر اور پاؤں میرے پاؤں پر رکھ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کہا کھول دے

اس مرد نے دیکھا کہ ہم دونوں عرفات میں آئے ہوئے ہیں۔ پس مہمان نے اس کی عورت کو اس حال سے آگاہی دی اور بے حرمتی سے منع کیا اور چلا گیا۔ وہ عورت اپنی روش سے پھر گئی اور طریقِ ادب اختیار کیا۔ وہ مردِ خدا اس بات کو دیکھ کر بہت ملول ہوا کہ میرے دوست نے میرا راز غیر پر فاش کر دیا ؎

اولیا اطفال حق اند اے پسر
از حضور و غیب مے دانند خبر

ارشاد ہوا کہ صورت بشری بمنزلہ لباس کے ہے۔ مگر فقیر اور لباس کا کیا اعتبار ہے لیکن فقر دوسری چیز ہے جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے اَلْفَقْرُ اِذَا تَمَّ هُوَ اللّٰهُ فقر جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو پھر سوائے ذات واحد الاحد کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔

ایک روز ارشاد فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ۔ اے اللہ مجھے ایسا ملک عطا فرما کہ میرے بعد ویسا پھر کسی کو نہ ملے۔ حق تعالیٰ نے دیووں، پریوں، وحش وطیور اور ہوا وغیرہ کو ان کا مطیع کر دیا لیکن وہ جب تک زندہ رہے، دیووں کے مکر سے بے خوف نہ رہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) نے کچھ بھی نہ مانگا تو حق تعالیٰ نے فرشتوں کو ان کی پاسبانی پر مقرر کر دیا اور حور و غلمان کو ان کا خدمتگار بنایا اور

روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں انہیں سونپ دیں اور فرمایا کہ تکلیف نہ اٹھاؤ ان خزانوں سے اپنا تجمل بڑھاؤ۔ عرض کی بارِ خدایا میں کچھ نہیں چاہتا مگر ایک دن بھوکا رہنا اور ایک دن سیر رہنا چاہتا ہوں۔ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھی سے ہے۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ میاں روشن الدین پنڈوری والا خدمتِ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر ہوا۔ پوچھا کون ہے۔ عرض کی روشن الدین فرمایا کون روشن الدین۔ عرض کی آپ کا مرید۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے پھر روشن الدین نے قدم بوسی کی تو پوچھا کون ہے۔ عرض کی روشن دین۔ فرمایا کون روشن دین اس اثنا میں مساۃ بانو چلائی کہ حضور جب آپ ہمیں بھول گئے تو پھر اس جہان میں کس طرح یاد رکھیے گا۔ اس آواز سے آپ چونکے جیسے کوئی سوتے سے اٹھتا ہے۔ اور روشن دین نے عرض کی کہ حضور میں وہی ہوں جو عرصہ سے خادمِ درِ دولت ہوں۔ فرمایا ہاں تو وہی ہے لیکن میں وہ نہیں ہوں جو تھا۔ پس جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو جمیع فیوضِ ربانی کا جامع ہو جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا تم نہیں دیکھتے ہو کہ باوجود تخالفِ مذاہب تمام قومیں اور فرقے عرس شریف حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر جمع ہوتے ہیں اور سرِ تسلیم جھکا کر "فرید فرید" کا نعرہ لگاتے پھرتے ہیں۔ نہ کسی کو کسی کے اعتراض کی پرواہ ہوتی ہے نہ انکار کی۔ اور چاروں سلسلوں اور طریقوں کے خلفاء بابا صاحبؒ

کے فیضان کے دریا میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ چناں چہ مولوی محی الدین صاحب قصوری نقشبندی اور مفتی صاحب میانی والا ہمیشہ پاک پٹن شریف میں حاضر ہوتے ہیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ فقر نہ علم سے حاصل ہوتا ہے نہ اکتساب سے اس لیے کوئی اپنے اختیار سے مسلمان نہیں ہو سکتا پس فقر جو قبولیت سے وابستہ ہے کس طرح نصیب ہو سکتا ہے ؎

ہیچ ہر چیزے زخود قادر نہ شُد
ہیچ آہن خود بخود خنجر نہ شُد

لیکن جس کسی کو خدائے تعالیٰ پیرِ کامل کی اطاعت و خدمت میں پہنچا دیتا ہے اُسے سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ جو کچھ ہے پیر ہے ؎

چوں تو ذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

ارشاد ہوا کہ جس کو خدائے تعالیٰ اپنی درگاہ میں منظوری عطا فرماتا ہے اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ اس کے گناہ پھر گناہ نہیں رہتے بلکہ معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ۔

ارشاد ہوا سلطان شامان خان کو جب اللہ تعالیٰ نے منصبِ عشق و محبت عطا فرمایا تو انہیں سلطنت سے وحشت ہونے لگی۔ تخت چھوڑ کر اور ترکِ شاہی کر کے لباس

گدائی اختیار کیا۔ جو شخص ان کے حال پر افسوس کرتا آپ اس سے کہتے ؎

حاصلِ ایامِ عمرِ ما بنادانی گذشت   آنچہ باقی بود آں ہم در پریشانی گذشت

بادشاہی بے خلل را در گدائی یافتم

حیف بر عمرے کہ در خانی و سلطانی گذشت

آپ نے فرمایا کہ سلطان مذکور کبھی کبھی اس امیر کی مجلس میں آتے جاتے رہتے تھے جو ان کی جگہ مقرر ہوا تھا۔ جب وہ آتے تو اہلِ مجلس تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے امیر یہ حال دیکھ کر جلنے لگا اور حکم دیا کہ اب جس وقت سلطان یہاں آئیں کوئی تعظیم نہ دے جب سلطانِ مذکور کو یہ حال معلوم ہوا تو فوراً کہنے لگے ؎

اہلِ مجلس گر نہ برخیزند بے دل نیستم

نقصِ عزت نیست گر تصویرِ قالیں بر نخاست

غرض یہ ہے کہ چشم شہود میں موجود انسان تصویرِ قالین کی طرح بے جان اور بے کار نظر آنے لگتا ہے۔ پس انسانی تعظیم بھی حقیر معلوم ہوتی ہے۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ جب درویش کو بہ نسبت شیخ یہ حقیقت مشہود ہو جائے کہ:

گفتہ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

پس تصحیح اغلاط اور تخصیص اوقات میں اپنے اختیار سے مشغول نہ ہو کہ یہ ادب کے منافی ہے۔ اس لیے کہ اپنی طرف سے جس قدر صحتِ اغلاط میں کوشش کریگا وقت

ضائع ہوگا اور فائدہ سے محروم رہے گا بلکہ زیادہ تر غلطیوں میں پڑ جائے گا۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ شیخ شبلی علیہ الرحمۃ کا معمول تھا کہ علماء میں سے جو کوئی بارادہ بیعت آپکے پاس آتا تو آپ فرماتے کہ اگر میرے نام کا کلمہ پڑھو تو مرید ہو جاؤ یعنی بجائے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے "شِبْلِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ" کہو۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو کہیں اور جاؤ جو اس کو تسلیم کر لیتا اور اس عقیدہ کو سمجھ لیتا وہ مقصد کو پہنچ جاتا اور جو شخص اس حجاب میں اٹکا رہ جاتا وہ محروم واپس چلا جاتا۔

کسی نے حاضرین میں سے عرض کی کہ فلاں قریہ میں ایک عالم نے اعتراض کیا ہے کہ سلسلۂ مشائخ میں لفظ 'رضی اللہ عنہ' ہر اسم شیخ پر کس طرح جائز رکھا گیا ہے۔ کیا خبر ہے کہ حق تعالیٰ اُن سے راضی ہے یا نہیں۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ اُن سے راضی نہیں ہے تو اتنی مخلوق جو اتنی مدت سے دعوٰے رضی اللہ عنہ پر گواہی دے رہی ہے اور ہر روز کلمہ رضی اللہ عنہ کہہ رہی ہے۔ وہ معترض اس شہادت سے ان سب کو منع کر دے۔

ارشاد ہوا کہ ریگستانی ملکوں میں زراعت نہیں ہوتی مگر تربوز عام طور پہ پیدا ہوتا ہے اس کا گودا آدمی کھاتے ہیں اور چھلکے مویشیوں کے کام آتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کیسا رزاق ہے کہ ہر جاندار کا رزق اس کے پاس پہنچا دیتا ہے۔

کہ سیمرغ در قاف روزی خورد

ارشاد ہوا عرب شریف میں کل خطہ ریگستانی ہے۔ وہاں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی مگر طائف شریف میں جو مکہ معظمہ سے بیس کوس کے فاصلہ پر ہے ایک بہشتی قطعہ ہے تمام قسم کے میوہ جات وہاں پیدا ہوتے ہیں اور بدو اپنے اونٹوں پر بار کر کے مکہ معظمہ لے جاتے ہیں صبح سے شام تک بازار گرم رہتا ہے اور شام کے وقت تک ہر چیز فروخت ہو جاتی ہے۔ دوسرے دن صبح بازار پھر اسی طرح میووں سے لبریز ہو جاتا ہے اور شام تک پھر سب بک جاتے ہیں۔ خدا اپنے بندوں کو کس وسعت نظری کے ساتھ رزق پہنچاتا ہے۔ سبحان اللہ!

ارشاد ہوا ایک بزرگ تھے جو تمام عمر اپنے حجرہ سے کبھی باہر نہ نکلے انہیں اپنے والد کی میراث سے کچھ مال ملا تھا جو ایک دکاندار کے پاس امانتاً رکھوا دیا گیا تھا اسی میں سے وقتاً فوقتاً اپنی قوتِ لایموت کے لیے منگوا لیتے تھے اور دن رات خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ عرصۂ دراز کے بعد امیرِ وقت کو ان کی بزرگی کی خبر ہوئی تو اس نے ملاقات کی درخواست گذرانی۔ آپؒ نے منظور نہ فرمائی۔ امیر نے ملنے کے بہت سے حیلے کیے مگر سب بیکار۔ آخر وہ امیر کچھ تحائف وغیرہ لے کر ان بزرگ کی والدہ سے ملا اور اپنا مقصد بیان کیا۔ والدہ نے جا کر فقیر سے کہا کہ تم امیر سے ضرور ملو ورنہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ سنگ آمد و سخت آمد۔ فقیر نے اپنی والدہ کے ارشاد پر مجبوراً سرِ تسلیم خم کر دیا اور فرمایا اچھا کہہ دو امیر سے کہ آدھی رات کو آ کر مجھ سے ملاقات کرے۔

امیر حسب الحکم آدھی رات کو حاضر ہوا۔ حجرہ کے باہر سے آواز دی۔ بزرگ

موصوف نے چراغ گُل کر کے اندر آنے کا حکم دیا۔ امیر نے مصافحہ کرنا چاہا تو اس بزرگ نے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر اس سے مصافحہ کیا اور بیٹھنے کا حکم دیا۔ بیٹھا اور عرض کی کہ کوئی کارِ خدمت ہو تو بجالاؤں۔ بزرگ نے فرمایا کہ والد مرحوم کی میراث سے کچھ ترکہ مجھے ملا تھا۔ وہ فلاں دکاندار کے پاس جمع ہے۔ اب تک اس سے گذر ہو رہی ہے جس دن ختم ہو جائے گا، دیکھا جائے گا مگر میں اس میں خوش ہوں کہ تم دوبارہ میرے مکان پر نہ آنا۔ امیر رخصت ہو کر چلا آیا اور اس دکان دار سے روز دریافت کرنے لگا کہ اب فقیر صاحب کا کتنا روپیہ باقی ہے۔ آخر ایک روز دکاندار نے کہا کہ آج شام کو فقیر صاحب کی امانت بالکل ختم ہو جائے گی۔ امیر یہ سُن کر خوش ہوا کہ صبح میں کسی خدمت کے قابل ہو سکوں گا مگر صبح ہونے سے پہلے خبر ملی کہ وہ بزرگ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ارشاد ہوا کہ سب سے بڑا عمل قرآن پاک ہے۔ اہلِ سلوک نے فرمایا ہے کہ اگر خدا سے کوئی ہمکلام ہونا چاہے تو قرآن شریف پڑھے۔ پھر فرمایا کہ انسان کو خلوص اور رجوع دل کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کی طرف خیال رکھنا چاہیے۔ اس طرح کہ یہ خیال کسی وقت دل سے دور نہ ہو کیوں کہ اگر دل کا خیال صحیح نہیں تو پھر خلوت و جلوت میں کہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا اور جو دل کا خیال صحیح ہے تو دنیا میں مشغول رہنا بھی عین خلوت نشینی ہے۔ دست بکار دل بیار ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل — بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
گرت مال و جاہ است و زرع و تجارت — چو دل با خدا ایست بخلوت نشینی

ارشاد ہوا کہ عورتیں جب کنوئیں سے پانی بھر کر لاتی ہیں تو نیچے اوپر دو گھڑے سر پر رکھ لیتی ہیں اور دونوں ہاتھ چھوڑ کر آپس میں ہنستی چلی آتی ہیں مگر گھڑے ذرا بھی حرکت نہیں کرتے۔ اس لیے کہ ان کا خیال گھڑوں کے ساتھ وابستہ توجہ ہوتا ہے ؎

اس دنیا سے یوں بچ بابا جوں مرغابی ساگر سے
ہر دم کے ہر پوں جیسے جوں ناگر کا چت گاگر سے

ارشاد ہوا کہ انسان کو چاہیے ہر وقت عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے اور اپنے وقت کو ضائع نہ ہونے دے۔ ع

تنورے چنیں گرم در بندِ نان

یعنی جب تک زندگی کا تنور گرم ہے اور سانس آتا جاتا ہے تو کوئی دم بیکار نہ جانے دے کہ اگر دم ختم ہو گیا تو حسرت بے فائدہ رہی۔

ارشاد ہوا کہ مٹیالہ میں ایک بزرگ بڑے زاہد و عابد تھے۔ جب رفع حاجت کے لیے جاتے تو عبادت کرنے کے کپڑے اُتار کر رکھ جاتے اور دوسرا لنگوٹ باندھ لیتے اور جب تک غسل و وضو نہ کر لیتے ان کپڑوں کو ہاتھ نہ لگاتے۔ وضو اکثر دریا پر کرتے اور واپسی کے وقت پانی کا ایک کوزہ دریا سے بھر لیتے اور کوزے کے دونوں سوراخ کاگ لگا کر بند کر دیتے۔ اپنے اتقا پر انہیں بے حد بھروسہ اور ناز تھا۔ ایک دن جب غسل سے فارغ ہوئے اور کوزہ سے پسماندہ پانی گرایا

تاکہ تازہ پانی دریا سے بھر لیا جائے تو کوزہ میں سے ایک مری ہوئی چوہیا نکلی۔
اب تو عابد صاحب بہت ہی حیران ہوئے اور سوچنے لگے کہ افسوس میری
کوشش احتیاط رائیگاں گئی ۔ آخر عہد کر لیا کہ آئندہ جو کام کروں گا توکل پر
کروں گا ۔

ارشاد ہوا کہ ٹبال کے ایک مولوی صاحب ہمارے مرید تھے۔ جب وہ مر گئے
تو ان کا لڑکا میاں فضل صاحب کلیانی کا مرید ہو گیا۔ اب وہ لڑکا گوبگے شاہ کے مخالفوں
کی طرف داری کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا پیر پالکی سوار تھا۔ اس کا مرتبہ بہت بڑا
ہے۔ مقدمہ میں ضرور جیتوں گا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ بزرگی اگر پالکی پر سوار ہونے
سے مل جاتی تو تمام عورتیں اولیاء اللہ ہو جاتیں۔ اس لیے کہ عورتیں سب سے زیادہ پالکی
میں سوار ہوتی ہیں ؎

ولایت کی تمنا میں عبث ہے جان کا کھونا
بجز فضلِ خدا ممکن نہیں ہے اولیاء ہونا

کسی نے کہا کہ بغیر تصورِ شیخ نماز جائز نہیں ہوتی ۔ ارشاد فرمایا کیوں جائز نہیں
ہوتی۔ یہ بھی ایک منزل ہے جو لوگ خود صورت مرشد میں فنا ہو جاتے ہیں۔ ان کے
لیے تصور کی کیا ضرورت ہے ۔
حضرت منصور قدس سرہ جب اس منزل میں پہنچے تو ان پر جو کچھ گذرا وہ گذرا
حالانکہ جیسا انہوں نے کہا تھا اوروں نے بھی کہا ہے مگر کوئی قتل نہیں ہوا۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کی زبان سے ایسے ہی الفاظ نکل گئے۔ لوگوں نے عرض کی کہ حضور نے کچھ ایسا فرمایا تھا۔ فرمایا پھر تم لوگوں نے مجھے قتل کیوں نہ کر دیا۔ اب اگر ایسے الفاظ پھر کبھی میرے منہ سے نکلیں تو فوراً قتل کر ڈالنا۔

اتفاقاً پھر وہی الفاظ ایک دن آپ کی زبانِ مبارک سے نکلے۔ لوگ حسبِ الحکم چھریاں اور تلواریں مارنے لگے مگر کوئی چیز کارگر نہ ہوئی بلکہ حضور کے جسم مبارک پر کہیں زخم تک نہ لگا۔ جب قبلۂ عالم غوث مکرم حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اس منزل سے باہر آئے تو لوگوں نے کیفیت مذکورہ عرض کی فرمایا پھر تم نے مجھے قتل کیوں نہ کر ڈالا۔ عرض کی ہم نے بہت کوشش کی مگر نہ کر سکے۔ فرمایا کہ اس وقت وہ مجھ میں خود بول رہا تھا (یعنی خدائے تعالیٰ) پھر تلواروں اور چاقوؤں کا اثر کس طرح ہوتا۔

ارشاد ہوا کہ حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ جو قتل ہو گئے تو وہ غیرتِ پیر درمیان میں رکھتے تھے۔ ورنہ یہ اور ایسی حالتیں تمام فقرا پر گذرتی ہیں مگر ان سب کے لیے ایک وقت ہوتا ہے۔ لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ بعض وقت تمام حال آشکار ہو جاتے ہیں اور بعض وقت یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ پشت کے پیچھے کیا ہو رہا ہے۔

پھر فرمایا تصور کیا ہوتا ہے۔ بعض لوگ پہلی ہی مرتبہ اپنے پیر کی صورت کھینچ لیتے ہیں۔ میاں عمر دین نے عرض کی کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ آیا تصور سے یہ بات حاصل ہوتی ہے یا نماز اور عبادت سے۔ فرمایا یہ کسی وجہ پر منحصر نہیں محض عطائے الٰہی ہے جس کو چاہتا ہے اُسے بخش دیتا ہے۔ یہ معاملہ بالکل دنیا کا سا ہے

جس کو خدا چاہے دے دے. بعض اہلِ دنیا متموّل ہوتے ہیں اور ان کے والدین مفلس. یہی حال فقیر کا ہے کہ کبھی باپ نیک ہوتا ہے اور لڑکا بدکردار۔

پھر فرمایا کہ بعض اولیاء اللہ مادر زاد ولی ہوتے ہیں۔ وہ تمام عبادات کی تکالیف سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

کسی نے عرض کی کہ پھر عبادت سے کیا فائدہ ہے اسے چھوڑ دینا چاہیے فرمایا کہ عبادت نیک بختی اور سعادت کا نشان ہے۔ چھوڑنا نہ چاہیے۔ اس لیے کہ جائے نیاز ہے نہ کہ محلِ ناز ؎

میں مردی ہاں اسے ہاوے
متے مجرم دا نقطہ محرم تے آوے

ارشاد ہوا کہ خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر کوئی چھت یا روضہ نہیں ہے۔ مرقد مبارک کی جگہ محض زمین خام ناہموار ہے۔ اسی پر غلاف ڈال دیتے ہیں۔ اُس کے چاروں طرف سنگِ مرمر اور ہاتھی دانت کا جنگلہ لگا دیا گیا ہے خود خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مزار مبارک کو خام رکھنے کے لیے حکم فرمایا تھا۔ ملک زمان مہدی خان نے پوچھا یہ کیوں۔ ارشاد ہوا کہ اظہار عجز کے لیے مگر وقت وصال حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ موجود نہ تھے جب آئے تو سوچا کہ اگر قبر مبارک ہموار کر دی گئی تو وہاں ہر شخص پہنچ جائے گا اور بڑی بے ادبی ہو گی۔ آپ نے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی خواجہ صاحب نے اجازت دی کہ عصر کے وقت سے مغرب کے وقت تک جو کچھ اور جس طرح بنانا چاہیں

بنا دیں۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس تھوڑے عرصہ میں دو تین ٹوکریاں پاک مٹی کی وہاں اپنے ہاتھ سے ڈال دیں۔ وہ مٹی اب تک باقی ہے۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے میاں بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ایک دن راہ میں چلے جاتے تھے۔ کہ ایک ناکتخدا لڑکی کو دیکھا۔ اس کا حسن دیکھتے ہی عاشق ہو گئے۔ وہ لڑکی چلی گئی اور آپ دیر تک وہیں کھڑے رہے۔ آپ کے خادم کو یہ حال معلوم ہوا اس نے بابا صاحبؒ سے اطلاع کی۔ فرمایا اے بدرالدین غافل نہ ہو۔ نقش کو کیا دیکھنا ہے۔ نقاش کو تلاش کر۔ القصہ اس لڑکی کے والد کو بھی اس واقعہ کی خبر ہو گئی۔ وہ اپنی لڑکی ساتھ لے کر بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور یہ لڑکی آپ کی نذر ہے جو خدمت چاہیں اس کے سپرد فرمائیں۔ آپ نے صاحبزادہ صاحب کا عقد اس کے ساتھ کر دیا۔

کسی نے عرض کی کہ میرے گاؤں میں ایک قصاب ہے خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی بیعت ہے۔ پھر کہیں اور تجدید بیعت کی ہے۔ اب حضور میں حاضر ہوا ہے۔ اُس نے اپنے بال بہت لمبے کر لیے ہیں اور نماز چھوڑ دی ہے جب اُس سے پوچھا جاتا ہے تو سیال شریف میں بیعت تھا۔ تو وہ کہتا ہے کہ مجھے وہاں سے کچھ فیض نہیں ہوا۔ حضورؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ فیض تو خوب ہوا کہ نماز سے گیا۔ اب اُس نے کونسی کرامات حاصل کر لی۔ جو جب تھا وہ اب ہے پھر فرمایا

کہ جب رجعت ہو جاتی ہے تو ایسا حال ہو جاتا ہے۔ ورنہ کہیں نماز چھوڑنے سے فقیری ملتی ہے۔

ارشاد ہوا کہ بزرگوں نے نماز کسی حالت میں نہیں چھوڑی مگر سکر کی حالت میں حضرت پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْن نماز دین کا ستون ہے۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے جب عالمِ طفلی میں نماز شروع کی تو مائی صاحبہ (ان کی والدہ ماجدہ) ان کے مصلّے کے نیچے تھوڑی سی شکر رکھ دیا کرتی تھیں۔ جب وہ نماز پڑھ لیتے تو مصلّے کے نیچے سے شکر نکال کر کھا لیتے۔ ایک دن شکر نہ رکھی گئی مگر بابا صاحبؒ نے بعد ادائے نماز مصلّیٰ اٹھا کر حسبِ دستور بہت سی شکر نکال لی۔ خود بھی کھائی اور اپنے ہمجولی لڑکوں کو بھی کھلائی۔ مائی صاحبہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا میں نے تو آج شکر نہیں رکھی تھی۔ یہ کہاں سے آ گئی۔ پھر حکم دیا کہ جاؤ بارہ برس باہر رہو۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارہ برس تک باہر رہے۔ درختوں کے پتّے کھا کھا کر بسر کی۔ پھر فرمایا بارہ برس کاٹ کی روٹی باندھی۔ پھر بارہ برس نمازِ معکوس گذاری۔ اب یہ حالت تھی کہ بغلوں میں جانوروں نے گھونسلے بنا لیے تھے مگر آپ نے نماز نہ چھوڑی۔ اشاروں سے پڑھتے رہے۔ جب وہاں سے باہر آئے تو دیکھا کہ حضرت لعل شہباز قلندر، سید جلال اور حضرت بہاؤالحق رضی اللہ تعالیٰ عنہم تلاشِ شیخ میں موجود ہیں۔

حضرت بابا صاحب بھی ان سے ملے۔ یہ ابھی کسی سے بیعت نہ تھے۔ انہیں بھی شیخ کامل کی تلاش ہوئی۔ آخر چاروں دریا کے کنارے چل پڑے۔ دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا کے کنارے جال ڈال رہا ہے۔ سب نے کہا کہ ہر ایک کے نام کا جال الگ الگ ڈال۔ اس نے ڈالا۔ مچھلیاں نکلیں۔ پھر کہا بابا صاحب کے نام سے جال ڈال بابا صاحب نے منع فرمایا مگر انہوں نے اصرار کیا۔ آخر جال ڈالا گیا مگر ماہی گیر یا ان بزرگوں سے نہ کھینچا جا سکا۔ آخر بابا صاحبؒ نے خود کھینچا۔ جب جال باہر آیا تو اس میں جل مانس تھے۔ بہت سا کھانا اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان سے حال دریافت کیا۔ بولے ہمارے یہاں شادی ہے۔ ہم کو حکم ملا کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے ہمراہیوں کے آئے ہوئے ہیں ان کے لیے کھانا لے جاؤ۔ ہم یہ کھانا لے کر آئے ہیں۔ پھر بابا صاحبؒ نے سوچا کہ اب دریا کس طرح پار کرنا چاہیے۔ کشتی وغیرہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آخر آپ نے اپنی گدڑی دریا میں ڈال دی اور اس پر سوار ہو گئے۔ کسی بزرگ نے رستے میں ایک بالاخانہ عبادت کے لیے بنوایا تھا۔ سر دریچہ سے نکال کر دیکھا اور کہا کہ یہ گدڑی بھنور میں کیوں نہیں آتی۔ خدا نے ان کا خیال صحیح کیا۔ گدڑی بھنور میں آگئی۔ ادھر بابا صاحبؒ نے مراقبہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس بزرگ نے خواہ مخواہ چھیڑا ہے اور فضول بھنور میں ڈال دیا ہے۔ پس آپ نے خدا سے دعا کی کہ الٰہی اب اس کا سر دریچہ سے اندر نہ جا سکے۔ نتیجہ اس دعا کے اس بزرگ کے سر میں اتنے سینگ نکل آئے کہ اس کا سر کھڑکی کے اندر نہ جا سکا۔ جب اس بزرگ نے معلوم کیا کہ یہ میرے چھیڑنے کا نتیجہ ہے تو بھنور دور کرنے کی خدا سے التجا کی اُدھر بابا صاحبؒ نے سینگوں کے دور کرنے کی دُعا مانگی۔ دونوں کی دُعائیں قبول ہو

گئیں ۔ پھر سب لوگ اس بزرگ کے پاس گئے اور التجائے بیعت پیش کی مگر اس نے اظہارِ عجز کیا کہ میں آپ کو بیعت نہیں کر سکتا ۔ یہ سعادت کسی اور کے حصہ میں ہے ۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ بُری صحبت اور بُرے مشیروں سے اجتناب کرنا چاہیے پھر فرمایا کہ زمانۂ سابق میں ایک بادشاہ تھا ۔ اُسے کوئی مرض لاحق ہوا حکمائے مجلس سے علاج کے لیے کہا ۔ انہوں نے عرض کی عالیجاہ اگر ہُما منگوایا جائے تو اس کی دوا حضور کے لیے مفید ہو گی اور علاج ہو سکے گا ۔ پوچھا ہما کہاں ملے گا ۔ لوگوں نے کہا کہ ہما وہاں ملتا ہے کہ جہاں کوسوں تک جنگل ہی جنگل ہوں ۔ اور خدا نے اس کو یہ مرتبہ دیا ہے کہ وہ جس کے سر سے گذر جاتا ہے وہ ہی بادشاہ ہو جاتا ہے ۔ اس کی خوراک محض جانوروں کی ہڈیاں ہوتی ہیں ۔ اور وہ کسی کو نہیں ستاتا ۔ ع

کہ استخواں خورد و جانور نیازارد

بادشاہ نے دریافت کیا کہ پھر اس کی گرفتاری کا ذریعہ کیا ہو گا ۔ لوگوں نے کہا کہ جس جنگل میں ہما آتا ہے وہاں بہت سے باغ لگوائیے اور نہریں جاری کیجیے اور باغ کے درختوں میں جال لگوا دیجیے ۔ ممکن ہے کہ ہُما ان باغوں کی سیر کے لیے آئے اور گرفتار ہو ۔

بادشاہ کو یہ تدبیر پسند آئی بموجب حکم باغ اور نہریں تیار کی گئیں اور جال چھپا دیے گئے ۔ ایک دن ہما شاہیں وغیرہ جانوروں کے ساتھ اس راستے سے گذرا ۔ تکان زیادہ تھی اور باغ پر بہار ۔ ساتھیوں سے کہا کہ تھوڑی دیر کے لیے

یہاں آرام کریں مگر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہاں قیام کرنا مناسب نہیں ہے ان باغوں میں کچھ فریب معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس سے پہلے اس جنگل میں کچھ بھی نہ تھا۔ اب یہ معاملہ خالی از علت نہیں ہے۔ ہُما ان کے کہنے سے چلا گیا۔ ایک دفعہ پھر ایسا ہی ارادہ کیا۔ اس وقت باشہ اور جرّہ وغیرہ سمجھ دار جانور اس کے ساتھ تھے انہوں نے بھی منع کیا۔ وہ پھر چلا گیا۔

ایک دفعہ چھوٹے چھوٹے ناسمجھ جانوروں کے ساتھ ادھر سے گذرا اور پھر ان باغوں میں قیام کا ارادہ ظاہر کیا۔ وہ جانور خود بھی تھک رہے تھے اور کم حوصلہ تھے، کہنے لگے ضرور ٹھیر جائیے۔ غرض ہما ایک درخت پر بیٹھ گیا اور وہ جانور بھی بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی جال میں گرفتار ہو گئے۔ ہما کو لوگوں نے جال میں سے نکال لیا۔ اور بادشاہ کے پاس لے گئے۔ باقی جانور اسی جال میں تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

بادشاہ نے جب ہما کو دیکھا تو افسوس کرنے لگا کہ میں جانوروں کے بادشاہ کو جو ایسا مرتبہ رکھتا ہے جو کسی کو نہیں ستاتا اور جو ہڈیاں کھا کر بسر کرتا ہے اپنے لیے بے جان کرتا ہوں۔ ہما نے کہا اے بادشاہ جو ارادہ ہو اس کو پورا کر تاکہ تجھ کو شفا حاصل ہو۔ بادشاہ نے کہا میرا دل گواہی نہیں دیتا کہ اپنے فائدہ کے لیے تیری جان لوں تو جانوروں کا بادشاہ ہے اور میں انسانوں کا۔ مجھے کچھ نصیحت کر کہ میں اس پر عمل کروں ہما نے کہا کہ بس یہی ایک نصیحت ہے کہ کمینوں کے کہنے پر کبھی توجہ نہ کرنی چاہیے حضورؑ نے ارشاد فرمایا کہ کمینوں کی صحبت بہت ہی بُری چیز ہے اور عورتوں کی صحبت بھی یہی معنے رکھتی ہے۔ ح

علی حیدرؒ عشق اصیلاں دے حصہ ایہہ کم نہیں کم ذات دائے

فرمایا کمینوں اور اوچھوں سے ہمیشہ دور رہنا چاہیے۔

پڑھے ہوئے تیل کے متعلق ایک دن کسی نے پوچھا کہ جن روغنیات پر عمل وغیرہ پڑھے جاتے ہیں۔ کیا ان کا لگانا ممنوع ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی دوا ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مرضِ بواسیر کے لیے چاندی کے حلقے بناتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہی چاندی کا حلقہ حضرت صاحب سیالوی علیہ الرحمۃ کی انگشت مبارک میں میں نے دیکھا تھا۔ اس لیے مجھے معلوم ہوا کہ یہ عمل ممنوع نہیں ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سے عمل معلوم تھے۔ چنانچہ جسے کوئی دیوانہ کتا کاٹ کھاتا تھا اور وہ حضور کے پاس آتا تھا تو آپ اُسے فوراً پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چاہے اس کے زخموں سے کتنا ہی خون کیوں نہ بہہ رہا ہو۔ جب وہ غسل کر کے نکلتا تو آپ فرماتے کہ اب ہمارے پاؤں کے نیچے سے نکل کر سیدھے گھر چلے جاؤ۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا اور وہاں فوراً جا کر کپڑے بدل ڈالنا۔ بس اُسے صحت ہو جاتی۔ فرمایا کہ اس عمل کی اجازت حضرت صاحبؒ نے سیّد احمد شاہ صاحب کو دی تھی۔

ارشاد ہوا کہ درویش کے لیے گدائی جائز نہیں ہے۔ دریوزہ گری سے

کو زمین کی لعنت حاصل ہوتی ہے جو ہمارے خاندانِ چشت میں داخل ہوتا ہے خدا اُسے خود برکت دیتا ہے اور وہ مرفہ الحال ہو جاتا ہے۔ اس خاندان کی تین دعائیں خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت قبول ہو چکی ہیں۔

اوّل :۔ فراغیٔ معیشت، جو ضروری ہے ؎

خداوند روزی بحق مشتغل
پراگندہ روزی، پراگندہ دِل

دوم :۔ علم وحدت۔ یعنی خدا کو پہچاننا۔

سوم :۔ مرتے وقت ایمان کے ساتھ جانا۔

ارشاد ہوا ایک بادشاہ کے پاس دو طبیب بغرضِ ملازمت پہنچے۔ ایک یونانی تھا دوسرا سنیاسی۔ بادشاہ نے امتحان کے لیے دونوں کو وہ مٹی کے چراغ دیے کہ ان کو صاف کر لاؤ۔ یونانی حکیم آہستگی کے ساتھ اس کے دھونے اور صاف کرنے میں مصروف ہوا اور سنیاسی نے چراغ کو آگ میں ڈال کر فوراً صاف کر دیا۔ اِس طرح جو داغ پختہ تھے۔ وہ باقی رہ گئے۔

ارشاد فرمایا کہ تصوف میں بھی یہی طریقہ ہے۔ جو لوگ پہلے اسمِ ذات اور نفی و اثبات مبتدی کو تعلیم کرتے ہیں وہ مناسب نہیں کرتے۔ پہلے دوسرے وظیفے بتانے چاہییں تاکہ بتدریج ترقی و صلاحیت حاصل ہو۔

ارشاد ہوا کہ ہمدی درویش دیوانہ وار پھرا کرتا تھا اور اس کے پیچھے خلقت کا ہجوم

رہتا تھا۔ وہ سب کو گالیاں دیتا تھا اور بھگاتا تھا۔

ایک دن ہم حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس حجرہ میں آ بیٹھے تھے۔ سجادہ نشین صاحب اور مہدی مذکور سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے اس کی طرف التفات نہ کی۔ سجادہ نشین صاحب نے کہا مہدی ہے۔ ہم پھر بھی خاموش رہے اور چلے آئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود ہمارے پاس آیا اور چلا گیا۔ پھر دو تین مرتبہ آیا اور چلا گیا۔ پھر فرمایا جو کچھ ہے پیر ہے۔ جب پیر موجود ہو تو دوسروں کی طرف دیکھنا غیریت ہے۔ ع

تمہارا ہو کے پھر کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا

کسی نے کہا کہ خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ نے اپنے دیوان میں مثنوی مولانا روم کی تعریف اس طرح کی ہے ؎

بُلبل بشاخ سرو بہ گلبانگ پہلوی
میخواند دوش درسِ مقاماتِ معنوی

ساقی بیا کہ وظیفۂ حافظ بہ بادہ باد
کاشفتہ گشت طُرّۂ دستارِ مولوی

حضرت صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ صفت بھی جانب شیخ مضاف ہے کہ لفظ ساقی سے مراد پیر ہی ہے۔ پھر کسی نے یہ شعر پڑھا ؎

مے ترسم از خرابیٔ ایماں کہ مے بُرد
محراب ابروے تو حضور از نمازِ من

فرمایا کہ جب محراب ابروے یار حاصل ہے تو پھر دوسرے محرابوں کی کیا ضرورت ہے

مست است یار و یادِ حریفاں نمے کند
یادش بخیر ساقیٔ مسکیں نوازِ ما

فرمایا کہ دیوانِ حافظ میں جہاں کہیں لفظ ساقی آیا ہے وہاں پیر سے مراد ہے۔ اور ان کے کلام کے معنی اہلِ منازل کے سوا دوسرے لوگ نہیں جانتے ہیں۔ ہفت شرح دیوان خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ مشہور ہے۔ اہلِ علم نے اپنے قیاس کے مطابق حاشیے چڑھائے ہیں مگر کوئی اصل مطلب کو نہیں پہنچا ؎

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد مے دارد کہ بر بندید محملہا

فرمایا کہ اہلِ علم کیا جانیں یہاں جرس سے کیا مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ اہلِ منازل کو آواز جرس دل سے آتی ہے۔ منزلِ جاناں سے مراد دل ہے اور بعض کو آوازِ نَے، بعض کو پانی گرنے کی آواز، بعض کو چڑیوں کی۔ بعض کو بروں کی، بعض کو بندوق کی غرضکہ ہر شخص کو وہ جس منزل پر ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق آوازیں آتی ہیں۔ بلہا شاہ علیہ الرحمۃ نے کہا ہے ؎

مرلی دا گھنگھور وحدت پایا شور

پھر فرمایا کہ آوازِ جرس کو ذکر "اَنَا اَحَدٌ" سے تعبیر کیا ہے۔ اور نَے کی آواز سے جو متصل ہوتی ہے اور جس میں انفصال نہیں ہوتا "وحدت"، مرادلی ہے۔ پس جب اس قدر آوازوں کا شور مرید کے دل میں ڈال دیتے ہیں تو صبر و قرار اس کے دل سے جاتا رہتا ہے اور رسوماتِ طبعی سے وہ بھاگنے لگتا ہے۔ پھر کیسا سونا اور کس کا کھانا، اور کیسا مجالس میں بیٹھنا، کبھی اُسے جوش آجاتا ہے اور وہ چلانے لگتا ہے اور کبھی آرام ملتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے ؎

سن بریان غبار دل چو بنشیند بنشانند — پری رویان قرار از دل چو برخیزند بربایند

فرمایا جن لوگوں کو یہ منزلیں حاصل نہیں ہوتیں وہ ان اشعار کے معنی بھی نہیں سمجھ سکتے اور اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ اہلِ علم نے اعتراض کیا ہے کہ دیوانِ حافظ کے شروع میں نہ خدا کی حمد ہے نہ نبی کی نعت لیکن چوں کہ ان کی تمام مرادوں کا منبع ایک لفظِ "ساقی" ہے اس لیے اسی کو منتخب کر کے بنامِ ساقی شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

فرمایا جس کسی کو رُخِ ساقی (یعنی پیر) کا عشق حاصل ہو جائے اُسے چاہیے کہ پھر دوسری طرف التفات نہ کرے۔ ع

دیکھے نہ پھر کسی کو تجھے دیکھ کر کوئی

ارشاد ہوا کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ جانب دہلی روانہ ہوئے۔ راستے میں دریا تھا۔ جب وہاں پہنچے تو کشتی جو مسافروں کو لے جایا کرتی تھی ساحل سے روانہ ہو چکی تھی۔ ہر چند آپ نے آواز دی، واپس نہ آئی۔ ناچار بابا صاحبؒ نے کشتی سے مایوس ہو کر اپنا کوزہ دریا میں ڈال دیا۔ دریا کا تمام پانی کوزہ میں سما گیا۔ اور دریا خشک ہو گیا۔ ملاح روتے چلاتے حاضر ہوئے کہ ہماری روزی کا سلسلہ جاتا ہے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کے پاس دام ہوتے ہیں تم اسے سوار کر کے لے جاتے ہو۔ ہم سے غریبوں کو جو دام نہیں رکھتے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اب دریا خشک ہو گیا جو آئے گا وہ گذر جائے گا۔ ملاحوں نے اور بھی زیادہ رونا اور چلانا شروع

کیا۔ آخر باباصاحب قدس سرہ نے اپنا کوزہ اوندھا دیا۔ دریا پھر لبریز ہو کر بہنے لگا۔

فرمایا کہ کوزہ سرنگوں کرنے سے چوں کہ پانی گردش کرتا ہوا نکلتا ہے۔ لہٰذا یہ قدرتِ الٰہی ہے کہ دریا کا پانی اب بھی اس جگہ سے بھنور کی صورت اختیار کر کے گزرتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ حضرت باباشیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک زیادہ فراخ اور بلند نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اولاد جب دیواریں روضہ شریف کی بلند کرتی تھیں تو وہ گر پڑتی تھیں تاآنکہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے تشریف لائے۔ مزار شریف پر حاضر ہوئے اور التجائے تعمیر کی۔ باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تمام عمر روزہ دار رہے اور پاکی اور صفائی کا لحاظ رکھا۔ اب لوگ بے وضو ہماری گردن پر حقہ پیتے ہیں اور دیواریں بناتے ہیں۔ اس سبب سے ہمارا دل غمگین ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز نے حافظانِ کلام مجید کو جمع کیا۔ ہر اینٹ پر ختمِ قرآن شریف پڑھواتے تھے اور روضہ کی دیوار پر رکھتے جاتے تھے اور لوگ باوضو پاکی اور طہارت کے ساتھ عمارت بنانے میں مشغول رہتے تھے اس لیے آپ کا روضہ مبارک چھوٹا ہے۔ ع

ہر چہ بقامت کہتر بقیمت بہتر

ارشاد فرمایا کہ حضرت باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

سے بہت محبت فرماتے تھے۔ چنانچہ جب وقتِ آخر بابا صاحبؒ کی اولاد نے وصیت طلب کی تو آپؒ نے فرمایا کہ "ہمارے نظام الدینؒ کو خوش رکھنا"۔ سب سے پہلے جب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ارادت کے لیے ان کے سامنے حاضر ہوئے تو دیکھتے ہی آپؒ نے فرمایا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

ایک روز ارشاد ہوا کہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ذاتِ شیخ پر عاشق تھے اور شیخ کو بھی ان کا بہت خیال رہتا تھا۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بائیں جانب ہے۔ دونوں روضے ایک ہی نمونے کے ہیں۔ جو لوگ زیارت کے لیے جاتے ہیں پہلے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہیں اور پھر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جاتے ہیں۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے مزار سے عشق و محبت کا ایسا جوش ظاہر ہوتا ہے کہ زیارت کرنے والوں کو تاثیرِ عشق مغلوب کر دیتی ہے اور وہ زار زار رونے لگتے ہیں۔ پھر جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچتے ہیں تو تسکین ہو جاتی ہے۔

ارشاد ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شاہانِ دہلی کی سلطنت امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت کی وجہ سے برباد ہوئی اور ایسی

برباد ہوئی کہ دنیا میں اس کا نام ونشان نہ رہا۔ اس لیے کہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کی قبر مزار حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اور مزار حضرت خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان میں ہے جس روز سے عاشق و معشوق کے بیچ میں پردہ حائل کیا گیا ہے اسی روز سے اپنے کو برباد کر لیا ہے۔

پھر فرمایا کہ دوسرا سبب ان کی سلطنت کی بربادی کا یہ بھی ہے کہ انہوں نے مشائخ کے ساتھ تعصب کیا اور غلط فہمی سے اپنی اطاعت مشائخ سے کرانی چاہی یہ لوگ چوں کہ خدا کو واحد جانتے اور مانتے ہیں۔ غیروں کی اطاعت کبھی نہیں کرتے۔

ارشاد ہوا کہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر خانہ اس قدر وسیع تھا کہ سات بوجھ اونٹ مصالحے، گوشت، اور نمک وغیرہ کے روز صرف ہوتے تھے۔ بادشاہی غلاموں نے شکایت کی کہ بازار خالی ہوئے جاتے ہیں سامان کہاں سے خریدا جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ خواجہ صاحبؒ کے درویشوں کو ہرگز کوئی چیز نہ دی جائے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے باؤلی کھودنی شروع کی جو مزدور شاہی بیگار میں لگے ہوئے تھے آپ نے ان کی دوگنی تگنی مزدوری مقرر کر کے راتوں رات کام کرنا شروع کیا۔ مزدور رات کو چوں کہ جاگتے تھے اس لیے دن کے وقت کار شاہی میں سستی آنے لگی۔ بادشاہ نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے، کہنے لگے رات بھر ہم فلاں جگہ کام کرتے ہیں اس لیے دن کو سستی آتی ہے۔ روغن سیاہ جو رات کو روشنی کے لیے حضرت خواجہ صاحبؒ کے کام پر صرف ہوتا تھا حکم شاہی سے بند کروا دیا گیا۔ درویشوں نے عرض کی کہ بازار میں کوئی روغن سیاہ

نہیں دیتا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ باؤلی کا پانی جلاؤ اور کام تمام کرو۔ بادشاہ بہت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ یہ تو خدا کا لنگر خانہ ہے۔ کسی بندہ کی کوشش سے بند نہیں ہو سکتا۔

ارشاد ہوا ایک مرتبہ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بادشاہ کی معشوقہ کو حج بیت اللہ کا شوق ہوا ہر چند بادشاہ نے روکنے کے حیلے کیے مگر کوئی حیلہ کارگر نہ ہوا۔ بادشاہ خود بہ سبب حکومت جا نہ سکتا تھا۔ اور کسی دوسرے پر اس کو اعتبار نہ تھا کہ اس کے ساتھ کر دے اس لیے وہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ اس کے ساتھ چلے جائیں تو مناسب ہے۔ شیخ نے کہا کہ جو اس کام کے لائق ہو اُسے بھیج دو۔ بادشاہ نے کہا آپ کسی درویش درگاہ کو اس کے ہمراہ کر دیجیے۔ شیخ نے ایک درویش پر پڑی اور عاشق ہو گئی اور حج کا شوق اس کے دل سے جاتا رہا۔ ہمراہیوں نے اس واقعہ کی خبر بادشاہ کو دی۔ بادشاہ نے درویش کو قتل کروا دیا جب اس کی معشوقہ حج سے لوٹی تو بادشاہ کو اندیشہ ہوا کہ اب شیخ کی حضور میں درویش کا حال کس طرح کھولوں گا۔ لیکن شیخ نے اس سے بالکل نہ پوچھا کہ تو نے ہمارے درویش کو کیا کیا۔ بادشاہ کا اندیشہ اور بھی بڑھ گیا کہ شاید شیخ غصہ میں ہیں اور غضبناک ہو گئے ہیں۔ علماء اور فقراء کو سفارش کے لیے حضورِ شیخ میں لے گیا۔ ایک طشت میں دینار بھرے۔ ان پر تلوار رکھی اور گلے میں رسی باندھ کر حاضر ہوا کہ اگر خون کا بدلہ چاہتے ہوں تو تلوار حاضر ہے اور اگر دینار لے کر معاف کر دیں تو طشت دینار حاضر ہے۔ شیخ بدستور خاموش تھے لیکن جب بادشاہ نے اصرار کیا۔ جوش میں آکر فرمایا کہ تیرا

ایک سر کیا ہے بلکہ تیری تمام اولاد کے سر، فوجوں کے سر، سراسر، میرے درویشوں کے سر اس مقتول درویش کا خون بہا ہوں گے۔ غیر بادشاہ ناامید ہو کر چلا گیا۔

کچھ عرصہ گذرا کہ کفار میں سے ایک بادشاہ نے خروج کیا۔ اس بادشاہ کی تمام سلطنت کو ہلاک اور ویران کر ڈالا۔ آخر کفار کی فوج نے شیخ کو بھی آگھیرا۔ شیخ کے درویش چھ ہزار تھے۔ ایک ایک کو خلوت سے نکال کر شیخ کے سامنے شہید کر ڈالا۔ جس کے سر پر تلوار پڑتی تھی۔ شیخ کی زبان سے نکلتا تھا۔

ایں چہ جباریست' ایں چہ قہاریست

جب قتلِ شیخ کی نوبت آئی تو فرمایا کہ عین سزا ہے۔ غرض کفار جب واپس جانے لگے تو راستہ میں ایک درویش رہ گیا تھا۔ اُس نے زمین سے کہا کہ اے زمین مجھے چھپا لے یہاں تک کہ کمر تک نیچے چلا گیا۔ دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام عَلَم بہ دست لشکر کے آگے آگے چل رہے ہیں۔ پوچھا کہ لشکرِ کفار کے مقدمۃ الجیش آپ ہیں۔ فرمایا ہاں تیری طرح رضائے الٰہی چھوڑ کر میں نے زمین سے پناہ نہیں مانگی ہے۔ اس درویش نے کہا اے زمین چھوڑ دے۔ زمین نے چھوڑ دیا اور فوج والوں نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔

خونِ قتلِ عاشقے افروخت صد ہنگامہ ہا

ارشاد فرمایا کہ عروج دوسری چیز ہے اور اسلام دوسری چیز۔ یہ ضروری بات نہیں ہے کہ دونوں ایک جگہ جمع ہوں اور دونوں کا ملنا قسمت پر منحصر ہے۔ حق تعالیٰ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ

بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؕ غرض یہ کہ کفار بھی اسی کی مخلوق ہیں اور اس کا قہر دوست و دشمن میں فرق کر دیتا ہے۔ انسان کی صورت ایک پردہ ہے جس میں خدا شانِ علو و حکومت سے ظہور کیے ہوئے ہے ورنہ غریب انسان کی کیا طاقت ہے کہ تمام ملکوں پر حکومت کرے اور تمام مخلوق اس کی مطیع و منقاد ہو جائے

ارشاد ہوا کہ رضائے الٰہی صرف اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے ورنہ کفر وغیرہ اس کی بے پرواذات کے لیے بے حقیقت ہیں۔ اس کی ربوبیت تمام مخلوق کو پرورش کرتی ہے۔ اس میں کفر و اسلام کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور نہ عقل کو اس کے کارخانے میں طاقتِ دخل ہے۔ عقلی تدبیروں اور تخیلات وہمی کو قدرتِ الٰہی میں کتنا ہی صرف کیجیے مگر بجز خیرگی و حیرانی اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا ؎

تواں در بلاغت بسحباں رسید

نہ در کنہ بے چوں سبحاں رسید

ارشاد ہوا کہ عقل اس جگہ "گوشت خورہ" کی طرح ہے۔ اگر زیادہ ہو جائے تو گوشت پوست اور ہڈیاں سب کھالے اور حدِ علاج سے گذر جائے۔ چناں چہ سوفسطائی اور معتزلی قومیں زیادتی عقل کی وجہ سے ایمان باللہ و ایمان بالرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حد سے گذر گئیں یعنی ان میں سے مشبہ ہو گئے اور بعض معطل۔ اس لیے کہ اگر عقل میں امکانِ ہدایت ہوتا تو خود جاہل نہ رہ جاتی۔ اب تک عقلا میں سے کسی نے عقل کی حقیقت کو نہیں پہچانا ہے۔ پس اثباتِ استدلال عقل تشبیہ ٹھیرا اور اس کی نفی تعطیل اور یہ ظاہر ہے کہ مشبہ اور معطل موحد نہیں ہوتے۔

گر باستدلال کارے دیں بُدے | فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے
چونکہ اومن لم یذق لم یدر بود | وہم تخیلات اوحیرت فزود

ایک دن حضور نے ارشاد فرمایا کہ علمِ ظاہر کتابوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اَلْعِلْمُ فِی الْکُتُبِ لَا فِی الصُّدُوْرِ علمِ ظاہر کے لیے کہا گیا ہے اور علمِ باطن کے لیے یوں کہا ہے کہ اَلْعِلْمُ فِی الصُّدُوْرِ لَا فِی الْکُتُبِ اور وہ نورِ معرفت ہے جس کے لیے ارشادِ الٰہی ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ پس جس کسی کا سینہ اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے کشادہ کر دیا تو وہ اس روشنی پر ہے جو اس کے خدا کی طرف سے ہے۔

پھر فرمایا حق تعالیٰ جس کا سینہ علمِ نور کے ساتھ کھول دیتا ہے اُسے بہت سی حکمتیں سکھا دیتا ہے اس کے لیے ایک ایک پتہ دفتر بن جاتا ہے ؎

پڑھ سکیں ہم تو ہر اک برگ ہے تاریخِ چمن
لکھنے والے نے کوئی بات اُٹھا رکھی ہے

ارشاد ہوا بندہ کو اختیار نہیں ہے کہ وہ خود شقی یا سعید ہو جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اَلسَّعِیْدُ سَعِیْدٌ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ وَالشَّقِیُّ شَقِیٌّ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ۔ نیک بخت اور بد بخت دونوں ماں کے پیٹ ہی میں ہو جاتے ہیں۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ؎

یفعل اللہ مایشاء چوں خواندہ
پس چرا در وسوسہ درماندہ

عقل میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ خدا کے کاموں میں دخل دے ۔

گہہ آری خلیلے ز بتخانہ کنی آشنائی بہ بیگانہ
گہے با چنیں گوہر خانہ خیز چو بوطالبے را کنی سنگریز

ارشاد ہوا ابدالانِ حق کا ایسا مرتبہ ہے کہ وہ ہر جگہ پرندوں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں ۔ فرمایا اتفاقاً ایک ابدال کسی دریا پر گذرا وہاں بارش ہو رہی تھی دل میں وہم آیا کہ یہاں بارش کی کیا ضرورت ہے ۔ اگر خشک زمین پر برسے تو کچھ سبزی ہی پیدا ہو اور حیوانات کو روزی ملے وہ اسی خیال میں تھا کہ اس پر عتاب الٰہی نازل ہوا اور اسے منزلِ ابدالیت سے معزول کر کے زمین پر ٹپک دیا گیا ۔

ارشاد فرمایا کہ ایک درویش درخت کنارہ چنار کے نیچے بیٹھا ہوا تھا ۔ درخت پر نظر پڑی دیکھا کہ کدو کی شاخیں درختِ کنارہ چنار کی شاخوں سے لپٹی ہوئی ہیں اور دونوں میں پھل لگے ہوئے ہیں ۔ دل میں سوچا کہ شاخِ کنارہ چنار کی قوت سے قائم ہے اور اس میں اتنے بڑے بڑے پھل لگے ہوئے ہیں ۔ اس کے برخلاف کنارہ چنار کا درخت اتنا بڑا ہے اور اس کے پھل اس قدر چھوٹے ہیں کدو کنارہ چنار میں لگنا چاہیے تھا اور کنارہ چنار پھل کدو کی شاخ میں ۔ وہ اسی وہم میں تھا کہ

کنارہ چنار کا پھل اس کی آنکھ پر گرا۔ اسی وقت اس شخص نے توبہ کی اور کہا کہ اگر اس وقت کدو کنارہ چنار میں ہوتا اور میری آنکھ پر گرتا تو میری آنکھ پھوٹ ہی توجاتی۔

ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو خدائے تعالیٰ اپنے قرب کی طرف ہدایت کرتا ہے اُسے اس قسم کے توہمات سے باز رکھتا ہے ؎

اگر صد دفتر از حکمت بخوانی
چو آشفتی الف با تا ندانی

ارشاد ہوا کہ مولوی حفیظ ماہی صاحب نہایت متوکل اور عاشق بزرگ تھے۔ جب سیال شریف میں ہم سے ملتے تو کم نظری کی وجہ سے ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر اپنا چہرہ ہمارے چہرہ کے پاس لاکر بار بار دیکھتے تھے۔ انہیں حضرت خواجہ صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل تھا لیکن فیض صحبت و وظائف ہمارے حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا۔

ایک دن سنا کہ سجادہ نشین صاحب تونسہ شریف، مہار شریف سے دہلی اور دہلی سے اجمیر شریف گئے ہیں۔ پھر پاک پٹن شریف آکر وہاں سے تونسہ شریف تشریف لے جائیں گے۔ باوجودیکہ مولوی صاحب بوڑھے آدمی تھے اور ان کا جسم بہت لاغر ہو گیا تھا۔ حضرت سجادہ نشین صاحب کے ساتھ پاپیادہ اس سفر میں رہے اور پھر آئے۔ جب سیال شریف پہنچے تو بہت خستہ ہو گئے تھے۔ حضرت صاحب نے حکیموں سے فرمایا کہ گرم پانی میں بٹھا کر مالش وغیرہ کریں۔ تعمیلِ حکم کی گئی۔ جب کہیں جا کے

ایک عرصہ میں تندرست ہوئے۔

مولوی محمد فاضل نے عرض کی غریب نواز مجھ سے ہندوستان میں ایک شخص نے کہا کہ بندہ کو اپنے تئیں ذاتِ خدا میں اس طرح فنا سمجھنا چاہیے گویا سمندر میں غرق ہے۔ آپ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ غرق شدہ میں یہ قوت نہیں ہے کہ حالتِ غرقیت سے اپنے کو خلاصی دے۔ جب تک کہ کسی دوسرے کو نہ پکڑے اس لیے کہ جس میں وہ غرق ہے وہ اس کے لیے وبالِ جان ہے۔ اس کی حقیقت سے ڈوبنے والا بیخبر ہے۔ پس باہر کی حالت سے اُسے کیونکر آگاہی ہو سکتی ہے۔

ارشاد ہوا کہ ان بزرگوں کی باتیں تحقیق و وجدان سے نہیں ہوتی ہیں بلکہ چند نکتے دلائل عقلی اور خیالات وہمی سے جمع کر کے اطاعت احکامِ الٰہی سے معطل ہو جاتے ہیں۔ پاسبانِ شریعت کی ضرورت اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کو متفرق راستوں میں جانے سے روکے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام لوگ بیابانِ گمراہی اور طوفانِ گناہ میں ہلاک ہو جائیں۔

ارشاد ہوا کہ اس طوفانِ خودی سے بغیر اطاعت و صحبت مشائخ کوئی رستگار نہیں ہو سکتا چاہے وہ ہزاروں علوم پڑھے اور سینکڑوں سال عبادت کرے۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

تاثیر صحبت اولیاء اللہ کے متعلق تمثیلاً ارشاد فرمایا۔

گلے خوشبوئے در حمام رُوزے | رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری | کہ از بوئے دِل آویزِ تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بُودم | ولیکن مدّتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد | وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ارشاد ہوا کہ دنیا میں اسم اعظم تین شخصوں کے پاس ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ دوسرے عالم، تیسرے فقیر۔

بادشاہ کی پیشانی پر ہوتا ہے کہ ساری عمر مخلوق اس کے حکم کی تابع رہتی ہے عالم کی زبان میں ہوتا ہے کہ مخلوق اس سے علم حاصل کر کے بہرہ یاب ہوتی ہے اور فقیر کے دل پر کہ تا قیامت مخلوق اُسے بوسہ دیتی ہے، تعظیم کرتی ہے اور اس سے فیض یاب ہوتی ہے۔

بادشاہ اور عالم کو مرنے کے بعد کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے لیکن فقراء تا قیامت زندہ رہتے ہیں۔ جہاں کہیں ان کے روضے اور مزارات ہوتے ہیں وہاں روشنی آسمان تک پہنچتی ہے۔ غرضکہ جو چیز صفت دل ہو جاتی ہے بقا اسی کے لیے ہے اور ماسوا اس کے فنا ہے۔

حضرت صاحب زادہ قائم الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس کے حالات اور عادات بزرگانِ متقدمین کی طرح سمجھ میں آتے ہیں۔ صبر و رضا، اچھی عادت، وفا۔ نیک صحبت، اغیار کی صحبت سے اجتناب، جادۂ شریعت سے رسوخ، غنا، استقامت، پوشیدگی حال، لطافتِ مقال، بلاغت و فراست

فطری۔ سخاوت جبلی وغیرہ وغیرہ۔اس کی ذات تمام صفات عالیہ کی منتخب تھی۔اگر آج کل تلاش کی جائے تو کالعدم ہے۔بچپن ہی میں اس قدر کمالات سے بہرہ اندوز ہو جانا کمال روحانی ہے اس لیے کہ اہلِ دنیا کے قلوب کی قبولیت چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے بغیر مدارج و معارج ازلیہ کے نہیں ہوتی اور سب ارواح سے تعلق رکھتے ہیں۔

ارشاد ہوا کہ حضرت سجادہ نشین تونسوی ادام اللہ برکاتہم اس زمانہ میں عدیم المثال ہیں۔جب سید قائم الدین شاہ مرحوم بغرضِ ارادت ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بکمال محبت وعنایت انہیں قبول فرمایا اور فرمایا کہ شاہ جیو! میری حین حیات میں لوگ دنیا بھر کے کمالات لے کر میرے پاس آئے ہیں۔مجھے کسی کی پرواہ نہیں رہی ہے لیکن ان کی کشش و محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے

فرمایا کہ اگرچہ ان کی عمر کوتاہ تھی مگر حضرت خواجہ صاحبؒ انہیں اپنے پاس بٹھا کر لطف و محبت کے ساتھ ایسی باتیں کرتے تھے کہ دوسروں کو نصیب نہ تھیں۔

ارشاد ہوا کہ اس کی بیوہ جو ابھی کمسن ہے کبھی اپنے والدین کو یاد نہیں کرتی کہ وہ ہیں یا نہیں اور اس کی والدہ اس کی محبت میں اس قدر مستغرق ہو گئی ہیں کہ بجز ان کے غم کے دنیا کی انہیں کچھ خبر نہیں رہی ہے۔مرحوم کے صبر و رضا کا یہ حال تھا کہ وہ آنکھوں کے درد میں برابر مبتلا رہا مگر میں نے کبھی درد کی وجہ سے اُسے آہ کرتے نہ سُنا جب

معالجہ کے لیے امرتسر جاتا تھا اور تیز دوا اس کی آنکھوں میں ڈالی جاتی تھی تو وہ کبھی اُف نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ دوسرے لوگ چیخ اٹھتے تھے۔ تلخ سے تلخ دوا کو خاموشی کیساتھ پی جاتا تھا۔ جب اُس سے حال پوچھا جاتا تھا بجز کلمہ خیر اور کچھ نہ کہتا۔ یہاں تک کہ آخری بیماری کے وقت بھی جب اس سے حال پوچھا گیا تو اس نے سوائے خیریت کے اور کوئی بات ظاہر نہ کی۔ اچھی عادت محبّت اور وفا کا ثبوت یہ کہ بہت سے لوگ ایسے تھے جو اس کے مرنے کے بعد رقمیں واپس لائے اور ہمیں اس معاملہ کی خبر ہوئی۔

غیرت و اجتناب اغیار کی دلیل یہ ہے کہ جس کسی میں فعل شنیع یا عادت قبیح کا گمان بھی ہو جاتا اُس سے ہمیشہ مجتنب رہتا۔ اسی وجہ سے ایک درویش سے اس نے بول چال بند کر دی تھی کہ گو وہ حافظ تھا اور لباسِ فقیرانہ میں ہمارے پاس رہتا تھا تاہم اس کا ظاہر و باطن مرحوم کی نگاہوں میں یکساں نہ تھا۔ پس اس سے کنارہ کر لیا۔ ورنہ اس کے ساتھ اسے کوئی دشمنی نہ تھی۔ اس لیے کہ وہ شریعت کے کاموں میں بہت مضبوط تھا۔

اس کی طبیعت میں غنا اور استقامت کا یہ حال تھا کہ جب سوار ہو کر بیرون شہر جاتا تو کئی عورتیں زریں لباس پہن پہن کر اس کے راستے میں کھڑی ہو جاتیں اس زعم میں کہ شاید ہمارے حسن پر اس کی نظر پڑ جائے لیکن وہ کبھی اپنی آنکھ کا ایک گوشہ بھی ان کی طرف نہ کرتا۔

سخاوت ہمیشہ پوشیدہ طریقہ سے کرتا تھا اور محتاجوں اور مسکینوں کی حاجت روائی

میں بے حد کوشش کرتا تھا۔

ارشاد ہوا کہ اس کے مرنے کے بعد میں نے اس کی نیکی اور احسان کا آوازہ زبانِ خلق سے سُنا کہ ہر شخص اس کا فریفتہ تھا۔ چنانچہ ہندو اور مسلمان اس کی وفات پر رو رو کر جمع ہوئے۔

ارشاد ہوا کہ جو کوئی عرس قائم الدین شاہ کے متعلق مجھ سے پوچھتا تو میں کہتا کہ مجھے کیا خوشی ہے جو میں اس کا عرس کروں لیکن جب موقعہ آیا تو اس قدر مخلوقِ خدا جمع ہوئی کہ بڑے بڑے عرسوں میں بھی نہیں ہوتی۔

پھر فرمایا کہ یہ مکان جس کی تعمیر اسی نے شروع کی تھی۔ اگر ہماری مرضی پر بنایا جاتا تو ہرگز تمام نہ ہوتا۔ جب تعمیر مکان شروع ہوئی تو اس کی نیت یہ تھی کہ صفحہ مغربی اہلِ مجلس کے لیے اور صفحہ مشرقی اپنی نشستگاہ کے لیے بنوایا جائے۔ آخر جو کچھ اس نے چاہا تھا وہی ہوا۔

ارشاد ہوا کہ اہلِ علم ہر جگہ سے اس کی وفات کی تاریخیں لکھ کر بھیج رہے ہیں یہ سب کچھ اس کی نیکی اور اس کی تقدیر کی مقبولیت تھی لیکن میرا خیال ہر وقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اُسے اس جگہ بآرام وخوشحال رکھے۔

ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں پر اگر کوئی بلا اور مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ ہمارے اعمال کی شامت ہوتی ہے اور متقدمین پر جب کوئی بلا نازل ہوتی تھی تو وہ ان کیلیے ترقیٔ درجات کا باعث ہوتی تھی ؎

ما بلا بر کسے قضا نہ کنیم — نام او را زاولیا نکنیم
ایں بلا گوہر خزانۂ ہست — گوہر خود بخس عطا نہ کنیم

ارشاد ہوا بلاؤں پر صبر کرنا پیغمبروں کا کام ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے چالیس سال تک حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کے فراق میں صبر کیا تھا پھر فرمایا کہ صبر اُن سے بھی نہ ہو سکا تھا اس لیے کہ چالیس برس تک روتے روتے عاجز ہو گئے تھے اور آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حالانکہ خدا نے اُن سے وعدہ کر لیا تھا کہ تم یوسفؑ کو زندہ پاؤ گے اور گیارہ لڑکے ان کے اور بھی تھے عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ شاید کہ خدا لے آئے بِهِمْ جَمِيْعًا ان سب کو میرے پاس یعنی یوسف اور بنیامین اور دوسروں کو جو مصر میں ہیں۔ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ تحقیق کہ وہ زیادہ جاننے والا اور راست کار ہے وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ اور منہ پھیر لیا۔ فرزندوں سے وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ اور کہا افسوس ہے فراق یوسفؑ پر۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ سفید ہو گئیں ان کی دونوں آنکھیں مِنَ الْحُزْنِ رنج و غم سے فَهُوَ كَظِيْمٌ پس وہ چھپا رہا فرزندوں کی نگاہ سے اور ظاہر نہ کیا ؎

دردیست دریں سینہ کہ گفتن نہ توانم
دیں طرفہ کہ آں نیز نہفتن نہ توانم

لیکن لڑکوں نے جب آواز یَآ اَسَفٰی سُنی تو باپ کا اضطراب سمجھ گئے۔
قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا کہنے لگے خدا کی قسم تم ہمیشہ یوں روتے رہو گے تَذْكُرُ يُوْسُفَ
حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا یوسف ہی جھینکتے جاؤ حتیٰ کہ تم بیمار ہو جاؤ اَوْ تَكُوْنَ مِنَ
الْهٰلِكِيْنَ یا مرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ
یعقوب علیہ السلام نے کہا اے لڑکو اس کے سوا کیا ہے کہ میں اپنے غم واندوہ کی شکایت
کرتا ہوں۔ اِلَى اللّٰهِ وہ بھی تم سے نہیں بلکہ اپنے خدا سے وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ اور میں وحیِ خدا سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (یعنی یوسف
علیہ السلام کے حالات اور اس کا واپس آنا)، اور کہا يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا
اے میرے لڑکو جاؤ اور دریافت کرو مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ یوسف اور اس کے بھائی
کا حال وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اور اللہ کے فضل ورحم سے مایوس نہ ہو جاؤ
اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ تحقیق خدا کی رحمت
فضل سے نا امید نہیں ہوتے ہیں مگر کافر۔

ارشاد فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں پیراہنِ یوسف کی خوشبو سے پھر کھل گئی تھیں اور کھوئی ہوئی بینائی واپس مل گئی تھی۔ مگر یہاں تو امیدِ ملاقات بالکل منقطع ہو چکی ہے اور علاج وتلاش کی تدبیریں ختم ہو چکی ہیں ؎

ما بوئے پیراہن را در جاں ذخیرہ داریم
شاید ز مصر نا یدا امروز کاروانے

ارشاد فرمایا دل میں خطرات پیدا ہوتے ہیں کہ یہ مصیبت کسی گناہ کے سبب سے تو نازل نہیں ہوئی۔ آخر کس وجہ سے نازل ہوئی ہے۔

ارشاد ہوا کہ کسی لڑائی میں جناب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بہت سے اصحاب شہید ہو گئے۔ اور ان کی لاشیں آپس میں مل گئیں۔ ڈھونڈنے اور تلاش کرنے سے سب کا پتہ چل گیا مگر ایک صحابی کا نشان نہ لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی لاش پر اس کا گمان ہو تو سینہ چیر کر دیکھ لینا۔ اگر اس کے کلیجے میں دو سوراخ ہوں تو سمجھ لینا کہ یہ وہی شخص ہے اور لے آنا۔ القصہ وہ شخص اسی نشان سے مل گیا لوگوں نے اس طریقِ تلاش کا سبب پوچھا آپؐ نے فرمایا اس کے دو لڑکے فوت ہو چکے ہیں۔ اس سبب سے دو زخم اس کے کلیجہ میں موجود ہیں چونکہ مرگِ فرزند دائمی ہوتی ہے اور اس کا لوٹنا محال ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا زخم اور داغ بھی دائمی ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ یہ بھی وسوسہ ہے کہ فلاں خطا کی وجہ سے بلا نازل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کلام مجید میں خود ارشاد فرماتا ہے ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر لو کنتم تعلمون وہ مدت جو خدائے تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے۔ جب آتی ہے تو پھر نہیں لوٹتی اور صاحبِ اجل کو پھر مہلت نہیں ملتی ؎

روزے کہ اجل در آید از پیش و پست | شک نیست کہ مہلت نہ دہد یک نفست
باری نرسد در آں دم از ہیچ کست | برباد شود جملہ ہوا و ہوست

ایک دفعہ میاں بخشا و میاں فتح محمد جن کو مچھر کہتے تھے غلام شاہ صاحب کے پاس سے آئے۔ آپ نے بخشا سے پوچھا کہ حیات شاہ برادر غلام شاہ میرا میں گئے

تھے (غلام شاہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مقبول خلیفہ ہیں اور میرا اُن کی جائے سکونت ہے) عرض کی جی ہاں گئے تھے۔ وہاں اپنے مویشیوں کے لیے چارہ اکٹھا کیا تھا اور اپنے سالوں کے مویشیوں کے لیے ندیہ بھیجا تھا۔ پھر بعض سادات کے حال پوچھے کہ انہوں نے بھی نکاح کر لیا ہے ؟ بخشا نے کہا ہاں بلکہ ان کے بڑے لڑکے نے بھی دوسرا نکاح کر لیا ہے۔ آپ یہ سُن کر مسکرائے اور فرمایا کہ پھر غلام شاہ سے کونسا گناہِ کبیرہ صادر ہوا ہے کہ تمام لوگ اس کے نکاحِ ثانی کی وجہ سے برافروختہ ہیں اور ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ میری غیرت نے اس کو ذلیل کیا ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میری کرامت کی وجہ سے وہ ذلت و افلاس میں بتلا ہے کوئی کہتا ہے کہ میری ولایت پر قبضہ کرنے سے میرا کے باشندے اس سے خصومت رکھتے ہیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ پہلے زمانے میں دس درویش ایک کمبل میں سو رہتے تھے اور دو بادشاہ ایک ولایت میں نہ سماتے تھے۔ لیکن اب اس کے برعکس دو درویش بھی ایک ولایت میں نہیں سما سکتے۔

اس موقعہ پر کسی درویش نے کہا کہ پہلے وقتوں کے درویشوں میں ایسی محبت تھی کہ وہ عاجزوں کی سفارش مشائخ کی حضور میں کیا کرتے تھے اور انہیں منزلِ مقصود تک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے اور آج کل کے درویش جب کسی مسکین کے روزگار میں فساد دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔

ارشاد ہوا اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ سب برائیوں کو اپنے ذمے لے لیتے

ہیں اور فسادات کو اپنی ذات سے منسوب کرتے ہیں یعنی اپنی کرامت کا کرشمہ سمجھتے ہیں۔

پھر بعض پیرزادوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ بڑے پُرفن ہوتے ہیں شان و شوکت کے ساتھ جب مریدوں میں جاتے ہیں تو اپنا ڈیرہ آبادی سے باہر کھڑا کرتے ہیں اور مریدوں کو یہ کہہ کر ڈراتے ہیں کہ جو کوئی نذرانے دینے میں کمی کرے گا اس کا علاج جلد کیا جائے گا اور یہ بیچارہ غلام شاہ اگرچہ شریف ہے مگر بہت بے نفس ہے ایسے لوگوں کو اس زمانہ میں کوئی پہچان نہیں سکتا بلکہ آج کل کے لوگ طراروں اور چالاکوں کی عزت و تکریم کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں۔

لُچّا سب تھیں اُچّا

غلام شاہ ایسا بے نفس ہے کہ جب اس کے پاس کوئی بارادۂ بیعت آتا تھا تو وہ اس کو مرید نہیں کرتا تھا یعنی اپنے تئیں گمان کرتا تھا کہ مجھ میں بیعت کرنے کی قابلیت نہیں ہے۔ پس جو کوئی آتا اُسے یہاں لے آتا تھا۔

سید غلام شاہ صاحب موصوف کا کلام ذوق و شوق سے لبریز ہے۔ مثالاً یہاں کچھ درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

الا یا ایہا الساقی بیار آں بادہ صافیہا	بہ بزم شہ جلالم دہ زجامش ماندہ باقیہا
مگو زاہد مرا پندے کہ رندِ لا اُبالیم	مرا در ہر دو عالم عشق آں دلدار شافیہا
نصیحت باد مرتقوی مرا رندے مسلّم شد	ترا گلزار جنت شد مرا دیدار وافیہا
چو کارِ من بمیخانہ کجا پرہیزم از بادہ	خطائش در ازل کردند رنداں را معافیہا

چو خواہی ساغرِ مستی کہ از ہستی برون آئی
غلامِ حیدرؒ ما شو دعِ الدنیا وما فیہا

ایکہ در روزِ ازل کردی مرا از خود جُدا　　در غم و دردِ فراقِ خویش کردی مبتلا
چند با فرقت بسازم صبر از من تا کجا　　باز از رحمت بکن در حضرتِ خود آشنا

اَنْتَ شَمْسٌ اَنْتَ قَمَرٌ اَنْتَ مِصْبَاحُ الدُّجیٰ
اَنْتَ رُوْحِیْ اَنْتَ قَلْبِیْ اَنْتَ لِیْ نُوْرُ الْهُدیٰ

ماندہ ام از ہجرِ آں مہ سالہا در رنج و تاب　　چوں زلیخا نقدِ عمرِ خویش را کردم خراب
از غمِ جانسوزِ من شد بر دلِ پروانہ داغ　　شمع از دردم بسوزد دیدہ گریاں اشک ناب

مے کند سنگِ دلت را کانِ گوہر اے غلام
چوں بتابد از کرم سلطانِ حیدر آفتاب

چو گنجِ معرفت خواہی سلامت　　بزن ناموس را سنگِ ملامت
بیا باز از سرِ نو عہد سازیم　　لہو شوئیم از چشمِ ندامت
کشم از صدقِ دل صد نازت ایجاں　　اگر در چشمِ من سازی اقامت
مشو مغرور از کشف و کرامت　　بکوش از جان و دل فرا استقامت
بدہ آں بادۂ مستی کہ باشم　　ز خود بیگانہ تا روزِ قیامت

غلامِ شاہ حیدر شو بعالم
چو خواہی جام در گنج سلامت

بعشقِ یار خود دیوانہ مے باش　　ز دستش جام خور مستانہ مے باش
گہے نالاں چو بلبل در گلستاں　　گہے بر شمع او پروانہ میباش

اگرچہ وصلِ جاناں بس بعید است　　بہمت عاشق مرادنہ می باش
شوی بیروں زکوئے ننگ و ناموس　　بیا دش از خودی بیگانہ می باش
بوس از صدقِ دل پائے نگارش　　چو مجنوں در جہاں افسانہ می باش
عجب ساقیٔ کوثر حیدرؓ ما ست
غلام ساقی و پیمانہ می باش

اے کہ ذاتت غنائی دانم　　ماسوایت بقائے دانم
کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ　　غیر زیں ماجرائے دانم
مالک الملک و لاشریک توئی　　جز تو دیگر خدائے دانم
اے کہ در ہیچ جانداری جا　　ذرہ از تو جدائے دانم
واجب و ممکن است جملہ یکے　　درحقیقت جدائے دانم
کل شیٔ چو ہالک گفتی　　غیر وجہت روائے دانم
من کمینہ غلام حیدرؓ غوث
سجدہ جز تو روائے دانم[1]

ارشاد فرمایا یہ غلام شاہ کے توکل کا نتیجہ تھا کہ موضع میرا، کاک اور ٹھلہ کے لوگوں نے عرضی دی کہ شاہ صاحبؒ کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ ٹھلہ ایک شہر ہے جس میں کنوئیں جاری ہیں اور زمین خوب آباد ہے۔ ہم نے سوچا کہ غلام شاہ کو کہاں بھیجیں اور

---

[1] سید غلام شاہ صاحب خلیفہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا پورا دیوان جو ذوق و شوق کا خزانہ ہے، زیرِ طبع ہے۔ شائقین انتظار کریں۔ ایڈیٹر صوفی۔

اس بخشا اور دوسرے دو چار آدمیوں نے بہت عاجزی سے کہا کہ ہم غریب لوگ ہیں، ہم پر عنایت فرمائیے۔

آخر ہم نے ان لوگوں کا لحاظ کر کے دوسروں کو جواب دے دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں خدا کے حکم سے وہاں دو تین مکان بھی تیار ہو گئے۔ وہاں پانی نہ تھا۔ کبوتروں کے لیے ایک غار کھودا تو وہاں سے نکل آیا۔ اب وہاں کنواں بھی کھود لیا ہے۔

ارشاد ہوا کہ نکاحِ ثانی شرعاً ناجائز نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ کو چونکہ قیامِ دنیا مقصود ہے اس لیے اس نے تمام صادر ہونے والی چیزوں کی کنجی اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ جب چاہتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔

بخشا نے عرض کی غریب نواز یہ فقا پھر بھی شادی کرنا چاہتا ہے۔ میاں رکن الدین (حاضر الوقت) کہنے لگے کہ اسی طرح حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے دعائے شادی کی درخواست کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اے شخص ہمارے عورت نہیں ہے اور شیخ صاحب اور حافظ صاحب جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے بھی بیویاں نہیں ہیں۔ آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ ہاں ہمارے حضرت درویش کے لیے نکاح پسند نہیں فرماتے تھے۔ بخشا نے کہا حضور یہ روٹیوں سے لاچار ہے۔ فرمایا کہ زراعت کا کام کرے یا زمین بیچ کر کھائے۔

ارشاد ہوا کہ فقیر کو ابتدائے سلوک میں منزل کشف القبور اور منزل کشف القلوب

ملتی ہے لیکن یہ دونوں کشف سالک کے لیے بُرے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں کچھ ایسے خطرے ہیں جو بندشِ سلوک اور فسادِ عقیدت کا باعث ہوتے ہیں بعض کو دیکھتے ہیں۔ کہ ان کے اعمال دنیا میں نیک تھے مگر وہ قبر میں معذور ہیں اور بعض کو اس کے خلاف۔ پس اتباعِ اسلام سے اعتقاد ضرور پھر جاتا ہے۔ لہٰذا بزرگ کہتے ہیں کہ کشف کو کفش بنا اور نفس کے سر پہ مارے۔

ارشاد ہوا کہ ایک بادشاہ اور ایک فقیر میں جھگڑا تھا اس لیے کہ وہ فقیر کبھی اُس کی مجلس میں نہ جاتا تھا۔ ایک دن بادشاہ کا وہاں گذر ہوا جہاں فقیر کا مسکن تھا، شیخ کو بلایا۔ اُس نے کہا اگر بادشاہ کو ملاقات کی تمنا ہے تو اندر چلا آئے ورنہ جب ہمیں اس کی خواہش ہو گی تو ہم اس کے پاس جائیں گے۔ آخر بادشاہ شیخ کے سامنے گیا اور دیکھا کہ ایک خادم سیبوں سے بھرا ہوا ایک طباق شیخ کے سامنے لایا۔ بادشاہ نے دل میں خیال کیا کہ اگر فقیر صاحبِ کمال ہے تو وہ جو طباق میں سب سے بڑا سیب ہے مجھے دے دیگا۔ شیخ کو اس کا خیال معلوم ہو گیا اور کہا کہ میں ایک دفعہ کہیں سیر کو گیا تھا میں نے دیکھا کہ لوگوں کی ایک جگہ بھیڑ لگی ہوئی ہے اور اس ہجوم میں ایک قلندر گدھے کا تماشہ کر رہا ہے۔ گدھے کی آنکھیں باندھ کر اس نے کہا کوئی شخص آئے اور یہ انگوٹھی مجھ سے لے جائے۔ ایک آدمی اس ہجوم سے نکلا اور قلندر کے ہاتھ سے انگوٹھی لے کر چلا گیا۔ قلندر نے گدھے کو چھوڑ دیا۔ اور وہ کان ناک خوشبو اور آواز سے اُس شخص کو تلاش کرنے لگا۔ جہاں انگوٹھی کی خوشبو پائی وہاں پہنچ گیا اور اس شخص کا دامن پکڑ لیا۔ اتنا کہہ کر شیخ نے وہی سیب بادشاہ کے سامنے

ڈال دیا اور کہا کہ یہ کام تو گدھے بھی کر لیتے ہیں۔ فقیری تو کچھ اور ہی چیز ہے۔ بادشاہ سرنگوں شرمندہ اور مطیع ہو گیا۔

ارشاد ہوا کہ یہ حکمتِ الٰہی ہے جہاں خدا کے مقبول لوگ رہتے ہیں وہیں منکر اور مجہول بھی ملتے ہیں جہاں مسجد یا خانقاہ ہے۔ وہیں حقہ کشوں اور کافروں کی ٹھریاں بھی ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ اس زمانۂ ناقص میں ایک سلسلے اور ایک خاندان کے آدمی بھی ایک دوسرے سے حسد و عناد رکھتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ جہاں کہیں اپنی تعریف و ثنا کا انداز ہے تو وہ فراق اور دوری کی وجہ سے ہے تم نہیں دیکھتے ہو کہ دریا کا پانی دریا سے جدا ہوتا ہے تو کیسی آواز ہوتی ہے اور پھر جب سمندر میں مل جاتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے۔ غرض کہ ہر چیز کی فریاد اور آواز جدائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ درویش بھی ابتدائی حالت میں ذوق و شوق کی وجہ سے روتا اور چلاتا ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند   واز جدائی ہا شکایت می کند

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند   از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

پھر ارشاد ہوا کہ جب وصل ہو جاتا ہے تو احاطۂ تعریف و ثنا پیدا ہو جاتا ہے اس لیے کہ اظہارِ صفت و ثنا کے لیے کوئی دوسرا ہونا چاہیے تاکہ ظاہر کرے پس تعدد اور دوئی واقع ہوئی۔ جب واصف اور صفت، موصوف میں جمع ہوئے تو پھر

بجز صدائے "انا الحق" اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے

ارشاد ہوا کہ یہ آواز خامی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ منزلِ سالک بہت پختہ ہوتی ہے۔ اُسے اس منزل پر پہنچ کر ہر چیز چوب دار اور رسن بھی مترنم نظر آتی ہے

؎ زجامِ عشق نہ منصور بے خود آمد و بس
کہ دار نیز ہمے گفت بار سن ہمہ اوست

بے شک اگر منصور علیہ الرحمۃ کا شیخ وہاں موجود ہوتا تو ان کو ضرور بچا لیتا۔

آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ اور بہت سے ایسے ہیں کہ جب وارداتِ منزل اُن پر سخت ثابت ہوتی ہے اور مدد کرنے کے لیے شیخ ان کے پاس موجود نہیں ہوتا تو وہ خودرسی گلے میں ڈال کر مرجاتے ہیں۔ سانپ کے کاٹے ہوئے کے لیے اگر کوئی کامل افسوں گر موجود نہ ہو تو وہ دوسروں کے علاج سے صحت یاب نہیں ہوتا بلکہ زہر کی خاصیت ہے کہ وہ علاج سے زیادہ چڑھتا ہے بجز اس کے کہ کوئی افسوں جاننے والا قسمِ زہر کے مطابق کچھ پڑھ کر دم کرے۔

ایک روز ارشاد ہوا کہ ہماری مسجد میں ایک مجذوب مقیم تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک چادر پشمینہ پڑی رہتی تھی۔ اُس کا ایک پلہ تہ بند اور دوسرا لنگوبند کا کام دیتا تھا۔ وہ اکثر خاموش رہتا تھا۔ اور اس کی عادت تھی کہ پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا تھا۔

ایک دفعہ اس نے تین دن کھانا نہ کھایا۔ ہم نے اپنے والد سے کہا کہ اس فقیر نے آج تین دن سے کھانا نہیں کھایا ہے۔ فرمایا دریافت کرو کہیں بیمار نہ ہو۔ میں نے ہر چند پوچھا جواب نہ دیا اور وہاں سے چلا گیا۔ پھر ایک کنوئیں کے نزدیک کھجوروں کے جھنڈ میں ڈھیلوں کا ایک ڈھیر لگایا اور اپنی چادر میں بل دے کر ایک پلّہ درخت کی شاخ میں اور دوسرا اپنے گلے میں باندھا۔ پھر اس ڈھیر پر کھڑے ہو کر نیچے کود پڑا اور مر گیا۔

ارشاد ہوا اگلے وقتوں میں لوگ محبت میں مستغرق ہوتے تھے۔ جب ہم سیال شریف گئے ہیں تو ملک کے صرف چند آدمی حضرت خواجہ تونسوی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور سیال شریف کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا بلکہ ہم بھی تونسہ شریف کے ارادہ سے چلے تھے۔ جب ہم یہاں سے چلے تو وہ مریدانِ بارگاہ تونسوی ہمارے ساتھ ہو لیے۔ صرف ایک ہمارا پیر بھائی راستہ میں رہتا تھا۔ جب وہاں پہنچے تو وہ بھی ہمارے ساتھ ہو لیا اور قصّہ شوق و محبّت شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ مسافت طے ہو گئی اور قصہ باقی رہ گیا۔ ؎

بیانِ شوق پایانے نہ دارد

ارشاد[1] فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گائے ہمارے سپرد کر دی کہ اسے شاہ پور میں ملک سلطان محمود کے حوالے کر دینا تاکہ وہ

[1] از مولوی نور عالم صاحب

اسے اپنے مویشیوں میں رکھے۔ جب ہم وہاں پہنچے، ہمراہیوں سے کہا کہ روٹیاں پکالو اور اس کنوئیں پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرو۔ ملک مذکور دنیا دار ہے۔ ممکن ہے وہ ہماری طرف غور نہ کرے۔ میاں خدا بخش ہمارے ہمراہ تھے۔ گائے ہم نے اس کے حوالے کی اور چل دیے۔ ملک سلطان محمود نے ہر چند کوشش کی مگر ہم ملتفت نہ ہوئے آخر اُٹھ کر ہمارے ساتھ ہو لیا اور روانہ ہوا۔ حضرت صاحب کے اوصاف و محبت میں ایسا محو ہوا کہ بے خبری سے لاہور کے راستے پر ہو لیا۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ راستہ جانتا ہے۔ آخر ہمیں رخصت کر کے چلا گیا جب ہم کچھ دور اور آگے بڑھے تو اس کوئیں کا نشان نہ پایا۔ حیران اور متردد ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک جانور ہماری طرف مائل ہے۔ دل میں سوچا کہ اس میں بھی کچھ حکمت ہو گی۔ اُسی کے پیچھے چل دیے غرض بڑی مشکل سے راستے پر آئے۔ ہمارے ہمراہی انتظار کرتے کرتے دو کروہ پیچھے رہ گئے تھے۔ پس میاں خدا بخش گئے اور انہیں لائے۔

فرمایا کہ اس زمانے میں دنیا دار بھی پیر کی محبت میں اس قدر محو ہو جاتے تھے کہ انہیں غلط راستے کی بھی خبر نہ ہوتی تھی۔ ع

آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

ارشاد[1] ہوا کہ بی بی زلیخا نے تمام دولتِ شاہی حضرت یوسف علیہ السلام کے عشق میں لٹا دی تھی اور تمام عمر فریاد و زاری میں بسر کی تھی۔ ہر وقت اپنے بُت

[1] از مولوی نور عالم صاحب ۱۲

کے سامنے مناجات کرتی تھیں مگر وصل یوسف علیہ السلام میسر نہ آتا تھا۔ آخر ایک بانسوں کا گھر یوسف علیہ السلام کی گذرگاہ میں بنایا اور ان کے غلاموں اور نوکروں کے سامنے فریاد کرنے لگی لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ آخر جب تائیدِ فضلِ ایزدی ہوئی تو اپنے بُت پر بگڑ بیٹھی کہ اتنی مدت تک میں نے تیرے سامنے مناجات کی اور اتنی عمر اپنی الحاح وزاری میں ضائع کی تو نے میری ایک نہ سُنی۔ پھر غصہ میں اگر بُت کو توڑ ڈالا اور خدائے حقیقی سے متوجہ ہو کر فریاد کی۔ دُعا قبول ہو گئی۔ اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ ادھر سے گذرے۔ حسبِ دستور بی بی زلیخا نے فریاد کی ؎

کہ پاکست آنکہ شہ را ساخت بندہ
بذلِ عجز کردہ سرفگندہ

جونہی کہ یہ آواز حضرت یوسف علیہ السلام کے کانوں میں پہنچی حکم دیا کہ اس بڑھیا کو میرے پاس لے آؤ۔ ارشاد ہوا کہ جب دل توجہ غیر سے خالی ہوا تو یہی مقصد اس کا ذریعہ تھا ؎

دل میں جب تک غیر تھا ویران و غیر آباد تھا
غیر سے خالی ہوا تو یار کا گھر بن گیا

ارشاد ہوا کہ امراتِ فقیر دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک امر بہ مجاہدۂ نفس یہ صرف عزتِ فقیر کے لیے ہوتا ہے۔ دوسرا امر بالقتال باہل کفر و جحود۔ یہ صرف اسلام کی عزت کے لیے ہے۔

پہلے امر کا سبب یہ ہے کہ جناب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا
اَلْفَقْرُ عِزٌّ لِاَهْلِهٖ پس فقیر کو چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو عزتِ فقر دے تو اس
کے احکام کی نگاہداشت کرے اور جوارح کو خلل میں نہ ڈالے۔ اس لیے فقیر کی عزت
استقامت میں ہے اور متعلقہ طریقت کے ساتھ۔ یہ صرف تزکیۂ نفس کے لیے ہے
اور تمام تعلقات سے آزادی حاصل کرنا تصفیہ قلب کے لیے ہے تاکہ انوار و صفات فنا
در توحید حاصل ہوں اور تمام اوصاف استقامت سے متصف ہو جائے اور جب کہیں
سے گیدڑ کی آواز آئے تو اس کی طرف ملتفت نہ ہو۔ یعنی جاہلوں کے مقابلے میں نہ
آئے اور جو کام اس کے لایق نہ ہو وہ دوسروں کے سپرد کر دے۔ اپنے عمل ملزوم
کو اہلِ ظواہر کی رائے سے ترک نہ کرے تاکہ مخلوق آمادۂ مجادلہ ہو لیکن جب اس کو
بہ تحقیقِ غیب سے اس کی تصدیق ہو جائے کہ وہ فلاں کام پر مامور کیا گیا ہے تو پھر مجبوری ہے
اپنے مخاطب کو حجت و دلیلِ باطنی سے مغلوب کر دے۔ پس اُسے کہیں جانے کی
ضرورت نہیں اور اگر اس کی حجت و دلیل اتنی ہمت اور عزت نہیں رکھتی کہ حریف
کو جذب کرے پس اس کے لیے احکامِ استقامت کا ترک کر دینا اور سُنت
مشائخ کا چھوڑ دینا اور لوازم کفایہ میں مشغول ہونا دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے سوا
اور کوئی مقصد نہیں رکھتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان تمام اور مشکلوں سے گذر جائے تو پھر بھی مہماتِ
اسلام کے کام باقی رہتے ہیں پس وہ اس امر کے لیے مامور ہے کہ عازمِ قتال و جدال
ہو تا وقتیکہ خلفائے مذاہب باطلہ کی تردید کے لیے بحکمِ حدیث شریف اذا
بویع بالخلیفتین فاقتلوثانیهما سرِ مغرور کو تلوار کے گھاٹ اتار دے

اس لیے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دینِ اسلام کو یا تو حجت دلیل سے یا معجزات سے روشن کیا ہے۔ ع

بیک دست گوہر بیک دست تیغ

اگر گوہرِ اسلام قبول کریں تو اچھا ہے ورنہ مفسدوں کا سر تلوار سے کاٹا جائے۔ پس ایسے غازی کے لیے سر لے کر واپس آنا کسی شریعت میں جائز نہیں ہے۔ لاجرم جس مہم کے لیے یہ تمام حرکتیں کی تھیں الان کما کان باقی رہیں اور حرکت کرنے سے کوئی فائدہ مقصود نہ ہوا۔ پس اس فقیر کے سنت مشائخ سے تجاوز کرنے اور مجاہدہ لازمی یعنی استقامت کو چھوڑنے سے وسوسۂ نفسانی کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا لیکن فقیری تو کچھ اور ہی چیز ہے۔

ارشاد ہوا کہ حضرت خواجہ شمس العارفینؒ کی حینِ حیات میں ایک عالم سیال شریف میں آیا جو علما کہ خدمتِ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ میں موجود تھے۔ اس کی طراری دیکھ کر آمادۂ مباحثہ ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کو خبر ملی۔ آپ نے منع فرمایا کہ ایک مہمان آیا ہے اس سے بحث نہ کرنی چاہیے۔ خدا جانے اُس سے بحث میں عہدہ برائی ہو یا نہ ہو مگر چونکہ اہلِ علم میں ایک عجیب خاصیت ہوتی ہے حضرت کا فرمان نہ مانا اور اپنے گروہ میں سے ایک کو مقدم بنا کر بحث شروع کی آخر کار ہر مسئلہ میں انہیں شکست حاصل ہوئی اور لوٹ آئے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا معاملہ کسی صاحبِ ہمت فقیر کو درپیش ہو تو یا تو اپنے حریف کا سر اتارے یا اپنا سر اُسے دے دے۔

چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شخص سحر و استدراج کے علم میں بڑا کامل تھا۔ اس وقت کے تمام سجادہ نشین اس کے سحر سے مسخر و مغلوب ہو گئے تھے۔ ان سب کا مال و اسباب اس نے غارت کر دیا تھا اور لوگوں کا ہجوم اس کے پیچھے پھرا کرتا تھا۔ جب خواجہ علیہ الرحمۃ کی شہرت اس کے کانوں تک پہنچی تو وہ تونسہ شریف بھی آیا اور خواجہ صاحبؒ کے حضور میں بیہودہ باتیں کہنے لگا اور شوخی کرنے لگا۔ چونکہ خواجہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ قوم افغاناں سے تھے جوش میں آ گئے اور چاہا کہ ایک عصا اس کے سر پر رسید کریں لیکن اس ساحر نے قوتِ سحر سے ان کی ہمت سلب کر لی اور وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکے آخر کار آپ نے حاضرِ مجلس درویشوں اور مولویوں سے اشارہ کیا کہ فلاں اسم باری تعالیٰ کی زکوٰۃ ایک لاکھ مرتبہ دیں۔ حکم پاتے ہی سب نے مل کر زکوٰۃ دے دی۔ آخر کار اس کا سحر باطل ہوا اور سرِ مغرور جھک گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے خبیث تیرے ترکش میں جو تیر ہو نکال اور اپنا زورِ بازو دکھا مگر وہ سرنگوں و عاجز ہو گیا۔ جتنا مال و اسباب وہ لوٹ کر لایا تھا۔ سب کو الگ الگ باندھا اور مالکانِ مال کے پاس بھیج دیا۔ پھر اس سے توبہ استغفار کرائی۔

ارشاد ہوا کہ فقیر کو اتنی فرصت کہاں ملتی ہے کہ وہ کسی کے ساتھ لڑے اس لیے کہ اس کی مستقل لڑائی ہر وقت نفس کے ساتھ رہتی ہے کہ مرتے وقت تک چار ہتھیاروں سے اس کے مارنے کے فکر میں لگا رہتا ہے ؎

خنجرِ خاموشی و شمشیرِ جوع   نیزۂ تنہائی و ترکِ ہجوع

ارشاد ہوا کہ بعض صلحا اگرچہ بہت تھوڑے سے عرصہ میں تسخیرِ خلق حاصل کر لیتے ہیں لیکن مقاماتِ فقر میں اس کی کچھ قدر نہیں ہے اس لیے کہ ایسی تسخیرِ خلق تو بعض عملیات سے بھی ممکن ہے۔

سید عباس علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت میں کیسے ہوئے ہیں کہ ان کے پاس دور دور کی ولایتوں کے آدمی ہجوم در ہجوم آتے رہتے تھے لیکن ان کے مرنے کے بعد کوئی فاتحہ کے لیے بھی نہ گیا۔

ارشاد ہوا کہ اولیاء وقت میں سے ایک بزرگ کی ملاقات ابلیس سے ہوئی اس صورت میں کہ غاشیہ برداروں کی طرح بہت سی زنجیریں اور لگامیں سر پر رکھے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ اُس مردِ خدا بزرگ نے پوچھا اے لعین یہ آج کیا ہے کہ حمال بنا ہوا ہے۔ کہنے لگا کہ یہ میرے مخالفین کی لگامیں ہیں۔ ہر شخص کے مزاج کے موافق جدا جدا زنجیریں اور لگامیں رکھتا ہوں تاکہ انہیں اپنا مطیع کر سکوں۔ وہ فرمانے لگے میرے لیے کونسی لگام تجویز کی ہے۔ کہنے لگا تمہیں ان کی حاجت نہیں ہے تمہارے لیے یہی سبب کافی ہے کہ سلطانِ وقت تمہارا مرید ہے۔ ہر جمعہ کے دن تمہاری زیارت کو آتا ہے اور مال و زر لٹا کر چلا جاتا ہے اور تمہیں اس پر غرہ اور ناز ہوتا ہے۔ اس بزرگ کو یہ سچی بات سن کر صدمہ ہوا اور حظ نفسانی کے مٹانے کے لیے ایک شعبدہ ایجاد کیا یعنی لولی قوم کی ایک قحبہ کو بہت سا روپیہ دیا اور کہا کہ جب سلطانِ شہر میرے پاس آئے تو فریاد کرنا اور مجھ پر زنا کی تہمت لگانا۔ اس تلقین کے مطابق اس عورت نے عمل کیا۔ بادشاہ حیران ہو گیا اور اس مردِ خدا کی سزا کے

لیے آمادہ ہوگیا ابلیس پھر آیا اور کہنے لگا کہ اے شیخ! میرے درخت عمل کو جسے میں نے مدتوں میں جمایا تھا تو نے آج اکھیڑ کر پھینک دیا ؎

بزرگاں نہ کردند در خود نگاہ

خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ

مولوی نور عالم صاحب کڑیالہ کی نسبت جو صاحبزادہ قائم الدینؒ مرحوم کے اُستاد تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب بہت مسکین طبع آدمی تھے۔ اُن کا دل ہر وقت خوف خُدا سے دہشت انگیز رہتا تھا۔

پھر فرمایا کہ ان کا ایک عمل جس کی صداقت راستیٔ فطرت کی وجہ سے ہوتی ہے کامل تھا۔ یعنی جب وہ کسی کام کے لیے استخارہ کرتے تھے تو صبح مطلب خواب میں مل جاتا تھا۔

فرمایا ایک دفعہ مولوی صاحب نے ہم سے کہا کہ میں نے خواب میں حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کوہِ گرجاکھ پر بیٹھا ہوا دیکھا ہے ہم اس خواب کی تعبیر پر حیران تھے۔ آخر چند مہینے بعد اتفاقاً سجادہ نشین صاحب مذکور یہاں تشریف لائے اور سیر کرتے ہوئے اُسی پہاڑ پر جا پہنچے اور اسی جگہ بیٹھے جہاں مولوی صاحبؒ نے کہا تھا۔ جب آفتاب غروب ہونے کو ہوا تو اُتر آئے۔

ارشاد ہوا، ایک دن مولوی صاحب سے ہم نے کہا کہ حضرت میاں شاکر شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت کے متعلق استخارہ کیجیے۔ انہوں نے کیا اور صبح کے وقت بیان کیا کہ میراں صاحب خواب میں فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی ہمارے پاس آتے رہتے تھے۔ پھر ایک مدت سے یہاں تشریف نہیں لائے ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی تھا کہ بیعت کے بعد ہم نے سب کو چھوڑ دیا تھا اور کہیں نہیں گئے تھے۔ مولوی صاحب کا استخارہ صحیح تھا۔

ایک مرتبہ کسی قوم کی سرکشی کا ذکر تھا جو حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے عناد رکھتی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا مقلب القلوب ہے یعنی دلوں کا پھیرنے والا ہے اور اہلِ طریقت نے فرمایا ہے :۔

اَلشِّرْكُ فِي الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ	شرک دو قسم کا ہوتا ہے۔ ظاہر اور باطن۔
اَلظَّاهِرُ عِبَادَةُ الْاَصْنَامِ وَ	ظاہر شرک بتوں کی پرستش ہے اور باطنی
اَلْبَاطِنُ الْاِتِّكَاءُ عَلَى الْخَلْقِ	شرک مخلوق پر بھروسہ کرنا اور نفع نقصان
وَرُؤْيَتُهُمْ فِي الضَّرِّ وَالنَّفْعِ۔	میں ان کا خیال کرنا۔

؎

گر رنجے پیش آید و گر راحتے اے حکیم — نسبت مکن بہ غیر کہ اینہا خدا کند

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست — کہ دلِ ہر دو در تصرفِ اوست

گرچہ تیر از کماں ہمے گزرد

از کماں دار بیند اہلِ خرد

ارشاد ہوا کہ تمام مجاہداتِ نفس سے حفاظتِ نگاہ مشکل ہے اور اسی لیے اس کا مرتبہ بھی زیادہ ہے:-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ	مسلمانوں سے کہہ دو کہ اپنی آنکھیں بند رکھیں
اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ	اور اپنے ستر کی حفاظت کریں یہ ان کے
ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ	لیے سبب پاکیزگی ہے اور وہ جو کچھ کرتے
بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۔	ہیں اللہ کو اس کی خبر ہے۔

پس جو کوئی مجاہدۂ چشم کے ساتھ اپنے سر کو خیالاتِ شہوانیہ سے خالی کرے گا وہ خدا کو بچشم سر دیکھ لے گا۔ فَمَنْ كَانَ اَخْلَصَ الْمُجَاهَدَةَ كَانَ اَصْدَقَ الْمُشَاهَدَةَ۔

ارشاد ہوا کہ انسان اگر اپنی کیفیت پر غور کرے کہ وہ کیا ہے تو پہچاننا مشکل ہے جب انسان کا الف قید کسرہ سے رہا ہوتا ہے تو انسان ہو جاتا ہے مانند روح کے انسان آنکھ کی پتلی ہوتی ہے پس اب وہ تمام وجود میں پتلی یا آنکھ کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے ؎

ہمچو نرگس تمام دیدہ شود
تا بہر دیدہ دوست دیدہ شود

پھر ارشاد ہوا بلھا شاہ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں ؎

ہُن میں ہو گیانی کجھ ہو   ہن منیوں کون پچھانے

ہادی مینوں سبق پڑھایا   اوتھے غیر آیا نہ جایا
مطلق ذات جمال دکھایا   وحدت پایا ئے شور

ہُن میں ہو گیا کجھ ہور
ہُن مینوں کون پچھانے

ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ جتنی ترکیبیں دفع بلاؤ مصیبت کے لیے ختم قرآن شریف اور ادائے صدقات سے کی جاتی ہیں وہ سب تقدیر پر محمول ہیں۔ تقدیر دو قسم کی ہے ایک معلق بامر۔ دوسری مطلق۔ اگر تقدیر معلق ہے تو حیلے چل جاتے ہیں لیکن تقدیرِ مطلق سے کوئی چارہ نہیں۔ اسی لیے اولیاء اللہ شقاوتِ ازلیہ کے خوف سے آخر وقت میں ڈرا کرتے ہیں۔ الشقی شقی فی بطن امہ۔ والسعید سعید فی بطن امہ۔ پھر میراں بھیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو بیت فرمائے ؎

جم کے ساتھ جب پڑے پریت
تب پت رہے تو مان

فرمایا جم ہندی میں ملک الموت کو کہتے ہیں اور پت سے مراد عزت سلامتیٔ ایمان ہے۔

پس دوستانِ حق اس وقت کے خیال سے تھرلتے ہیں۔ پس جو لوگ کہ غفلت میں گرفتار ہیں اور حقیقتِ حال سے واقف نہیں ان کا کیا حال ہوگا؟

ارشاد ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے مختلف ممکنات کا وجود اس لیے کیا ہے کہ اس کی

قدرت الوہیت سے انکار نہ کرے اور جو صاحبِ نظر ہیں وہ عبرت حاصل کریں۔

یقلب اللہ اللیل والنہار ان فی ذلک لَعِبْرَۃً لِاُولِی الْاَبْصَار۔

پھر فرمایا کہ مخلوق میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ بعض دو پاؤں سے اور بعض چار پاؤں سے، اور بعضوں کے پاؤں اس سے بھی زیادہ ہیں فمنھم من یمشی علیٰ بطنہ ومنھم من یمشی علی رجلین ومنھم من یمشی علی اربع یخلق اللہ ما یشاء ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر۔

پھر ارشاد ہوا کہ آیا جو چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز ایسی ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط نہ ہو۔ خدام نے عرض کی ایسی تو کوئی چیز نہیں ہے فرمایا کہ اس نیلی رسی اور تاروں کو دیکھو پیڑ پر کس طرح پیچیدہ ہو کر چڑھ جاتے ہیں اسی طرح خدائے تعالیٰ طرح طرح کی اشیاء جن صورتوں پر چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اس کی قدرت کے آگے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

ارشاد ہوا کہ اولیاء اللہ کی کرامات اور خرقِ عادات جیسے بیماروں کا شفا پانا، اور مردوں کا زندہ ہونا بھی اہلِ بصیرت کی عبرت کے لیے ہے اور اس لیے کہ منکرانِ قدرت، قدرتِ الٰہی سے انکار نہ کریں۔ جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے اپنے اولیاء میں سے کسی کے ہاتھ پر اصلاح خلق کے لیے کوئی خرقِ عادات صادر کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات بھی اثباتِ قدرت والوہیت و نبوّت کے لیے ظاہر کیے جاتے ہیں چنانچہ نبی کا معجزہ امرِ حق سے اور ولی کی کرامت حکمِ الٰہی

سے صادر ہوتی ہے۔ اگر نبی پر امرِ الٰہی بصورتِ وحی ظاہر ہوتا ہے تو ولی کے دل پر بصورتِ الہام۔

الہام کی کئی قسمیں ہیں۔ اسی کو تحدیث، تعلیم، تفہیم، غیبی اور حکمتِ مبالغہ بھی کہتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ یہ تحدیث و تعلیم اولیاء اللہ کے دلوں میں ہوا کرتی ہے۔ دل بھی مثل آئینہ ہے اور لوحِ محفوظ بھی مثلِ آئینہ ہے جس میں تمام موجودات کی صورتیں موجود ہیں جس طرح متقابل رکھنے سے ایک آئینہ کا عکس دوسرے میں پڑتا ہے۔ اسی طرح لوحِ محفوظ کی صورتیں دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ پس جب یہ مرتبہ مل جاتا ہے تو وجودِ ولی دنیا میں مظہرِ آیاتِ الٰہیہ ہو جاتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ ایک روز ایک عیسائی بازار میں وعظ کہہ رہا تھا اور جنابِ عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فضیلت دے رہا تھا۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جگہ تشریف لائے اور کہا کہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تفضیل کس طرح ثابت کرتا ہے۔ اس نے کہا اس لیے کہ حضرت عیسیٰؑ کا یہ معجزہ کہ وہ مردوں کو جلا دیا کرتے تھے سینکڑوں جگہ ثابت ہے اور تمہارے پیغمبر کا کوئی معجزہ ایسا نہیں ہے پس فرمایا کہ جنابِ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک امتی ہوں۔ اگر تیرے پیغمبر کے معجزہ کی طرح مجھ سے کوئی فعل سرزد ہو تو میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے گا؟ وہ کہنے لگا ہاں اگر آپ سے ایسی کرامت صادر ہوگی تو بہر تقدیر آپ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میرے پیغمبر علیہ السلام سے افضل

ثابت ہوجائے گا۔

پس وہ عیسائی آپ کو ایک قبر کہنہ پر لے گیا اور کہا اس قبر کے مردے کو جلا دیجیے حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے جناب باری تعالیٰ میں دعا کی۔ فوراً اس قبر کا مردہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ اب تم دنیا میں رہنا چاہتے ہو یا پھر واپس جانا چاہتے ہو۔

مطلب یہ تھا کہ معجزہ عیسیٰ علیہ السلام صرف اسی قدر تھا کہ جب تک وہ مردے سے مخاطب رہتے مردہ زندہ رہتا۔ بعد ازاں پھر بدستور مردہ ہو جاتا اور یہاں حضرت پیر صاحب رضی اللہ عنہ نے مردہ کو مختار کر دیا کہ زندہ رہے یا پھر اُسی عالم میں چلا جائے اس نے کہا یا حضرت میں مطربوں کی قوم سے ہوں کہ ہر وقت روزی کی فکر میں اغنیاء کا محتاج رہا کرتا تھا مگر جس دن سے خدا نے مجھے اس دنیا سے اُٹھایا ہے میں اپنی روزی بے تردد حاصل کرتا ہوں۔ پس حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی اور وہ قبر میں واپس چلا گیا۔

وہ عیسائی معہ اہل وعیال ایمان لایا اور آپ کا مرید ہو گیا۔

ارشاد ہوا کہ مرتبہ اولوالعزم اور ہے اور مرتبہ محبوب اور ہے۔ جب خدا چاہتا ہے اپنے اولیاء میں سے کسی کو شرف تفہیم و تعلیم سے عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا کے درجہ پر مشرف کرتا ہے اور پھر موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی اولوالعزم اس کی شاگردی کرتے ہیں۔ علم سیکھتے ہیں اور استطاعت تحمل و صبر کی تحقیق رکھتے۔ پس کیا

تعجب ہے کہ کرامت معجزہ پر فائق ہو۔ حالانکہ دعویٰ ان کا متضاد نہیں ہے۔ اور خرقِ عادات و معجزہ اصل میں دونو ایک ہیں۔ پس حقوقِ شیخ کے ادا کرنے میں بے صبری کرنا "فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ" کی حرماں نصیبی حاصل کرنا ہے۔

کسی نے دریافت کیا کہ غریب نواز کیا میاں محمد اشرف کی عمر آپ سے زیادہ ہے فرمایا کہ میاں صاحب ہم سے بہت بڑے ہیں۔ جب وہ جوان تھے تو ہم چھوٹے چھوٹے تھے پھر فرمایا کہ میاں صاحب بہت جوانمرد ہیں۔ ایک دن سردیوں میں شام کے وقت جب کہ مینہ برس رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں دو لکڑیاں لیے ہمارے گھر چلے آئے اور پوچھا کہ آپ کا صاحبزادہ کہاں گیا ہوا ہے۔ ہم نے کہا کیا کام ہے کہنے لگے کہ میں ختم شریف تنہا نہ پڑھ سکوں گا۔ پس ہم خود ان کے ساتھ چلے گئے اور ختم شریف پڑھ آئے۔

ارشاد ہوا ایک مرتبہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک درویش کو دیکھا کہ اُسے اسہال آ رہے تھے۔ وہ ایسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا تھا جس پر برف جمی ہوئی تھی اور پھر دو رکعت نماز ادا کرتا تھا۔ پھر اس کو حاجت ہو جاتی تھی اور وہ پھر غسل کرتا تھا غرض یہ کہ اُسے دو رکعت پڑھنے کی فرصت ملتی تھی اور غسل کرنا پڑتا تھا۔ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے درویش میں جانتا ہوں کہ اسی آبِ سرد میں تیری زندگی ختم ہو جائے گی۔ یہ اتنی تکلیف جو تو اٹھا رہا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ وہ کہنے لگا مجھے بھی یقین ہے کہ میں اس آبِ سرد کی تکلیف سے عنقریب

مر جاؤں گا لیکن پیر نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ حدث کے بعد غسل کر کے نماز پڑھنا پس اب دو صورتیں ہیں یا تو ترکِ جان کروں یا ترکِ امرِ شیخ، اور میں نے امرِ شیخ کی پیروی کو جان پر ترجیح دی ہے۔ پس یہی ہوا کہ حاجت ہوئی غسل کیا اور آب سرد میں جان دے کر شہید ہو گیا۔

مسمی گوہر نے کہا کہ ہندوستان میں ایک فقیر تھا کہ چالیس دن پانی میں کھڑا ہو کر کچھ پڑھتا تھا اور پانی اس کی کمر تک رہتا تھا۔ آخر ایک دن سردی کی تکلیف سے اسی پانی میں مر کر جان دے دی کیا وہ بھی شہید ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہرگز نہیں وہ حرام موت مرا۔ اس لیے کہ لوگ حصولِ عمل کے لیے چلے کرتے ہیں اور عمل ان کا دنیا کے لالچ کے لیے ہوتا ہے پس جس عمل میں دنیا کی طمع ہوتی ہے وہ مردود ہوتا ہے اور اس میں کوئی آخرت کی بہبودی نہیں ہوتی۔ ع

طمع را سہ حرف است وہر سہ تہی

نمازِ جمعہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ نمازِ جمعہ کا اتنا ثواب ہے گویا وہ غریبوں کا حج ہے۔ کسی نے کہا حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نمازِ جمعہ کیوں ادا نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کو بواسیر کا عارضہ تھا۔ بعض وقت نماز بھی بڑے تکلف سے ادا فرماتے تھے۔ دوسرا سیال شریف ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس میں جمعہ کی فرضیت کے شرائط نہیں پائے جاتے، ورنہ فضائلِ جمعہ بے انتہا ہیں۔

پوچھا کہ درودِ مستغاث کا مصنف کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ جب جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سفر میں تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر واقعہ افک صادر ہوا تھا۔ اُس وقت آپ نے یہ دُعا تصنیف فرمائی تھی۔

ارشاد ہوا کہ جس انڈے کو مرغیاں اوّل متروک کر دیتی ہیں وہ اگر پھر سو مرغیوں کے نیچے رکھا جائے تو بھی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ مرغیوں کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں بیضے میں بچہ نہیں ہے۔

اس پر کسی نے والدہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا کہ ان کے نصیب میں اولاد نہ تھی مگر حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعائے خیر سے آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد دے دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بات وقت پر موقوف ہے چونکہ جناب غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے لیے وقت سزاوار تھا ان کی دُعا قبول ہو گئی اس لیے کہ اولیاء صاحبِ وقت ہوتے ہیں اور انبیاء کے لیے بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔ جناب رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ میں ایک وقت خدا کے ساتھ ہوتا ہوں جب کہ وہاں کسی فرشتہ مقرب اور نبیِ مرسل کی گنجائش نہیں ہوتی۔

ارشاد فرمایا کہ مشائخ کو وقت نہ ملا تو منصور دار پر کھینچ دیے گئے ورنہ اسے اس دعوے

کے کیف سے ہوش میں لے آنا کچھ دشوار نہ تھا۔

وہاں تو حضرت غوث الاعظم پیر دستگیر شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ نے ایک بانجھ عورت کو خدا سے لڑکا دلا دیا۔ یہاں کون ہے کہ مرغی کے ایک گندے انڈے سے بچہ نکلوا دے۔ آپ نے اپنی ذات اور وقت سے خود اظہارِ نفی فرمایا۔

ارشاد ہوا سیال شریف میں نوربا تو ایک عورت تھی جو سوختۂ عشق و محبت تھی اور اس کا قاعدہ یہ تھا کہ گرمیوں میں وہ ایسے مکان میں بیٹھتی کہ اس میں گیہوں کا بھوسہ خوب بھرا ہوتا تھا مگر اسے گرمی کی خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ سردیوں کے موسم میں چند نئے گھڑے ٹھنڈے پانی سے بھر کر مکان سے باہر رکھ دیتی اور بار بار اس ٹھنڈے پانی سے پیالہ بھر کر اپنے سر پر ڈالتی مگر سردی کا ذرا بھی اثر نہ ہوتا۔ ایک روز اُسے خیال ہوا کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کھانا کھلانا چاہیے۔ پس گئی اور دو تین مُٹھی باتھو کی شاخیں اور پتّے لے آئی۔ انہیں دیگ میں روندا یا آگ جلی نہ تھی کہ اس کے شاخ اور پتّے گل جاتے اور نمک مرچ بھی کچھ نہ تھا کہ وہ کچھ لذیذ ہو جاتے۔ فرمایا کہ اُسے غلبۂ سکر و استغراق سے اتنی فرصت نہ تھی کہ اتنے تردد سے باتھو کو پکاتی یا گلاتی۔ پس نیم گداز باتھو۔ نیم خام اور نیم سوختہ روٹی تیار کر کے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر کی۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب لقمہ منہ میں رکھا تو فرمایا۔ واہ وا اے شیخ میں نے اپنی عمر میں باتھو کئی مرتبہ کھایا ہے لیکن جیسی لذت آج اس باتھو

ہیں ہے کبھی نہیں پائی۔ جب کھا چکے۔ حسب عادت پس خوردہ شیخ صاحب کو دیا اور پھر اس کی لذت کی تعریف کی کہ اے شیخ ایسی لذت تو کبھی آئی ہی نہ تھی۔ شیخ نے کہا یا حضرت بانفو سخت ہے۔ فلفل نابود، نمک ندارد۔ نور با تو پکا کر لائی تھی، مزیدار کیوں نہ ہوگا۔

اہلِ دنیا جب درویش کی عادت کو ایک روش سے دوسری پر اور ایک طریقہ سے دوسرے طریقہ پر دیکھتے ہیں تو کتے کی مانند بھونکنے لگتے ہیں۔ یہ فنائے عادت ہے تردیدِ عادت موت کے سوا نہیں ہو سکتی۔ اَلْعَادَۃُ لَا یَرُدُّ اِلَّا بِالْمَوْتِ۔

ارشاد ہوا کہ رنجیت سنگھ کا لشکر ایک راستے سے گذر رہا تھا اور گاؤں کی ایک کتیا اپنے جوش میں چھت پر آکر لشکر کی طرف چلاتی تھی۔ جب کوئی گروہ دوسرے لباس اور صورت میں گذرتا تو وہ اور بھی چلاتی اور غصہ ناک ہوتی۔ پس جب تمام لشکر گذر گیا اور رات ہو گئی تو وہ کتیا اوپر سے نیچے گر پڑی اور مر گئی۔ غرض یہ کہ تا دمِ حیات لوگوں کے ستانے سے ستانے والے باز نہیں آتے۔

ارشاد ہوا کہ سیال شریف میں ایک درویش تھا۔ نیاز احمد، یا سید احمد، دن رات ذکر و حال میں ڈوبا رہتا تھا اور حضرت سجادہ نشین صاحب نے ایک نیا برآمدہ ایک مکان کے سامنے بنوایا تھا۔ درویش مذکور ایک دن ذکر جہر کرنے کے بعد مستغرق اس برآمدہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت خواجہ شمس العارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر تشریف لائے

ان کی نگاہ اُس برآمدہ پر پڑی۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ عرض کی حضرت ولی عہد صاحب سجادہ نے برآمدہ بنوایا ہے۔ حضرت صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا "وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ" یہ لفظ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس رباعی میں ہے ؎

اَلَا یَا سَاکِنَ الْقَصْرِ الْمُعَلّٰی سَتُدْفَنُ عَنْقَرِیْبٍ فِی التُّرَابِ

لَہٗ مَلَکٌ یُّنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

مطلب یہ ہے کہ اے قصرِ معلّٰی کے رہنے والو تم عنقریب مٹی میں دفن کیے جاؤ گے روز ایک فرشتہ تمہیں ندا کرتا ہے کہ تم موت کے لیے پائے جاتے ہو اور خرابی کے لیے تعمیر بنا کرتے ہو۔

پس جس وقت یہ لفظ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زبان سے نکلا۔ برآمدہ کی چھت درویش کے سر پر فوراً گر پڑی اور لوگ چلائے کہ ارے درویش مرگیا۔ جب مٹی لکڑی وغیرہ جلدی جلدی وہاں سے ہٹائی تو دیکھا کہ درویش بدستور اپنی حالت میں مستغرق بیٹھا ہوا ہے۔ پوچھا کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔ اُس نے کہا مجھے کچھ خبر نہیں۔ صرف کچھ آواز سی میرے کانوں میں آئی تھی۔

ایک دن حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اُسے کسی کام کو بھیجنے کے لیے بلایا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے عرض کی کہ آپ ایسے آدمی کو کام کے لیے بھیجتے ہیں کہ روز ذکرِ جہر کے وقت اس کی گود میں ایک بڑا سانپ بیٹھا رہتا ہے اور اسے خوف تو درکنار خبر بھی نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسے ہی آدمی کام کے ہوتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ سیال شریف میں مجروح نامی ایک درویش تھا جب حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ گھر کی طرف تشریف لے چلے تو وہ ہاتھ باندھے آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا جب گھر کے دروازہ کے قریب پہنچے تو آپ نے مڑ کر اُسے دیکھا۔ خدا جانے اس نظر میں کیا تھا کہ وہ شخص واپس دوڑا ہوا گیا اور آگ کے ایک گرم تنور میں خوف بے ادبی سے جا پڑا۔ لوگوں کو جب خبر ہوئی تو دوڑے اور اسے تنور سے نکالا لیکن اس کا گوشت پوست سب گل چکا تھا۔ ایک ہفتے کے بعد مر گیا۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز روز گیارہ مرتبہ بخطاب محبوبی بارگاہِ ایزدی سے مشرف ہوا کرتے تھے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ روزانہ سترہ مرتبہ خطاب محبوبی سے سرفراز ہوتے تھے۔

ارشاد ہوا کہ جب وقت آتا ہے تو شئے مطلوبہ سے کچھ زیادہ مل جاتا ہے۔ یہ وقت پر موقوف ہے جو کام بند ہوتا ہے وہ حکمت کے ساتھ بند ہوتا ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ابتدا میں ہمارے مکانات موچیوں کے گھر تھے۔ جب ہم نے پہلا مکان یہاں تعمیر کیا تو ان کفش دوزوں نے پورب کی طرف دروازہ نہ نکالنے دیا اور وہ مدتوں تک بند پڑا رہا۔ آخر قصبے کے تمام ہندو مسلمان ایک دن جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ زمین اور شہر ہماری ملکیت میں ہے اور کفش دوزوں کو کیا مجال ہے کہ انہوں نے آپ کے دروازہ کا راستہ بند کر دیا ہے۔ پھر ہمارے پاس آئے کہ ہمارے ساتھ چلیے۔ ہم آپ کا دروازہ کھڑا کرنے آئے ہیں۔ ہم نے کہا کہ اس طرح زور نہ چلے گا اور نہ آگے

ساتھ گھر سے نکلے۔ آخر شہر کے آدمی مجبور ہو گئے۔ پس کفش دوزوں نے اپنی رضامندی سے اس جگہ دروازہ کھڑا کر دیا۔

ارشاد ہوا کہ جو کام بند ہو جاتا تھا ہم اُسے حضرت خواجہ شمس العارفین رضی اللہ عنہ کی مرضی پر چھوڑ دیتے تھے۔ پس وہ چیز ہماری طلب سے زیادہ ہمیں مل جاتی تھی۔

پھر فرمایا کہ جو خود فروخت کرتا تھا تو علاوہ قیمتِ مطلوبہ کے ہم اسے کچھ زیادہ دیتے تھے پس چونکہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرضی یہی تھی تمام کفش دوز اپنے سب مکانات بیچ کر چلے گئے۔

ایک روز کسی نے پوچھا کہ جو فرض ہنوز پیر نے ادا نہیں کیا ہے (مثلاً حج) وہ فرض مرید اپنے اختیار سے ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا کہ یہ مسئلہ اعتقاد ہے اور ہر مرید کا اعتقاد جداگانہ ہوتا ہے لیکن جس کا اعتقاد مرشد کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے یعنی درجۂ تقلید سے گذر جاتا ہے اور تحقیق کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے تو وہ اُسے اجازت نہیں دیتا کہ بے اجازتِ شیخ کوئی کام کرے۔

پھر فرمایا کہ طریقت لبِ لباب شریعت ہے اور سلوک اُس سے مشکل ہے بہر تقدیر گو راہ مشکل اور باریک ہے مگر مقصود سے قریب تر ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ جب دودھ سے گھی نکال لیا جاتا ہے تو صرف مٹھارہ جاتا ہے یعنی سلوک طریقت مثل گھی کے ہے اور سلوک شریعت مثل مٹھے کے اور جب ایک عورت بموجب بحکم شریعت کسی مرد کو قبول کر لیتی ہے تو پھر بغیر اس کی اجازت کے دائیں بائیں دیکھنا بھی

اس پر حرام ہو جاتا ہے، بلکہ حج بھی چاہے اس پر واجب کیوں نہ ہو مگر بلا اجازتِ شوہر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ پس جب تابع شریعت کے لیے اجازت نہیں ہے کہ بغیر اجازتِ شوہر کوئی کام کرے پس سالکِ طریقت کو جو اپنا ہاتھ شیخ کے ہاتھ میں دے چکا ہے۔ کس طرح اجازت ہو سکتی ہے کہ وہ بغیر رضا مندی و اطاعتِ شیخ کے کوئی کام کرے۔

ارشاد ہوا کہ ایک شخص اپنے گھر سے بارادہ حج چلتا اور اجازت لینے کیلیے حضرت خواجہ فریدالدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں حاضر ہوتا۔ جب زیارت سے مشرف ہوتا تو شوق حج اس کے دل سے دور ہو جاتا۔ چند مرتبہ اسی شوق میں آیا۔ آخر شوق حج اس کے دل سے بالکل نکل گیا۔

ارشاد ہوا کہ چنیوٹ میں ایک شخص رہتا تھا۔ ہمارے حضرت صاحب کی خدمت میں چند مرتبہ حج کرنے کی اجازت لینے آیا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو ہو گئے۔ ایک دفعہ عرض کی کہ حج کے لیے جانا چاہتا ہوں فرمایا کہ تیرا حج یہیں ہو جائے گا۔ میرے چاروں طرف طواف کر۔ دو مرتبہ اس نے طواف کیا تیسری مرتبہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ اب تک مخبوط الحواس اور خلقت سے متوحش ہے بجز خلوت اور تنہائی کے اُسے کہیں آرام نہیں ملتا۔ اس کے حجرہ کے سامنے سے ہو کر لوگوں کے نکلنے کا راستہ تھا۔ وہ دروازہ بھی اس نے بند کر دیا۔ اب فرائضِ نماز بھی اس کے حال پر واجب نہیں رہے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ۔

اے ایمان والو! نماز کے نزدیک نہ آؤ اُس حالت میں جب کہ تم مست ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو کچھ تم کہتے ہو۔

تیری نگاہِ مست نے دعوتِ جذبِ ہوش دی
جب سے تری نظر لگی جی نہ لگا نماز میں

کسی نے کہا کہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مرید پر ایک وقت آتا ہے جب کہ وہ اپنے شیخ سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ فرمایا ہاں اس کے لیے بھی ایک وقت ہے۔

ارشاد ہوا کہ درویش جب منازل فنافی الشیخ اور فنافی الرسولؐ سے ترقی کرتا ہے تو فنافی الحق ہو جاتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ تونسہ شریف میں ایک درویش تھا۔ صاحب زادہ گل محمد صاحب اُس کے حجرہ کے دروازہ پر آئے اور اُسے کوئی کام بتایا۔ پوچھا کون ہے۔ کہا گل محمد۔ پوچھا کون گل محمد۔ کہا صاحبزادہ حضرت صاحبؒ۔ پوچھا کون حضرت صاحبؒ۔ پس صاحب زادہ صاحب مرحوم نے اس کے حال سے خواجہ صاحبؒ کو خبر دی۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب کسی درویش کو ایسے وقت کے شغل میں دیکھو تو اس سے کوئی کام نہ لو اور اس سے کچھ نہ کہو۔ پھر فرمایا کہ جو مرید ایسے وقت کی تحقیق و حصول

تک پہنچ جاتا ہے اُسے اپنے اور شیخ کے تعین میں کوئی چیز زیادہ معلوم نہیں ہوتی ؎

درچشمِ مجنوں دیدۂ لیلیٰ شدہ بنمودۂ
لیلیٰ کجا مجنوں کجا خود بودۂ خود بودۂ

پھر کسی نے عرض کی کہ غریب نواز حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مرید پر ایسا حال وارد ہوتا ہے کہ اُس حال میں وصالِ الٰہی کے لیے شیخ سے منقطع اور مستغنی ہو جاتا ہے اس لیے کہ صاحبِ وقت اور صاحبِ حال میں فرق ہے وہ فرماتے ہیں کہ اکثر جانبِ شیخ جانا بھی اس کے لیے حرام ہو جاتا ہے اور اس کی تربیّت و تہذیب خدا خود اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ وہ معانی اور اسرارِ دانی کی ایسی منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ شیخ بھی ان امورات کی اقسام سے مطلع نہیں ہوتا۔ ارشاد ہوا ہاں یہ مقام اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ فنا کی تینوں منزلیں طے ہو چکتی ہیں اور مرید بحرِ توحید میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی کشتی دوسروں کی تکمیل و تعلیم کے لیے اس ورطۂ فنا سے ساحلِ بقا پر لاتے ہیں۔ پس اس کی ذات ذاتِ الٰہی کے ساتھ باقی رہتی ہے اور اس کی صفات کا قیام صفاتِ حق کے ساتھ ہوتا ہے اور تجدیدِ فرمان کا محتاج نہیں رہتا۔

چنانچہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرداً فرداً اپنی حالت میں خطاب کیا گیا کہ آج تو مرتبہ اور قدر و منزلت میں ہمارے نزدیک "زمین" ہے اور اس منزل میں فرمان کی احتیاج نہیں رہتی۔ اس لیے کہ اب یہ ایسے ہو گئے ہیں کہ ان کے کام انہیں کو سونپ دیے گئے ہیں یعنی مانند

یوسف علیہ السلام کہ بادشاہت کا کام انہیں تفویض کیا گیا پس وہ خدا کے قبضے میں ہیں جہاں کہیں جاتے ہیں۔ ہر چیز میں اپنے کاموں کی تحقیق کرتے ہیں فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَعْقِلُ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پس وہ مجھ سے سنتے ہیں مجھ سے دیکھتے ہیں، مجھ سے کہتے ہیں، مجھ سے سمجھتے ہیں، اس کے بعد آپ نے استغنائے خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ ذکر فرمایا (جو پہلے حالات استغراق میں کہیں درج ہو چکا ہے)۔

ایک روز کسی درویش نے دریافت کیا کہ جب وظیفہ درود شریف پڑھا جائے یا تلاوت قرآن شریف کی جائے تو کیا تمام مشائخ سلسلہ کی ارواح کو اس کا ثواب پہنچایا جائے۔ ارشاد فرمایا یہی کافی ہے کہ اس کا ثواب ارواح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا کر روح حضرت خواجہ سیال شریفؒ اور خواجہ تونسہ شریفؒ کو پہنچا دیا جائے اس شخص نے اعتراض کیا کہ تمام مشائخ کو ثواب کیوں نہ بخش دیا جائے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کے پاس کوئی نفیس تحفہ ہو اور وہ بغیر اسم و واقفیت کے وہ تحفہ کسی بادشاہ کو نذر کرے تو وہ بادشاہ اس کی پرواہ نہ کرے گا اور بجائے قبولیت کے اہانت کرے گا اور اگر وہ تحفہ کسی واقف کار امیر کی معرفت دیا جائے گا تو اس امیر کے وسیلے سے وہ تحفہ قبول ہو جائے گا۔

ارشاد فرمایا مسئلہ یوں ہے کہ جو مرید ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اس کے عوض دس نیکیاں تو اُسے دی جاتی ہیں بیس نیکیاں اس کے شیخ کو اور تیس نیکیاں

پیر شیخ کو دی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ مشائخ سلسلہ میں سے ہر ایک کو اس کا ثواب دس گنا زیادہ ملتا جاتا ہے اور پھر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے پس اس کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے کہ پڑھنے والا خود سب کا نام لے کر بخشے۔

خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی اشارت و بشارت سے حضرت سجادہ نشین صاحب سیال شریف نے پیام بھیجا کہ ہم درویشوں کو اپنی زیارت سے مشرف کیجیے کہ موت قریب آتی جاتی ہے ورنہ اجازت دیجیے کہ ہم خود حاضر خدمت ہوں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ جلال پوری نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں سیال شریف جانے سے انکار نہیں ہے لیکن یہ سمجھنے کا قصور ہے۔ ہماری جان تو ہر وقت حضرت صاحب کی طلب میں ہے کہ کسی طرح وہاں حاضر ہوں اور یہ خیال کیوں کر نہ ہو کہ بجز اس درگاہ کے ہم نے کوئی اور دروازہ نہیں دیکھا ہے۔ نہ ہمارے لیے کوئی اور درگاہ ہے اور نہ ہمیں کسی اور کی ضرورت ہے ؎

بدرت کہ جز در کوئے تو بدر دگر گزرے نہ شد
بسرت کہ جز سر زلف تو بسرم سرے دگرے نہ شد

لیکن یہاں جو کچھ پردہ سے ظاہر ہوتا ہے وہ حضرت صاحب کی مرضی مبارک سے ذرہ بھر باہر نہیں ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ بندۂ مملوک کی کیا طاقت ہے کہ بال برابر بھی مالک کے حکم سے تجاوز کرے۔ اسرافیل علیہ السلام جس دن سے نفخ صور پر مامور ہوئے ہیں صور منہ میں لیے ہوئے ایک پاؤں آگے ایک پیچھے نفخ صور کے لیے

تیار کھڑے ہیں، نہ قوت ہے کہ ایک قدم آگے بڑھائیں اور نہ فرصت ہے کہ پلک جھپکائیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ تمام اولیاء اللہ کو آداب فراست و فہمید عطا ہوئے ہیں مگر جو فراست کہ حضرت خواجہ شمس العارفین علیہ الرحمۃ کو دی گئی ہے وہ دوسروں کی فہمید سے بالاتر ہے۔ سب آپ کے امر تک رسائی کی تمنا میں متحیر رہ جاتے ہیں۔

اپنی وفات سے ۲ روز پیشتر حضور غریب نواز جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت سب کا مختار کر دیا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ موت کو ان تک راستہ نہیں ملتا اور ملک الموت کی وہاں گنجائش نہیں رہتی۔ جہاں ہیں وہ خدا کے ساتھ رہتے ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ خود اپنی قدرت کے ہاتھوں سے ان کی جان لیتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ خاصانِ خدا میں سے ایک بزرگ تھے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور سیب نذر کیا۔ ان بزرگ نے کہا کہ تم چلو میں پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ پھر اپنے لواحقین سے وصیت کی کہ میری قبر فلاں مکان میں کھود دو۔ اور یہ سیب اس پر بو دو۔ یہ کہا اور فوت ہو گئے۔ متعلقین نے ان کی وصیت کو پورا نہ کیا اور ان کی قبر دوسری جگہ کھود ڈالی۔ پس غسل کے بعد جب چاہا کہ جنازہ اٹھائیں تو سب مل کر بھی نہ اٹھا سکے۔ ناچار سب عاجز آ گئے۔ آخر ان بزرگ کی چارپائی خود ہوا میں اُڑی اور سبز پروالے مرغ (جانور) اُس کے اردگرد پھرنے لگے اور لاش پر سایہ کر لیا۔ پھر چارپائی اسی مقام پہ اُتری جہاں ان کی خواہش دفن تھی۔ تمام مخلوق اس

کے پیچھے دوڑی گئی۔ انہیں بزرگ کا ہمسایہ ایک بقال تھا جو ہمیشہ انہیں ستاتا رہتا تھا۔ اس نے جب یہ کرامت دیکھی تو اپنے بال بچوں کو لے کر چارپائی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے مردِ خدا میں تو یقین کرتا ہوں کہ تو مرا نہیں ہے۔ افسوس میں نے تیری قدر نہ کی اور ہمیشہ تجھے ایذا دیتا رہا تو اب بھی زندہ ہے۔ خدا کے لیے اٹھ اور میرے گناہ معاف کر دے اور میرے عذر قبول کر۔ مجھے اور میرے آل و عیال کو مسلمان کر۔ اپنی بیعت میں ملا اور ایک سند لکھ دے کہ کل قیامت کے دن میرا اور میرے آل و عیال کا تو ضامن ہوگا اس لیے کہ میں تیرا ہمسایہ تھا، وہ بزرگ فوراً اٹھ بیٹھے۔ قلم دوات منگائی بقال کو معہ آل و عیال مسلمان کیا۔ اپنی بیعت سے سرفراز فرمایا۔ سند لکھ کر دی اور پھر سو گئے آخر ان کو دفن کیا گیا۔

ارشاد ہوا ایک بزرگ تھے کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں ان کی جان لینے آیا۔ وہ کہنے لگے میرا ایک لڑکا ہے اور میں اس کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تو چلا جا میں اس کام سے فارغ ہو کر آؤں گا۔

ارشاد ہوا تم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان کی قبریں کوئی نہیں جانتا تھا مگر جب وقتِ قبولیت آیا تو ان کی قبریں مشہور ہو گئیں اور نذریں چڑھنے لگیں اور حاجتیں بھی پوری ہونے لگیں۔

ارشاد ہوا خدائے تعالیٰ ہمیشہ قادر و مختار ہے کہ لکھے کو مٹا دے اور از سرِ نو

پھر کچھ لکھ دے یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ اللہ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے لکھ دے۔ ام الکتاب تو اسی کے پاس ہے ؎

اپنے جی میں جو کچھ آیا اپنی جو مرضی ہوئی
میرے سمجھانے کو نام اس کا مقدر رکھ دیا

ارشاد ہوا کہ فقیر کو چاہیے رزاقِ مطلق صرف خدائے تعالیٰ کو جانے اور مخلوق سے پرہیز کرے۔ اس لیے کہ مخلوق سے کچھ نہیں پہنچتا ؎

زہد و تقویٰ چیست اے مردِ فقیر
لاطمع بودن ز سلطان و امیر

ارشاد ہوا کہ دنیا بے وفا ہے کسی کے ساتھ نہیں جاتی۔ اگر کسی دنیادار کے سینکڑوں بیگھے زمین ہو یا بہت سے مکانات ہوں تو اس کے مرنے کے بعد یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس کی قبر اسی کی زمین یا مکان میں کہیں کھودی جائے بلکہ مفلسوں کے درمیان میں اُسے دفن کرتے ہیں۔ جہاں جانور آ آ کر اس کی قبر پر پیشاب کرتے ہیں اور فقیر یعنی درویش کی اگر زیادہ نہیں تو اتنی عزت ضرور ہوتی ہے کہ بعد وفات اس کی قبر وہاں بنوائی جاتی ہے جہاں وہ اپنی زندگی میں وظائف وغیرہ ادا کیا کرتا تھا۔

وقتِ اخیر میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سجادہ نشین سید محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تعمیر کا کام جاری رہنا اچھا ہے

اور اس خاندان کا وظیفہ ہے اور لنگر بھی ہمارے بزرگوں کا وظیفہ ہے۔ یہ کسی وقت ترک نہ ہونا چاہیے۔ اس سے دنیا اور آخرت میں عزت زیادہ ہوتی ہے اور مدارج و مراتب ملتے ہیں۔ ان دونوں کی اصل دل کی استقامت ہے کہ جب دل مستقیم ہوا تو یہی مقصودِ اصلی ہے۔ لوگ آئیں یا نہ آئیں۔ لوگوں کا آنا اور نہ آنا دل میں یکساں محسوس ہونا چاہیے

وَ اٰخِرُ مَلْفُوْظَاتِہٖ

اَللہ ! اَللہ !! اَللہ !!!

اُٹھ گئے دُنیا سے ذاکر، ذکر باقی رہ گیا
سُننے والوں نے سُنا اور کہنے والا کہہ گیا

وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ نُوْرِ عَرْشِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ! اٰمِیْنَ !

حصّہ چہارم

نظم

ہندوستان کے مشہور شعرا کی نظمیں جو انہوں نے اظہار عقیدت قلبی و کمال خلوص و ارادت کیشی سے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے شان مبارک د مظہر میں وقتاً فوقتاً نذر گزاریں ۔

(محمد الدین مؤلف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جہاں کے سلطاں ترے گدا ہیں عجب ہے تیری جنابِ حیدرؓ

(از مولانا عاشق حسین صاحب سیماب وارثی اکبرآبادی)

عجیب ہے تیری شان حیدرؓ غریب ہے انتساب حیدرؓ
حسب مقدس، نسب مطہر، لقب معلیٰ خطاب حیدرؓ

حقیقتوں کا یہ چرخ فطری تجھی سے روشن ہے میرے ہادی
اس آسماں پر تری تجلی ہے رو کش آفتاب حیدرؓ

فدائی تیرا جو بن چکا ہے، وہ تارکِ فکرِ ماسوا ہے
اُسے کسی سے غرض ہی کیا ہے جو تجھ سے ہے فیضیاب حیدرؓ

میں دور روضے سے کیوں پڑا ہوں نصیب کہتا ہے نارسا ہوں
ان آسمانوں سے چاہتا ہوں نیا کوئی انقلاب حیدرؓ

فلک ترے در پہ جبہ سا ہیں ملک تری شان پر فدا ہیں
جہاں کے سلطان ترے گدا ہیں عجب ہے تیری جناب حیدرؓ

یہ تیرے خدام عام ہر دم ہیں مطمئن صبح و شام ہر دم
جنہیں تجھی سے ہے کام ہر دم وہ کیوں نہ ہوں کامیاب حیدرؓ

ہمیں تو یہ آستاں ہے کعبہ جھکائیں کیونکر نہ ہم سر اپنا
کہ سجدہ گاہِ ملک ہے تیرا، مزار گردوں جناب حیدرؓ

خلش میں اس کی جو لطف آیا میں کیا بتاؤں وہ کیا مزہ تھا
مذاقِ فرقت نے دل میں پیدا کیا ہے اک اضطراب حیدرؓ

بھلا یہ میری کہاں ہے قسمت کہ مجھ کو حاصل ہو فیض رویت
تو خسروِ کشورِ طریقت، میں خستہ حال وخراب حیدرؓ

حجاب اب صبر آزما ہے، کہ حسرتِ روئے رُخ نما ہے
جمالِ حیدرؓ کا واسطہ ہے اُٹھا دے رُخ سے نقاب حیدرؓ

دکھا دے جلوہ مجھے خُدارا کہ ایک صدمے نے دو کو مارا
نہ دِل کو فرقت کا تیری یارا، نہ مجھ کو دُوری کی تاب حیدرؓ

لگاؤ نے یہ ثمر دیا ہے، کہ جسم شعلوں سے بھر دیا ہے
تپِ جدائی نے کر دیا ہے دل وجگر کو کباب حیدرؓ

کوئی مصیبت اگر پڑی ہے تو یاوری تو نے آکے کی ہے
ترے وسیلے سے ہو گئی ہے دُعا میری مستجاب حیدرؓ

جو تیری زلفوں پہ مبتلا ہوں تو کس طرح مورد خطا ہوں
میں اُلجھنوں میں پڑا ہوا ہوں بڑھا ہے یہ پیچ وتاب حیدرؓ

میں شیفتہ تیرے خال وخد کا، ہے تیرے چہرہ سے عشق حد کا
نہ ڈر ہے مجھ کو شبِ لحد کا، نہ خوف روزِ حساب حیدرؓ

جنابِ حق میں ہے تو مکرم، ہوں تیرے در کا بھی معظم
خدا کی جانب سے تجھ پہ ہر دم، ہو رحمتِ بے حساب حیدرؓ

چشمِ باطن طالبِ دیدارِ حیدرؒ شاہ ہے

(از مولانا شفق صاحب رضوی عمادی)

کیا رفیع المنزلت سرکارِ حیدر شاہؒ ہے — در بڑے داتا کا یہ دربارِ حیدرؒ شاہ ہے
باغِ جنت گلشنِ بے خارِ حیدر شاہؒ ہے — کیا شگفتہ ہر گلِ گلزارِ حیدرؒ شاہ ہے
قصرِ فردوسِ بریں ہے روضۂ عالی مکاں — خلد زیرِ سایۂ دیوارِ حیدرؒ شاہ ہے
ہر در و دیوار پر ہے چاندنی چھٹکی ہوئی — ذرہ ذرہ مطلعِ انوارِ حیدرؒ شاہ ہے
دولتِ کونین سے ہوتا ہے عالم فیضیاب — دوستو کتنی سخی سرکارِ حیدرؒ شاہ ہے
اہلِ حاجت دست بستہ حاضرِ سرکار ہیں — جائے تعظیم و ادب دربارِ حیدرؒ شاہ ہے
نامِ حاتم کا سخاوت میں بہت مشہور ہے — اس سے بھی بڑھ کر مگر ایثارِ حیدرؒ شاہ ہے
سینکڑوں گاہک ہیں جسکے مثلِ یوسف خلق میں — زور پر کیا گرمیٔ بازارِ حیدرؒ شاہ ہے
خفتہ بختوں کے مقدر کو جگانے کیلیے — مرحبا کیا طالعِ بیدارِ حیدرؒ شاہ ہے
پھر پلا دے ساقیا مجھ کو شرابِ معرفت — تشنہ لب پھر طالبِ دیدارِ حیدرؒ شاہ ہے

پھر سخن میں ذوقِ عرفاں کی نئی ہے چاشنی
پھر زباں پر لذتِ گفتارِ حیدرؒ شاہ ہے

آنکھ میری عاشقِ دیدارِ حیدرؒ شاہ ہے — دل بھی میرا مطلعِ انوارِ حیدر شاہؒ ہے
چشمِ ظاہر مظہرِ انوارِ حیدر شاہؒ ہے — چشمِ باطن طالبِ دیدارِ حیدر شاہؒ ہے
جو سویدا کی طرح ہے قلب میں عشاق کے — وہ سوادِ زلفِ عنبر بارِ حیدر شاہؒ ہے
چلتے ہیں تیرِ نگہ جس کے دلِ مجروح پر — وہ کمانِ ابروئے خمدارِ حیدر شاہؒ ہے

عطرِ جنت سے معطر ہے مشامِ آرزو | میرے سر میں نکہتِ گلزارِ حیدرؒ شاہ ہے
واقفِ رمز و نکاتِ معرفت ہے دل مرا | میرا سینہ کاشفِ اسرارِ حیدرؒ شاہ ہے
ہے مرض جب عشق کا صحت سے بہتر اے طبیب | ہے وہی اچھا کہ جو بیمارِ حیدرؒ شاہ ہے
اُسکے دل سے کوئی پوچھے زخم کھانیکا مزہ | جو شہیدِ لذتِ دیدارِ حیدرؒ شاہ ہے
اس کے چہرے سے جمالِ حیدری ہے آشکار | جو سراپا مطلعِ انوارِ حیدرؒ شاہ ہے
ہے عیاں رُخ سے عجب شانِ جلالِ حیدریؓ | مرحبا کیا سطوتِ سرکارِ حیدرؒ شاہ ہے
رُعبِ شاہی ہے فقیرانہ روش سے آشکار | دیکھیے کیا شوکتِ دربارِ حیدرؒ شاہ ہے

نذر کو کیا لے کے آئے آستانے پر شفق
یہ غریب و عاشقِ نادارِ حیدرؒ شاہ ہے

پیر حیدرؒ شاہ کی درگاہ کیا درگاہ ہے

(از مولانا عاشق حسین صاحب سیماب وارثی)

آفتابِ نورِ عرفاں کی تجلی گاہ ہے | مرجعِ مخلوق، ملجائے گدا و شاہ ہے
کیف آگیں اس سے ہر چشمِ بطون آگاہ ہے | خُلد کہتے ہیں جسے وہ دو قدم کی راہ ہے

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدرؒ شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

روضۂ والا کا سر اک پیڑ نخلِ طور ہے | سر خمیدہ کیوں نہ ہوں شاخیں بارِ نور ہے
جو ہے زائر وہ ضیائے کیف سے مسرور ہے | جو ہے حاضر وہ خمارِ وجد سے مخمور ہے
نقشۂ فردوس ہے تصویرِ بیت اللہ ہے | پیر حیدرؒ شاہ کی درگاہ کیا درگاہ ہے

صحن میں روشن ہیں جو شمعیں ستاروں کی طرح — سوزِ دل سے جل رہی ہیں جاں نثاروں کی طرح
موجزن ہیں صاف کرنیں آبشاروں کی طرح — ضوفگن ہیں ان میں جلوے چاند تاروں کی طرح

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

اک طرف ہیں غول میخوارانِ مے آشام کے — ہیں شرابِ شوق سے لبریز گوشے جام کے
اک طرف ہیں چہچہے مرغانِ خوش ہنگام کے — اک طرف کچھ لوگ کہتے ہیں کلیجے تھام کے

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ کیا درگاہ ہے

وہ سحر، وہ الوداع گوشۂ دامانِ شب — وہ طلوعِ صبح اور وہ رخصتِ شاہانِ شب
مشرقِ جلوت میں وہ بیداریِ یارانِ شب — وہ نگاہِ نیم باز دستِ مہمانانِ شب

نقشۂ فردوس بریں ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

بارشِ رحمت سے ہے سرسبز بُستانِ مزار — رشکِ شمعِ طور ہے شمعِ شبستانِ مزار
گلشنِ خُلدِ بریں ہے زیرِ دامانِ مزار — شانِ گلریزی میں رضواں ہیں غلامانِ مزار

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

آرزو والے کھڑے ہیں ہاتھ پھیلائے ہوئے — حسرتوں والے پڑے ہیں ہر طرف چھائے ہوئے
ہیں گنہگارانِ ملت آج شرمائے ہوئے — عذرخواہی کے لیے ہیں سب یہاں آئے ہوئے

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

آرزومند، آرزوئیں اپنی لے کر جائیں گے　　حسرتوں والے بھی اپنے دل کی حسرت پائینگے
جو خطا کر دار ہیں وہ بھی نہ اب شرمائیں گے　　سب گناہ دھل جائیں گے، رحمت کے بادل آئینگے

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

ہاں رہے گا اب باقی کوئی ناکامِ مُراد　　آستانے سے ملیگا سب کو انعامِ مُراد
ہے حصولِ کامیابی آج انجامِ مُراد　　یعنی اس درگاہ کا ہر سنگ ہے بامِ مُراد

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

چاہتے ہیں جس کو دم بھر میں بلا لیتے ہیں وہ　　اپنے شیداؤں کو مہماں خود بنا لیتے ہیں وہ
درمیاں سے پردۂ حائل اُٹھا لیتے ہیں وہ　　قسمتیں سوئی ہوئی سب کی جگا لیتے ہیں وہ

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

ایک ہم ہیں حسرتِ درگاہ میں ہیں بیقرار　　لوٹتے ہیں اور تڑپتے ہیں یہاں سیماب وار
پیر سنتے ہی نہیں ہم دردمندوں کی پُکار　　چھیڑنے کو آ رہی ہیں یہ صدائیں بار بار

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

کاش ہم بھی روضۂ انور کا منظر دیکھتے　　مدفنِ پُر نور پر پھولوں کی چادر دیکھتے
روضۂ اقدس پہ کر کے جاں نچھاور دیکھتے　　پھر وہاں یہ مطلعِ پُر کیف پڑھ کر دیکھتے

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدر شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

دیکھنے چشمِ عنایت سے جو سیّد فضل شاہؒ — پھر تو ہوتا سایہ افگن دفعتًا فضلِ الٰہ
واہ ری تقدیر رکھا رات دن ہم کو تباہ — دیکھ کوئی کہہ رہا ہے صاف ہر شام و پگاہ

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدرؒ شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

چل دلِ دیوانہ، روضے پہ تجھے لیجائیں ہم — تجھ سے ہم تنگ آ گئے تجھکو وہیں چھوڑ آئیں ہم
اس تری وحشت سے اور حشی رہائی پائیں ہم — جب پہنچ جائیں تو یوں فرطِ خوشی سے گائیں ہم

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدرؒ شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

چل دلِ بیمار اب تیری دوا ہو جائے گی — تو مریضِ عشق ہے، تجھ کو شفا ہو جائے گی
جاتے ہی مسرور جانِ مبتلا ہو جائے گی — پھر موافق یہ زمانے کی ہوا ہو جائے گی

نقشۂ فردوس ہے، تصویرِ بیت اللہ ہے
پیر حیدرؒ شاہ کی درگاہ، کیا درگاہ ہے

میں حیدریؒ ہوں

(از مولانا عاشق حسین صاحب سیماب وارثی)

نہ میں وقفِ خودداری و خودسری ہوں — نہ میں صرفِ فریاد و نوحہ گری ہوں
میں دارین میں مائلِ بہتری ہوں — بری ہوں ہر اک رنج و غم سے بری ہوں

یہ فضلِ خدا ہے کہ میں حیدریؒ ہوں

فلک تو نہ للہ مجھ کو ستانا — مجھے اپنی گردش نہ ہرگز دکھانا

ملے گا نہ دُنیا میں تیرا ٹھکانا !! مرے مُنہ نہ آنا مرے مُنہ نہ آنا
مجھے جانتا ہے کہ میں حیدری ہوں

اگرچہ مخالف ہے سارا زمانہ نہیں کوئی دنیا میں میرا یگانہ
حسد مجھ سے رکھتے ہیں سب غائبانہ کسی سے نہیں ہے میرا دوستانہ
مگر خوف کیا ہے کہ میں حیدری ہوں

مرض نے مجھے ناتواں کر دیا ہے الم نے مجھے نیم جاں کر دیا ہے
مصیبت نے صرفِ فغاں کر دیا ہے مگر ہمتوں نے عیاں کر دیا ہے
یہ میری دوا ہے کہ میں حیدری ہوں

کہو مدعی سے نہ ہو میرا دشمن کہ بیکار ہے ان کے خادم سے اَن بَن
ہے کینہ رہِ فقر میں بُزدلا پن خدارا نہ مجھ سے بدل اپنی چتون
تو ناحق خفا ہے کہ میں حیدری ہوں

فشارِ لحد سے سبھی سرگرداں ہیں مجھے چین گھر سے زیادہ یہاں ہیں
فرشتے بھی مسرور اور شاداں ہیں نکیرین بھی قبر میں مہرباں ہیں
مگر سن لیا ہے کہ میں حیدری ہوں

نہ برگشتہ گلزار میں باغباں ہے نہ گرمائی پر آتشِ گلستاں ہے
نہ صیاد کا خوف کچھ جاں ستاں ہے نہ مجھ کو گلستاں میں خوفِ خزاں ہے
مرا دل ہرا ہے کہ میں حیدری ہوں

مئے فقر سے دل میرا کیف زا ہے میرا دل سرورِ ولا سے بھرا ہے
پیالہ مرا ساغرِ خود نما ہے نہ مجھ کو گلستاں میں خوفِ خزاں ہے
یہ دعوےٰ بجا ہے کہ میں حیدری ہوں

کوئی بادشاہِ فریدوں حشم ہے — کوئی رشک دارا کوئی فخرِ جم ہے
مگر مجھ کو اپنے خدا کی قسم ہے — جو ہے وہ میری چشمِ بینا میں کم ہے
یہ رتبہ مرا ہے کہ میں حیدریؒ ہوں

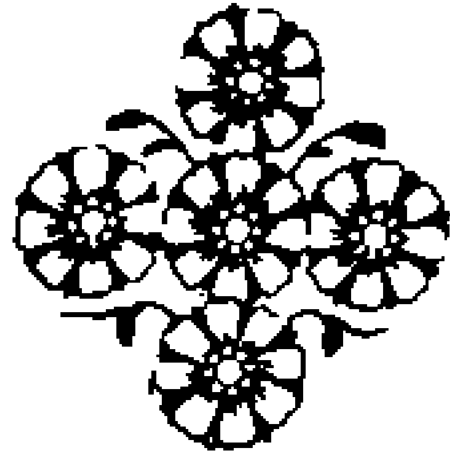
مئے فقر سے دل مرا کیف زا ہے — میرا دل سرورِ ولا سے بھرا ہے
پیالہ مرا ساغرِ خود نما ہے — میں وہ مست ہوں میرا ساقی خدا ہے
یہ دعویٰ بجا ہے کہ میں حیدریؒ ہوں

کوئی بادشاہِ فریدوں حشم ہے — کوئی رشکِ دارا کوئی فخرِ جم ہے
مگر مجھ کو اپنے خدا کی قسم ہے — جو ہے وہ میری چشمِ بینا سے کم ہے
یہ رتبہ مرا ہے کہ میں حیدریؒ ہوں

جگہ ہے نگاہِ دو عالم میں میری — خدا مجھ سے راضی ہے خوش ہیں نبی بھی
بڑی فقر کی میں نے دولت ہے پائی — مسرت سے لبریز ہے زندگانی
زمانہ فدا ہے کہ میں حیدریؒ ہوں

وہ سیماب عیش و خوشی میں رہے گا — بہت شادماں زندگی میں رہیگا
جیے گا تو آرام ہی میں رہے گا — مرے گا تو ظلِ علیؓ میں رہے گا
جو یہ کہہ رہا ہے کہ میں حیدریؒ ہوں





واہ وا کیا جلوۂ سرکار حیدرؒ شاہ ہے

(از حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی)

عارفِ کامل تھے حق آگاہ حیدرؒ شاہ تھے
صوفی و صافی فنا فی اللہ حیدرؒ شاہ تھے

ماہرِ ہر علم و فن ذی جاہ حیدرؒ شاہ تھے
حامیِ دینِ رسول اللہ حیدرؒ شاہ تھے

چشمِ رحمت سے گدا و شاہ کیا مسرور تھے
دورِ جامِ معرفت سے سب کے سب مخمور تھے

گلشنِ پنجاب میں تھی آپ کے دم سے بہار
صانعِ قدرت کا جلوہ ہر طرف تھا آشکار

بہرِ نظارہ تھی ہر اک چشم محوِ انتظار
ہر طرف اہلِ عقیدت تھے فدا پروانہ وار

جلوہ گر انوارِ حق کی تھی ضیا پنجاب میں
خوب آتی تھی نظر شانِ خدا پنجاب میں

مخزنِ خلق و کرم تھے معدنِ صدق و صفا ‏ گوہرِ درجِ شرف تھے چشمۂ جُود و سخا
مصدرِ لطفِ اتم تھے منظرِ مجد و علا ‏ گمرہوں کے تھے وہ مثلِ خضر ہادی رہنما

کشورِ پنجاب میں تھی ذاتِ اقدس بے نظیر
آپ سے بہتر سُنا دیکھا نہ پیرِ دستگیر

آپ تھے بیشک جہاں میں نوبہارِ باغِ چشت ‏ آپ کے فیضِ قدم سے ہوگئی دنیا بہشت
سالکِ راہِ شریعت ہوگیا ہر خوب و زشت ‏ مسجدیں آباد، ویراں ہوگئے دیر و کنشت

جلوۂ روئے درخشاں گو ہے نظروں سے نہاں
آپ کا فیضِ تصرف ہے زمانے میں عیاں

آپ ہی کے فیض سے صوفی ہے زندہ یادگار ‏ ہے مضامینِ تصوف کی جہاں تازہ بہار
عالم و فاضل ثنا خواں ناظم و ناثر نثار ‏ جلوۂ برقِ معانی سے ہے ہر دل بیقرار

خلق میں مشہور جو صوفی محمد دین ہے
لائقِ مدح و ثنا و قابلِ تحسین ہے

واہ کیا دربارِ فیض آثار حیدرؒ شاہ ہے ‏ واہ کیا پھولا پھلا گلزار حیدرؒ شاہ ہے
واہ وا کیا جلوۂ سرکار حیدرؒ شاہ ہے ‏ سر کے بل چل آج یہ دربار حیدرؒ شاہ ہے

روضۂ انور کا نظارہ مسرت خیز ہے
حُبِّ حیدرؒ شاہ سے ہر جام دل لبریز ہے

دِل کا اطمینان ہے اذکارِ حیدرؒ شاہ میں

(از مولانا عاشق حسین صاحب سیماب وارثی اکبرآبادی)

لے چل اے قسمت مجھے دربارِ حیدرؒ شاہ میں ‏ نذر کرنے کو ہوں سر، سرکارِ حیدرؒ شاہ میں

پرتوِ معبود ہے ظلِ لقائے پیر بھی — جلوۂ مقصود ہے دیدارِ حیدرؒ شاہ میں
رہ گئے حیراں سرِ بالیں مسیحا دیکھ کر — کچھ عجب آثار تھے بیمارِ حیدرؒ شاہ میں
قلب کو ہوتا ہے کیا کیا اُنکی باتوں سے سکوں — دل کا اطمینان ہے اذکارِ حیدرؒ شاہ میں
کیا لکھوں میں کون تھے وہ اور کیا تھے ہم نفس — کیا لکھوں میں شانِ پُر اسرارِ حیدرؒ شاہ میں
دیکھ لوں ان کو تو پھر لے موت دل دعوت تجھے — جی رہا ہوں حسرتِ دیدارِ حیدرؒ شاہ میں
اپنے پھولوں پہ ہے اتنا ناز کیوں فردوس کو — پھول ایسے ہیں بہت گلزارِ حیدرؒ شاہ میں
ہر طرف پھیلی ہوئی تھی معرفت کی چاندنی — نور تھا اللہ کا انوارِ حیدرؒ شاہ میں
ہے کبھی بے ہوش مستانہ کبھی ہے وجد خیز — ہیں نئی کیفیتیں سرشارِ حیدرؒ شاہ میں
مغفرت کی ہے گھٹا چاروں طرف چھائی ہوئی — رحمتیں برسیں نہ کیوں دربارِ حیدرؒ شاہ میں
بات کی جس سے وہ پژمردہ وہ مُردہ جی اُٹھا — تھا مسیحانہ اثر گفتارِ حیدرؒ شاہ میں
ضوءِ باطن کی چمک انوار میں تھی آپ کے — نورِ وحدت کی جھلک رخسارِ حیدرؒ شاہ میں
گر بپا ہوتی تو آ جاتا قیامت میں جمود — اِک سکوں اِک وجد تھا رفتارِ حیدرؒ شاہ میں
خلق میں منظور تھا اعلانِ شانِ حیدری — تھی خدا کی مصلحت اظہارِ حیدرؒ شاہ میں

کیوں نہ اے سیماب ان کا ذکر ہر لحظہ کروں
خود بخود لگتا ہے دل اذکارِ حیدرؒ شاہ میں

ہے تصوّر دِل میں صبح و شام حیدرؒ شاہ کا

(از مولوی وجاہت حسین صاحب وجاہت جھنجھانوی)

تذکرہ رہتا ہے صبح و شام حیدرؒ شاہ کا — اب وظیفہ ہو گیا ہے نام حیدرؒ شاہ کا

جس نے جب چاہا جہاں چاہا ہوا وہ مستفیض — ملک میں جاری تھا فیضِ عام حیدرؒ شاہ کا
اِک نظر جس پر بھی ڈالی کر دیا کامل اُسے — تھا مبارک اور مکمل کام حیدرؒ شاہ کا
ہو گیا مستِ مئے عرفاں ہمیشہ کے لیے — پی لیا اک بار جس نے جام حیدرؒ شاہ کا
جلوۂ نورِ خدا لوگوں کو آتا تھا نظر — طورِ ثانی بن گیا تھا بام حیدرؒ شاہ کا

حیدری اوصاف سے وہ متصف تھے بالیقیں — ہو گا ہمراہ علیؑ انجام حیدرؒ شاہ کا
موت نے آنکھوں سے اوجھل کر دیا تو کیا ہوا — دِل میں نقشہ رکھتے ہیں خدام حیدرؒ شاہ کا
مِل گیا خلعت اِرادت کا اسے رکھو عزیز — اے مریدو! ہے یہ خاص انعام حیدرؒ شاہ کا
اولیائے ہند میں پائیں گے اُونچا مرتبہ — روزِ محشر دیکھنا اکرام حیدرؒ شاہ کا
کہہ دیا جو مُنہ سے وہ فی الفور پُورا ہو گیا — بالیقیں تھا ہر سخن الہام حیدرؒ شاہ کا
ضلع جہلم میں انہیں حاصل ہوا جاہ و جلال — ہو گیا مشہورِ دوراں نام حیدرؒ شاہ کا
غیر مسلم بھی بہت گرویدہ تھے مُسلم تو کیا — ایسی رکھتا تھا کشش اسلام حیدرؒ شاہ کا
ہر بڑے چھوٹے کے دل میں کر لیا تھا اپنا گھر — سب ادب کرتے ہیں خاص و عام حیدرؒ شاہ کا
رہتی ہے پیشِ نظر وہ شکل نُورانی مدام — ہے تصور دل میں صبح و شام حیدرؒ شاہ کا
دینِ احمدؐ کو ترقی دیں مُریدانِ سعید — نام حیدرؒ شاہ کا ہے کام حیدرؒ شاہ کا
فیض پاتا ہے بہت رشد و ہدایت سے تواب — کیوں رہے خادم کوئی ناکام حیدرؒ شاہ کا
حشر تک جاری رہے گا ان کی تعلیمات سے — رُک نہیں سکتا یہ فیضِ عام حیدرؒ شاہ کا

کوئی دم خالی نہیں جاتا ہے اُنکی یاد سے
روز و شب وردِ زباں ہے نام حیدرؒ شاہ کا

برستی ہیں خُدا کی رحمتیں دربارِ حیدرؑ میں

(از مولانا عاشق حسین صاحب سیمابؔ وارثی اکبر آبادی)

فرشتوں کی لگی ہے بھیڑ سی سرکارِ حیدرؑ میں
برستی ہیں خدا کی رحمتیں دربارِ حیدرؑ میں

جہاں میں تا قیامت نامِ حیدرؑ کا رہے زندہ
خدا کی تھی بڑی یہ مصلحت اظہارِ حیدرؑ میں

خدا کے خاص بندوں سے کوئی ابرام کرتا ہے
مجھے اندیشۂ الحاد ہے انکارِ حیدرؑ میں

ملے ہیں انکو رُتبے کُنت کنزاً مخفیاً والے
دُرِ نایاب ہیں گنجینۂ اسرارِ حیدرؑ میں

خدا کا شکر ہے آئی اجل اس آستانے پر
مری مٹی ٹھکانے لگ گئی دربارِ حیدرؑ میں

نظر ملتے ہی پھر دل کا پتہ مشکل سے ملتا تھا
خدا جانے کہاں کی تھی کشش دیدارِ حیدرؑ میں

مسیحا کیا کریں تکلیف فرمائی ہے لاحاصل
مسیحائی کے سب انداز ہیں بیمارِ حیدرؑ میں

فقط اک عرس ہو ہر سال بارہ ماہ میں وہ بھی
کہاں ہے صبر اتنا طالبِ دیدارِ حیدرؑ میں

وجودِ فضل سے مجھ کو یہ نقطہ ہاتھ آیا ہے
خدا کا فضل بھی شامل رہا آثارِ حیدرؑ میں

عبث ہے طوطیٔ سدرہ کو نازِ نغمہ پیرائی
کہ ہیں ایسی بہت سی بلبلیں گلزارِ حیدرؑ میں

ملی جس سے نظر وہ مل گیا اللہ سے فوراً
اثر "مازاغ" کا تھا دیدۂ بیدارِ حیدرؑ میں

حقیقت کی نظر سے دیکھنے والے یہ کہتے ہیں
نمایاں تھا خدا کا نور بھی انوارِ حیدرؑ میں

مجھے قسمت کبھی سیماب روضے تک جو پہنچاتی
ثنا خوانی کا آتا کچھ مزہ دربارِ حیدرؑ میں

دستم بدست گیر تو اے دست گیرِ عام

از مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی ساکن ڈنگہ

اے بادشاہِ ہر دو جہاں پیرِ دستگیر　　تو واقفی ز رمز نہاں پیرِ دستگیر
نورِ محمدی ز جبینِ تو آشکار　　وصفت برول ز وہم و گماں پیرِ دستگیر
حیدر نشانِ علم و لا برفراشتی　　راز کماہی از تو عیاں پیرِ دستگیر
خلفِ معین و شمس توئی اندریں زمن　　در تو عیاں جملہ نشاں پیرِ دستگیر
نازو بتو شریعتِ عزائے احمدیؐ　　عرفان را تو روح و رواں پیرِ دستگیر
ہستی چراغ چشت منور نمودہٗ　　از نورِ فیض جملہ جہاں پیرِ دستگیر
ہستی بملک فقر سلیمان تاجدار　　خیرت رسد بجملہ کساں پیرِ دستگیر
تنزیہ را نمائی بیک طرفہ نظر　　اے شاہ باز کون و مکاں پیرِ دستگیر
دراج دل بقید ہوا جس شدہ اسیر　　یا بذر تو خلاص داماں پیرِ دستگیر
راہ دراز ہیچ نداریم زادِ راہ　　حالم دراں سفر بچہ ساں پیرِ دستگیر
مگذار جز تو بادگرے التجا برم　　اے رہنمائے پیر و جواں پیرِ دستگیر
دستم بدست گیر تو اے دستگیرِ عام　　کن دستگیری مثلِ شہاں پیرِ دستگیر
دیدم چو روئے پاک تو گفتم ہماں نفس　　شیخ و بزرگ و قطبِ زماں پیرِ دستگیر

گم کردہ گوہرے بدرت صوفیے رسید
او را بداں ز جملہ سگاں پیرِ دستگیر

جہاں کے سلطاں تیرے گدا ہیں عجب ہے تیری جناب حیدرؓ

(از ملک محمد اسلم خاں صاحب متعلم اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ بعمر ۱۲ سال)

ہوئے ہو روپوش کیوں خدارا اُٹ دو رُخ سے نقاب حیدرؓ
ازل سے ہوں آپ کا شناسا نہ کیجے مجھ سے حجاب حیدرؓ
لبوں پہ ہے گھٹ کے جان آئی نہیں ہے اب طاقت جُدائی
میں مضطرب ہوں جلال پور میں بلالو مجھ کو شتاب حیدرؓ
میں تیرے ناز و ادا کے صدقے بتا دے بہرِ خُدا تو اتنا
تیری جدائی کا مجھ کو کب تک رہے گا اتنا عذاب حیدرؓ
کروں میں کیا شکر تیرا مولا ہوا تو اس دل میں جلوہ فرما
یہ اُجڑی بستی بسائی تو نے کرم کیا بے حساب حیدرؓ
وہ شانِ اعلیٰ ہے تیری مولا کہ تاب خامہ کو کیا جو لکھے
جہاں کے سلطاں تیرے گدا ہیں عجب ہے تیری جناب حیدرؓ
میں گو کہ بدکار و روسیاہ ہوں خطا کا پُتلا ہوں پُر گناہ ہوں
چھپا لے اب دامنِ کرم میں کہوں گا روزِ حساب حیدرؓ
مجھے بھی اے ساقیٔ دو عالم پلا دہ مے بہرِ غوث اعظمؒ
چڑھے نشہ محویت کا تیری رہوں نہ مستِ شباب حیدرؓ
وہ سر دے ہو جس میں تیرا سودا وہ دل کہ ہو داغ کی تمنا!
جو رشکِ منصور دم میں کر دے پڑھا دے ایسی کتاب حیدرؓ

نہ ہوش ہو کون ہوں کہاں ہوں جلال پور ڈیرہ جا لگاؤں
میں دونوں عالم کو بھول جاؤں پلا دے ایسی شراب حیدرؒ
نصیب جاگے جو سو گیا میں شبِ جدائی میں تنگ آ کر
کہا کسی نے کہ دیکھ اسلم وہ آتے ہیں بے نقاب حیدرؒ

کلامُ الملُوک مُلوکُ الکلام

از کلکِ جواہر سلک سیادت پناہ حضرت سید غلام شاہ صاحب ساکن میرہ شریف
ضلع راولپنڈی

سرورِ دنیا و دیں شاہِ غلام حیدر است
والیِ فلک و زمیں شاہِ غلام حیدر است

آنکہ فاسق را ولی سازد بیک دم از نگاہ
حامیِ عرشِ بریں شاہِ غلام حیدر است

آنکہ او را جن و انس و ملک از جاں عاشق اند
آں شہِ روشن جبیں شاہِ غلام حیدر است

گشتہ ام از دل غلام حیدرِ غفراں مآب
معطیِ حق الیقیں شاہِ غلام حیدر است

بجز جناب تو مارا دگر پناہی نیست
دگر بظلِ تو مارا بکون شاہی نیست

کجا رویم و کرا گویم اینکہ یارم را
ز بس غنائے طبیعت بمن نگاہی نیست

چہ ساں بقدمن خالت رسم کہ ملکاں را
بہ تنگنائے حریم تو گذر گاہی نیست

چہ کم ز گنج تو گر دو کرانہائش نیست
چرا بخستہ دلانِ خودت نگاہی نیست

غلام حیدر چشتی شدم بہر دو جہاں
سر سجود مرا جز تو قبلہ گاہی نیست

مردہ ام از تشنگی ہیہات ہات — خوش بدہ اے ساقیا آبِ حیات
از خودی بس عقدہ در کارم فتاد — از نگہے لطف حل کن مشکلات
تلخ گفتارِ لبِ شیریں دہاں — خوشتر است از خوردن قند و نبات
آبِ آتش رنگ در دہ ساقیا — تا ز بویش مردہ دل یابد نجات
پس تقوای زاہداں را در ازل — جامِ مے کردند رنداں را برات
گر شوی کشتہ بہ تیغِ لا الٰہ — بہتر است از ہشت گلزارِ جنات
شو غلامِ شاہ حیدر شمسِ حق — کز ضیائش شد منور شش جہات

یا پیر حیدرؒ المدد

(از ماسٹر محمد حسین صاحب بی اے انسپکٹر ڈاکخانجات جہلم)

اے سیدِ والا مکاں، اے دستگیرِ عاجزاں — پشت و پناہِ بیکساں یا پیر حیدرؒ المدد
اے واقفِ سرِ خدا، اے گمرہاں را رہنما — اے مرشد و مولائے ما یا پیر حیدرؒ المدد
سر دفترِ کل اولیا، سرتاجِ جملہ اولیاء — منظورِ ذاتِ کبریا یا پیر حیدرؒ المدد
اے شاہِ عالی مرتبت مہرِ سپہرِ معرفت — بنگر بحالِ عاشقت یا پیر حیدرؒ المدد
متوکلِ راہِ خدا در صبر و تسلیم و رضا — ثانی نہیں تیرا شہا یا پیر حیدرؒ المدد
تو مہر ذرہ پروری محبوبِ ربِ اکبری — زیبد ترا ایں سروری یا پیر حیدرؒ المدد
ترا ملکِ فقر میں راج ہے ترے سر پہ فخر کا تاج ہے — تجھے بے نواؤں کی لاج ہے یا پیر حیدرؒ المدد
ترے آستاں پہ جو آ گیا کبھی نامراد نہ وہ پھرا — تری نظر ہے شہا کیمیا یا پیر حیدرؒ المدد
ترے فیض سے شہِ اتقیا ہوئے بہرہ یاب ہزارہا — جسے چاہا حق سے ملا دیا یا پیر حیدرؒ المدد

محبوبِ شمسِ سیال ہو فخرِ تونسوی کی مثال ہو | شاہانِ چشت کے لال ہو یا پیر حیدرؒ المدد
گلزارِ چشت کے پھول ہو سید ہو آلِ رسولؐ ہو | مری التجا یہ قبول ہو یا پیر حیدرؒ المدد
مجھے مشکلوں سے چھڑائیو مری بگڑی بات بنائیو | مرے عیب للہ چھپائیو یا پیر حیدرؒ المدد
جبتک یہ جسم میں جاں رہے ترا نام وردِ زباں رہے | دمِ نزع تیرا دھیاں رہے یا پیر حیدرؒ المدد

غازۂ گردوں غبارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے

(نتیجہ طبع مولوی عاشق حسین صاحب سیماب وارثی اکبرآبادی)

کیا امنگوں پر بہارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے | صبحِ جنت لالہ زارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
زائرں کو جا بجا دے آئی ہے مژدہ نسیم | یہ زمانِ خوشگوارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
ہے فرشتوں کو عقیدت سے ہوائے حاضری | حور محوِ انتظارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
کیوں نہ ہو مُردہ دلوں میں بھی وفورِ زندگی | ساعتِ اعجاز بارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
جمع ہیں اہلِ وفا قربان ہونے کے لیے | خلقتِ عالم نثارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
کیوں نہ اَللہ ھُو کا نعرہ ہر نفس سے ہو بلند | دِل مرا شب زندہ دارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
حاضر آتے ہیں گدا بن کر سلاطینِ جہاں | یہ تجمل یہ وقارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
ہے اک ذرہ کو اس درگاہ کے ناز عروج | غازۂ گردوں غبارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
اے شبِ مہتاب تیری وسعتوں کی آرزو | چادرِ گوہر نگارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
جن میں سرکارِ مدینہ خود بھی ہوتے ہیں شریک | ایسے چادر گوہر نگارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
ماہتاب اک شمع ہے اس بزمِ حال وقال کی | آفتاب آئینہ دارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے
جس کو رضواں اصطلاحِ عام میں کہتے ہیں لوگ | وہ بھی اک خدمتگذارِ عرسِ حیدرؒ شاہ ہے

ایک دن نرگس نے دیکھی تھی کبھی تصویرِ عرس
اب تک آنکھوں میں خمارِ عرسِ حیدرشاہ ہے

شیخ و سجادہ نشین کی عزت و عظمت نہ پوچھ
پایۂ صد افتخارِ عرسِ حیدرشاہ ہے

جو کوئی آتا ہے پھر بے فیض وہ جاتا نہیں
فیض یوں مصروفِ کارِ عرسِ حیدرشاہ ہے

گو نہیں اس عرس میں سیماب ہیں حاضر مگر
نظم میری یادگارِ عرسِ حیدرشاہ ہے

مرثیہ

وفات حضرت قبلہ عالم و عالمیان سیدی و مولائی زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضرت سید غلام حیدر شاہ صاحب مرحوم و مغفور جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ

(از قاضی حمیدالدین صاحب حمید سیالکوٹی)

اسیرِ پنجۂ غم شد دلِ طپیدہ ما
بگو زحالِ خود اے خاطرِ کشیدہ ما

دلم چو نافہ گرہ گیر قطرۂ خوں شد
بیاورید خبر زآہوئے رمیدہ ما

زدیدہ سیل سرشکم رواں چو جیحوں است
بذوقِ روئے کسے شد چہ حالِ دیدہ ما

زبادِ جورِ جہاں چاک شد گریبانم
بیا و نیز ببیں دامنِ دریدہ ما

اساسِ عالمِ ہستی زکہنگی الم است
شنو حدیثِ غم از دردِ ناشنیدہ ما

بسوخت دامنِ دل زآب گرم دیدۂ من
دریغ و درد بایں سوزِ نو رسیدہ ما

بٹھا دیا ہے کسی نے ہمیں رواں ہو کر
دکھا گیا ہے قیامت کوئی نہاں ہو کر

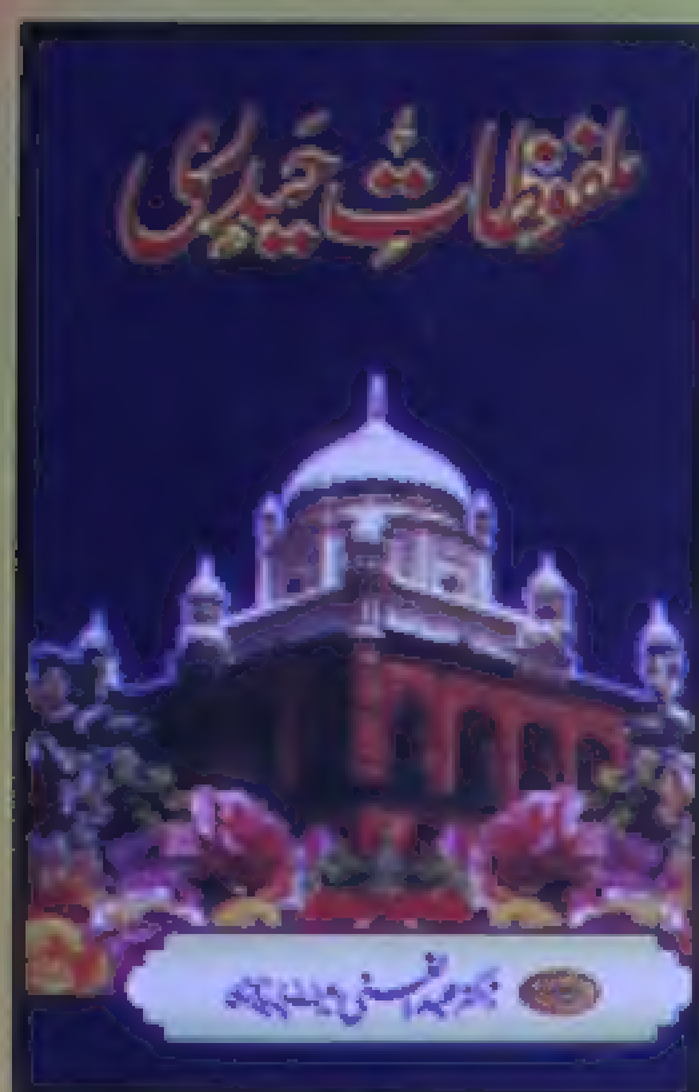
وہ کون شیخِ مسلّم جنابِ حبیبؒ شاہ — کہ جن کی شانِ فضیلت پہ ہے جلال گواہ
متاعِ نقدِ کمالاتِ کشورِ معنٰے — کہ جن کا مسکنِ عالی تھا اہلِ دل کی پناہ
فروغِ نورِ معارف تھا جن کے سینہ میں — ہزاروں لوگ تھے جن کی ضیا سے چشم براہ
امینِ دولتِ بیدار تھے جو ملّت میں — چراغِ مجلسِ عرفاں تھے شاہِ عالی جاہ
نویدِ نغمۂ جاں بخش تھی صدائے سخن — کلیدِ گنجِ حقائق تھی جن کی ایک نگاہ
جو جانتے تھے کمالِ کلامِ مصطفوی — جنہیں خیال میں رہتا تھا رازِ قولِ الٰہ
تھے جن کے سامنے یکساں سبھی امیر و غریب — جنہیں تھی دینِ مقدس کیلئے احترام سی چاہ

ہزار حیف برفتند زیں جہاں بعدم
فتاد شورشِ جانکاہ در عراق و عجم

آستانہ عالیہ جلالپور شریف کی یادگار مطبوعات

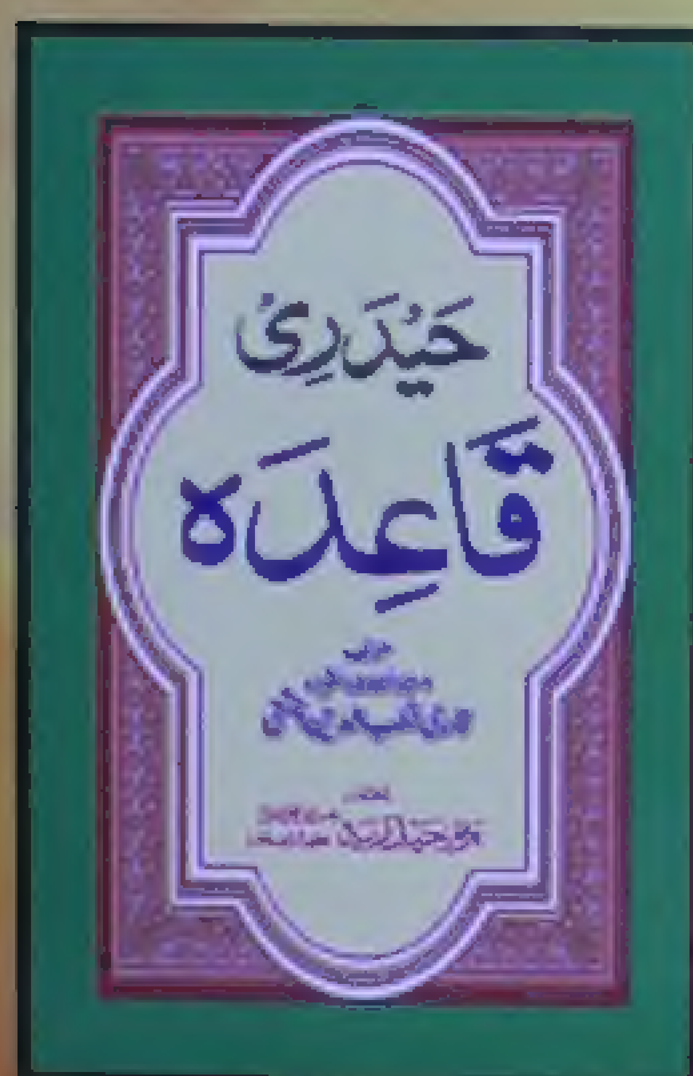












ملنے کا پتہ

جامعہ حیدریہ فضل العلوم

آستانہ عالیہ جلالپور شریف (جہلم)